

فوائد الفوائد

یعنی

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

کے

روح پرور ملفوظات

جمع کردہ

حضرت خواجہ امیر حسن علاء بخاری دہلوی



خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی

(سجادہ نشین حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی خواجہ زاد)
حضرت محبوب الہی و میرۃ حضرت گنج شکر رب العالمین (جمعین)

فوائد الفوائد

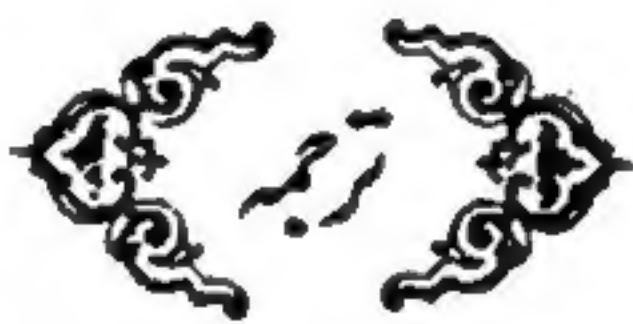
— یعنی —

سُلطانِ مشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

کے
روح پرور ملفوظات

— جمع کردہ —

حضرت خواجہ امیر حسن علا بھری دہلوی



خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی

(سجادہ نشین حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی خواہر زادہ
حضرت محبوب الہی وغیرہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

فہرست مضامین فوائد القواد

پیش لفظ
حرف آغاز
مقدمہ

سید شریف الحسن نقوی
خواجہ حسن ثانی نظامی (مترجم)
پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی

پہلی جلد

(۳۴) مجلسیں۔ ۳ شعبان ۱۴۰۷ھ سے ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ تک

پہلی مجلس۔ خواجہ حسن سبزیؒ کی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی

خدمت میں حاضری تجذید بیعت اور وظیفوں کی تلقین۔

تائب اور متقی کا ذکر۔ مردانِ خدا کا خود کو پوشیدہ رکھنا

مناجات خواجہ ابوالحسن نوریؒ حکایت خواجہ حمید الدین ہمالیؒ

مشائخ کبار اور ابدال حکایت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

پیر کا ادب حکایت خواجہ جنید بغدادیؒ تزکیہ مرد کا کمال

۱۵۳

جدوجہاد۔

دوسری مجلس۔ یلع نامی غلام کی آزادی اور بیعت خواجگی اور غلامی غزنین کے پیر اور

۱۵۷

زیرک غلام کا ذکر۔ نیت دو گانہ ارادت

تیسری مجلس۔ جوالقی کی آمد۔ عام میں خاص بھی ہوتے ہیں حکایت حضرت

۱۵۹

بہار الدین زکریاؒ جوالقیوں اور ایک بزرگ کا ذکر

۱۶۰

چوتھی مجلس۔ نماز اوابین روزہ ایام بیض نماز چاشت صلوٰۃ السعادت

پانچویں مجلس۔ تراویح میں ختم قرآن کا ثواب حکایت حضرت شیخ بہار الدین زکریاؒ ایک

رکعت میں اور آغاز صبح سے طلوع تک ختم قرآن کا ذکر حکایت قاضی میرالدین

ناگوریؒ دن میں سات سو بار ختم قرآن کا ذکر طاعت مشائخ

۱۶۰

فیضی ایزدی کے ساتھ خود بھی جدوجہد کرنی چاہیے۔

- چھٹی مجلس ترک و تجرید اور حکایت خواجہ محمود پٹوہ "قناعت اور لایع
حکایت شیخ علی سلوک کی اصل اور خواجہ اجل کا ذکر نماز و روزہ
اور بیح و اوراد دیگر کے مسائل ہیں۔ ترک دنیا کی تحقیق
۱۴۲ ساتویں مجلس آداب تصوف اور مشائخ کی اصطلاحات اور اشارات شیخ
جمال الدین بسطامی "اور کوزہ لقمان
۱۴۵ آٹھویں مجلس نماز و حضور امام و مقتدیان حکایت خواجہ حسن افغان
استغراق ذوق نماز حکایت خواجہ کریم۔ دنیا اور اس کی لذتوں کا ترک
۱۴۶ نویں مجلس جو غیب سے ملے اچھا ہوتا ہے صحبت کا اثر ترک دنیا
۱۴۸ دسویں مجلس کھانا پیش کرنا اور روزے کو نہ پوچھنا
۱۴۹ گیارہویں مجلس نیک قدم آدمیوں کی برکت جامع مسجد کے کنگوروں پر آنے
جانے والے بزرگ کی حکایت۔ اپنے احوال کو چھپانے کی حکمت۔
۱۴۹ حضرت خواجہ ابوسعید البوالخیر کا ذکر مرتبہ اصحاب صحو
بارہویں مجلس قبول نفس۔ ترک اختیار شیخ ابوسعید البوالخیر کی حکایت گھر
اور وطن کی محبت کا ترک
۱۵۱ تیرہویں مجلس طاعت اور طاعت لازمی اور طاعت متعدی۔
۱۵۲ چودھویں مجلس ولایت اور ولایت۔ شیخ ابوسعید البوالخیر کے
انتقال اور ان کی ولایت شمس العارفین کو دینے کا
ذکر میر جھجو کی بیعت اور دوسرے مریدوں کا ذکر حضرت
شیخ نجیب الدین متوکل کی حکایت اصحاب نعمت
۱۵۲ کی بحث شبیں

پندرہویں مجلس

مردان غیب۔ حکایت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی حکایت

شیخ علیؒ مردان غیب کا آواز دینا اور ملاقات کرنا۔ ۱۷۵

سولہویں مجلس

سلوک کا ذکر سالک اور واقف اور راجح۔ راہ سلوک

لغزشیں۔ اعراض حجاب تفاحل سلب مزید سلب قدیم

تسلی عداوت ۱۷۶

سترہویں مجلس

کھانا کھلانے کی فضیلت۔ خواجہ علیؒ اور چنگیز خاں کی حکایت

خطرہ و عزیمت و فصل۔ حکایت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ استقامت توبہ۔

حیدر زادہؒ کا ذکر۔ درویش کی زندگی ذکر۔ ذکر میرک گرامیؒ ۱۷۸

اٹھارہویں مجلس

روزے کا ذکر۔ صائم الدہر۔ بیان امامیث۔ داؤدی روزہ

صلوۃ الخضر۔ سنت نمازوں میں سورتوں کا تعین۔ ۱۸۲

انیسویں مجلس

صبر جمیل۔ حکیم بقراط کی حکایت مجنوں کا ذکر عورتوں کی

صلاحیت کا ثمرہ تذکرہ حضرت بی بی فاطمہؒ پارساؤں کی فضیلت ۱۸۳

بیسویں مجلس

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کا شعر احوال بیان کرنے میں مشائخ کا طریقہ

فضیلت لیلۃ الرغائب نماز خواجہ اویس قرنیؒ کی حکایت مولانا

زمین الدین درازیؒ عمر کی نماز شیخ بد الدین غزنویؒ کے انتقال کا ذکر ۱۸۵

اکیسویں مجلس

کعبہ اور اس کی عمارت کی خرابی کا ذکر۔ حدیث رسولؐ

۱۸۶

بائیسویں مجلس

مشائخ کی کتابیں پڑھنے اور عبادت و طاعت کی تلقین

۱۸۷

تیسویں مجلس

تلاوت قرآن اور مسجد میں شب بیداری و نماز پڑھنے

۱۸۸

چوبیسویں مجلس

والے گروہ کا ذکر و مشق کی جامع مسجد میں شیخ الاسلامیؒ حال

کرنے کے لیے عبادت کرنے والے شخص کا ذکر پچیس سال روزے

رکھنے والے تیسے کا ذکر۔ ابھی نیت۔ ۱۸۸

- ۲۵ پچیسویں مجلس۔ درویشوں کا اشتیاق رکھنے والے شخص کا ذکر کیا اور پکا
اعتقاد پیر کے فرمان کی نگہداشت۔ خدمت پیر کے آداب
حکایت شیخ الاسلام فرید الدین پیر کی خدمت میں حضرت (محبوب
الہی) کی ایک جرات پیر مرید کا مشاطہ ہوتا ہے۔
- ۱۸۹ ۲۶ پچیسویں مجلس۔ طاعت کی کوشش۔ شیخ نجیب الدین متوکل کی حکایت بسلسلہ
کتاب شیخ نجیب الدین متوکل کے مناقب۔ بخشش کا ذکر۔
حدیث شریف۔
- ۱۹۳ ۲۷ ستائیسویں مجلس۔ ایک دروازہ پکڑو اور مضبوط پکڑو۔ ایک دیوانے کی
حکایت۔ کم کھانا۔ دعائے ماثورہ۔
- ۱۹۵ ۲۸ اٹھائیسویں مجلس۔ حضرت کے ملفوظات جمع کرنے کا ذکر حضرت خواجہ
کے شیخ الاسلام فرید الدین سے بیعت ہونے اور رہشت کا
قصہ شیخ الاسلام کے ملفوظات لکھنے کا ذکر میرے لکھے ہوئے فوائد
کا مطالعہ فضل و رحمت باری تعالیٰ۔ پیر کی بخشش اور مرید
کی قابلیت کا ذکر۔
- ۱۹۶ ۲۹ انیسویں مجلس۔ حکایت شیخ حسین حرب آبادی۔ اشعار حکیم سنائی کشف و
کرامت حجاب راہ میں۔
- ۲۰۰ ۳۰ تیسویں مجلس۔ شیخ جلال الدین تبریزی اور قاضی حمید الدین ناگوری کا ذکر کہ وہ مرید
کم کرتے تھے کم مرید کرنا بزرگی کی کمی کی علامت نہیں ہے۔
- ۲۰۲ ۳۱ اکتیسویں مجلس۔ سماع اور وجہ شیخ شہاب الدین سہروردی اور ان کے استغراق کا
ذکر لاہور کے مزارات کا ذکر شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی مجہوری
کا ذکر نظم کا تذکرہ۔ نماز اشراق کی تلقین۔
- ۲۰۳

تینیسویں مجلس۔ پیر کی خدمت میں ماضی اور آداب مجلس کا ذکر۔ حکایت
رسول علیہ السلام۔

۲۰۶

تینیسویں مجلس۔ تلاوت قرآن اور تریل تلاوت اور سماع کی سعادت صدقہ صدقہ
اور صدقہ۔ حکایت امیر المؤمنین ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر تصدق کے
معنی کھانا کھلانے کی فضیلت۔ فقرائے لین دین اور خرید و
فروخت کا ذکر۔

۲۰۶

چونتیسویں مجلس۔ حضرت ابراہیم اہم کے مناقب اور مراتب اولیاء کی کرامت۔
لقمے کی نگہداشت اور اس کا اثر۔ مجاہدے کا پھل۔ دنیا کا جمع
خرقہ بیان حدیث۔ بعض مشائخ نقدی قبول نہیں کرتے۔ آدمی
کسی سے کچھ نہ چاہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۲۱۰

فوائد الفوائد کی دوسری جلد

(۳۸ مجلسیں۔ ۲۹ شوال ۱۰۹۷ھ تا ۱۳ شوال ۱۱۰۷ھ)

دیباچہ

۲۱۵

پہلی مجلس۔ خلق سے میل جول جھوڑنا
دوسری مجلس۔ پیر کی زیارت کو جانے والے مرید حکایت شیخ بہار الدین
زکریا۔ شیخ زکریا کی بزرگی

۱۱۶

تیسری مجلس۔ طاعت و مشغولی حق میں پابندی مشغول ہونے والے ایک بزرگ کی

۲۱۷

حکایت کہیں بھی رہو کھرے رہو ایک جگہ کا دوسری جگہ پر شرف
چوتھی مجلس۔ ایک عزیز کے احوال۔ مولانا شہاب الدین خطیب انسوی کی
حکایت۔ سماع اور اہل سماع۔ ایمان باس

۲۱۹

پانچویں مجلس۔ کتب مشائخ کشف المحجوب محبوب مجویری۔

انتقال کے وقت ایمان کی عنایت۔

سلامتی ایمان کی نماز صلوٰۃ البروج اور

صلوٰۃ النور۔ بیان حدیث اولیاء کی موت۔

حضرت احمد کا ذکر۔ جو القیوں کا تذکرہ۔

جنگِ اُحد۔

۲۲۱

چھٹی مجلس۔ دولت جمع کرنے والوں کا ذکر راحت

۲۲۶

روپے کے خرچ میں ہے۔

ساتویں مجلس۔ قدم اصحاب ولایت۔ آسمان کی ارادی طبعی

۲۲۸

اور قسری حرکت

آٹھویں مجلس۔ شیخ الاسلام فرید الدین کی بیماری اور انتقال

۲۳۰

کا ذکر

نویں مجلس۔ دعا۔ شیخ فرید الدین عطار کا ذکر صبر و رضا

کا ذکر۔ قاضی حمید الدین ناگوری کی حکایت۔

توکل۔ حکایت شیخ جمال الدین خطیب

۲۳۳

ہانسوی۔ کھانا لائے کا ذکر

دسویں مجلس۔ بزرگ مرد کی حکایات۔ دنیا کی بے

۲۳۶

مرد سامانی کا غم نہیں کرنا چاہیے

۲۳۸

گیارہویں مجلس۔ امیر عالم ولوالہ

۲۳۸ بارگاہیں مجلس۔ امیر عالم والواجبیؒ کی بزرگی
تیرٹھویں مجلس۔ ماہِ رجب کی فضیلت۔ نفل نماز۔

۲۳۹ امام اعظم ابوحنیفہؒ

۲۳۹ چودھویں مجلس۔ استقرارِ توبہ

۲۴۰ پندرھویں مجلس۔ روزگار کی تنگی دور کرنے کی دعا

۲۴۱ سو لہویں مجلس۔ تجدید بیعت۔ بیعت رضوان حسن اعتقاد

۲۴۲ سترٹھویں مجلس۔ زیارتِ قبور

اٹھارویں مجلس۔ صاحب تفسیر ناصری کی حکایت۔ یادِ حق

میں مستغرق رہنے والوں کا ذکر حضرت شیخ

قطب الدین بختیارؒ کی حکایت دعا کا ذکر۔

مریدوں کے عقیدے کے بارے میں حکایت۔

۲۴۲ مریدوں کا حسن اعتقاد

۲۴۹ انیسویں مجلس۔ نظم و نشر۔ سماع کا ذکر

۲۵۰ بیسویں مجلس۔ صدق ارادت

اکیسویں مجلس۔ درویشی جامع خیرات ہے پردہ پوشی

درویشی کی ایک صفت ہے۔ مریدوں کے

احوال پر پیر کی نظر تلاوت قرآن اور اس

کے حفظ کی برکات۔ حدیث شریف۔

درویش صفت علماء کا ذکر۔ مولانا احمد

+

کی حکایت مولانا کی نقل کی بزرگی کے بارے
میں حکایتیں۔

۲۵۱

۲۵۶

۲۳ بائیسویں مجلس۔ خواجہ شمس الملک کا تذکرہ

۲۳ تیسویں مجلس۔ نظر اور جادو برحق ہیں معجزہ اور کرامت۔

اطوار کا ذکر۔ معتزلہ کے قول کا ذکر۔ گناہ گار

تین باتوں میں اطاعت گزار ہوتا ہے۔

۱۔ شرعیہ مذہب۔ حضرت ابو حنیفہؒ کی

حکایت۔ دوسروں کو اپنے سے اچھا سمجھو۔

حضرت خواجہ حسن بھریؒ کی حکایت۔

تلاوت قرآن۔ مراتب قرآن

۲۵۷

۲۴ چوبیسویں مجلس۔ ترک دنیا۔ شیطان اور اس کے

۲۶۲

وسوسے اور اولاد آدم پر اس کا غلبہ

۲۵ پچیسویں مجلس۔ قرآن شریف کی قال۔ شیخ بدرالدین

غزنویؒ کی حکایت۔ شیخ الاسلام فرید الدین

۲۶۳

قدس اللہ سرہ کا ذکر

۲۶ چھٹیسویں مجلس۔ فاتحہ۔ امام محمد غزالیؒ کا ذکر۔ حضرت شیخ

شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب غوارف۔

بزرگ اور صاحب نعمت کی بات میں کچھ

۲۶۶

اور ہی لذت

۲۶۹ ستائیسویں مجلس۔ ایک خواب کا ذکر محمد میثا پوری کی حکایت۔

۲۷۰ اٹھائیسویں مجلس۔ کھانا کھلانا

انستیسویں مجلس۔ کھانے کا ذکر حضرت شیخ ابوسعید

ابوالخیرؒ کی حکایت۔ شب معراج کا ذکر۔

۲۷۱ بیعت کا طریقہ نہ جاننے والوں کی حکایت

تیسویں مجلس۔ خواب کا ذکر نکلاش کی حکایت حضرت

شیخ نجیب الدینؒ کے احوال اور حضرت

شیخ کبیر فرید الدینؒ کے مناقب حضرت شیخ

بدر الدین غزنویؒ کی حکایت حضرت شیخ

قطب الدین بختیارؒ کی بزرگی کی حکایت۔

۲۷۲ اولیاء کی رحلت کا ذکر۔

۳۱۰ اکتیسویں مجلس۔ عالم طریقت اور ان لوگوں کا ذکر جو یاد حق

میں مستغرق رہتے ہیں۔ اس گروہ کا تذکرہ

جو بحث و تکرار میں لگا رہتا ہے شریف الدین

تامی متعلم کی حکایت۔ پیران راہ میں سے

ایک پیر کی حکایت۔ خواب اور اس کی

تعبیر کا ذکر حضرت ابن سیرینؒ اور ان کی

۲۷۵ تعبیروں کی حکایت و نبل اور نارو کی بیماری

۳۲۰ بتیسویں مجلس۔ ترک دنیا کی حکایت۔ تذکرہ حضرت خضر

- ۲۷۸ علیہ السلام۔ دنیا اللہ تعالیٰ کی مغفوض ہے۔
 ۲۷۹ تینیسویں مجلس۔ مشائخ کی نوشتہ کتابوں کا ذکر۔ عین القضاء
 ۲۸۰ حمدانی کا ذکر حضرت شیخ کبیرؒ کی خدمت میں
 آنے والے ایک جوگی کا تذکرہ ترک دنیا۔
 ۲۸۱ چونتیسویں مجلس۔ حضرت خواجہ عثمان حرب آبادیؒ کی بزرگی کا ذکر۔
 خلق سے میل جول چھوڑنا۔ گھمنڈ اور دکھاوے کا
 روزہ رکھنے والے۔
 ۲۸۲ پینتیسویں مجلس۔ درویشوں کا جھگڑا اور اس حال میں ان کی
 اچھی گفتگو۔ تحمل اور بردباری
 ۲۸۳ چھتیسویں مجلس۔ دینی دوستوں کی محبت۔ اخوت کی دو
 قسمیں۔
 ۲۸۴ سینیسویں مجلس۔ نفل نماز۔ وہ نمازیں جو محافظت نفس کے
 لئے ادا کی جاتی ہیں
 ۲۸۵ اڑبیسویں مجلس۔ حدیث شریف کا بیان۔ مومن ہرگز نجس
 نہیں ہوتا۔ حضرت خواجہ نوحؒ کا ذکر مسئلہ
 اس کے عالم سے پوچھنا اچھا ہوتا ہے ضیاء الدین
 نامی عالم کی حکایت
 ۲۸۶

تیسری جلد

(۱۷ مجلسیں۔ از ۲۷ ذی القعدہ ۱۲۷۲ھ تا ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ)

دیباچہ

۲۹۲

پہلی مجلس۔ امت کے طبقات کا ذکر۔ مشغولی حق۔

۲۹۲

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کی حکایت
دوسری مجلس۔ خواجہ کی محفل کے اندر دھوپ میں بیٹھنے

والوں کا ذکر حضرت شیخ شاہی موئے تابؒ
کا ذکر۔ ان کی بزرگی کے بارے میں دوسری
حکایت۔ انبیاء اور اولیاء کی عصمت کا

۲۹۳

ذکر
تیسری مجلس۔ قرآن یاد کرنے کی نیت سے فاتحہ حضرت

شیخ بدرالدین غزنویؒ کی حکایت۔ قدرت

۲۹۴

باری تعالیٰ اصحاب کہف کی حکایت۔

۲۹۸

چوتھی مجلس۔ نوافل اور اوراد۔ حدیث شریف کا بیان
پانچویں مجلس۔ بدگو کو معاف کرنا اور دشمنی نہ رکھنا۔ چھبوں کی

حکایت۔ سماع میں مزامیر کی ممانعت۔ تقاضی

اجودھن کی حکایت۔ سماع میں سننے جانے والے

اشمار کی تحمیل و تاویل۔ معجزات رسولؐ کا ذکر۔

اسمِ اعظم کھانا نمک سے شروع کرنا خواجہ

شمس الملک کی حکایت۔

۳۰۰

چھٹی مجلس۔ رسم مشائخ۔ ذکر حج۔ خدمت اور مراعات
رضا کا ذکر حسن معاملہ۔

۳۰۵

ساتویں مجلس۔ باغ و زمین قبول نہ کرنے کا تذکرہ۔ سلطان
غیاث الدین کی حکایت۔ حدیث شریف کا بیان۔

۳۰۶

آٹھویں مجلس۔ نظم اور تمیلات غزل کا ذکر۔ حضرت شیخ الاسلام
فرید الدین اور حضرت شیخ بہار الدین کا ذکر توکل۔
حضرت ابراہیم خواص کی حکایت۔ کفن چور اور
حضرت خواجہ بایزید بسطامی کی حکایت۔ رزق
کی چار قسمیں۔ رزق مضمون بمقسوم۔ مملوک

۳۱۰

و موعود

نویں مجلس۔ باجماعت نماز کی فضیلت۔ سحری اور جواد کا
فرق حدیث شریف کا بیان۔ زکوٰۃ کی تین
قسمیں۔ حضرت مولانا رضی الدین صنعانی
کی بزرگی کا ذکر۔ شریذ کی دو مہرے کھانوں پر
فضیلت۔

۳۱۳

دسویں مجلس۔ جماعت کی نماز حضرت عبداللہ ابن عباس
کا تذکرہ تین عباد اللہ حضرت عبداللہ بنے
مسعود کی حکایت حضرت شیخ قطب الدین

اور رئیس نامی صاحب کی حکایت حضرت
شیخ قطب الدین کی بزرگی۔

۳۱۸

گیارہویں مجلس۔ تفسیر کشاف کا ذکر الحمد کی تفسیر صاحب
تفسیر اور ان کے عقیدے کا ذکر۔ مولانا
صدر الدین قونیوی کا ذکر۔ کشاف اور ایجاز اور

۳۲۱

عمدہ اور مفصل کا مطالعہ

بارہویں مجلس۔ ہود علیہ السلام کی قبر۔ مولانا برہان الدین کا بی
کا ذکر

۳۲۳

تیرہویں مجلس۔ عدل و ظلم۔ مذہب اشعر یہ۔ دنیا سے بے توبہ
رخصت ہونے والے مومن کا ذکر

۳۲۴

چودھویں مجلس۔ بشیر نامی غلام کی بیعت حضرت شیخ علی سبزی
کی خانقاہ میں وارد ہونے والے بہاری درویش

۳۲۶

کی حکایت

پندرہویں مجلس۔ خراج کا ذکر حضرت شیخ نجیب الدین متوکل

۳۲۸

کا قول

سولہویں مجلس۔ کھانا کھاتے وقت مردان حق کی نیت

۳۲۸

سترہویں مجلس۔ درویش وہ ہے جو زمان و مکان کی قید سے
نکل جائے۔ مولانا عماد الدین سنائی کی حکایت۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کا ذکر۔ سماع کا
ذکر۔ ہاجم اور غیر ہاجم سماع کی دو قسمیں

۳۲۹

چوتھی جلد

(۶۷) مجلس۔ از ۲۴ محرم ۱۲۷۵ء تا ۲۳ رجب ۱۲۷۹ء (۷)

دیباچہ

پہلی مجلس۔ فوائد الفوائد کی پہلی جلد کی پیش کش حضرت

ابو ہریرہؓ اور احادیث کی روایت صحابہ

رسولؐ کا ذکر۔ امیر المومنین حضرت علیؓ

۳۳۱

کے مناقب۔ موافقت صحابہ کی حکایت

دوئمیری مجلس۔ ایک درویش کی حکایت۔ لاہور کی خرابی

۳۳۲

کی حکایت۔

تیسری مجلس۔ کرامت کا دعویٰ کرنے والے گروہ کا ذکر۔

خدمت کرنے کا ذکر۔ میزبان کو چاہیے کہ مہمان

کے ہاتھ خود دھلائے۔ حضرت امام شافعیؒ

کی حکایت۔ دعوت اور مہانوں کی خاطر داری

کھانا کھلانے کا ذکر۔ حوض سلطان کے بیٹھے

۳۳۵

پانی اور اس کی برکتوں کا ذکر۔

چوتھی مجلس۔ آخری چہار شنبہ۔ بعض لوگوں کے تغیر مزاج کا

ذکر۔ بادشاہوں کے مزاج کا تغیر۔ حدیث ثریف

کا بیان۔ قباچہ اور حضرت شیخ بہار الدین زکریاؒ

کی حکایت۔ پیر کے محب اور معتقد کا ذکر۔

اولیا پر انبیاء کی فضیلت بنی اسرائیل
کے ایک زاہد کی حکایت۔

۳۳۸

پانچویں مجلس۔ عرس کے معنی۔ شائع کی بزرگی اور صدق

اور حفاظتِ راز اور طلبِ حق کا ذکر حضرت
شیخ فرید الدینؒ اور ان کی والدہ کی بزرگی مردان
غیب کی حکایت حضرت شیخ قطب الدینؒ
بختیارؒ کی حکایت حضرت خضرؒ سے ملاقات

۳۴۲

کے اشتباہ کے سلسلے میں

۳۴۶

چھٹی مجلس۔ تحمل اور دشمنی سے بچنے کا ذکر

۳۴۷

ساتویں مجلس۔ نذر قبول کرنا

آٹھویں مجلس۔ کاموں میں استقلال اور پابندی کا ذکر بنی اسرائیل

کے ایک زاہد کی حکایت تحمل۔ حضرت شیخ

نجیب الدین متوکلؒ کی بزرگی سبغات عشرہ ۲۱۷۔ ۳۴۷

نویں مجلس۔ تراویح اور ختم قرآن مجید حضرت شیخ جنید

بغدادیؒ کی خانقاہ میں آنے والے ایک

درویش کی حکایت۔ حضرت امام اعظم

۳۴۹

ابو حنیفہؒ کو فی

دسویں مجلس۔ نوروز اور عید سے متعلق ایک شعر شمس و سیر

کی حکایت جنھوں نے حضرت شیخ الاسلام

فرید الدینؒ کی خدمت میں نظم پیش کی تھی۔

۳۵۰

شمس دبیرؒ کے حسن طبع اور خلق کا ذکر

گیارہویں مجلس۔ کسی کی بُرائی کسی کے سامنے کی جائے تو سننے

والا اس کو سمجھنے کی عقل و تمیز رکھتا ہے۔ اولیاء

کے کشف و کرامت کا ذکر حضرت شیخ

سعد الدین حمویہؒ کی حکایت۔ حضرت شیخ

سعد الدین کے انتقال اور حضرت شیخ

۳۵۳

سیف الدین باخرزیؒ کی بزرگی کا حال

بارہویں مجلس۔ دنیا کی صفت اور کیا چیز دینا ہے اور کیا چیز

دنیا نہیں ہے۔

۳۵۶

تیرہویں مجلس۔ اوراد اور ادعیہ کا ذکر

۳۵۶

چودھویں مجلس۔ عشق و عقل۔ علی کھوکھریؒ کا ذکر بھی معاذ رازیؒ

کا قول حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے

۳۵۹

مناقب میں حکایات۔ احوال متعبدان

پندرہویں مجلس۔ لباس کچھ بھی ہو۔ راہ حق میں آنا چاہیے۔

ایک درویش اور بادشاہ کی لڑکی کی حکایت۔

شیخ عبد اللہ مبارکؒ کی حکایت۔ کھانا لایا گیا۔

حضرت شیخ ابوالقاسم نصر آبادیؒ کی حکایت۔ کلمہ

پڑھنے والے بندوں کا ذکر حضرت ابوطالبؓ کی

حکایت

۳۶۱

سولہویں مجلس۔ ان لوگوں کا ذکر جو خراج اور جزیہ لینے

میں مخلوق پر ظلم کرتے ہیں۔ کھانے

کھلانے اور مہمانوں کی خاطر داری کا ذکر

رسول علیہ السلام کی حدیث حضرت شیخ

بہار الدین زکریا اور عبد اللہ رومی کی حکایت

۳۶۲

سترہویں مجلس۔ غصے اور شہوت کا ذکر۔ ملامت اور

نصیحت تنہائی میں کرنی چاہیے سب

کے سامنے نہیں۔ ابو یوسف قاضی کی

۳۶۸

حکایت۔

اٹھارویں مجلس۔ توبہ اور اس کی تین قسمیں۔ حال ماضی

اور مستقبل۔ حضرت شیخ السلام فرید الدین

کا تذکرہ۔ توبہ کے بارے میں دوسرے

۳۷۰

نکات۔ خرچ کرنے کا ذکر

انیسویں مجلس۔ مخلوق کے معاملات۔ نیک کون ہے

بد کون۔ حضرت خواجہ کے غیاث پور میں

۳۷۳

سکونت اختیار کرنے کی حکایت

بیسویں مجلس۔ سورہ اخلاص کی فضیلت ختم قرآن

حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام غائبانہ نماز

جنازہ۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی

حکایت: تمیز رہنے والی جماعت کی حکایت
انتقال کے وقت شیخ الاسلام حضرت قطب الدین
بختیار کے تحریر کی حکایت۔

۳۷۶

۲۱ ایسویں مجلس۔ مشائخ سے خلقت کی رغبت کا ذکر حضرت
شیخ فرید الدین کی حکایت۔ حسن خلق اور

۳۷۹

تواضع۔ عروناص کی حکایت۔

۲۲ ایسویں مجلس۔ پیر کی طرف سے معافی مرید کو پیر کے حکم
کی تعمیل کرنی چاہیے۔ معافی اور کئے ہوئے
جرم کو ناکر وہ سمجھنے کے سلسلے میں حکایت۔
پیر کے حکم اور مرید کی طرف سے اس کی تعمیل
کی حکایت حضرت شیخ الاسلام فرید الدین
کا ذکر اور حضرت خواجہ کے دہلی آنے کا قصہ
حضرت شیخ الاسلام فرید الدین کا ذکر اور حضرت خواجہ کے
دہلی آنے کا قصہ۔ حضرت شیخ الاسلام فرید الدین کے ذوق سماع
کی حکایت حضرت شیخ قطب الدین بختیار اور حضرت شیخ
جلال الدین تبریزی کی ملاقات کا ذکر۔

۳۸۱

۳۸۸

۲۳ تیسویں مجلس۔ نماز عید کا ذکر۔ استنارے کی نماز۔

۲۴ چوبیسویں مجلس۔ مخدوم کی خدمت میں ایک بچے کو دعا کے
لئے پیش کیا گیا۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

حدیث۔ ایک قوم ہے جسے زنجیروں سے جکڑ

۳۸۹

کر بہشت میں لیجائیں گے۔

۲۵ پچیسویں مجلس۔ قناعت اور دنیا طلب کرنے میں غلو نہ کرنا۔

۳۹۰

مولانا حافظ الدینؒ کا قول

۲۶ پچیسویں مجلس۔ جماعت خانے میں پھری کے ساتھ پکڑے

جانے والے کی حکایت۔ حضرت شیخ السلام

فرید الدین قدس سرہ کی حکایت۔ مولانا

۳۹۱

حام الدینؒ نبیہ شمس العارفین کی حکایت

۲۷ نیا بیسویں مجلس۔ قرآن اور اس کے حفظ کی برکت تقاری شادی

۳۹۲

کی حکایت۔

۲۸ اٹھائیسویں مجلس۔ کمزور اعتقاد اور ایسے لوگوں کا ذکر جو کعبے کی

زیارت کو جاتے ہیں اور واپس آکر دنیا کے

دھندوں میں لگ جاتے ہیں حج کو وہ جائے

۳۹۳

جس کا پیر نہ ہو

۲۹۔۔۔ انیسویں مجلس۔ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکایت۔

محجوب الیوریؒ کا تذکرہ۔ آداب مریدان۔ علیؑ

۳۹۵

کی حکایت

۳۰ تیسویں مجلس۔ مخدومؒ کے خاص مریدوں کو عام مجموعوں میں مزام

نہیں ہونا چاہیے۔ مولانا برہان الدین نسفیؒ کی

حکایت۔ مخدوم کی خدمت میں مخلوق کا سرزمین

پر رکھنا۔ ایک بزرگ زادے کی حکایت ایک

لڑکے اور مولانا شہاب الدینؒ کی حکایت

۲۹۹

۳۱۔ اکیسویں مجلس۔ دنبل اور نارو کا دفعیہ۔ سرزندہ نے کا فائدہ ایک

۳۰۳

اعرابی (عرب بدو) کی حکایت

۳۲۔ بیستویں مجلس۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث شمس و میر

کی حکایت۔ نماز تراویح۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالجیر کا

۳۰۵

شیخ کبیر قدس سرہ کی خدمت میں قرآن پڑھنا۔

۳۳۔ بیستویں مجلس۔ تراویح۔ امام اعظم ابو حنیفہ کو فیؒ کی

۳۰۷

حکایت۔

۳۴۔ چوبیسویں مجلس۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث حضرت

یلانا علار الدین اصولیؒ کے مناقب۔ ایک عالم

اور بحث میں ان کے انصاف پیش نظر رکھنے کا ذکر معنوی

۳۰۸

ذوق۔ مولانا ملک یار کا ذکر

۳۵۔ بیستویں مجلس۔ صدقہ اور مروت اور وقایت کا ذکر۔ شکر میں۔

قرآن شریف کی حفاظت، سلطان محمود کی

حکایت۔ جہاں آدمی مرے وہیں دفن کر دینا

چاہیے۔ خوش اعتقاد بادشاہوں اور نیک امراء

کا ذکر حکماء کی حکایت۔ فاراب حکیم نام رکھنے

۳۱۱

کی حکایت۔ رسول علیہ السلام نے بہت نام بدل دیئے۔ لوگوں کے مزاج میں تغیر کا ذکر۔

حضرت خواجہ شاہی موئے تاب کی حکایت
۳۶۰ چھتیسویں مجلس۔

ان کے بھائی حضرت خواجہ ابوبکر موئے تاب کا ذکر حضرت شیخ احمد نیر جانی کا ذکر بدایوں کے درویشوں کا تذکرہ۔ حضرت خواجہ شاہی موئے

تاب کی ایک اور حکایت۔ بدایوں کے کو تو ال خواجہ عزیز کی حکایت۔ مشائخ کے اقوال۔

اظہار کرامت نہیں کرنا چاہیے۔ ایک درویش اور شیخ علی شوریہ کی حکایت۔

۳۱۹

۳۷۰ سینتیسویں مجلس۔ آیت اکلہا دائم کا بیان۔ ایک بچے کی تختی لکھی۔ ایک درویش اور پہنچے ہوئے دیوانے کی حکایت۔

۳۲۵

۳۸۰ اڑتیسویں مجلس۔ یازوں کے احوال کی رعایت۔ حضرت

ابراہیم خواص کی حکایت۔ حضرت خواجہ ذکری اللہ

بالخیر کی بیماری کا قصہ شہر نقاسات۔ حضرت

عمر خطاب کی شہادت۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کی شہادت۔ اشتیاق و فراق کا ذکر۔

۳۲۷

۳۹۰ انتالیسویں مجلس۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور

حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی حکایت

حضرت شیخ ابوسعید تبریزیؒ کا ذکر حضرت

شیخ شہاب الدینؒ کی وفات

۴۳۲

چالیسویں مجلس۔ شعر کا ذکر۔ مخدوم کی خدمت میں ایک

ہندو کی آمد حضرت عمر خطابؓ اور بادشاہ

۴۳۵

عراق کی حکایت۔ اسلام اور مسلمانوں میں صدق و دیانت۔

آٹھالیسویں مجلس۔ بیٹیوں کا ذکر۔ ابوالبنات مرزوقؒ فرزند

نماز کا ذکر حضرت شیخ فرید الدینؒ اور حضرت

۴۳۸

شیخ بہار الدین زکریاؒ کا ذکر

بیاہلیسویں مجلس۔ بچوں سے محبت کا ذکر۔ رسول علیہ السلام

۴۴۰

کی حکایت حضرت امیر المومنینؒ کی حکایت

تینتالیسویں مجلس۔ بغداد کی حکایت۔ اولیائے حق اور ان کا کمال

۴۴۱

محبت۔ محبت اور قرب حق تعالیٰ

چوالیسویں مجلس۔ فضیلت علم حضرت عاصمؒ کے اوصاف علم حضرت

شیخ الاسلام فرید الدینؒ قدس سرہ کا نعمت

۴۴۳

پاکرواپس ہانسی جانا

پینتالیسویں مجلس۔ مریدوں کے حسن عقیدہ اور پیر کے احکام

کا دھماکا رکھنے کا ذکر حضرت قاضی حمید الدین

ناگوریؒ کے نبیہ حضرت مولانا شرف الدینؒ کی

۴۴۶

حکایت۔

پچھیا یسویں مجلس۔ دنیا کی محبت اور عداوت کا ذکر۔ لوگوں کی
 تین قسمیں۔ حضرت رابعہ کا ذکر۔ شیخ صوفی
 بدھنی کی حکایت۔ لسان حال کے بغیر لسان
 قال موثر نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ شہاب الدین
 سہروردی کی حکایت۔ حضرت شیخ الاسلام خیر الدین
 قدس سرہ العزیز کے خرقے کی حکایت۔ دنیا کے
 جمع خرچ کا ذکر۔ حضرت مولانا نور ترک کا ذکر۔
 درویشوں کے مکارم اخلاق۔ حضرت شیخ ابوسعید
 ابوالخیر اور ابو علی سینا کی ملاقات کی حکایت۔
 قاضی منہاج الدین کی حکایت۔ حضرت شیخ
 نظام الدین ابوالموئید کے وعظ اور بزرگی کا
 ذکر۔

۴۴۷

۴۵۳

سینٹیا یسویں مجلس۔ نماز کا ذکر۔

اٹھتالیسویں مجلس۔ درویشوں کی دست بوسی کا ذکر۔ درویشوں
 کے منہ سے نکلی ہوئی بات کا تذکرہ۔ مردان حق

۴۵۶

کی حکایت۔ برہان کاشانی کا تذکرہ

انچاسویں مجلس۔ حضرت خواجہ اویس قرنی کی بتائی ہوئی
 نمازیں۔ حق تعالیٰ کے ناموں کا ورد۔ مشائخ
 کے احوال کا ذکر۔ حضرت خواجہ بایزید بسطامی۔

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال فقر اور
خرقے کا ذکر۔ شب معراج میں حضرت مصطفیٰ
علیہ السلام کو عطا کیا گیا خرقہ فقر۔ حضرت امیر المومنین
علیؑ کے مناقب اور ان کے انصاف اور سخاوت

۳۵۶ کا ذکر۔ حضرت خواجہ خیر نساج کی حکایت
پچاسویں مجلس۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث۔ بال
بچوں میں پھنسے ہوئے درویشوں کا ذکر۔ صبر
کی تین قسمیں۔

۳۶۲ اکیاونویں مجلس۔ حضرت مولانا نور ترکؒ کا تذکرہ۔ تعویذ
لکھنے اور دینے کی حکایت۔ بزرگوں کا ہاتھ سے
چھو دینا بھی معنی رکھتا ہے

۳۶۳ باونویں مجلس۔ جو بھی مسکین مخدوم کی خدمت میں آتا کچھ نہ
کچھ ضرور پاتا اسراف اور حد اسراف۔ حدیث
شریف کا ذکر۔ ہمت کا ذکر۔ صدقہ فطر کا
بیان۔ صلح کی خرید کردہ ایک بچہ لونڈی کی
حکایت۔ حضرت مولانا علاء الدین اصولیؒ کی
حکایت۔ طاعت کا بیان۔ سعادت کے قفل
کی بہت سی کنجیاں ہیں۔

۳۶۶ تیرہویں مجلس۔ احتیاط وضو۔ نماز اور اس میں حضوری کا

ذکر حضرت شیخ الاسلام فرید الدین قدس

مرۃ کی حکایت

۴۶۹

چونویں مجلس۔ نوکر پیشہ اور کاروبار میں مصروف لوگ۔

۴۷۱

خواجہ حمید کی حکایت۔

پچیسویں مجلس۔ استقرار توبہ اور استقامت بیعت۔

حضرت خواجہ کے شیخ الاسلام فرید الدین

قدس اللہ مرۃ سے مرید ہونے اور واپس

آنے کی حکایت۔ حضرت خواجہ حمید الدین

۴۷۲

سوالی کی حکایت۔

پچیسویں مجلس۔ ایام بیض کے روزے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ

۴۷۵

والسلام کی حدیث۔

۴۷۶

شاہونویں مجلس۔ ابوالیاس کے سلسلے میں گفتگو

اٹھاونویں مجلس۔ کھانے کا ذکر رسول علیہ السلام کی احادیث۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکایت۔ سعید

قریشی اور شرف پیادہ کی حکایت۔ سراج

۴۷۷

شریف کا ذکر۔

نسیسٹویں مجلس۔ بدایوں کے اطراف مدفون بزرگ حضرت

۴۷۹

قاصنی جمال ملتانی کا ذکر

ساتھویں مجلس۔ روزے کی نفسیات۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی احادیث۔ صبر کا بیان۔ صبر والصابر و اقلوا القاتل۔

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعدہ فرمانے

کا ذکر۔

۳۸۰

۶۱ اکسٹھویں مجلس۔ عصمت اور توبہ کا بیان۔ پیر بہری کا قول۔

توبہ اور تقویٰ۔ دو آدمیوں کے درمیان مباحثہ

کا ذکر۔ دنیا اور اس پر مغرور ہونے والوں کی

حکایت۔ مالدار لوگوں اور ان کی مال سے

محبت کا ذکر۔ عطا کرنے والا خدا (ہی) ہے۔

سلطان شمس الدین کی حکایت ترک دنیا۔

شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ کی حکایت۔

ترک دنیا کی مناسبت سے گفتگو۔

۳۸۲

۶۲ باسٹھویں مجلس۔ شاعری سے رغبت رکھنے والے بادشاہوں کی

حکایت سلطان شمس الدین اور ناصر شاعر۔

۳۸۶

۶۳ تریسٹھویں مجلس۔ روزہ اور سحری کا بیان۔ حضرت شیخ جلال الدین

بنریزیؒ۔ پاک چیزوں کا ذکر۔

۳۸۷

۶۴ چونسٹھویں مجلس۔ یاد حق میں مستغرق رہنے والوں کا ذکر خواجہ

عزیز کرکیؒ کی حکایت۔

۳۸۸

۶۵ پینسٹھویں مجلس۔ حج اور زیارت کعبہ کا ذکر۔ لاہور کے ایک

واعظ کی حکایت۔

۳۸۹

۶۶^۱ چھیا سٹھویں مجلس۔ پیری مریدی کے آداب۔ پیر کو مرید سے

کوئی لالچ نہیں رکھنا چاہیے حضرت مخدوم
کی خدمت میں مریدوں کا سر زمین پر
رکھنا حضرت شیخ ابوالخیرؒ کی حکایت۔ ان
درویشوں کا ذکر جن کے لیے حضرت شیخ
الاسلام فرید الدین قدس سرہ نے خلافت
کا حکم فرمایا۔ عارفؒ کی حکایت۔

۴۹۰

۶۷^۱ سٹھویں مجلس۔ گھنڈیوں کا اور ان لوگوں کا ذکر جو اپنے

آپؐ کو کچھ سمجھتے ہیں۔ فرزدق اور حضرت
خواجہ حسن بصریؒ کی حکایت رقبہ جتنی
خستہ اور پرانی ہو۔ رحمت کی امید بھی
اتنی ہی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی حکایت
جو بزرگوں اور پیروں کے پائنتی دفن کی
جگہ چاہتے ہیں۔ مولانا سراج الدین
ترمذی کی حکایت۔

۴۹۲

پانچویں جلد فوائد القواد

۳۲^۱ مجلسیں۔ از ۲ شعبان ۱۹۷۷ء تا ۲۰ شعبان ۱۹۷۸ء

۴۹۵

دیباچہ

پہلی مجلس۔ علم اور علما سے محبت۔ توبہ جو انی میں اچھی

معلوم ہوتی ہے آوارہ گانے والی اور ایک

توبہ کرنے والے کا ذکر حضرت رسالت

علیہ الصلوٰۃ اوالسلام کے کمال فصاحت کا

بیان۔

۴۹۶

دوسری مجلس۔ خبروں کے بارے میں دریافت فرمایا۔

حضرت شیخ بہار الدین زکریاؒ اور ان کی بزرگی

کی حکایت۔ حضرت شیخ بہار الدین زکریاؒ کے

انتقال کا ذکر حضرت شیخ سیف الدین باختری

اور ان کے انتقال کا حال۔

۴۹۹

تیسری مجلس۔ مخدوم زادہ نظام الدینؒ کی حکایت حضرت

شیخ بہار الدین زکریاؒ کی حکایت ان کی اعلیٰ

بخشیں ترک دنیا کا ذکر حضرت علیؑ

علیہ السلام کی حکایت۔

۵۰۲

چوتھی مجلس۔ قرآن مجید کی قرات۔ ورد و وظیفے کا ناغہ

سوت کے برابر ہے۔ ورد کی پابندی کا ذکر
مستبعاتِ عث کی فضیلت۔ قاضی جلال الدین
جعفری 'کا ذکر'۔ ابراہیم تیمیٰ

۵۰۴

پانچویں مجلس۔ رنج و مشقت کا ذکر۔ حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کی۔ ناجات۔ بزرگوں کی مدت
میں کونسی نذر پیش کرنا بہتر ہے۔ ایک
دوسرے کو عیب لگانا۔ سماع کا ذکر دشمنی
درویشوں کی معفت نہیں ہے۔

۵۰۸

چھٹی مجلس۔ مقررہ طاعت نہ کرنے والوں کا ذکر۔ ایک

بزرگ کی حکایت جو پیٹ کی بیماری میں
مبتلا تھے۔ بیماری بھلائی کی دلیل ہے۔

۵۱۱

اعرابی رتدہ کا قندہ فقروں اور بیماروں کا درجہ۔

ساتویں مجلس۔ درویشوں کا تکیہ پڑھنا۔ رسول علیہ الصلوٰۃ

۵۱۳

والسلام کی حدیث۔ ذکر صبر۔

آٹھویں مجلس۔ سلام اور اس کا جواب۔ حضرت شیخ بہار الدین

زکریا کی حکایت پیر کے لیے مرید کا ریکہ اعتقاد۔

رسول علیہ السلام کی حکایت۔ حضرت شیخ شبلی

کی حکایت۔ نماز جمعہ۔ سلطان غیاث الدین بلبن

۵۱۴

کی حکایت جمعے کی پابندی۔

نویں مجلس - نماز اور بسم اللہ۔ نفسِ شائع اور ان کی دعائیں۔
محمد شاہ غوری کی حکایت۔

۵۱۷

دسویں مجلس - پانی پینے کے بارے میں حدیث شریف۔
احادیث کا بیان حدیث شریف کی فضیلت۔
حضرت مولانا رضی الدین نیشاپوری کی حکایت۔

۵۱۹

تسلیم و رضا۔
گیارہویں مجلس - توبہ کے بعد غلطی کا امکان۔ قمر نام کی گانے
والی اور ہمدان کے ملک کا قصہ۔

۵۲۱

بارہویں مجلس - حضرت قاضی قطب الدین کاشانیؒ کا علم
و دیانت۔ پھری بنانے والے بزرگ کی حکایت۔
حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی حکایت۔
فقراء جب تک عرش کا دیدار نہ کریں نماز
نہیں پڑھتے۔

۵۲۲

۵۲۶

تیرہویں مجلس - تحمل۔ خلقت کے معاملات کی تین قسمیں

۵۲۷

چودھویں مجلس - کون سے نام اچھے ہیں؟
پندرہویں مجلس - محبت کا اثر۔ سفیر نامی طالب علم کی حکایت۔

۵۲۷

سولہویں مجلس - قبر اور کفن پر قرآن مجید لکھنا۔
حضرت مولانا برہان الدین بلخیؒ کی بزرگی۔
سماع کا ذکر۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ۔

۵۲۸ حضرت قاضی حمید الدین ماریکیؒ کی حکایت
سترہویں مجلس۔ اولیائے حق اور لوگوں سے ان کے کھرے
معاملات اور اس کا ثمرہ۔ ابوالعباس قصاب

۵۳۲ کی حکایت
اٹھارویں مجلس۔ سیدوں کا ذکر۔ صاحب کتاب نافع کی
حکایت۔ بدالیوں کے ایک سید صاحب کا
ذکر۔ شاغل درویشوں کی حکایت۔ درویشوں
کا ذوق و شوق اور سالکوں کا غلبہ اشتیاق۔

۵۳۵ عشق میں مشورت نہیں ہے
انیسویں مجلس۔ کشف و کرامت۔ حضرت بی بی فاطمہ سامؒ
کا تذکرہ۔

۵۳۸ بیسویں مجلس۔ سماع کے نکات مسموع و مسموع و سماع
اور آلہ سماع۔

۵۴۰ اکیسویں مجلس۔ درویشوں کے اخلاق اور دشمنوں سے ان
کا برتاؤ۔ ایک بادشاہ اور حضرت سیف الدین
باخرزی کی حکایت۔ خیر و شر کا بیان حضرت
شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کی حکایت

۵۴۱ بائیسویں مجلس۔ نعمت رویت کا ذکر۔

۵۴۲ تیسویں مجلس۔ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی حکایت

اور مہابت، شعر کی حکایت۔

۲۴

۵۴۳

۵۴۶

چوبیسویں مجلس۔ حسد کا ذکر حسد اور غبطہ۔

پچیسویں مجلس۔ حیدر زادہ کے احوال حضرت شیخ قطب الدین

بختیار حضرت شیخ محمود مومینہ دوز کی حکایت۔

حضرت شیخ الاسلام فرید الدین کی حکایت۔

حضرت خواجہ فرید الدین عطار کی حکایت۔

خواجہ حکیم سنائی کی حکایت حضرت شیخ

۵۴۶

سیف الدین باخرزی کا قول۔

چھبیسویں مجلس۔ تاضی منہاج سراج اور ان کے وعظ

کا ذکر۔ اولیاء ابدال اور اوتاد ولایت کی

دو قسمیں۔ ولایت ایمان اور ولایت

۵۵۱

احسان۔

۵۵۲

ستائیسویں مجلس۔ سیدی احمد کا تذکرہ

اٹھائیسویں مجلس۔ درویشوں کا حسن اخلاق حضرت شیخ

۵۵۳

احمد نیروانی کی حکایت۔

انستیسویں مجلس۔ حضرت کی خدمت میں لایا گیا ایک

آسیب زدہ بچہ۔ ایک بچے کی حکایت جس

کو پیریاں ستاتی تھیں۔ حضرت شیخ سیف الدین

۵۵۳

باخرزی اور شیخ نجم الدین کبریٰ کی حکایت۔

تیسویں مجلس۔ حضرت شیخ ابوالفتح گازی رانی اور حضرت

شیخ عبد اللہ خفیف کی حکایت حضرت

۵۵۶

شیخ احمد معشوق کی حکایت۔

اکیسویں مجلس۔ حضرت شیخ نظام الدین ابوالموئید کی بزرگی

۵۵۹

کے بارے میں حکایات۔

۵۶۰

بیسویں مجلس۔ شیخ احمد محمد معشوق کا تذکرہ۔

حرفِ آغاز

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان، جس نے ایمان کے ساتھ پیدا کیا۔ نبی رحمتؐ کا اُمّتی بنایا۔ سلطان المشائخ حضرت محبوب الہیؒ کے روحانی سلسلے سے وابستہ کیا۔ اور اُس پاک و پوتر دیس میں ہمارا جنم لکھا جس کے زمین آسمان روحانیت سے سرشار ہیں۔ جس کا ذرہ ذرہ عبدیت اور بھگتی کے گیت گاتا ہے۔ جس کی مقدس مٹی اللہ والوں کے جسم کا مقدر بنی ہے۔ اور جس سے ہم سب قیامت کے دن انشاء اللہ اُٹھائے جائیں گے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ جن کو پیار سے ”سلطان جی“ پکارا جاتا ہے۔ ہندوستان میں صوفیوں کے چشتیہ سلسلے کے چوتھے بڑے بزرگ ہیں۔ پہلے بزرگ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ ہیں۔ دوسرے ان کے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکئیؒ اور تیسرے قطب صاحب کے جانشین شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ جنھوں نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو اپنا جانشین بنایا۔ حضرت بابا فرید وہ بزرگ ہیں جن کا پنجابی کلام سکھ گورو صاحبان نے اپنی مذہبی کتاب گورو گرتھ صاحب میں درج کیا۔

فوائد الفواد، جس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ بزرگوں کے ارشاد اور قول کو اصطلاحاً ”ملفوظ“ کہتے ہیں۔ ملفوظ لٹریچر میں فوائد الفواد کو جواہریت حاصل ہے۔ اس کا ذکر پروفیسر نثار احمد فاضل صاحب اپنے مقدمے میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن علاء سبزیؒ جیسے فاضل ادیب، شاعر، اور سنی نے ان ملفوظات کو جمع کیا ہے۔ اس مجموعے کو

اگر علم و معرفت کا سمندر کہا جائے تو ذرا بھر مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کے ایک ایک فقرے میں ایسی معنویت اور گہرائی ہے کہ شرح کرنے کو عمر درکار ہو اور ایسی بہیرت و برکت ہے کہ آدمی چاہے تو اس کی مدد سے واقعی ”معنی لفظ آدمیت“ بن جائے۔ فوائد الفواد کا حال ان عظیم مذہبی کتابوں کا سا ہے۔ جو خواہم و خواہش سب سے کام آتی ہیں۔ عام آدمی کے لیے ان میں سامنے کی باتیں ہوتی ہیں۔ جو سیدھے سچے راستے کی طرف آسان رہنمائی کرتی ہیں۔ اور خواہ اہل علم کے لیے یہ ایک ناپیدا کنا سمندر بن جاتی ہیں جس کی گہرائیوں سے موتی نکالتے صدیاں بیت جاتی ہیں۔ مگر نہ ہر گہرائی ہاتھ آتی ہے۔ نہ موتیوں کا ذخیرہ کبھی کم ہوتا ہے۔

فوائد الفواد کے فیض کو بھی عام ہوتے اب سات صدیاں ہوا چاہتی ہیں۔ ہماری صدی چھپے ہوئے لفظ اور تعلیم عام ہونے کی صدی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ فوائد الفواد کے ترجمے ہر زبان میں کیے جائیں اور انھیں گھر گھر پہنچایا جائے کہ اس میں ہر انسانییت کے ہر در و کی دو ابھی ہے۔ اور انتشار اور افراق کے اس دور میں اتحاد اور یک سوئی بھی اسی سے میسر آسکتی ہے۔

والدی و مرشدی شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی جاشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے ۱۹۵۵ء میں اپنے وصال سے قبل خاص طور پر تاکید فرمائی تھی کہ حضرات محبوب الہی کی تعلیمات کو پھیلایا جائے۔ اور استاذ محترم ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم سابق صدر جمہوریہ ہند مجھ سے بار بار فرماتے تھے کہ تمہارا بزرگوں کا زمانہ ”کان“ کا زمانہ تھا۔ زبان سے بات کہی جاتی تھی اور کان سے سن کر اسے یاد کیا جاتا تھا اور اس پر عمل ہوتا تھا۔ تمہارا زمانہ ”آنکھ“ کا زمانہ ہے۔ چھپے ہوئے لڑیچہ اور غیلی ویزن کا زمانہ ہے۔ تمہارے بزرگوں نے ”کان“ کے لیے سامان کیا تھا۔ تم ”آنکھ“ کے لیے کرو لیکن اپنے پیرو مرشد اور اپنے استاذ محترم کے حکم کی تعمیل میں فوائد الفواد کا ترجمہ خود کرنے کی ہمت مجھے غرض سے تک نہ ہوئی کہ یہ کام دراصل مجھ سے زیادہ اہل لوگوں کے کرنے کا تھا تاہم پھر خیال آیا کہ اگر میں فوائد الفواد کا ترجمہ فارسی متن کے ساتھ قسط وار کسی سالے کو

چھپنے کے لیے دلوں اور اہل علم سے درخواست کروں کہ وہ میری بھول چوک کی نشاندہی فرماتے رہیں تو اس طرح ترجمے کی ہر قسط کو برصغیر کے بے شمار علماء اور صوفیاء کا مشورہ ملتا رہے گا اور ہر آئندہ قسط گزشتہ قسط کی تصحیح کے ساتھ شائع ہو سکے گی۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء سے ماہ نامہ منادی میں ترجمہ چھپنا شروع ہوا اور پڑھنے والوں نے امید سے بڑھ کر میری ہمت افزائی کی اور چند سال میں کتاب کا ترجمہ مکمل بھی ہو گیا۔ اس سلسلے میں میرے مرحوم اساتذہ ڈاکٹر شفیع الدین نیڑا اور جناب سید ابوالکلام فیض زیدیؒ کے علاوہ مولانا صدر الدین عامر انصاریؒ مولانا رحمت اللہ اور مولانا سید عبدالخالق نقوی صاحب نے ہمیشہ مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان سب مرحومین کو جنت الفردوس عطا فرمائے کہ انھوں نے برہما برس ترجمے کی قسطوں کو غور سے پڑھا اور جہاں مناسب سمجھا میری رہنمائی کی۔

ترجمہ قسط وار چھپ کر مکمل ہو گیا تو کتابی صورت میں اس کو شائع کرنے کا ہر طرف سے تقاضا ہوا۔ لیکن برسوں مجھے تامل رہا کیونکہ جو مطبوعہ متن ترجمے کے وقت میرے سامنے تھے میں ان سے مطمئن نہیں تھا۔ اور جی چاہتا تھا کہ کوئی صاحب مطبوعہ اور خطی سب نسخے سامنے رکھ کر اس کو ایڈٹ کریں اور اس ایڈٹ شدہ متن کو بنیاد بنا کر میں ترجمہ شائع کروں۔ خود میرے پاس دوسرے کاموں سے اتنا وقت نہ بچتا تھا کہ اس مشکل کام کا بیڑا اٹھاتا۔ مگر اللہ بھلا کرے برادر مہر پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب کا۔ انھوں نے اس الجھن کو دور کیا اور ایک روز فرمایا کہ دنیا کا کام پورا کس سے ہوا ہے جو تم سے ہو گا۔ متن ایڈٹ ہونے کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو اور ترجمہ جیسا بھی ہے نظر ثانی کے بعد کتابی صورت میں شائع کر دو۔ چنانچہ میں نے اس کی تیاری شروع کی۔ مگر اسی زمانے میں تاریخ کے

شہرہ آفاق عالم اور اپنے مربی و سرپرست پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب سے یہ علم ہوا کہ ان کے ذاتی کتب خانے میں نوائد الفواد کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے۔ جس کو کسی ہندو راجہ صاحب نے بہ نفس نفیس نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے سنا تھا کہ جو شخص اس کتاب کو تمام وکمال اپنے ہاتھ سے لکھتا ہے۔ اس کی منت اور مراد پوری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ راجہ صاحب

نے بھی کسی مراد کی خاطر ہی اسے نقل فرمایا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔
 یہ قصہ سننے کے بعد میں نے طے کیا کہ مجھے بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی زبان
 مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ سے محروم نہیں رہنا چاہئے۔ جن کی برکت سے لوگوں کے
 بگڑے ہوئے کام بنتے ہیں اور ایک نیا ترجمہ فوائد الفواد کا اس طرح کرنا چاہئے کہ زبان
 اور بیان پر خاک ڈال الفاظ زیادہ سے زیادہ وہی استعمال ہوں جو اصل فارسی متن
 میں موجود ہیں کہ وہ خاص حضرت کے اپنے الفاظ ہیں۔

حسن اتفاق کہ اسی زمانے میں اردو اکادمی دہلی نے منتخب مذہبی لٹریچر کو اردو
 میں منتقل کرنے کی تجویز منظور کی اور دوسری کتابوں کے ساتھ فوائد الفواد کا انتخاب بھی
 ہوا۔ نیز اکادمی کے فعال اور لائق سکریٹری جناب شریف الحسن نقوی صاحب نے میرا ترجمہ
 طلب فرمایا اور میں نے اُن کی خدمت میں اپنا شائع شدہ پرانا ترجمہ پیش کرنے بجائے
 نیا ترجمہ اس طرح حاضر کرنا شروع کیا کہ قلم برداشتہ ترجمہ کو تاجا جاتا تھا اور نظر ثانی تو کجا
 دوبارہ پڑھے بغیر ہی کاتب کے حوالے کر دیتا تھا۔

ظاہر ہے اس طرح ترجمے کا وہ اہتمام نہیں رہا جو میرے پہلے ترجمے کے وقت تھا
 اور جس میں بزرگ خود میں نے زبان و بیان کا خاص خیال رکھا تھا۔ نئے ترجمے میں زیادہ اہمیت
 اصل الفاظ کو دی گئی۔ مگر نئے ترجمے کو ان بابرکت الفاظ کے ساتھ ایک نعمت یہ بھی میسر
 آگئی کہ میرے اور خود حضرت محبوب الہی کے مخدوم زادے برادر محترم پروفیسر تارا احمد
 فاروقی فریدی صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی نے ازراہ کرم نہ صرف کتاب پر ایک بھروپہ
 مقدمہ لکھنا منظور فرمایا۔ بلکہ ترجمے پر بھی نظر ثانی فرمائی اور متن کی غلطیوں کی خاص طور پر
 نشاندہی کی۔

پہلا ترجمہ فوائد الفواد کے نو لکچرار ایڈیشن سے شروع ہوا تھا۔ کچھ عرصے بعد
 پاکستان کے محکمہ اوقاف کی طرف سے شائع شدہ اور جناب محمد لطیف ملک صاحب کا

اسی نسخے سے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب مرحوم سابق صدر جمہوریہ ہند نے بھی خود اپنے مسم
 سے ایک نقل تیار کی تھی۔ حسن ثانی نظامی

ایڈٹ کردہ متن میسرز ملک سراج الدین اینڈ سنز نے ازراہ کرم مجھے بھیجا تو اسے بنیاد بنا لیا گیا۔ مگر ملک صاحب کے سامنے بھی فوائد الفواد کے صرف تین مطبوعہ نسخے رہے تھے۔ خطی نسخوں سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکے تھے۔ اس لیے یہ متن بھی مکمل اور پوری طرح صحیح نہیں ہے تاہم اس سے پہلے شائع شدہ تمام متون سے بہتر ہے۔ اور میں جناب لطیف ملک صاحب اور محکمہ اوقاف کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میسرز ملک سراج الدین اینڈ سنز کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ترجمے کے ساتھ ملک صاحب کا ایڈٹ کردہ متن شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

فوائد الفواد کے ترجمے کے کاتب عبدالغنی صاحب مرحوم کتابت مکمل کرتے ہی عین جونی میں رحلت کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے وہ اپنے فن سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ اس لیے کتابت میں بہت خامیاں ہیں جن کی پوری اصلاح ممکن نہیں ہے مرحوم کے بعد تصحیح کا کام جس خوش نویس نے کیا اس کو بھی خوش نویس کہنا اس اصطلاح کے ساتھ زیادتی ہے۔ تاہم ترجمہ اور لکھائی چھپائی جیسی بھی ہے آپ کے سامنے ہے۔ اگر اللہ نے توفیق دی تو آئندہ ایڈیشن میں سب خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

آخر میں اردو اکادمی دہلی اور اس کے سکریٹری جناب شریف الحسن صاحب نقوی اور محکمہ اشاعت کے انچارج ڈاکٹر انتظار مرزا دہلوی صاحب کے ساتھ میں ایک دفعہ پھر پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب اور ان سب کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس ترجمے کے دوران اور پھر اشاعت کے وقت تصحیح وغیرہ کے سلسلے میں بڑی مدد فرمائی۔ خاص طور پر میرے چھوٹے بھائی خواجہ سید مہدی نظامی اور پروفیسر انور صدیقی صاحب اور جناب ریحان احمد عباسی صاحب اور ادھونی حیدر آباد ناندی پڑ اور دوسرے مقامات کے نظامی برادران کی امداد کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔ ریحان احمد عباسی صاحب تو اپنے سب کام چھوڑ کر تصحیح کے کام میں لگے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی حجرہ قدیم۔ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

نئی دہلی

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مُحَمَّدٌ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اے بتوروز و شب جہان روشن بر رخت چشم عاشقان روشن
محدث تو کام دل شیرین بجمال تو چشم جان روشن
سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی قدس اللہ سرہ العزیز
کی ذات گرامی ہندوستان کی روحانی اور تہذیبی تاریخ میں ایک ایسی جامع کالات شخصیت
ہے کہ ایسی دلائل و ہستیاں تاریخ بشریت میں خال خال ہی پیدا ہوئی ہیں۔ آپ ایک
صوفی با صفا ہی نہیں تھے جس نے تصوف اسلامی کی تمام خوبیوں کو اپنی سیرت کے آئینے میں
دکھا دیا بلکہ ایک نکتہ رس فقیہ، محدث، مفسر، محقق اور ادبیات عربی و فارسی کے متبحر عالم
شاعر اور تاریخ و سیر پر گہری نظر رکھنے والے نہایت وسیع المطالعہ اور باخبر انسان تھے۔ یہ
ہماری خوش نصیبی ہے کہ اُن کی مبارک زندگی کی بہت سی تفصیلات تاریخ میں محفوظ رہ گئیں
اور اُن کے خدام و خلفاء کی بدولت دوسرے بزرگان سلسلہ کے حالات و ملفوظات بھی آج کے
نسل تک پہنچ گئے۔

حالات زندگی: حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے دادا خواجہ علی بخاریؒ اور نانا خواجہ عربؒ

بخاری وسط ایشیا میں بخارا کے رہنے والے تھے اُس علاقے پر منگولوں کا تسلط ہونے کے بعد بہت سے خاندان ہجرت کر گئے تھے اور اکثر ہندوستان کا رخ کرتے تھے کیونکہ یہاں نسبتاً ایک مضبوط اور پُر امن ماحول تھا ان دونوں بزرگوں کا پیشہ تجارت تھا اور آپس میں گہری برادرانہ دوستی تھی ممکن ہے نسبی علاقہ بھی رہا ہو۔ بعض تذکرہ نگاروں نے دونوں کو بھائی بتایا ہے ہجرت کے بعد یہ دونوں پہلے لاہور آئے مگر یہ بھی سرحدی علاقہ تھا اور یہاں آئے دن یورش ہوتی رہتی تھی اس لیے وہاں سے نقل سکونت کر کے مغربی یوپی کے شہر بدایوں میں آجسے جو اُس وقت نہایت اہم شہر تھا اور صوبہ کا صدر مقام بنا ہوا تھا یہاں مسلمانوں کی آبادی خوب ہو چکی تھی اور یہ "قبتہ الاسلام" کہلاتا تھا۔

خواجہ عربؒ کے ایک فرزند خواجہ عبداللہؒ اور ایک بیٹی بی بی زلیخاؒ تھیں اور خواجہ علیؒ کے بیٹے خواجہ احمدؒ تھے بی بی زلیخاؒ انھیں سے منسوب ہوئیں اور ان کے بطن سے ہمارے حضرت نظام الدینؒ کی ولادت ہوئی جن کا اصلی نام محمد بن احمد ہے۔ آپ کی ولادت سے قبل ہی آپ کے والد ماجد سخت بیمار ہوئے اور آپ کی والدہ محترمہ نے خواب دیکھا کہ کوئی اُن سے کہہ رہا ہے کہ یہ بچہ قطب ارشاد ہوگا اور اس سے بہت سی مخلوق فائدہ اٹھائے گی مگر اپنے شوہر اور بچے میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو۔ بی بی صاحبہؒ کو حضرت کے مراتب دکھا دیے گئے

۱۔ بخارا پر منگولوں کے حملہ سے مراد اگر چنگیز خاں کا حملہ ہے تو یہ ذی الحجہ ۶۱۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت نظام الدینؒ کی ولادت کے وقت تک ان کے دادا اور نانا کو ہجرت کئے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا۔ ۲۔ ایک قدیم کتاب "توأم العقائد" قلمی ہے جو سیر الاولیاء سے بھی پہلے ۵۵۵ھ/۱۱۵۴ء میں لکھی گئی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی ولادت سے قبل ہی اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا اور اُن کی والدہ محترمہ کو یہ اہام وضعِ تل سے پہلے ہوا تھا۔

تھے اس لیے انہوں نے فرمایا کہ میں اس بچے ہی کو اختیار کرتی ہوں۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب ان کے شوہر خواجہ احمد کے دنیا سے کوچ کرنے کا زمانہ قریب آ گیا ہے اس لیے بیماری میں اُن کو پرہیز بھی زیادہ نہیں کراتی تھیں اور جو کچھ وہ کھانے کے لیے طلب فرماتے وہ اُن کو دیتی تھیں کچھ ہی مدت کے بعد اور مولف تو اُمّ العقائد کا بیان ہے لاکھ دن خواجہ احمد کا انتقال ہو گیا پروفیسر محمد حبیب نے لکھا ہے کہ ”بی بی زلیخا“ نے خواب کے بیان کی ذمہ داری کلمۃ مصنف سیرالاولیاء پر ہے، یہ بیان بے لطف تکلیف وہ اور بے سند ہے کسی عورت سے یہ کہنا کہ اپنے شوہر اور بیٹے کی زندگی میں کسی ایک کو تیرا اس پر ظلم ہے دوم اگر بی بی زلیخا نے اپنے خواب کے بارے میں کسی سے کچھ نہیں کہا تو ایک صدی کے بعد امیر خرد کو اُس کے بارے میں کس طرح علم ہوا؟ یقیناً سے کہا جاسکتا ہے کہ اگر اُن خاتون بزرگ سے یہ سوال کیا گیا ہوتا تو وہ اپنے بیٹے کے فلسفہ زندگی کے مطابق جواب دیتیں کہ اس معاملے کا تعلق نیست ایزدی اور آمیزہ غیبی ہے میں خدا کے حکم پر راضی ہوں“ (محمد حبیب: حضرت نظام الدین اولیاء، حیات اور تعلیمات صفحہ ۴۷ حاشیہ)

نہ اس بیان کی ذمہ داری مولف سیرالاولیاء پر نہیں ہے تو اُمّ العقائد کے حوالے سے جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ سیرالاولیاء سے بھی قدیم تر بیان ہے اسی کے علاوہ خود حضرت نظام الدین نے فرمایا: ”میری والدہ کا بارگاہِ خداوندی میں بڑا رسوخ تھا، جب کوئی کام آپ کو درپیش ہوتا اُس کو خواب میں دیکھ لیتیں اور اُس کی بابت آپ کو اختیار دیا جاتا اور جس طرح آپ پسند کرتیں اُس کے موافق ظہور ہوتا۔ جب میں شیرخوار بچہ تھا میری والدہ نے مجھ کو اختیار کیا اور انھیں آیام میں والد صاحب بیمار ہوتے، والدہ اُن کو کھانے پینے کی ہر ایک چیز کھاتیں اور کسی چیز کا پرہیز نہ کراتیں اور فرماتیں کہ چند روز کے یہاں ہیں، آخر ایسا ہی ہوا اور میں نے مرآۃ الاسرار قلمی ۲/۳۰ ب کا بیان ہے کہ حضرت احمد بخاریؒ کو بدایوں کی تفصیلاً عہدہ ملا تھا مگر اس کی تابندگی کسی اور ماضی سے نہیں ہوتی۔

نے یہ حرکت اپنی ”ری بس سے سنی ہے“ (محمد بن جانداز: دُرِّ نظامی صفحہ ۲۶۱۔ اُردو ترجمہ دہلی ۶۵-۶۹) حضرت کانام محمد رکھا گیا تھا۔ لقب نظام الدین کے بارے میں حضرت بہرائہ الدین غریب: (متوفی ۳۸۷ھ/۱۰۰۰ء) نے فرمایا: ”ہمارے خواجہ نظام الدین ایک دن بدایوں میں اپنے گھر میں بیٹھے تھے کسی شخص نے آپ کے سامنے آکر آرازدی: مولانا نظام الدین! حضرت نے سوچا کہ یہ القاب تو نظام الدین نہیں ہے اور اس گھر میں کوئی دوسرا نظام الدین بھی نہیں ہے پھر یہ کسے پکار رہا ہے؟ اس کے بعد جب آپ گھر سے باہر نکلے تو جو بھی ملتا تھا وہ نظام الدین کہہ کر خطاب کرتا تھا اُس دن سے نظام الدین ہمارے خواجہ کا لقب ہو گیا۔ جو لقب کسی کارا کج ہو جائے وہ (غیبی اشارے سے) دیا ہوا ہوتا ہے اور کبھی نہیں بدلتا۔ جو لوگ اپنی رائے سے ملک الاولیاء یا قطب المتناحج جیسے القاب اختیار کر لیتے ہیں وہ چل نہیں پاتے۔“ (نفاث الانفاث قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لاہور: ملفوظ ۱۰۔ محرم ۱۳۴۷ھ)

بعد کے زمانے میں آپ کا لقب ”نظام الدین والملت نظام الاولیاء“ ہوا اور آخری ترکیب میں سے صرف لفظ ”اولیاء“ آپ کے اسم گرامی کا جزیو بن کر رہ گیا۔

حضرت کے خاندان کے بارے میں قدیم اور ہم عصر ماخذوں میں کوئی واضح بیان نہیں ہے۔ سب سے قدیم اور اہم ماخذ سیر الاولیاء بھی اس بارے میں خاموش ہے (چرخ لال ایڈیشن، طبع محبت بند ۱۳۰۲ھ صفحہ ۱۰۴-۱۰۵) اس میں جو شجرہ خاندان دیا ہوا ہے (ص ۱۰۶) وہ درگاہ سلطان المتناحج کے ایک پیرزادے برکت اللہ نوری نے اضافہ کر دیا ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے کہ ”از بزرگان خود بند صحیح سید“ لیکن اُس سند کی نوعیت اس سے زیادہ بیان نہیں کی۔ مولانا عبدالرحمان جامی (متوفی ۸۹۸ھ/۹۳-۱۴۹۲ء) نے اپنی تالیف ”نفحات الانس“ (تالیف ۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء) میں آپ کو ”خالدی“ لکھا ہے۔ اس کتاب کا ایک بہت قدیم اور مستند

قلمی نسخہ درویش قاسم اودھی کے ہاتھ لکھا ہوا حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے کتب خانے میں موجود ہے اس میں بھی اسی طرح درج ہے۔ قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ سب سے غالبی کس طرف راجع ہے۔

ولادت | آپ کی ولادت کامبہا اور دان تو قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ ماہ ۵ ۱۲۳۸ء آخری چہار شنبہ کو ولادت ہوئی۔ اس کی جانب خود حضرت نے بھی ایک ملفوظ میں اشارہ فرمایا ہے فوائد الفوائد جلد چہارم مجلس چہارم، الترتیب ذکرہ نگاروں نے ۶۳۶ھ و ۱۲۳۸ء کو سال ولادت مانا ہے، تذکرہ الاولیاء صفر ۱۲۳۰، بعض نے صفر ۶۳۴ھ و النوبیر ۱۲۳۶ھ مانا ہے۔ راجعہ الفوائد مجلس قلمی ورق ۷۰ الف، احسن القصص قلمی میں اس طرح درج ہے۔

وقت طلوع آفتاب، روز آخرین چہار شنبہ ماہ صفر سنہ اثنائ و ثلاثین و

ستۃ (۶۳۲ھ، اکتوبر ۱۲۳۴ء) و بعقیدہ جمعہ سنہ اربع و ثلاثین و ستۃ۔

اگر ۶۳۶ھ کو ہم درست مانیں تو آخری چہار شنبہ ۲۴ صفر ۶۳۶ھ کو واقع ہوا تھا اور یہ ۴ اکتوبر ۱۲۳۸ء کے مطابق ہوتا ہے۔

ابتدائی تعلیم | آپ کی ابتدائی تعلیم کا زمانہ بدایوں میں ہی گزرا اور آپ کی والدہ ماجدہ نے تربیت فرمائی۔ پہلے حضرت نے قرآن کریم ناظرہ پڑھا پھر صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں محلے کی مسجد میں پڑھیں اور سطدرجے کی کتابوں کا درس آپ نے شہر کے ممتاز علماء سے لیا، ان میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت علاء الدین اصولیؒ کی ہے، یہ غالباً علم اصول وفہ کے ماہر تھے اس لیے اصولی کہلاتے ہیں۔ ان سے دوسری کتابوں کے علاوہ فقہ کی کتاب قدوریؒ، مختصر القدوریؒ فقہ حنفی کی مشہور اور متہ کتاب ہے اس کے مصنف ابو الحسن احمد بن محمد القدوریؒ السعداویؒ

ہیں یہ بغداد کے رہنے والے تھے وہیں انتقال ہوا عراق میں فقہ حنفی کے امامانے جاتے تھے عقہ حنفی کی یہ کتاب تقسیم

عقائد کے لیے ہر دور میں بہت مقبول رہی ہے۔ دیکھئے دنیات الاعیان ۲۱۱، النجوم الزاہدہ ۵

کا درس بھی لیا۔ جب قُدوری ختم ہوئی تو مولانا اصولی نے فرمایا کہ اب تمہیں بڑی دستار باندھنی چاہیے۔ اُس زمانے میں حضرت کے مالی حالات اچھے نہ تھے، تنگی ترشی سے گزر ہوتی تھی۔ کمانے والا کوئی نہ تھا، خود بھی زیر تعلیم تھے اور گھر میں والدہ کے علاوہ ایک بہن اور اُن کے بچوں کی ذمہ داری بھی تھی۔ حضرت نے اپنی والدہ سے دستار کے لیے عرض کیا، والدہ نے بازار سے روٹی منگوائی اور اسے خود چرخے پر کاتا۔ آدھی روٹی اپنی کنیز سے کتوائی پھر محلے میں ہی ایک ٹوہان کو دستار بننے کے لیے وہ سوت دیا، اُس نے دو تین دن میں دستار تیار کر دی۔ حضرت وہ دستار اور پہل خوردہ (شاید چالیس چھوٹے سکتے) لے کر استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا اصولی نے کچھ سکتے اپنے پاس سے اضافہ کیے، کھانا پکایا گیا اور مولانا نے اس موقع پر علی مولانا نامی ایک بزرگ کو بھی مدعو کیا۔ اُس وقت بدایوں میں دو علی مولانا تھے ایک خرد اور دوسرے بزرگ کہلاتے تھے۔ علی مولانا بزرگ نفس گیر رکھتے تھے، یعنی جوان کی زبان سے نکلتا تھا وہی وقوع میں آتا تھا، کھانے سے فارغ ہوئے تو مولانا اصولی نے دستار کھولی اور حضرت نظام الدین سے فرمایا: لو دستار باندھو، حضرت دستار بندھواتے ہوئے ہر بار مولانا کے قدموں میں سر رکھ دیتے تھے یہ حال دیکھ کر علی مولانا بزرگ نے ہندوی زبان میں کہا: ارے مولانا یہ بڑا ہوسی (یعنی ارے مولانا یہ بڑا آدمی بنے گا) پھر مکرر فرمایا: بہت بڑا ہوسی ہے مولانا علاء الدین اصولی نے پوچھا: یہ آپ کس بات سے سمجھے ہیں؟ فرمایا: میں نے اس میں دو باتیں دیکھی ہیں، ایک تو (ہندوی ہی میں کہا) ”جو منڈا سا باندھے سو پائین نہ پسرے“ دوسرے

۱۔ خیر الماس مطبوعہ ص ۱۹۱ میں یوں ہے: ”جو منڈا سا باندھی سو پائین پسرے؟ یعنی آں کہ دستار ہر سر بند اور پائے کسے افتد؟“ احمد علی سیما بٹو ٹنگی نے اس طرح ترجمہ کیا ہے جیسے ہم نے لکھا ہے اور غالباً یہی صحیح ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ اس کی دستار ریشم کی نہیں دھوئی کی ہے، تو یہ بزرگ بنے گا۔ ”بخیر المجلس“
 بدایوں ہی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ کی عمر کوئی بارہ سال ہوگی اور ”علم لغت“ کی
 تحصیل کر رہے تھے، ایک شخص جس کا نام ابو بکر خراٹا تھا اور اسے ابو بکر قوال بھی کہتے تھے
 آپ کے استاد کی خدمت میں آیا یہ غالباً ملتان کی طرف سے آ رہا تھا، اس نے بیان کیا کہ میں
 نے حضرت بہار الدین زکریا ملتانیؒ کو سماع سنایا تھا اور ایک بار ان کے سامنے یہ اشعار
 گائے ہیں:

بکلّ صبحٍ دکلّ شرابٍ تَبْكِيكَ عَيْنِي بِذَمِّ مُشْتَابٍ
 لَقَدْ لَسْتُ حَيَّةً السَّهْوَى كِبْدَى فَلَا طَبِيبَ لَهَا وَلَا رَايَ لَهَا

پھر حضرت زکریا ملتانیؒ کی خانقاہ کا حال بیان کیا کہ وہاں ذکر ایسے ہوتا ہے، عبادت یوں
 کرتے ہیں، اور ایسے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے گھر کی باندیاں بھی آٹا پیستے وقت ذکر کرتی
 رہتی ہیں، اسی طرح کی بہت سی باتیں اس نے کہیں مگر حضرت فرماتے ہیں کہ ان باتوں نے
 میرے دل میں اثر نہ کیا۔ پھر ابو بکر قوال نے کہا کہ وہ ملتان سے آجودھن گیا وہاں ایک ایسے
 درویش کو دیکھا اور اس نے حضرت بابا صاحبؒ کے مناقب بیان کیے جنہیں سن کر حضرت
 کے دل میں محبت و ارادت پیدا ہوئی اور خدمت میں حاضری کا اشتیاق ہوا۔ رفتہ
 رفتہ یہ کیفیت ایسی ہو گئی کہ آپ ہر نماز کے بعد دس بار شیخ فرید الدینؒ اور دس بار مولانا

ابو عوارف المعارفؒ میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے یہ اشعار درج کیے ہیں اور ان کے بارے میں ایک
 حدیث بردایت حضرت انسؓ لکھی ہے کہ ایک بدو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اشعار پڑھے
 فَتَوَاجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَاجَدَ أَصْحَابُهُ مَعَهُ حَتَّى سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ مُنْكِبَيْهِ (ان
 اشعار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ اصحاب نے وجد کیا یہاں تک کہ آپ کی چادر گاندھوں سے

گرنے لگی) (عوارف المعارف ص ۱۴۸ نیز نشاۃ الثغوف الاسلامی: ۸۶)

فرید الدینؒ "بطورِ ورد پڑھنے لگے اور پھر آپ کے سب دوستوں کو بھی اس محبت کا اندازہ ہو گیا جب وہ حضرت کو قسم دلانا چاہتے تو کہتے تھے: ایتھا شیخ فرید کی قسم کھاؤ۔"

یہ اوائلِ عمر میں حضرت بابا صاحبؒ کے نام سے پہلا تعارف تھا جو آگے چل کر ایک سرمدی رشتے میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی کچھ جھلکیاں آئندہ سطروں میں بھی آئیں گی۔ یہاں مختصراً یہ عرض کر دوں کہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس اللہ ان سرار ہم کے حالات و ملفوظات جو کچھ ہمیں معلوم ہیں وہ بڑی حد تک حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے صفائش مریدین و خلفاء ہی کی بدولت ہیں ورنہ ہم اپنی ثقافتی تاریخ کے اس روحانی پہلو سے یکسر بے خبر رہ جاتے۔ صرف یہی ایک احسان اتنا بڑا ہے جس کا شکریہ ادا کرنا تو کیا پورا اعتراف کرنا بھی ممکن نہیں۔

بدایوں میں | حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی مجلسوں میں جن کا حال آپ کے ملفوظات "نوائد الفواد" میں قلمبند ہوا ہے اپنے وطن بدایوں کا تذکرہ بڑی محبت سے کیا ہے وہاں کے ابتدائی دور کے بزرگوں کے بارے میں بھی ہماری معلومات صرف وہی ہیں جو حضرت کے ملفوظات سے حاصل ہوتی ہیں۔ اُس وقت بدایوں میں ایسے علماء، صلحاء، اولیاء اللہ، شعراء اور دوسرے ماہرین فن جمع تھے کہ ہندوستان کا دوسرا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اچھے اچھے خاندان وہاں جا کر بس گئے تھے اور اولیاء اللہ نے بھی اپنے مسکن کے لیے اسی شہر کا انتخاب کیا تھا جو قبۃ الاسلام کہلاتا تھا۔ یہاں بلند مرتبہ چشتی مشائخ بھی تھے اور سہروردی سلسلے کی نمایاں شخصیات بھی اسی مدینۃ الاولیاء کی زینت تھیں۔ ان میں سے ہم صرف انہیں چند علماء اور بزرگوں کا تذکرہ کریں گے جن کا حوالہ حضرت کے ملفوظات میں بھی ملتا ہے یا حضرت کی سوانح عمری میں ان کے نام آتے ہیں ان میں سے کچھ بزرگ وہ ہیں جن کا حال ہمیں اور کسی ماخذ

۱۔ نوائد الفواد جلد ۴۲۔ دور نظامی باب ۱۵۴۔ ۱۵۶۔ سیر الاولیاء ص ۱۰۰۔

میں نہیں ملتا، مثلاً حضرت ہی کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے ایک بھائی بدایوں میں رہتے تھے اور شیخ نجیب الدین متوکلؒ اپنے بھائی سے ملنے کے لیے ہر سال بدایوں تشریف لے جاتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ خود بابا صاحبؒ نے بھی بدایوں کا سفر کیا ہو گا۔ ان کا اودھ میں پالا متوکل جانا تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت نظام الدینؒ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ بدایوں میں حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ اپنے بھائی کے ساتھ ایک بزرگ شیخ علیؒ سے ملنے گئے تھے۔

ایسے ہی غیر معروف اولیاء اللہ میں ایک علیؒ تھے جو حضرت بابا فریدؒ کے مرید تھے انھوں نے یہ دعا مانگی تھی کہ انھیں گناہی کے عالم میں موت نصیب ہو۔ ایک بار وہ بدایوں کی طرف آ رہے تھے راستے میں بیمار ہوئے اور بجلانہ کے مقام پر انتقال کیا جہاں انھیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہیں مدفون ہوئے۔ ۱۔

ایک اور درویش کا حضرتؒ نے ذکر کیا جو بارہ مہینے روزہ رکھتے تھے اور ان کا معمول یہ تھا کہ نماز شام کے بعد اپنے گھر کی دلیسز پر بیٹھ جاتے تھے اور راہبیروں کو اپنے گھر میں بلا کر ان کے ساتھ روزہ افطار کرتے تھے۔ ۲۔

ایک مجلس میں مردانِ غیب کا ذکر ہو رہا تھا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ بدایوں میں ایک جوان نصیر نامی تھا اُس نے مجھے بتایا کہ اُس کے والد صاحب خدا میں سے تھے ایک رات کسی نے انھیں دروازے پر آواز دے کر بلایا، وہ باہر گئے اور ہم نے اندر سے عینک سلیک لی آواز سنی اور یہ سنا کہ ہمارے باپ کہہ رہے ہیں کہ اپنے بیوی بچوں سے رخصت ہوں، مگر بلانے والوں نے کہا کہ بالکل فرصت نہیں ہے اس کے بعد کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ لوگ میرے والد کو لے کر کہاں گئے۔ ۳۔ مردانِ غیب کا تذکرہ

۲: فوائد الغواد : جلد ۴ مجلس ۵۸

۱: فوائد الغواد جلد ۴ مجلس ۲۹

۳: ایضاً جلد ۱ مجلس ۱۵

حضرت بابا صاحبؒ کے چھوٹے فرزند خواجہ محمد یعقوبؒ کے حال میں بھی ملتا ہے کہ انھیں امروہہ کے قریب مردان غیب نے اچک لیا تھا: در اثنائے راہ قصبہ امروہہ آن بزرگ زادہ را مردان غیب بر بودند و غائب کردند (ثمرات القدس قلمی درق ۱۷۹ ب)

میرا خیال ہے کہ یہ ٹھگوں اور راہزنوں کے طبقے کے پیشہ ور لوگ تھے جو اس طرح کی کاروائیاں کرتے تھے اور سیدھے سادھے مسلمان اسے مردان غیب کی ملاقات سمجھ لیتے تھے۔

بدایوں کی ممتاز دینی اور علمی شخصیتوں میں کچھ وہ بزرگ ہیں جو حضرت نظام الدینؒ کی ولادت سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے اور حضرت نے ان کے واقعات اپنے بچپن میں سنے تھے کچھ وہ حضرات ہیں جو حضرت کے زمانہ طفولیت میں بقید حیات تھے اور آپ نے انھیں دیکھا تھا جن بزرگوں کے واقعات آپ نے سن رکھے تھے ان میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت شیخ جلال تبریزیؒ کی ہے

۱: سیرالادبیا میں ۲۰۱

۱۔ شیخ جلال تبریزی تبریز میں پیدا ہوئے ان کے والد شیخ بارالدین ابو سعید تبریزی کے مرید تھے خود انھوں نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بیعت کی اور سات سال تک سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے اور کئی بار حج یا التمش کے زمانے میں دہلی آئے اس وقت غم الدین صغریٰ شیخ الاسلام تھے انھوں نے حسد کی بناء پر ان پر تہمت لگائی جس کے لیے محض طلب کیا گیا (سیرالعارفین ۲۲۵-۲۲۱) آپ دہلی سے بدایوں آئے اور یہاں چندے قیام کر کے بن گال نہر پل لے گئے۔ آپ کا عرس ۱۷ رجب میں ہوتا ہے دیو تلہ دیو محل میں مدفون ہیں سال وفات ۶۴۱ھ بتایا جاتا ہے بزرگی انسان ہستار بطل موباساٹی جولائی۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء پندرہویں شیخ جلال تبریزی کی درگاہ سے متعلق اچانک ہیں بن کی آمدنی ۱۹۳۱ء میں ۲۳ ہزار روپیہ سالانہ تھی یہ بڑی درگاہ کمالاتی ہے اس میں ایک جامع مسجد ہے جس نے سماں جیسے میں شیخ جلال الدین کا چلہ خانہ ہے۔ یہ مقبرہ سلطان علاء الدین علی شاہ نے ۱۳۴۲ء میں تعمیر کیا تھا بعض مصادر میں ان کی تاریخ وفات ۷۳۸ھ لکھی ہے اور جلال الدین جلال عارناں بود مادہ تاریخ ۱۳ باب ہے۔ بیون ابن بطوطہ نے ۷۳۶-۱۳۴۵ء میں بنگال پہنچا ہے ان سے کوہ کامرو میں ملاقات ہونا

وہ غالباً ۶۲ھ/۱۲۳۰-۱۲۲۹ء میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے بغداد سے خوارزم آئے تھے وہاں چند عے قیام کر کے ہندوستان میں وارد ہوئے تھے۔ دہلی میں شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ دوسروں کی مقبولیت سے بہت حسد کرتے تھے انھوں نے شیخ جلال تبریزی پر نہت لگائی اور اس کے لیے باقاعدہ علماء کا محضر طلب کیا گیا۔ شیخ کا بے گناہ ہونا تو ثابت ہو گیا، مگر انھوں نے دہلی میں رہنا

باقیہ حاشیہ بیان کیا ہے: عجائب الاسفار جلد ۲ ص ۳۵۸، وہ لکھتا ہے کہ ایک یا دو سال کے بعد جب وہ چین میں تھا تو اس نے شیخ کے انتقال کی خبر سنی۔ بین یہ کسی غلط فہمی پر مبنی ہے فوائد الفوائد میں شیخ جلال کا تذکرہ ہر موقع پر اس طرح کیا گیا ہے جیسے اُن کے انتقال کو کچھ عرصہ گزر چکا تھا۔ یوں بھی اُردو التمش کے عہد میں دہلی آئے ہیں نہ ۱۳۴۰ء تک زندہ رہنے کے لیے ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ عمر درکار ہے۔ جب کہ ۱۲۵۸ء میں خلیفہ مستعصم باللہ کے انتقال کے وقت شیخ جلال جوان تھے۔ ابن بطوطہ اس نام کے کسی اور بزرگ سے ملا ہوگا، تفصیل کے لیے دیکھیے: فوائد الفوائد جلد ۴ مجلس ۳۹ اخبار الانبیاء۔ سیر العارفین ۲۴۰-۲۵۰ عجائب الاسفار ۳۵۸-۳۵۹ تذکرۃ الواصفین ۴۳۔ جرنل آف پاکستان سمارٹل سو سائی جرنالی۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء

ABID ALI KHAN: Memoirs of Gaur & Pandwa p. 97

۱۔ اس کی بنیاد اس مفرد صفحے پر ہے کہ حضرت زکریا ملتانیؒ کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے اجازت نامہ ۲۱ ذی الحجہ ۶۲۶ھ/۱۰ نومبر ۱۲۲۹ء تک ملا تھا اور شیخ جلال تبریزیؒ اُن کے ساتھ ہی ہندوستان تشریف لائے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ تبریزیؒ کا بدایوں میں قیام حضرت کی ولادت سے بہت زمانہ پہلے کی بات نہیں ہے۔

سیر العارفین ۱۴۸

پسند نہیں کیا، اور بدایوں چلے گئے وہاں ایک دن دریاے سوتھ کے کنارے بیٹھے تھے اچانک کھڑے ہوئے اور حاضرین سے فرمایا کہ ”آؤ شیخ الاسلام نجم الدین کے جنازے کی نماز پڑھ لیں“ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ”شیخ الاسلام نے ہمیں دہلی سے نکالا تھا مگر ہمارے شیخ نے انہیں اس جہان سے ہی نکال دیا“۔ یہ قصہ ۶۳۳ھ کے بعد کا ہو گا اس لیے کہ ۶۳۳ھ کے آغاز میں جب حضرت خواجہ معین الدین اجمیری دہلی سے رخصت ہوئے ہیں، اُس وقت شیخ الاسلام زندہ تھے۔ علی مولا بزرگ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے شیخ جلالؒ سے تربیت یافتہ تھے، یہ بدایوں کے پاس کٹھیر کے علاقے میں ایک مواس کے رہنے والے تھے اور بدایوں میں وہی بیچا کرتے تھے غالباً تعلیم یافتہ بالکل نہ تھے اور شیخ جلالؒ کے ہاتھ پر ہی مسلمان ہوئے تھے حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی دستار بندی کے وقت مولانا اصولیؒ نے علی مولا کو غالباً اسی لیے بلایا ہو گا کہ وہ شیخ جلال تبریزیؒ کے مرید اور تربیت یافتہ تھے۔ اُسی زمانے میں ایک قاضی کمال الدین جعفری تھے شیخ جلال سے اُن کا ایک مکالمہ فوائد الفوائد میں موجود ہے۔ یہ بھی شیخ جلال کے مرید ہو گئے تھے اور اپنے بیٹے برہان الدین کو بھی اُن سے بیعت کرایا تھا، ان قاضی صاحب کا مزار بدایوں کی جامع مسجد میں ہے۔ سیر العارفین میں ان کے ایک فرزند کا نام سیف الدین محمد ملتا ہے اور حضرت نصیر الدین محمودؒ اودھی چراغ دہلی نے قاضی کی ایک تصنیف کا نام ”منفق“ بتایا ہے۔

حضرت کے وصال سے چھ سال قبل ۱۸ ذی محرم ۷۱۹ھ فروری ۱۳۱۹ء کو جامع فوائد الفوائد امیر حسن علامہ سبزی شاہی شکر کے ساتھ بدایوں کا سفر کر کے واپس آئے اور وہاں جن بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی تھی اُن کا ذکر کیا، اور کہا کہ اس شکر میں بس یہی راحت ملی ہے کہ ان بزرگوں کی زیارت ہو گئی۔ حضرت کے والد محترم خواجہ احمد بخاریؒ مولانا علامہ الدین اصولیؒ مولانا سراج الدین ترمذیؒ خواجہ شاہی موصیؒ تائبؒ خواجہ عزیز کمریؒ خواجہ عزیز کوٹوالؒ خواجہ شادی لکھنوتیؒ

قاضی جمال ملتانی ان سب بزرگوں کے نام امیر حسن نے گنائے تو حضرت کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔ (جلد پنجم مجلس ۵۹) اس مجلس میں جن قاضی جمال کا ذکر ہوا ہے ان کا لقب حُسام الدین تھا اور یہ شیخ صدر الدین عارف کے مرید تھے۔

حضرت نظام الدینؒ کو ہدایوں کے دیوانوں اور مجذوبوں سے بھی محبت تھی چنانچہ اسی فوائد الفواد میں ایک مجذوب مسعود نخاسیؒ کا ذکر کیا ہے۔ خواجہ عزیز کرلیؒ بھی مجذوب تھے حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ ان کا زمانہ قاضی جمال جعفری سے پہلے کا ہے۔

شیخ شاہی موسیٰ تائبؒ اور ان کے بھائی خواجہ ابوبکر موسیٰ تائبؒ کا تذکرہ بھی حضرت کی مجلسوں میں بار بار ہوا ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری سہروردیؒ (دف ۵، رمضان ۶۴۳ھ / ۲۵ جنوری ۱۲۴۶ء) شیخ شاہی موسیٰ تائبؒ کو شاہی روشن ضمیر کہا کرتے تھے، ہدایوں میں خلق خدا ان کی طرف بہت رجوع کرتی تھی، وہ جہاں بھی جاتے ایک مجمع سا لگ جاتا تھا، خواجہ شاہی کارنگ سیاہ فام تھا، مسعود نخاسیؒ مجذوب جن کا ذکر اوپر آچکا ہے جب خواجہ شاہی کو خلق کے ہجوم میں دیکھتے تو کہتے: کالے میاں تم نے اپنا ستقابہ خوب گرم کر رکھا ہے مجھے ڈر ہے کہ جل نہ جاؤ اور ایسا ہی ہوا شیخ شاہی جوانی میں ہی جل کر مر گئے۔ یہ ۲۴ رمضان ۶۴۲ھ / ۱۲ جون ۱۲۴۴ء کا واقعہ ہے۔۔۔ سیر العارفین کا بیان ہے کہ ان کے گھر میں آگ لگ گئی تھی اور یہ دھوئیں کی وجہ سے باہر نہ نکل سکے۔

شیخ شاہیؒ کے بھائی خواجہ ابوبکر ۶۵۱ھ / ۱۲۵۳-۱۲۵۴ء میں فوت ہوئے، انھیں حضرت نظام الدینؒ نے اپنے بچپن میں دیکھا ہو گا، خیر المہاس ۲۱۰ ان کے ایک مرید سراج الدین حافظ ہدایوں تھے، انھیں مولفؒ تذکرۃ الاولیاء میں غلطی سے انھی سراج سمجھ کر اولیاء ہدایوں میں شمار کر لیا ہے (ص ۲۸۹) حضرتؒ نے فرمایا کہ سراج حافظ ایک رات کو اٹھے، تازہ وضو کیا، دو رکعت نماز

۱۔ فوائد الفواد جلد ۴ مجلس ۵۹ سیر العارفین؛ ۱۹۵ تاریخ فرشتہ ۲/۴۱۴ تذکرۃ الاولیاء ص ۲۸۹

۲۔ خیر المہاس ۲۱۰

لگے اُن سے کہا گیا کہ تم تو اس نیت سے مکر معطر گئے تھے کہ تمہارا مدفن وہیں ہو گا؟ کہنے لگے: ہاں مگر میں نے ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ چاروں طرف سے جنازے لائے جا رہے ہیں اور اُن جنازوں پر جو مردے ہیں اُن کو مدہ معطر کے اطراف میں دفن کیا جا رہا ہے اور جو مردے مدفنوں میں اُن کو اکھاڑ کر وہاں سے لے جا رہے ہیں میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو بتایا گیا کہ جن لوگوں میں یہاں دفن ہونے کی اہلیت ہوتی ہے وہ خواہ کہیں بھی وفات پائیں اُنہیں یہاں لانے کا حکم ہے اور جو لوگ اس جگہ کے اہل نہیں ہیں خواہ وہ یہاں دفن ہو چکے ہوں اُنہیں دوسری جگہوں پر پہونچا دیا جاتا ہے۔ مولانا مراح الدینؒ نے کہا جب مجھے اس بات کی تحقیق ہو گئی تو بدایوں واپس آ گیا کہ اگر وہاں دفن ہونے کا اہل ہو تو میری غرض بہر حال حاصل ہو جائے گی۔

بدایوں کے قاری بھی ایسے تھے کہ قرآن کو بغفت قرات سے پڑھتے تھے۔ ایک ایسے ہی قاری شادی مقرر کے بارے میں حضرتؒ نے فرمایا کہ سات قراتوں کے ماہر اور بہت باصلاحیت و صاحب کرامت تھے اُن کی ایک کرامت یہ تھی کہ اگر اُن کے سامنے کوئی قرآن کا ایک ورق پڑھ لیتا تھا تو خدا اسے سارے قرآن کا حفظ نصیب کرتا تھا۔ حضرتؒ نے بھی شادی مقرر کے ایک سیپارہ پڑھا تھا۔ پھر دہلی آنے کے بعد اُس کی برکت سے پورا قرآن حفظ ہو گیا۔

شادی مقرر کے ایک آقا لاہور کے خواجلی مقرر تھے یہ بھی بہت بزرگ انسان تھے۔ ایک بار کوئی شخص لاہور سے بدایوں آیا شادی نے اُس سے پوچھا: میرے خواجہ خیریت سے ہیں؟ مسافر نے اُن کی وفات کی خبر چھپائی اور کہا ہاں خیریت سے ہیں۔ پھر لاہور کا حال سنانے لگا کہ وہاں سخت بارش ہوئی ہزاروں گھر ڈھس گئے، ایک بار آگ لگی تو سیکڑوں گھر بھسم ہو گئے، بہت تباہی مچی یہ باتیں سن کر شادی نے کہا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے خواجہ رحلت فرما گئے، تب اُس مسافر نے اقراء کیا کہ اہل وہ ان حوادث سے پہلے ہی گزر چکے تھے۔

دہلی میں سازشوں کا شکار ہو کر قاضی منہاج سراج مصنف طبقات ناصری (ولادت ۵۸۹ھ) بھی ۹ رجب ۶۵۰ھ / ۲ جنوری ۱۲۵۲ء کو دہلی سے نکل کر بدایوں پہنچے تھے وہاں ملک تاج الدین قلیق اُن کا قدرداں تھا یہاں وہ کچھ مدت تک رہے اس زمانے میں حضرت نظام الدین کی عمر ۶۰ سال سے زیادہ نہ ہوگی اُنھوں نے منہاج سراج کے وعظوں میں اپنی شرکت کا ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کو ادا اکل عمر سے ہی دین سے تعلق پیدا ہو گیا تھا قاضی منہاج سراج بدایوں سے اودھ ہوتے ہوئے لکھنؤ (بنگال) کی طرف چلے گئے تھے حضرت نے دہلی میں بھی قاضی منہاج کے وعظ سنے ہیں اُنکا وعظ ہر دو شنبہ کو ہوا کرتا تھا یہ ۶۵۹ھ سے پہلے کی بات ہے کیوں کہ اس سنہ کے بعد قاضی کے حالات پردہ گمنامی میں ہیں۔

ایک اور بزرگ جن کے وعظوں میں حضرت نے اپنے بچپن میں شرکت کی خواجہ نظام الدین ابوالموئیدؒ تھے اُن کا مزار درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ میں درگاہ کی مسجد کی جنوبی دیوار کے پاس بتایا جاتا ہے مگر اشجار الجہال (قلبی) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علی گڑھ میں مدفون ہیں۔ اُن کے وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ حضرت نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ میں اُس وقت اتنا خوردسال تھا کہ معانی و مطالب ابھی طرح نہ سمجھ سکتا تھا۔ ایک محفل وعظ کا حضرت نے ذکر کیا۔ حضرت نظام الدینؒ ابوالموئیدؒ مسجد میں داخل ہوئے۔ جو تیاں اتار کر اپنے ہاتھ میں لیں، اندر آکر دو رکعت نماز رتختیہ المسجد پڑھی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اُن کی طرح نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ دو گمان بہت طینان سے ادا کیا، پھر منبر پر آگئے۔ ایک قاری قاسم تھے اُنھوں نے چند آیات کی تلاوت کی پھر شیخ ابوالموئیدؒ نے اپنا وعظ شروع کیا اور ایک رباعی یہ کہہ کر پڑھی کہ ”میں نے اپنے بابا کے ہاتھ سے لکھی“

حضرت نظام الدین ابوالموئیدؒ اپنے ماموں شیخ عبدالواحد بن شیخ شہاب الدین غزنوی کے مرید

تھے اُن کے دادا شمس العارفینؒ تھے جن کی اولاد میں شیخ جمال کوئی دلی گڑھ میں

(مرآة الاسرار قلمی ۲/۲۰ ب)

ہوئی دیکھی ہے ” ابھی دو مصرعے ہی پڑھے تھے کہ تمام حاضرین نے ایک نعرہ کسرایا اور رونے لگے۔ یہ بار بار دو ہی مصرعے پڑھتے رہے:

بر عشق تو ویر تو نظر خواہم کرد جاں در غم تو زیر دژ بر خواہم کرد

(ترجمہ: میں تجھ پر اور تیرے عشق پر نظر رکھوں گا۔ اور تیرے غم میں اپنی جان کو تہ و بالا کر لوں گا)

پھر کہنے لگے: دوسرے دو مصرعے یاد نہیں آتے کیا کروں۔ یہ بھی انھوں نے ایسی عاجزی سے

کہا کہ حاضرین پر گھبراہٹ ہوئی۔ اُس وقت قاسم مکاری نے باقی دو مصرعے بھی یاد دلادیے:

بر عشق تو ویر تو نظر خواہم کرد جاں در غم تو زیر دژ بر خواہم کرد

پیر درد دے بخاک در خواہم برد پیر عشق سرے ز گور بر خواہم کرد

(ترجمہ: جب مردوں کا تو قبر میں ایک درد بھرا دل ساتھ لے جاؤں گا؛ اور عشق سے معمور سرے کر

حشر کے دن قبر سے اٹھوں گا۔

نوائد الفواد میں آخری دو مصرعے نہیں ہیں، مگر دژ نظامی میں پوری رباعی ہے اسی طرح اخبار

الجمال (قلمی ورق ۲۰۴) میں یہ حکایت نوائد الفواد کے حوالے سے ہے اور اُس میں وہ دو مصرعے

بھی موجود ہیں جو قاسم مکاری نے یاد دلائے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نوائد الفواد کا متن جو اب

ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ مکمل نہیں ہے۔

بدایوں کے اُس عہد کے علماء میں منزلت نظام الدین نے اپنی مجلسوں میں ذکر کیا ہو نہایت

ممتاز اور اپنے فن میں شہرہ آفاق لوگ تھے۔ یہاں صرف علامہ رضی الدین حسن صفحانی رمتوفی

۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء کا نام لینا کافی ہو گا۔ حضرت نے اُن کو دیکھا تو نہ تھا مگر اپنے دور کے بدایوں میں

اُس زمانے میں عموماً علماء میں یہ اصطلاح متبع تابعون کے لیے استعمال ہوتی تھی جن سے کسی کا سلسلہ

روایت متصل ہوتا تھا اُھینہ بابا کہا جاتا تھا۔

۲۔ اس کی کچھ مثالیں ہم نے آئندہ صفحات میں نوائد الفواد کے متن کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھی ہیں۔

اُن کے علم و فضل کے چرچے ضرور سننے ہوں گے۔ اُن کی تالیف ”مشارقی الانوار“ آج تک مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ صحیح بخاری کو مُتداول شکل میں مرتب کرنے کی سعادت بھی انھیں کو ملی تھی۔ حضرت نے ایک مجلس میں فرمایا: ”در علم حدیث از ہمہ ممتاز بود و هیچ کس مقابل او نمود“ (قوائد الفوائد جلد ۳ مجلس ۹) اُن کے بارے میں عام شہرت یہ ہے کہ لاہور میں پیدا ہوئے تھے (آزاد بلگرامی مآثر الکرام ۱۸۱) مگر سب سے قدیم سند حضرت نظام الدینؒ کی ہے انھوں نے فرمایا ”اواز بدایوں بود بعد از ان در کول آمد“ (جلد ۳ مجلس ۹) یعنی اُن کا تعلق بدایوں سے تھا بعد کو علی گڑھ میں جا رہے تھے۔ صفائی کے بارے میں جو باتیں حضرت نے اپنی مجلس میں بیان فرمائیں وہ ہمیں کسی دوسرے ماخذ سے حاصل نہیں ہوتیں اس لیے بھی بہت قیمتی ہیں۔

حضرت نظام الدینؒ کا بچپن بدایوں میں گزرا اُس زمانے کے واقعات اور تذکرے اپنی مجلسوں میں ایسی محبت سے کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کو اپنے وطن سے کیسا جذباتی تعلق تھا۔ بچپن کے دوستوں میں حضرت ایک نوجوان کو بھی یاد کرتے ہیں جس سے گہرا قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا اُس نوجوان کے والد خواجہ عزیز بدایوں کے کوئوال تھے یہ درویشوں کے عقیدت مند اور ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین بدایونیؒ کے مرید تھے اور کبھی درویشوں کو اپنی پجری میں بلا کر ڈانٹ ڈپٹ بھی کر لیتے تھے۔ ایک دن حضرت نظام الدینؒ بدایوں میں آموں کے باغ میں گئے جسے ”لمھی آلو“ کہا جاتا تھا وہاں دیکھا کہ خواجہ عزیز کوئوال ایک درخت کے نیچے دسترخوان بچھائے بیٹھے ہیں انھوں نے حضرت کو دُور سے دیکھ کر آواز دی: ”یہ ڈر گئے کہ کہیں کچھ ایذا نہ پہنچائے“ مگر جھپٹے ہوئے اُن کے قریب گئے تو عزیز کوئوال نے بڑی تعظیم سے اپنے پاس بٹھایا اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔

بدایوں ہی میں ایک اور دوست تھے، اُن کا نام احمد تھا حضرت نے فرمایا کہ بہت صالح اور عبادت گزار ابدال صفت شخص تھے۔ پڑھے لکھے بالکل نہ تھے مگر بے وقت مسائل شرعیہ کی تحقیق میں لگے رہتے تھے جس سے بھی ملتے تھے کوئی شرعی مسئلہ دریافت کرتے تھے۔ جب حضرت دہلی آ گئے تو یہ بھی چلے آئے تھے۔ ایک دن راستے میں ملاقات ہو گئی تو بڑی گرم جوشی سے ملے حضرت کی والدہ ماجدہؑ کی خیریت دریافت کی انہیں علم نہیں تھا کہ حضرت کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ حضرت نے بتایا تو دعاوی کہ اچھا تم جیتے رہو۔ پھر چہرے پر اضطراب کے آثار ظاہر ہوئے رنگ بدل گیا اور رونے لگے۔ یہ قصہ بیان کرتے ہوئے خود حضرت نظام الدینؒ اتنے بے قابو ہو گئے کہ ہچکیاں لے کر روئے الفاظ گلے میں رندھنے لگے اُس وقت حضرت نے یہ دو شعر پڑھے: خبر نہیں کہ یہ احمد بدایونیؒ کی روایت کا حصہ تھے یا حضرت نے بطور خود پڑھے:

افسوس دلم کہ بیچ تدبیر نکسرد شب ہای دصال را بزنجیر نکسرد

گر وصل تو یاری کند یا نکند بارے کہ فراق بیچ تقصیر نکسرد

ترجمہ: افسوس کہ میرے دل نے کوئی تدبیر نہ کی اور وصل کی راتوں کو باندھ کر نہ رکھ لیا۔

اب خدا جانے تیرا دصال نصیب ہو یا نہ ہو۔ بارے فراق نے تو کوئی کسر اٹھا کر رکھی نہیں

آپ نے فرمایا کہ کچھ دن کے بعد احمد بدایونیؒ نے رحلت کی تو میں نے انہیں خواب میں دیکھا وہ حسب

معمول مجھ سے احکام و مسائل پوچھنے لگے۔ میں نے کہا کہ یہ بائیں تو زندگی میں کام آتی ہیں آپ کا

تو اب انتقال ہو چکا ہے۔ احمد بدایونیؒ نے کہا: ”اچھا تو تم اولیاء اللہ کو مردہ کہتے ہو؟“

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت کے دوستوں میں جو بے ہڑے تھے وہ بھی کس

کردار کے لوگ تھے۔

حضرتؒ جب تک بدایوں میں رہے تنہا تشریف لے گئے مگر بعد میں ہی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ والد کے انتقال سے اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا تھا اور اُن مرحوم نے ترکے میں کچھ سرمایہ نہیں چھوڑا تھا۔ کبھی گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا اور حضرت سبق پڑھ کر واپس آتے تھے تو ان کی والدہ کہتی تھیں: آج ہم اللہ کے مہمان ہیں: حضرت کو یہ بات بہت اچھی لگتی تھی اور اگر کبھی کئی دن تک مسلسل کھانے کو ملتا تھا تو یہ سوچتے تھے کہ وہ دن کب آئے گا جب ہم پھر اللہ کے مہمان ہوں گے۔ اس سے حضرت کا فقر و درویشی سے فطری لگاؤ معلوم ہوتا ہے۔

بدایوں کو خیر باد کہنے کے بظاہر دو سبب تھے ایک تو آپ ۱۶ سال کی عمر تک وہاں کے علماء سے متوسط کتابوں کا درس لے کر فارغ ہو چکے تھے اور اُس وقت دہلی میں ایسے مدارس تھے جن میں نہایت ممتاز علماء اور اساتذہ مسندِ درس بچھائے بیٹھے تھے مزید تعلیم اُن کی خدمت میں پہنچ کر ہی ہو سکتی تھی دوسرے یہ بھی خیال تھا کہ دہلی میں معاش کا کوئی سلسلہ پیدا ہو جائے گا بدایوں میں آپ نے زیادہ تر ادب لغت اور فقہ کا درس لیا اور مقاماتِ حریری کے چالیس مقام ازبانی یاد کر لیے تھے۔ جب دہلی آئے تو یہ افسوس کرتے تھے کہ اتنا وقت مقاماتِ حریری کے حفظ کرنے میں ضائع کر دیا اس سے اچھا تھا کہ قرآن کریم حفظ کرتے چنانچہ آپ نے حدیث شریف کا باقاعدہ درس اپنا شروع کیا اور باقی وقت میں کسی تنہائی کے مقابلے میں جاکر قرآن شریف حفظ کیا کرتے تھے۔ آپ نے حدیث شریف کی کتاب مشارق الانوار بھی پوری حفظ کر لی تھی۔

یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ اپنے مختصر سے خاندان کو بدایوں میں چھوڑ کر خود دہلی میں رہ سکیں ایک بوڑھی دانتیں جو حضرت کے لیے اس زمین پر سب سے زیادہ شفیق، مستی تھی دوسری ایک بہن منقیں اور اُن کے دو چھوٹے بچے تھے اُن کی کفالت بھی حضرت کو کرنی تھی۔ آپ نے دہلی کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے پہلا سفر تنہا کیا اور پہلی بار اس دہر الخلافہ کو دیکھا۔ اس بار قیام کی مدت زیادہ نہیں تھی۔ حالات کا جائزہ لے کر بدایوں واپس آگئے دوسرا سفر

ایک دن شمس الملک نے کہا کہ میں ایک شعر پڑھوں گا شرط یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اُسے یاد کر لے مگر دوبارہ نہیں پڑھوں گا۔ یارانِ مجلس خاموش رہے۔ حضرت نظام الدین اُس مجلس میں حاضر تھے آپ نے فرمایا میں یاد کر لوں گا۔ شمس الملک عبدالرحمن نے یہ شعر پڑھا:

دولت چکنم دولت تو دولت ماست نعمت چکنم نعمت تو نعمت ماست

(نفائس الانفاس قلمی، محفوظ ۱۰۔ جماد الاول ۷۳۷ھ)

(۲) برہان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد بخاری بلخی۔ بلبن کے زمانے میں بقیہ حیات تھے وہ رضی الدین حسن الصغانی (د ۷۵۴ھ) کے شاگرد تھے اور اُن سے مشارق الانوار کی سند حاصل کی تھی دہلی میں مشارق الانوار کا درس شروع کرنے والے وہ پہلے محدث تھے اور غالباً وہی یہ کتاب لے کر آئے تھے اُنہیں مرغینان (وسط ایشیا) میں کتاب الہدایہ کے مصنف برہان الدین مرغینانی (د ۵۹۳ھ) سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا تھا سلطان بلبن اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔ اُنہوں نے ۶۸۷ھ / ۱۲۸۸ء میں دہلی میں وفات پائی اور حوض شمس کے مشرقی کنارے کی طرف مدفون ہوئے۔

(دیکھیے: اخبار الاخبار ۶۸۔ رحمن علی ۲۳۔ نزمۃ الخواطر۔ حدائق الحنفیہ ۲۶۴)

(۳) ایمن الدین محدث تبریزی:

ان کا حال زیادہ معلوم نہیں ہے، ان کا انتقال قطب الدین مبارک شاہ کے عہد حکومت میں دہلی میں ہوا۔ حضرت نے ان سے بھی حدیث کی سماعت کی تھی۔

(۴) محمد بن احمد بن محمد الماریکی معروف بہ کمال الدین زاہد (د ۶۸۴ھ / ۱۲۸۵ء) ماریکلہ (گجرات) کے

رہنے والے تھے۔ اُنہوں نے رضی الدین حسن الصغانی کی تالیف مشارق الانوار کا درس برہان الدین محمود (د ۶۸۷ھ / ۱۲۸۸ء) اور شرح آثار النیرین فی اخبار الصغیین کے مصنف کے ساتھ لیا تھا۔ حضرت نظام الدین نے گرمی اور برسات کے موسم میں جون۔ جولائی۔ اگست ۱۲۸۸ء

بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ سے بیعت کر چکے تھے۔ اسی زمانے میں امیر خسرو کے ماموں اپنی جائیر سے واپس آگئے اور انھوں نے آنا خانہ مکان خالی کر لیا، حضرت کو اتنی مہلت بھی نہیں دی کہ وہ کوئی دوسرا مکان تلاش کر لیں۔ مجبوراً حضرت اس مکان سے فوراً نکلے، سامان میں صرف کتابیں ہی تھیں وہ ساتھیوں نے سر پر رکھیں اور چھپر والی مسجد میں آگئے جو سراج بقال کے گھر کے سامنے تھی، ایک رات تو اسی مسجد میں گزار دی دوسرے دن شیخ صدر الدین ملتانی کے مرید سعد کاغذی کو یہ ماجرا معلوم ہوا تو وہ حضرت کو اپنے گھر لے آئے اور بالائی منزل حضرت کے رہنے کے لیے خالی کر دی، سید محمد کرمانی کسی دوسرے مکان میں منتقل ہو گئے۔ حضرت اس مکان میں ایک ماہ تک رہے اور اس مدت میں دوسری جگہ بھی تلاش کرتے رہے، آخر یہاں سے سرائے رکابدار میں آگئے یہ سرائے پل قیصر کے پاس تھی، اور اس کے اندر ایک مکان بھی تھا اس میں فروکش ہوئے اسی سرائے کے ایک حجرے میں سید محمد کرمانی نے اپنے خاندان کو ٹھہرا دیا۔ اس مکان میں حضرت خاصی مدت تک رہے پھر شادی گلابی کے مکان میں آگئے، اسی زمانے میں شمس الدین شہر ابادار کے بیٹے اور دوسرے اقربا آئے اور منت کر کے حضرت کو شہر ابادار کے مکان میں لے آئے۔ یہاں حضرت کو بہت آرام ملا۔ اجودھن سے آنے والے یاران طریقت حضرت سے اسی مکان میں ملتے تھے۔

دہلی میں تعلیم | دہلی آنے کے بعد تقریباً چار سال آپ مزید تعلیم حاصل کرتے رہے اور یہاں کے جن باکمال استادوں سے آپ نے درس لیا ان کے نام یہ ہیں:

(۱) شمس الدین خوارزمی، خطاب شمس الملک اور نام عبدالرحمن تھا۔ یہ بلبن کے وزیر بھی ہوئے

۲۔ یہ لفظ سیرالادب کے قدیم قلمی نسخوں میں اس طرح لکھا ہے کہ اسے چھتر دار، بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

۳۔ شاہی محل میں پانی کے انتظام کی خدمت جس کے سپرد ہوتی تھی اسے شہر ابادار کہا جاتا تھا۔

بلورے خاندان کے ساتھ ہوا اور پھر آپ دہلی ہی کے ہو رہے۔ اس کا کوئی سُراغ نہیں ملتا کہ آپ کو پھر کبھی بدایوں جانے کا موقع ملایا نہیں ملا۔ غالب قیاس یہ ہے کہ پھر آپ کا اُدھر جاننا ہو سکا ورنہ کہیں نہ کہیں کوئی ذکر یا اشارہ ضرور ملتا۔

دہلی میں حضرت نظام الدینؒ کا قیام متعدد مکانوں میں مختلف اوقات میں رہا۔ بدایوں سے آئے تو بیچ بازار میں ایک سرائے تھی جسے سرائے نمک کہا جاتا تھا وہاں فروکش ہوئے والدہ ماجدہ اور بہن بھانجے بھی یہیں رہے، حضرت خود ایک کانگر کے مکان میں رہے، جو اُس سرائے کے سامنے تھا۔ اسی محلے میں امیر خسرو کا گھر بھی تھا، ان کے نانا عماد الملکؒ راؤتِ عرض کی حویلی تھی۔ امیر خسروؒ کے ماموں اپنی جائگیر پر چلے گئے تو یہ مکان خالی رہ گیا تھا، غالباً امیر خسروؒ کی کوشش سے حضرت کو یہ مکان رہنے کے لیے مل گیا، اور اس میں تقریباً دو سال تک رہے۔ یہ حویلی پل منڈہ کے پاس اور شہر پناہ سے ایسی ملی ہوئی تھی کہ اُس کی ایک بُرج اس حویلی کے اندر شامل ہو گئی تھی۔ حویلی نہایت وسیع اور عالی شان تھی، اس میں بڑے بڑے دالان تھے۔ اسی زمانے میں مولف سیرالاولیاء کے دادا مع خاندان کے اجودھن سے دہلی آئے تو وہ بھی اسی حویلی میں حضرت کے ساتھ رہے تھے۔ اس حویلی کی تین منزلیں تھیں۔ پچھلی منزل میں سید محمد محمود کرمائیؒ رہے اور درمیانی منزل میں حضرت رہتے تھے، سب سے اوپر کی منزل میں حضرت کے دوسرے ساتھی رہتے تھے۔ کھانا بھی اسی بالائی منزل میں کھایا جاتا تھا۔ اُس وقت حضرت کے خادم خواجہ مُبشرؒ ساتھ تھے مولف سیرالاولیاء کی دادی کھانا تیار کرتی تھیں، اور سید محمد کرمائیؒ اذکار کے وقت کھانا لے کر آتے تھے، دوسری خدمت شد و ضو کرانا بیت الخلاء میں طہارت کا سامان رکھنا، یہ سب مولف سیرالاولیاء کے والد کرتے تھے، جو اُس وقت بچے ہی تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا، یعنی ۶۶ھ کے بعد، کہ حضرت اجودھن جا کر حضرت

۱۔ عماد الملک راؤتِ عرض کے لیے تفصیل دیکھو فیروز شاہی برنی: ۱۴ وغیرہ

ان سے نجم الدین ابوبکر التوہاسی فی مسجد مدینہ حدیث کی سماعت کی 'انہوں نے ۲۲ ربیع الاول ۶۷۹ھ کو
باتقاعدہ سند حدیث لکھ کر حضرت کو عنایت کی جس کا متن سیر الاولیاء میں موجود ہے مولانا زاہد نے اس میں

لکھا ہے: "وَأَوْصِيهِ أَنْ لَا يَنْتَابِي وَ أَوْلَادِي
فِي دَعْوَاتِهِمْ فِي خَلَوَاتِهِمْ"

(میں وصیت کرتا ہوں کہ مجھے اور میری اولاد کو اپنی خلوت کی دعاؤں میں نہ بھولیں)

برائے تفصیل دیکھیے: سیر الاولیاء: ۱۱۵ اخبار الاخبار ۴۵ خزینۃ الاصفیاء ۱/۳۱۴

تذکرہ علمائے ہند: ۲۵ محمد اسحق: ۷۷-۸۲ رسالہ معارف اعظم گڑھ ج ۲۲ ش ۵
مؤلف سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ جس دن حضرت کو رات عرض کا مکان پھوڑنا پڑا اور
”مسجد چھتر دار“ میں آئے اُسی رات کو رات عرض کے مکان میں آگ لگی اور ساری عمارت جل
کر خاکستر ہو گئی۔ دہلی میں حضرت کی تشریف آوری اور قیام کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم کچھ آگے
نک نکل آئے اس لیے سلسلہ سخن قائم رکھنے کے لیے کچھ بیان حضرت کی بیعت و ارادت اور
اجودہن میں اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ کی خدمت میں
حاضری کا بھی کیا جاتا ہے۔

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت بابا فریدؒ کے مبارک نام اور درویشانہ صفات کا پہلا تعارف
بدایوں میں ایک شخص ابوبکر خراط کے ذریعہ ہوا تھا، پھر دہلی کے سفر میں ایک بوڑھے شخص
محمد عوض ساتھ ہو گئے تھے جو خوف و خطر کے مقام میں اپنے پیر کی دُہائی دیتے تھے اور نعرہ لگاتے تھے
کہ: ”یا پیر حاضر باش مادرِ پناہ تو میر ویم“ (اے پیر حاضر رہنا ہم آپ کی پناہ میں سفر کر رہے ہیں)
حضرت نے محمد عوض سے پوچھا کہ تم کس پیر کو پکارتے ہو؟ تو انہوں نے حضرت بابا فریدؒ کا نام لیا
اس سے حضرت نظام الدینؒ کا ذوق و شوق اور صدق و ارادت جو پہلے ہی زیادہ تھی اور بھی پختہ

ہو گئی۔ حضرت بابا فریدؒ کے چھوٹے بھائی اور خلیفہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ دہلی کی ایک مسجد میں امامت کرتے تھے جو کسی ترک امیر نے بنوائی تھی۔ اتفاق سے حضرت نظام الدینؒ کو شیخ کا پڑوس ملا شیخ نجیب الدینؒ کا گھر چھوٹا سا اور غالباً دو منزلہ تھا جس کی دوسری منزل پر چھپر پڑا ہوا تھا، اسی حال میں وہ ستر سال تک دلی میں رہے و مرآۃ الامرار قلمی ورق ۳/۲۷ اور ۱۹- باراجودھن کا سفر کیا (سیر العارفین ۱۳۱)۔ اُن کا انتقال ۹- رمضان ۶۶۹ھ ۲۱ اپریل ۱۲۷۱ء کو دہلی میں ہوا اُریاض الادبیاء بختاور خاں قلمی نسخہ ٹونک، اس وقت حضرت نظام الدینؒ اجودھن گئے ہوئے تھے شیخ کا مزار مبارک دہلی میں آدھ چنی کے مقام پر بجے منڈل کے قریب موجود ہے یہ صغیر جنگ ہسپتال سے مہرولی کی طرف جانے والی سڑک پر دائیں ہاتھ کو پڑتا ہے۔ اُس وقت یہی جگہ منڈہ دروانہ کہلاتی تھی۔ اور شہر پناہ کی دیوار بھی یہیں سے گزرتی تھی۔ حضرت نظام الدینؒ اولیاء نے اپنی مجلسوں میں اکثر شیخ متوکلؒ کا حال بیان کیا کہ میں نے اس شہر میں اُن جیسا یادِ خدا میں مستغرق کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا، اُنہیں دنیا کے معاملات کی مطلق خبر نہیں تھی، اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ گوشت کیسے بکتا ہے، یا آٹا کس طرح تیار ہوتا ہے، نہ یہ خبر تھی کہ آج کون سادن اور کون سا مہینا ہے، یا یہ مکہ کون سا سکتہ ہے؟۔ فقر اور توکل ایسا تھا کہ عید کی نماز کے بعد کچھ قلندر آپ کے گھر آئے آپ اُنہیں بٹھا کر اُوپر کوٹھے پر گئے، مگر کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہ تھی، مصلیٰ اُٹھا کر دیکھا تو وہ بھی بٹھا ہوا تھا اور بکنے کے لائق نہ تھا۔ اپنی اہلیہ کی اوڑھنی دیکھی کہ شاید وہ ایک آدھ درہم میں بک جائے مگر وہ بھی لیر لیر ہو رہی تھی۔ آخر اُن قلندروں کو ایک پیالہ پانی پلا کر رخصت کر دیا۔

(سیر العارفین اردو ترجمہ ۱۳۵)

حضرت متوکلؒ کے دو بیٹے شیخ احمد اور شیخ محمد تھے، دو پوتوں کے نام محمد عطا اور بہرام معلوم ہیں حضرت شیخ متوکلؒ ہر سال اپنے بھائی حضرت بابا فریدؒ سے ملنے کے لیے اجودھن جایا کرتے تھے

ایک بار اپنی بوڑھی والدہ کو ساتھ لے کر جا رہے تھے، راستے میں ماں نے پانی مانگایا، انھیں ایک درخت کے نیچے بٹھا کر پانی کی تلاش میں نکلے۔ دیر کے بعد کہیں سے پانی لے کر آئے تو والدہ کو اُس جگہ نہیں پایا پریشانی کے عالم میں گھنٹوں تلاش کرتے رہے اور جنگل میں ہر طرف اپنی بوڑھی ماں کو آوازیں دیں، مگر ساری صدائیں جنگل کے مہیب سنائے میں گم ہو گئیں۔ آپ کو یقین ہو گیا کہ کسی درندے نے آپ کی والدہ کو ہلاک کر دیا ہے۔ وہاں سے بہت ہی رنج اور مایوسی کے عالم میں اجودھن پہونچے اور سبھائی کو سارا ماجرا سنایا، انھوں نے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ پڑھی اور صبر کر لیا۔

دوبارہ جب شیخ متوکلؒ اجودھن جاتے ہوئے اُسی جنگل سے گزرے تو انھوں نے اُسی درخت کے نیچے جہاں والدہ کو بٹھایا تھا، کچھ انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی دیکھیں۔ آپ کو خیال ہوا کہ شاید یہ والدہ مرحومہ کی ہڈیاں ہوں۔ انھیں چن کر ایک تھیلے میں رکھ لیا۔ اب جو حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں آئے تو عرض کیا کہ اس طرح کچھ ہڈیاں اُسی درخت کے نیچے ملی تھیں میں نے سوچا کہ شاید یہ والدہ مرحومہ کی ہڈیاں ہوں انھیں اُٹھا لیا کہ اجودھن میں دفن کر دوں گا۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا: لاؤ وہ تھیلہ کہاں ہے؟ انھوں نے وہ تھیلہ نکال کر اُن کے سامنے جھٹکا تاکہ ہڈیاں فرش پر نکل آئیں، مگر اُس میں سے کچھ بھی نہیں نکلا۔ تھیلے میں ہاتھ ڈال کر بھی خوب مٹولا، کچھ نہیں ملا۔ یہ معاً بدستور باقی رہا، اور حضرت نظام الدینؒ فرماتے تھے کہ یہ واقعہ عجائبِ روزگار میں سے ہے۔

دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے لیے شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی ذاتِ گرامی بڑی نعمت ثابت ہوئی۔ اُن کی حیثیت آپ کے شفیع سرپرست کی تھی۔ اس کے علاوہ اُن کے بے مثل کردار، خدادستی توکل، استغناء، شانِ فقر و درویشی اور محبتِ علم نے حضرت نظام الدینؒ کے ذہن

کی تربیت اور مزاج کی تشکیں میں بڑا حصہ لیا۔

جب کسی بزرگ سے دعا کرائی ہوتی تو فاتحہ کا التماس کیا جاتا تھا وہ لمبے اٹھا کر سوڑ فاتحہ پڑھتا اور مقصدِ دلی کے لیے دعا کرتا تھا۔ قیامِ دہلی کے ابتدائی زمانے میں جب حضرت کسی سے بیعت نہیں ہوئے تھے اور سرپرہال رکھتے تھے، انہوں نے حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ سے فاتحہ کا التماس کیا شیخ نے سنی اُن سنی کر دی۔ شیخ نظام الدینؒ نے تین بار گزارش کی کہ میرے لیے اس نیت سے فاتحہ پڑھ دیجیے کہ میں کہیں قاضی ہو جاؤں شیخ متوکلؒ نے فاتحہ کے لیے ہاتھ نہیں اٹھائے اور سکرا کر فرمایا: تو قاضی شو چیزے دیگر شو۔ (تم قاضی مت بنو کچھ اور بنو)

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی بارگاہ میں:

حضرت نظام الدینؒ کے دل میں حضرت بابا فریدؒ کی محبت اور اُن کی ذاتِ گرامی سے بے پناہ عقیدت تو برسوں سے پرورش پارہی تھی، شیخ نجیب الدینؒ کی صحبت نے اس تعلق کو اور بھی راسخ کر دیا تھا لیکن ابھی تک اجودھن جانے کی سبیل نہیں نکلی تھی۔ سب سے بڑا سبب غالباً یہ تھا کہ والدہ ضعیفہ تھیں، ایک بہن اور اُن کے دو بچے تھے جن کی دیکھ ریکھ کرنے والا حضرت کے سوا کوئی نہ تھا۔ لیکن ایک صبح کو فجر کے وقت کسی نے مسجد کے سارے سے نہایت خوش الحانی کے ساتھ یہ آیت پڑھی:

الْم بِابِ لِلذَّيْنِ آمَنُوا اِنْ نَحْنُ فَلَوْثُمْ لَذَكَرَ اللَّهُ

یہ الفاظ کالوں میں پڑے تو جادو کا سا اثر دکھائی دیا۔ وجد و شوق کی کیفیت صبر و تحمل کی حدوں سے نکل گئی اور اجودھن کی حاضری کا اشتیاق جو برسوں سے دل میں کھڑی رہا تھا قوت سے فعل میں آنے کو پھلنے لگا۔ آپ نے جوشِ عقیدت میں سفرِ اجودھن کے لیے اس طرح احرام باندھا جیسے حج کیلئے باندھا

۱۔ رسالہ توأم العقائد (قلمی) تالیف ۱۹۵۵ء سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ۱۹۶۷ء میں حضرت نظام الدین

پہلی بار اجودھن کے سفرِ چتر شریف لے گئے ہیں آپ کی والدہ ماجدہ حیات تھیں اور آپ اُن سے

اجازت لے کر اجودھن گئے تھے

جاتا ہے، رشتہائے لاتقیاء مطبوعہ حیدرآباد) اور سفر پیر روانہ ہونے سے پہلے مسجد میں نوافل پڑھنے کے لیے آئے۔ اُس وقت دل میں یہ خیال گزرا کہ میں نے جو احرام باندھ لیا ہے یہ شریعت کی رو سے جائز بھی ہے یا نہیں؟ اُسی مسجد کے ایک کونے میں پھٹے پیرانے کبیل میں لیٹے ہوئے ایک مجذوب پڑے تھے جو حضرت کو دیکھ بھی نہیں رہے تھے وہ اچانک زور سے بڑبڑائے: ”اَلْعَلَمُ حِجَابُ اللّٰهِ الْاَكْبَرُ“ (علم اللہ سے ملنے کے لیے بہت بڑا حجاب ہے) آپ نے یہ آواز سنی تو دل میں سوچا کہ خیر علم پر وہ تو ہوسکتا ہے مگر ”حجاب اکبر کیوں ہونے لگا؟“ وہ مجذوب اس خطرے سے بھی آگاہ ہو گئے اور پھر بڑبڑائے: ”بڑا چھوٹا تو وہاں جا کر معلوم ہو گا۔“ چنانچہ یہی ”واجب آپ اجد صحن پہنچے“ اور یہ بدھ کا دن ظہر کا وقت تھا رجب ۷۶۶ھ / مارچ ۱۲۶۹ء کی کوئی تاریخ تھی، ایک دن حضرت بابا صاحب نے خود ہی دریافت فرمایا: ”مولانا نظام الدین ہمارے جمال (شیخ جمال الدین ہانسوی مراد ہیں) کا فرزند ملا تھا؟“ عرض کیا: ”جی ہاں جس دن میں اجد صحن کے لیے روانہ ہونے والا تھا وہ مسجد کے ایک کونے میں پڑے ہوئے ملے تھے“ بابا صاحب نے پھر پوچھا: ”کچھ کہتا تھا؟“ حضرت نے وہ گفتگو دہرائی تو بابا صاحب نے فرمایا: ”وہ ٹھیک ہی کہتا تھا۔ حجاب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک حجاب ظلماتی ہوتا ہے کہ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آتا، دوسرا حجاب نورانی ہوتا ہے کہ زیادہ روشنی میں بھی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں، علم نورانی حجاب ہے اس لیے حجاب اکبر ہے۔“

آپ پوری بے سرو سامانی کے عالم میں ”یا خافِظُ یا ناکِ صرُ یا معینُ“ کا ورد کرتے ہوئے دہلی سے نکلے تھے، کئی دن تک بھوکے پیاسے سفر کرتے ہوئے جب اجد صحن پہنچے تو عقیدت و محبت کے نشے میں سرشار تھے، اُس سرزمین کے ایک ایک ذرے کو نگاہیں بوسہ دے رہی تھیں، دل قدم قدم سے اُس زمانے میں دہلی سے اجد صحن تک سفر کا راستہ یوں تھا: دہلی سے پالم - مسعود آباد - ہانسی - فتح آباد بھینر - سرسہ - اجد صحن۔ جو ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے ”دورِ راستہ یوں ہے جو برنی نے لکھا ہے یعنی کھرام - سامانہ - اگر وہ نہ سناں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے دونوں راستوں پر سفر کیا ہے“ ابن بطوطہ بھی لکھتا ہے کہ دہلی سے طمان کا راستہ ۴۰ دن کا ہے۔

پر سجدے کر رہا تھا، راستے کی دھول میں اُٹے ہوئے کپڑے میسے ہو کر ہم رنگ زمین ہو گئے تھے، طویل سفر کی مشقت سے چہرہ کھٹا گیا تھا، مگر دل کا کنول کھلا ہوا تھا اور آنکھیں نورِ مسرت سے چمک رہی تھیں جب شیخ کا سامنا ہوا تو دل بھر آیا اور اتنی بات ہی کہہ سکے کہ آپ کی قدم بوسی کا اشتیاق مدت سے غالب تھا، اشتیاقِ پاے بوسی عظیم غالب آمدہ بود! بابا صاحب نے انھیں دیکھتے ہی خوش آمدید کہا اور یہ شعر پڑھا،

اے آتشِ فراقت دہا کبابِ کردہ

سیلابِ اشتیاقِ جانِ خرابِ کردہ

(اے وہ کہ تمہارے برہ کی آگ نے دل کو کباب بنا رکھا ہے اور تمہارے اشتیاق کے سیلاب

نے جان کو کھنڈر کی طرح شکستہ و دیران کر دیا ہے)

پھر خیر و عافیت اور راستے کی کیفیت دریافت کرتے رہے۔ حضرت نظام الدینؒ سے فریاد جذبات میں بولا بھی نہیں جا رہا تھا یہ حال دیکھ کر بابا صاحبؒ نے فرمایا: رُکّو داخلِ دُھشتہ۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مقولہ ہے کہ ہر نیا آنے والا کچھ مرعوب ہوتا ہے اُسے گرم جوشی سے سلام دعا کر کے مانوس بنانا چاہیے۔

حضرت نظام الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ بابا صاحبؒ کے حسنِ عبارت، لطافتِ تقریر، عذوبتِ بیان اور شیرینیِ گفتار کا یہ عالم تھا کہ مخاطب کے دل پر اثر ہوتا تھا، حلاوتِ ایسی تھی کہ الفاظِ کالوں میں رُس مھولتے تھے اور سننے والا سوچتا تھا کاش غایتِ ذوق و کیفیت میں اس وقت دم نکل جائے تو کتنا اچھا ہو شاید اسی لیے حضرت بابا صاحبؒ کو گنجِ شکر کہا گیا ہے۔

آپ نے خدمتِ شیخ میں پہونچنے سے پہلے ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ شیخ کی زبانِ مبارک

سے جو کچھ سنوں گا اُسے لکھ لیا کروں گا۔ چنانچہ جو کچھ شیخ سے سنا تھا جماعت خانے میں واپس آ کر وہ کسی کاغذ پر لکھ کر رکھ لیا اور اسی طرح باقی مجلسوں میں جو کچھ سنتے رہے متفرق پیرچوں پر لکھتے رہے اور یہ بات شیخ کو بتا بھی دی تھی کہ میں آپ کے ملفوظات لکھ رہا ہوں، چند روز کے بعد کسی نے آپ کو سفید کاغذ کی ایک بیاض جلد بندھی ہوئی دی آپ نے اسے ایک غیبی اشارہ سمجھا اور وہ سب فوائد جو متفرق پیرچوں پر لکھتے رہے تھے اُس میں درج کر لیے۔ اس بیاض پر سب سے پہلے آپ نے اپنے قلم سے لکھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝ پھر ملفوظات شیخ درج کرنا شروع کر دیے شیخ جب محفل میں کوئی حکایت یا کوئی نکتہ بیان کرنے لگتے تو پوچھ پلٹتے تھے کہ مولانا نظام الدین موجود ہیں؟ اگر حضرت اُس وقت موجود نہ ہوتے تو جب واپس آتے شیخ اُن فوائد کا اعادہ کرتے تھے تاکہ حضرت نظام الدین اپنی بیاض میں لکھ سکیں۔ ہمیں علم ہے کہ یہ مجموعہ ملفوظات ۸ شوال ۱۲۸۵ھ (۲۱ مارچ ۱۹۰۹ء) تک حضرت نظام الدین کے پاس موجود تھا۔

جب حضرت نظام الدین خانقاہ میں پہنچے ہیں تو 'بابا صاحب' نے اپنے داماد اور خادم خاص حضرت بدر الدین اسحاقؒ کو بلایا اور اُن سے کہا: مولانا نظام الدین دہلی سے آئے ہیں، اُنہیں لے خواجہ بدر الدین اسحاق بن علی بن اسحاق بخاری دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی ان کے والد منہاج الدین علی بن اسحاق بخاری تمام علوم میں فاضل اور ممتاز تھے۔ طویل عرصے تک مدرسہ معزی میں درس دیا حضرت بدر اسحاقؒ کی تعلیم بھی اسی مدرسہ میں ہوئی اور کچھ دنوں اس میں پڑھایا بھی۔ وہ منقولات و معقولات کے ماہر تھے اعلیٰ تعلیم کے لیے بخارا کی طرف جاتے ہوئے اجودھن سے گزرتے تھے حضرت بابا فریدؒ کی خانقاہ میں آئے تو تمام عمر کے لیے وہیں کے ہو رہے۔ اُن کا مزار پاک پتین کی قدیم جامع مسجد سے متصل حجرہ میں ہے وہاں حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے جو کتب لکھوائی تھیں اُس پر سنہ وفات ۶۹۴ھ کندہ ہے بعض تذکرہ نگاروں کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۶۹۲ھ میں

جماعت خانے میں ٹھہراؤ اور ان کے لیے چار پائی کا انتظام کرو۔ جماعت خانے میں سب درویش زمین پر سوتے تھے۔ حضرت نظام الدینؒ نے دیکھا کہ کتنے ہی خاصانِ حق، حافظانِ کلامِ ربانی اور عاشقانِ رحمانی فرشِ خاک پر سو رہے ہیں تو فرمایا کہ میں بھی زمین پر ہی سوؤں گا یہاں چار پائی پر سونا اچھا نہیں لگتا۔ حضرت بدراستخ نے کہا تم اپنا کہا کر دو یا شیخ کا حکم مانو گے؟ اس پر لا جواب ہو گئے۔ مگر روایت ہے کہ حضرت نے چار پائی کو الٹا بچھا کر آرام فرمایا یعنی اس طرح کہ اس کا چھلنگا زمین سے لگا رہا اور شیخ کے حکم کی تعمیل بھی ہو گئی۔

اُسی زمانے میں بابا صاحبؒ نے ایک مجلس میں حاضرین سے فرمایا کہ میں کسی کو نعت (خلافت) دینا چاہتا تھا۔ مگر میرے دل میں اتنا کیا گیا کہ نظام الدینؒ دہلی سے آرہے ہیں ان کا انتظار کرو۔ جب حضرت نے بابا صاحبؒ سے بیعت کرنے کی درخواست کی تو مخلوق جو نے (سرمندا نے) کی نیت نہیں تھی، کیونکہ مخلوق جو نے کے بعد آپ کو طالب علموں میں رہنے سے شرم آتی تھی، بابا صاحبؒ نے بیعت کی درخواست فوراً منظور کر لی پہلے سورہ فاتحہ پڑھوائی پھر سورہ اخلاص اُس کے بعد آمن الرسول بِعَدَالَةٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ الدِّينَ بَعْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ تلاوت کرائی اور فرمایا کہو: میں نے اس فقیر (حضرت بابا فرید گنج شکرؒ) اور اُس کے خواجگان اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ پیر اور آنکھوں کو محفوظ

(بقیہ) انتقال ہوا۔ عبدالرحمن چشتی نے مرآۃ الاسرار (قلمی ج ۲ ورق ۳۵ تا ۳۸ ب) میں ۶۹۰ لکھا ہے

تاریخ ۶، جمادی الثانی میں اختلاف نہیں۔ مجھے ۶۹۰ صفحہ سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے یہ عیسوی

حساب سے ۶ جون ۱۲۹۱ء ہوتی ہے۔

مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے: اخبار الاحیاء/۶۷ تذکرہ مرآۃ الاسرار (قلمی) ورق ۳۵-۳۸

تذکرہ علایق بندہ ص ۳۱: قترۃ الخواطر جلد ۱/۱۲۲-۱۲۴ تکملہ سیر الاولیاء/۲۳۱

رکھوں گا اور شریعت کا پابند رہوں گا، حضرت نظام الدینؒ نے یہ الفاظ دہرائے تو بابا صاحب نے قینچی لے کر اُن کے بالوں کی ایک لٹ داہنی طرف سے قطع کی اور اپنا ایک کُترنا اپنے ہی ہاتھوں سے پہنایا اُس وقت آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے :

وَلِئِنَّ النَّاسَ لَلتَّفَوُّیْ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ

اس کے بعد حاضرین سے فرمایا: ”آج میں نے ایک ایسا درخت لگایا ہے جس کے سائے میں بہت سی خلق خدا آرام پائے گی۔“

آپ نے شیخ سے عرض کیا کہ میں ایک طالب علم ہوں آپ کا کیا ارشاد ہے تعلیم جاری رکھوں یا اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاؤں؟ بابا صاحبؒ نے فرمایا: ”میں کسی کو پڑھنے سے نہیں روکتا درویش کے لیے تھوڑا علم بھی ضروری ہے، تم دونوں مشغول جاری رکھو اور دیکھو کون سا غالب آتا ہے؟“

بیعت کے بعد شیخ نے وصیت فرمائی، ایک تو یہ کہا کہ جو اس فقیر کا مرید ہو اُسے قرض نہیں لینا چاہیے۔ دوسرے کسی باریہ فرمایا کہ اپنے دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے اور حقدار کو اُس کا حق دینا چاہیے اُس وقت حضرت نظام الدینؒ نے دل میں سوچا کہ مجھ پر تو کسی کا حق باقی نہیں ہے پھر چانک خیال آیا کہ دہلی میں ایک بزاز سے کپڑا قرض لیا تھا، اُس کے بیٹے جیتل بانی رہ گئے ہیں اور ایک شخص سے ایک کتاب مستعار لی تھی، جو مجھ سے کھو گئی، دہلی جا کر پہلا کام یہی کروں گا کہ اُن دونوں کے حقوق ادا کروں گا۔ شیخ کے ارشاد کی نہ صرف آپ نے دہلی آکر تعمیل کی اور زندگی بھر اداے حقوق کا خاص خیال رکھا بلکہ جب اجودھن سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں ایک کھیل پڑا ہوا دیکھا آپ وہاں ٹھہر گئے۔ ایک قافلہ ادھر سے گزر رہا تھا جب تک وہ قافلہ پورا نہ گزر گیا آپ کھیل کے پاس کھڑے رہے اور اس کی حفاظت کرتے رہے تاکہ کوئی اُدھر نہ اُٹھالے اور جس کا حق ہے وہ مارا نہ جائے۔

(نفاس الانفاس ۱۳، ربیع الآخر ۱۳۱۷ھ)

دوسرا دن ہوا تو ایک اور شخص آپ کے سامنے بابا صاحب سے مرید ہوا اور اُس نے اپنا سر بھی منڈوا دیا۔ بابا صاحب کے حکم سے حضرت بدراستیؒ نے اُس کا حلق (مونڈن) کیا حضرت نے دیکھا کہ حلق کے بعد اُس شخص کے چہرے پر انوار ظاہر ہوئے، آپ کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ مخلوق ہو جائیں۔ اپنی خواہش کا اظہار حضرت بدراستیؒ سے کیا، اُنھوں نے بابا صاحب کی خدمت میں معروضہ پیش کیا، اُنھوں نے فرمایا: ہاں مخلوق ہو جائیں، تو سر بھی منڈوا دیا۔

ایک دن بابا صاحب باطنی کیفیت کے عالم میں بیٹھے تھے اور ایک پرچہ ہاتھ میں تھا خود ہی فرمانے لگے: کوئی ہے جو مجھ سے ایک دعا یاد کر لے؟ حضرت نظام الدینؒ حاضر تھے سمجھ گئے کہ شیخ کا اشارہ میری طرف ہے، آگے بڑھ کر ادب سے عرض کیا اگر حکم ہو تو بندہ یاد کر لے!

شیخ نے وہ پرچہ آپ کو دے دیا، حضرت نے عرض کیا: ایک بار آپ کے سامنے پڑھ لوں پھر یاد کر لوں گا۔ فرمایا پڑھو۔ جب حضرت نظام الدینؒ دعا پڑھ رہے تھے تو ایک موقع پر آپ نے کوئی اعراب اس طرح پڑھا جو شیخ کے لکھے ہوئے اعراب سے مختلف تھا، اگرچہ از روئے قواعد وہ صورت بھی درست تھی، اور اُس سے بھی معنی نکلتے تھے، بابا صاحب نے اس موقع پر ٹوٹا اور فرمایا کہ: یوں پڑھو۔ آپ نے فوراً اصلاح قبول کر لی، وہ دعا بھی اُسی وقت یاد ہو گئی، آپ نے عرض کیا: اگر مخدوم کا حکم ہو تو بندہ ایک بار اور سنا دے، فرمایا: سناؤ، حضرت نے دعا سنائی اور جیسے بابا صاحب نے فرمایا تھا اُسی طرح اعراب پڑھا جب باہر آئے تو حضرت بدراستیؒ نے فرمایا: مولانا نظام الدینؒ تم نے بہت اچھا کیا کہ جس طرح شیخ نے بتایا تھا ویسے ہی پڑھا، اگرچہ تم جیسے پڑھ رہے تھے وہ صورت بھی درست تھی، حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ اگر سنیو یہ جو علم تم کو کا بنانے والا ہے، اس فن کے تمام جید علماء مل کر بھی مجھ سے یہ کہیں کہ جیسے میں نے پڑھا تھا وہ درست تھا، تب بھی میں اُسی طرح پڑھوں گا جیسے شیخ نے فرمایا ہے۔ حضرت بدراستیؒ نے فرمایا کہ یہ ادب اور یہ متابعتِ کاملہ جو تم ملحوظ رکھتے ہو، ہم میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں۔ حضرت نظام الدینؒ دہلی سے فارغ التحصیل ہو کر

آئے تھے مگر اجودھن آئے تو:

۱۱

سبق ایسا بڑھا دیا تو نے دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

اب شیخ سے علم ظاہر کا درس بھی لینے لگے۔ علم عقائد میں ابو شکور محمد بن عبد السعید الکبشی السالمی رحمہ اللہ کی کتاب التہبید فی بیان التوحید "سبقاً سبقاً پڑھی۔ تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردی رمتونی بحکم محرم ۶۳۲ھ کی تصنیف "عوارف المعارف" کے چھ ابواب پڑھے، اس کے علاوہ قرآن شریف کے دس پارے سنا کر تجوید درست کی۔ حضرت کہتے تھے کہ عربی حرف ضاد کی آواز جیسی بابا صاحب نکالتے تھے وہ ہم میں سے کسی کے بس میں نہیں۔ آپ نے شیخ حمید الدین ناگورگی سہروردی (ف ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء) کی تصنیف "لوائح" بھی بابا صاحب سے پڑھی۔

حضرت بدر اسحقیؒ

اجودھن میں حضرت بدر اسحقیؒ ان کے آرام و آسائش کا بہت خیال رکھتے تھے، انہیں بھی شیخ سے

جو کچھ کہنا ہوتا تھا حضرت بدر اسحقیؒ کی وساطت سے کہتے تھے حضرتؒ نے فرمایا:

مرا بابا مولانا بدر الدین اسحقیؒ "محبت سحت بود و در
مچھے مولانا بدر اسحقیؒ سے سحت محبت تھی تمام
کُل اُمور کہ مرا پیش آمدے خدمت مولانا پیش شیخ
معاملات میں جو مجھے پیش آتے تھے مولانا شیخ کی
نیو خ العالم مدد ہا کر دے و خود نیز تربیت
خدمت میں میری مدد کرتے تھے اور خود بھی میری
نمودے۔ تربیت فرماتے تھے۔

حضرت بدر اسحقیؒ کی نیکی اور درویشی کا یہ حال تھا کہ ایک بار کسی کو اپنی شطرنجی فروخت کرنے کے لیے بازار بھیجا اور اُس سے کہا کہ اسے درویشانہ بیچو۔ اُس نے پوچھا یہ کیسے ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ جو قیمت لگ جائے اُسی پر دے دینا قیمت بڑھانے کی کوشش نہ کرنا۔

۱۲ عوارف المعارف کا پہلا باب علوم صوفیہ کی پیدائش کے بیان میں اور چھٹا باب صوفیہ کی وجہ تسمیہ پر ہے، یہ کتاب کا تمہیدی حصہ ہے آپ نے اس کا درس محض تبرکاً لیا تھا۔ کتاب میں کل ۱۲ ابواب ہیں۔

حضرت بدراسمحنؒ بابا صاحبؒ کی خانقاہ میں امامت کرتے تھے ایک بار مغرب کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو الحمد کے بعد کوئی سورہ تلاوت کرنے کی بجائے یہ شعر پڑھنے لگے :

پیش سیاست غمت روح پہ نطق میزند

اے زہزار صعوہ کم تو چہ نوا، ہی زنی

ترجمہ : تیرے غم کی مار کے سامنے روح کیا بول رہی ہے ؟ اے تو تو چڑیا سے بھی کم ہے تو کیا جھک رہی ہو ! اسے بار بار پڑھتے رہے اور بخود سی طاری ہو گئی، جب عالم صحو میں آئے تو بابا صاحب نے دوبارہ نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ حضرت بدراسمحنؒ اتنے رقیق القلب تھے کہ آنکھیں ایک لمحے کے لیے آنسو سے خالی نہ رہتی تھیں، روتے روتے دونوں آنکھوں کے کپڑوں میں نالیاں سی بن گئی تھیں، ایک دن سید محمد کرمانی کی اہلیہ نے اُن سے کہا : بھائی ! اگر تم تھوڑی دیر کے لیے رونا بند کر دو تو میں تمہاری آنکھوں میں سرمہ لگا کر ان کا علاج کر دوں۔ مولانا نے روتے ہوئے کہا : بہن یہ آنسو میرے اختیار میں کب ہیں۔ ۹۔“

حضرت نظام الدینؒ اولیا اُن کا اتنا احترام کرتے تھے کہ اپنا استاد اور پیر و مرشد مانتے تھے، تربیت یافتہ ہوئے، جب تک حضرت بدراسمحنؒ زندہ رہے حضرت نظام الدینؒ نے ازراہ ادب کسی کو مرید نہیں کیا۔

۱۰ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہؒ حضرت سید بدر الدینؒ سے منسوب تھیں اور اُن کے بطن سے دو لہر زہ ہوئے، سید محمد اور سید موسیٰ۔ چونکہ حضرت بابا صاحب کے بیٹے بدراسمحنؒ سے ناراض ہو گئے تھے، اس لیے حضرت بدراسمحنؒ بابا صاحبؒ کے وصال کے بعد اجداد صحن کی جامع مسجد میں منتقل ہو گئے تھے اور بچوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے حضرت سید بدراسمحنؒ کا انتقال ہوا تو حضرت نظام الدینؒ اولیاء نے اُن کی بیوہ بی بی فاطمہؒ اور دونوں بچوں کو پالنے پوسنے کی ذمہ داری لی اور انھیں دہلی بلایا تھا جب دہلی میں اہل خاندان ہی نے شہرت کی اور حضرت

جب اجودھن کے اس پہلے سفر سے واپسی کا وقت آیا تو حضرت نظام الدینؒ حضرت شیخ جمال ہانسویؒ اور شمس دہیر ایک مختصر سا قافلہ بنا کر نکلے۔ یہ غالباً ذی قعدہ ۶۶۷ھ / جولائی ۱۲۶۹ء کا واقعہ ہے۔ رخصت کے وقت سب نے شیخ کے قدم چومے۔ شیخ جمال ہانسوی نے عرض کیا ہمیں کچھ وصیت فرمائیں تو بابا صاحبؒ نے حضرت نظام الدینؒ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا: "ابھیں خوش رکھنا" اسس وصیت کی وجہ سے خصوصاً شیخ جمال نے تمام راستے میں اُن کی ہر ضرورت کا بے حد خیال رکھا۔ شمس الدین دہیر اپنے لطیفوں اور چٹکلوں سے راستے کی کلفت بھلا دیتے تھے، ہنسنے بولتے راہ طے ہو رہی تھی۔ چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہونچے جس کا نام انگریزی AGROHA تھا یہاں کا حاکم میران نام شیخ جمال ہانسویؒ کا مرید تھا، وہ گاؤں سے باہر نکل کر استقبال کرنے آیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ وہاں رکھا۔ اگلی صبح کو سب کی سواری کے لیے تازہ دم گھوڑے آگئے، حضرت نظام الدینؒ کو جو گھوڑا ملا۔ وہ کچھ سرکش اور بد لگام تھا، اُس نے چلنے میں بہت پریشان کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شمس دہیر اور شیخ جمالؒ تو آگے نکل گئے، اور حضرت کئی میل پیچھے رہ گئے۔ آپؒ تنہا سفر کر رہے تھے، موسم سخت تھا پیاس شدید لگ رہی تھی، ایسے میں گھوڑے نے سرکشی کی اور بدک کر آپؒ کو زمین پر گرادیا۔ آپؒ اتنے زور سے زمین پر گرے کہ بے ہوش ہو گئے، اور بہت دیر تک وہیں جٹل میں بے ہوش پڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ آپؒ حضرت بابا فریدؒ کا نام جپ رہے ہیں۔ اس پر خدا کا لاکھ لاکھ (باقیہ) نے ان سے نکاح کرنے کو بلایا ہے، تو آپؒ نے اپنی سفید ریش پر ہاتھ پھیرا اور اجودھن کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ واپس آئے تو حضرت بی بی فاطمہؒ کے سوم کا دن تھا، حضرت بی بی فاطمہؒ کا مزار آدھ چنی (بہرولی روڈ) میں حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے مزار کے پاس ہے۔ اس کتاب کے فاضل مترجم حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی حضرت بدیع الدین اسحاقؒ کی اولاد میں ہیں۔

ہنوز آن ابر رحمت در فشان است

لے و مینا نہ با ہر و نشان است

شکر ادا کیا اور سوچا کہ اس سے امید بندھتی ہے کہ ان شاء اللہ مرتے وقت بھی شیخ کا مبارک نام میری زبان پر جاری رہے گا۔

اجودھن میں حضرت بابا صاحبؒ کی خانقاہ میں رہنا خود ایک مجاہدہ تھا۔ اکثر کربل کے پھول اور ڈیلے پانی میں اُبال کر کھائے جاتے تھے اور کبھی اُن میں نمک بھی نہ ہوتا تھا۔ حضرت نظام الدین نے ہار ہا فرمایا کہ:

دورانِ شب کو ڈیلے یا کھل کربل درخانہ شیخ سیر می خوردیم جس رات کو ڈیلے یا کھل کربل شیخ کے گھر میں ہم مارا روز عید بودے۔ (خیرالجماس ۱۵۰) پیٹ بھر کر کھاتے تھے وہ گویا روز عید ہوتا تھا۔ جب ڈیلے اور کربل کا موسم نہ ہوتا تھا تو حضرت بابا فریدؒ کی زمبیل گھائی جاتی تھی۔ سنت شیخ کے اتباع میں حضرت نظام الدینؒ کی خانقاہ (غیاث پور) سے بھی کبھی زمبیل گھائی گئی ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اجودھن کا دس بار سفر کیا۔ پہلا سفر تو یہی تھا، دوسرا اگلے سال ۷۶۶ھ میں ہوا۔ عموماً رجب کے مہینے میں دہلی سے روانہ ہوتے تھے اور رمضان وہیں گزارتے تھے۔ شوال یا ذی قعدہ میں واپسی ہوتی تھی۔ یہ واقعہ غالباً دوسرے سفر کا ہے (۷۶۸ھ) کہ اجودھن سے واپسی میں ایک دن بارش ہونے لگی، حضرت ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے تاکہ بھینکے سے بچ جائیں اُس وقت کچھ راہزن تلواریں اور تیرکمان لیے ہوئے آپ کی طرف بڑھے، آپ کے پاس اور تو کچھ نہ تھا حضرت بابا صاحبؒ کا عطا کیا ہوا لباس اور ایک کبیل تھا، آپ نے دل میں سوچا کہ اگر ران ڈاکوؤں نے مجھ سے یہ چیزیں چھین لیں تو میں پھر کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔ جیسے ہی آپ نے یہ سوچا وہ راہزن آپ کی طرف سے مڑ گئے اور دوسری طرف چل دیے۔ حضرت چراغ دہلیؒ نے بابا صاحبؒ پر جادو کیے جانے کا جو واقعہ روایت کیا ہے بظاہر وہ بھی اسی دوسرے سفر سے متعلق ہے (خیرالجماس ۱۱۷) غالباً اسی سفر سے واپسی کے وقت مولانا داؤد پالاؒ ہی ساتھ تھے حضرت نظام الدینؒ

فرماتے ہیں کہ مولانا داؤد راستے میں تیز چلتے تھے اور آگے نکل کر نماز میں مشغول ہو جاتے تھے (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفر پیدل ہو رہا تھا) جب حضرت نظام الدینؒ ان کے پاس پہنچ جاتے تھے تو مولانا داؤد پھر تیزی سے کوس دو کوس نکل کر نوافل پڑھنے لگتے تھے ایسے گھنے جنگل اور بیابان میں بھی راستہ نہ بھولتے تھے (خیرالجماس ۱۱۸)

ایک سفر میں (جو ممکن ہے دوسرا سفر ہو ۷۶۸-۷۶۹) یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت نظام الدینؒ کے پیروں میں سانپ نے ڈس لیا مگر آپ بالکل نہیں گھبرائے اور یہ سوچا کہ میرے دل میں اگر پیر کی محبت ہے اور میرے حال پر اُن کی توجہ ہے تو سانپ کا زہر مطلق اثر نہیں کر سکتا اور یہی ہوا کہ زہر کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔

تیسرا اور آخری سفر وہ تھا جب آپ کو خلافت ملی۔ (۷۶۹-۷۷۰) حضرت بابا صاحبؒ کا انتقال ۵-محرم ۷۶۰/۱۳ اگست ۱۲۷۱ء کو ہوا اُس وقت حضرت نظام الدینؒ اجودھن میں موجود نہیں تھے دو ماہ قبل دہلی کو واپس جا چکے تھے۔ بابا صاحبؒ نے انتقال کے وقت حضرت بدراسخیؒ کو وصیت کی اور فرمایا کہ نظام الدینؒ دہلی سے آئیں گے تو میرا مصلیٰ، عصا، تسبیح، خرقہ اور نعلین اُن کو دے دینا۔ چوتھا سفر حضرت نے اُس وقت کیا جب پیر و مرشد کے انتقال کی خبر ملی۔ قیاس یہ ہے کہ آخر محرم یا صفر (۷۶۹) ہی میں پھر اجودھن پہنچے ہوں گے اور آپ نے ہی وہ دروازہ تعمیر کرایا جو اب جنتی دروازہ کہلاتا ہے۔ پانچواں سفر اس طرح ہوا کہ آپ کو حج کی شدید تمنا ہوئی اسلئے نصاب تو آپ کے پاس نہیں تھا نہ آپ پر حج فرض تھا اس لیے آپ اجودھن کے سفر بردار نہ ہو گئے اور وہاں جا کر اپنے پیر و مرشد کے مزار مبارک پر حاضری دی۔ فرماتے تھے کہ میرا مقصود کچھ نہ، چونکہ سورم درماہ رمضان سنہ تسع و ستین و ستائے (۷۶۹-۷۷۰) اجودھن رفتہ کہ آخرین ملاقات

حضرت گنج شکرؒ یہاں بود۔
(مرآۃ الاسرار قلمی ۲/۳۲)

زیادہ محکمہ شئی زائد) مجھے اجودھن کی زیارت سے مل گیا۔ دوسری بار پھر حج کا اشتیاق غالب ہوا تو پھر آپ نے اجودھن کا سفر اختیار کیا ایک اور سفر اُس وقت ہوا جب آپ نے حضرت بابا صاحب کی صاحبزادی اور حضرت بدراستی کی بیوہ حضرت بی بی فاطمہ اور ان کے بچوں کو اپنی نگرانی میں رکھنے کے لیے دہلی بلوایا تھا اور یہاں بعض بداندیشوں نے یہ شہرت کر دی تھی کہ آپ حضرت بی بی فاطمہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں آپ کو اس افواہ سے اتنا رنج ہوا کہ دہلی چھوڑ کر فوراً اجودھن کے سفر پر روانہ ہو گئے (بعد ۱۰۰۰) ساتواں سفر اجودھن جلال الدین خلجی کے زمانہ حکومت (۶۸۸-۶۹۵) میں ہوا جب حضرت کو معلوم ہوا کہ بادشاہ بغیر اطلاع کے خانقاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہے باقی تین سفروں کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ہیں اور حضرت کے ملفوظات میں ان سب اسفار کے واقعات اس طرح مخلوط ہو گئے ہیں کہ یہ تمیز کرنا دشوار ہے کون سا واقعہ کس سفر سے متعلق ہے؟ اجودھن سے خلافت ملنے کے بعد آپ شہر دہلی میں متعدد جگہوں پر رہے جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ شہر کی گھاٹیوں سے نکل کر آپ کسی ایسی جگہ منتقل ہونے کی سوچ رہے تھے جہاں یکسوئی کے ساتھ عبادت کر سکیں اور خلق کا ہجوم بھی نہ ہو اُسی زمانے میں آپ قرآن شریف حفظ کر رہے تھے اور اس کے لیے شہر سے باہر کسی باغ میں چلے جایا کرتے تھے۔ ایک دن حوض رانی کے پاس باغ جسرتھ میں مناجات کر رہے تھے بہت اچھا وقت تھا آپ نے کہا: یا اللہ میں چاہتا ہوں کہ اس شہر سے کہیں چلا جاؤں، مگر اپنی مرضی سے جانا نہیں چاہتا جہاں تو چاہے گا وہاں جانا چاہتا ہوں اُسی وقت کان میں آواز آئی: غیاث پورہ حضرت نے اُس وقت تک غیاث پور نہیں دیکھا تھا اور یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ کدھر واقع ہے؟ یہ آواز سننے کے بعد حضرت اپنے ایک دوست سے ملنے گئے وہ دوست نیشاپوری کہلاتا تھا اُس کے گھر والوں نے بتایا کہ وہ غیاث پور گئے ہیں حضرت نے سوچا

۱۔ مطبوعہ نسخہ میں اس جگہ پر عبارت واضح نہیں ہے یہ لکھا ہے کہ آن دوست رالقہی بود نیشاپوری (ذائد)

الفوائد/۲۴۲) لیکن صحیح عبارت یوں ہے کہ آن دوست رالقہی بود نیشاپوری یعنی اس کا لقب نیشاپوری ہے۔

یہ وہی غیاث پور معلوم ہوتا ہے جس کی آواز میرے کانوں میں آئی تھی، غرض آپ غیاث پور آئے۔ یہ جتنا کہ کنارے ایک چھوٹا سا گاؤ تھا آبادی بھی بہت تھوڑی تھی، خلق کا آنا جانا بھی کم تھا۔ یہ اُسی جگہ بسا ہوا تھا جہاں اب مقبرہ ہمالیوں ہے حضرت اس گاؤ میں آ رہے۔ ابتدا میں ایک کچا مکان تھا جس پر چھپر پڑا ہوا تھا، جوں جوں حضرت کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا، مخلوق خدا کا ہجوم بھی زیادہ ہوتا گیا، اور یہ مکان تنگ محسوس ہونے لگا غیاث پور میں ابتدائی دور بہت سختی اور مجاہدے کا رہا تین چار دن میں افطار کے لیے زنجبیل گھاتے تھے اور کئی کئی دن مسلسل روزہ رکھتے تھے۔

(مرآۃ الاسرار قلمی ۲/۳۳)

۱۵۶۸۲ھ / ۱۱۸۵ھ کے بعد کسی وقت معزالدین کیتباد (سال جلوس ۶۸۶ھ) نے جتنا کہ کنارے کیلو کھڑی میں اپنا محل بنوایا اور دوسرے امراے دربار نے بھی عمارتیں بنانی شروع کیں یہ علاقہ خاصا آباد ہو گیا۔ سلطان معزالدین کیتباد بغراہاں کا بیٹا اور بلیسن کا پوتا تھا، ۱۷ - ۱۸ سال کی عمر میں تخت دہلی پر بیٹھا۔ اُس کی تربیت سلطان بلیسن نے خاص اہتمام سے کرائی تھی، تاکہ وہ یہودہ مشغلوں اور لغو باتوں سے بچا رہے، اُس کا اخلاق پاکیزہ اور حوصلہ بلند ہو۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی تربیت میں کچھ زیادہ ہی سختی رہا رکھی گئی اور جب وہ ایک خود مختار سلطان کی حیثیت سے تخت پر بیٹھا تو سارے بند ٹوٹ گئے اور وہ تمام تر عیش و نشاط میں غرق ہو کر رہ گیا۔ ساری تعلیم و تربیت دھری کی دھری رہ گئی، اور اُس نے فسق و فجور کو انتہا تک پہنچا دیا۔ اب ہر طرف ساز و آہنگ اور طبلہ و مردنگ، شاہدان رنگیں قبا اور حسینا ہوش ربا کی فرمان روائی تھی، بلیسن کے زمانے میں امرا کو بھی اپنی عیش کوشیوں کی حسرت پوری کرنے کا موقع نہ ملا تھا، انھوں نے بھی نوجوان کیتباد کے ساتھ اپنی نے ملا دی، بس پھر کیا تھا کیلو کھڑی ایک ناچ گھر اور قحبہ خانہ

۱۳۱ - ۱۳۲ تفصیل کے لیے دیکھیے ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی (فارسی) ۱۳۱ - ۱۳۲

بن کر رہ گیا۔ جہاں ملک کے کونے کونے سے اربابِ نشاط کھینچے چلے آ رہے تھے۔ شہل مشہور ہے کہ جیسا راجا ویسی پر جا۔ عوام کا بھی یہی حال ہو گیا تھا کہ ہر ایک اپنی بساط بھر دادِ عیش دینے پر تڑپا ہوا تھا۔
صیاد الدین برنی نے لکھا ہے :

”سلطان معزالدین شہر کی سکونت ترک کر کے دارالحکومت کے کوٹک محل سے باہر چلا گیا اور کیلو کھڑی میں دریاے جمنا کے کنارے ایک بے نظیر محل اور ایک لا جواب باغ بنوایا اور اپنے ملوک امراء خاص مصاحبین و مقربین اور ملازمین درگاہ کو لے کر وہاں چلا گیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ کوٹک سلطانی کے نزدیک تمام ملوک و امراء اور معتبر و معروف لوگوں نے اور حکومت کے کارکنوں نے چھوٹے چھوٹے مکانات (فرد خانہ) بنوائے جب لوگوں نے دیکھا کہ بادشاہ کیلو کھڑی میں سکونت کی طرف مائل ہے تو انہوں نے بھی اپنے محلوں میں مکانات اور قصر بنوانے شروع کر دیے۔ ہر طائفہ (گروہ) کے سردار شہر کی سکونت ترک کر کے کیلو کھڑی چلے گئے اس طرح کیلو کھڑی خوب آباد ہو گئی اور بادشاہ اور اس کے دربار سے منسلک خواص و عوام کے عیش و طرب میں مستغرق اور منہمک ہو جانے کی شہرت تمام ملک میں پھیل گئی اور مملکت کے ہر حصے میں پہنچ گئی ہر علاقے سے مطرب، خوش الحان اور حسین لوگ ہنسی کرنے والے مسخرے اور بھانڈے دربار میں آ گئے۔ چاروں طرف خوب آبادی نظر آنے لگی فسق و فجور کا رواج عام ہو گیا۔ مسجدیں نمازیوں سے خالی ہو گئیں اور شراب خانے آباد ہو گئے۔ خانقاہوں میں کوئی باقی نہ رہا اور مصطفیٰ یعنی نشست گاہیں گھر کی دہلیزیں، بھرنے لگیں، شراب کا نرخ دس گنا بڑھ گیا اور لوگ عیش و عشرت میں ڈوب گئے۔ رنج و غم دفک، خوف و ہراس اور محرومی کسی کے سینے میں باقی نہ رہی ظریف، خوش طبع، لطیف گو اور ہنسی دل لگی کرنے والے ایک ایک کر کے سب اسی شہر میں آ کر بس گئے، گویا توں اور حسینوں کے سر میں ناز مخروں کا سودا سا گیا، شراب اور عرق پیچنے والوں کی ہمایاں سونے اور چاندی کے تنگوں سے بھر گئیں

حبیب، بدکار، اور مشہور فاحشہ عورتیں سونے میں اور زیورات میں غرق ہو گئیں اکابر و مشاہیر کے لیے اب شراب پینے، مجلس منقہ کرنے، دوستوں کو جمع کرنے، گانا سننے، جو کھیلنے، بخشش دینے، مزے اڑانے، عمر کے ایک حصے کو بے وفازمانے میں اچھی طرح گزارنے اور رات دن عیش و آرام میں بسر کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ [برنی: تاریخ فیروز شاہی، اردو ترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۹ء صفحات ۲۲۰-۲۱۸]

اس ماحول میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ سخت ذہنی اذیت اور روحانی کرب میں مبتلا تھے انھوں نے ارادہ کر لیا کہ غیاث پور چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ کبھی یہ بھی خیال آیا کہ دہلی ہی کو خیر باد کہیں آپ نے پٹیالی (ضلع ایٹ) میں جا کر رہنے کا خیال کیا اس زمانے میں امیر خسرو بھی پٹیالی ہی میں تھے پھر یہ سوچا کہ بسناں جاؤں، وہ صاف ستھری جگہ ہے، آپ بسناں چلے بھی گئے اور وہاں تین دن قیام کیا، مگر سخت کوشش کے باوجود کوئی مکان نہیں ملا نہ کرائے پر نہ گروہی رکھنے کو نہ بیچنے کو ان تین دنوں میں تین مختلف اصحاب کے ہمان رہے اور کوشش کامیاب نہ ہونے پر واپس آ گئے تھے۔ یہ غیاث پور منتقل ہونے سے پہلے کا قصہ ہے جب یہاں کا وہ حال ہوا جو اوپر بیان ہوا تو آپ نے پھر دہلی کو خیر باد کہنے کا اس حد تک ارادہ کر لیا کہ اسی زمانے میں حضرت کے استاد و حدیث شیخ امین الدین محدث تبریزیؒ کا انتقال ہوا حضرت نے ان کے سوم میں جانے کا ارادہ کیا اور سوچا کل ان کے سوم میں جاؤں گا تو وہیں شہر میں رہ پڑوں گا۔ یہ بات دل میں ٹھکان لی تھی کہ اسی دن عصر کی نماز کے وقت ایک خوش شکل و بلا پتلا جوان آیا، اور آتے ہی حضرت نظام الدینؒ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا :

آن روز کہ مرشدی نمیدانستی کا نگشت نمای عالمی خواہی شد؟
امروز کہ زلفت دلِ خلقی بر بود در گوشہ نشینت نمیدارد شود!

ر جس دن تم چاند بنے تھے کیا یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک دن تمہاری طرف انگلیاں بھی اٹھیں گی اب کہ تمہاری زلفوں نے ایک عالم کا دل اچک لیا ہے تو کونے میں جا کر بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں،

ایسی ہی اور باتیں کہیں، جنہیں حضرت نے کہیں کسی بیاہن میں لکھ بھی لیا تھا۔ وہ جان کہنے لگا: "اڈل تو مشہور نہیں ہونا چاہیے اور جب کوئی مشہور ہو گیا تو ایسے رہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔ یہ کون سی بہادری اور کیا جو صلہ ہے کہ خلق سے منقطع ہو کر گوشے میں جا بیٹھیں؟ اور عبادت میں مشغول رہیں۔ تو ت اور جو صلے کی بات تو یہ ہے کہ خلق کے ہوتے ہوئے بھی مشغول بحق رہا جائے۔ وہ یہ باتیں کر چکا تو حضرت اس کے لیے کچھ کھانا لے کر آئے، مگر اُس نے کھایا نہیں۔ حضرت نے اُسی وقت دل میں نیت کر لی کہ اب میں یہیں رہوں گا جیسے ہی یہ نیت کی اُس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔ پھر وہ شخص کبھی نہیں ملا۔

آپ نے اس فتنہ و فجور کے ماحول میں ارشاد و ہدایت کا کام شروع کیا۔ ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۱ء کے بعد کسی سہ ماہی میں آپ کے ایک معتقد ضیاء الدین دکیل نے دریائے جہنا کے کنارے وسیع رقبے پر بڑی اور کشادہ عمارت بنوادی جس میں جماعت خانہ بھی تھا، مطبخ بھی اسی کے بالائی حصے پر حضرت کا قیام رہا اور اُس کے کچھ آثار اب بھی مقبرہ ہمایوں کے شمال مشرقی گوشے میں موجود ہیں۔ اس جماعت خانے میں اتنا ہجوم رہتا تھا کہ آج اُس کا تصور کرنا بھی دشوار ہے۔ حضرت نے بیعت کا دروازہ سب کے لیے کھول دیا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ سارے ماحول میں خسرابی آچکی تھی، حضرت نے فرمایا کہ میرا تجربہ یہ ہے کہ بیعت کرنے سے کچھ نہ کچھ اصلاح ضرور ہو جاتی ہے۔ کبھی بطور خوش طبعی یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ نعمت آسانی سے پالی تھی، اس لیے آسانی سے نکٹا رہا ہوں، کبھی یوں ارشاد ہوا کہ: میں اس لیے ہر شخص کو دست بیعت دے دیتا ہوں کہ قیامت کے دن بعض مُرد بھی اپنے پیر کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں گے۔ بیعت کے یہ ہاتھیں ہاتھ دینے کا راز یہ ہے

کہ جو قوی بازو ہو گیا وہ دوسرے کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔

برنی کا بیان | اس بیعت عامہ کے اثرات و نتائج کا حال ضیاء الدین برنی ہی کے الفاظ میں سینے :

”دوسری طرف اُسی زمانے (عبدالعلائی) میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا، گنہگار لوگ اُن کے سامنے اپنے گناہوں کا اقبال کرتے، اور اُن سے توبہ کرتے اور وہ اُن کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیتے۔ خواص و عوام، مالدار و مفلس، امیر و فقیر عالم و جاہل شریف و ذلیل، شہری و دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام، ان سب سے وہ توبہ کراتے اور ان کو طاقبہ (کلاہ ارادت) اور مسواک صفائی کے لیے دیتے۔ ان لوگوں میں سے کثیر تعداد (جماہیر) جو خود کو شیخ کے مریدوں میں شمار کرتی تھی بہت سے اُن کاموں سے پرہیز کرنے لگتی تھی، جو کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ اگر شیخ کی خانقاہ میں حاضر ہونے والوں میں سے کسی سے کوئی لغزش ہوتی تو اُس کو تجدید بیعت کرنا پڑتی، اور شیخ از سر نو اُس سے اقبال گناہ اور توبہ کراتے۔ شیخ سے مرید ہونے کی شرم لوگوں کو بہت سے گناہوں (منکرات) سے ظاہر اور غنی طور پر باز رکھتی۔ چنانچہ عام لوگ یا دوسروں کی تقلید میں، یا خود اپنے اعتقاد کی بنیاد پر عبادت اور بندگی کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ اور مرد اور عورتیں بوڑھے اور جوان، سوداگر اور عام لوگ، غلام اور نوکر، اور کم عمر بچے سب نماز پڑھنے لگے تھے۔ اُن کے ارادتمندوں کی اکثریت نماز چاشت و اشراق کی پابند ہو گئی تھی۔ مجیر اور مہربانیاں کرنے والے لوگوں نے شہر سے غیاث پور تک متعدد مقامات پر لکڑیوں کے چبوترے بنوا دیے تھے، یا چھپر ڈال دیے تھے اور کنویں کھدوا دیے تھے، اور پانی کے گھڑے لے۔ اس کو طاقبہ اس لیے کہا جاتا ہے اس کی شکل محرابی ہوتی تھی، حضرت جو کلاہ عنایت فرماتے تھے

اس میں اوپر کی طرف ایک گھنڈی بھی لگی ہوتی تھی جیسا کہ امیر خسرو کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے۔

سے زانسر شاہان کلبہ اوفرہ برکلمش اے ہوالہ گره

اور مٹی کے لوٹے تیار رہتے تھے اور چھپتروں میں بوریے بچھے رہتے تھے۔ ان چھوٹروں اور چھپتروں میں حافظ اور خادم مقرر کر دیے جاتے تھے تاکہ شیخ کے مریدوں اور تائبوں کو اور دوسرے نیک لوگوں کو ان کے آستانے پر آتے اور جاتے وقت وضو کرنے اور وقت پر نماز ادا کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ ان چھوٹروں اور چھپتروں میں سے ہر ایک میں نفل نماز ادا کرنے والوں کا مجموعہ رہتا تھا۔ گناہوں کے ارتکاب اور ان کے متعلق لوگوں میں بہت کم بات چیت ہوتی تھی بلکہ ان میں اکثر و بیشتر جو گفتگو ہوتی تھی وہ نماز چاشت و اشراق کے متعلق ہوتی، اور یہ لوگ ہی دریا نشین کرتے رہتے کہ زوال، آدابین اور تہجد کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں؟ اور ہر رکعت میں قرآن کی کون سی سورۃ پڑھنی چاہیئے؟ اور یہ کہ پانچوں وقت کی نماز میں نفلوں کے بعد کونسی دعائیں آئی ہیں؟ آستانہ شیخ میں نئے آنے والے شیخ کے پُرانے مریدوں سے دریافت کرتے کہ رات کے وقت شیخ کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں؟ اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں؟ عشا کی نماز کے بعد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک پر وہ کتنی مرتبہ درود بھیجتے ہیں؟ اور شیخ فرید اور محتیار دن رات میں کتنی بار درود بھیجتے تھے؟ اور کتنی بار سورۃ قل ہو اللہ پڑھتے تھے؟ شیخ کے نئے مرید ان کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوال دریافت کرتے اور روزوں نفلوں اور کم کھانے کے متعلق معلوم کرتے رہتے تھے۔ اس نیک زمانے میں کثرت سے لوگ قرآن یاد کرنے کا اہتمام کرتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں کی صحبت میں رہتے اور قدیم مریدوں کو بندگی و عبادت ترک و تجرید، سلوک کی کتابیں پڑھنے اور مشائخ اور بزرگوں کے حالات اور واقعات کا ذکر کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ لغو ذبا اللہ کہ یہ لوگ دنیا اور دنیا داروں کا ذکر اپنی زبان پر لاتے، یا دنیا کے کارخانے کی طرف نظر کرتے، یا دنیا اور اہل دنیا کے قصے سنتے۔ ان سب چیزوں کو وہ معینوب بلکہ معاصی میں شمار کرتے تھے۔ اس بابرکت زمانے میں لوگوں کا کثرت سے نفل پڑھنا

اور اس کو قائم رکھنا، اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ سلطانی دربار سے منسلک اُمراء و سلاحداروں، محرروں (نویندگان) سپاہیوں اور بادشاہ کے غلاموں میں سے بہت سے لوگ جو شیخ کے مُرید تھے چاشت اور اشراق کی نماز ادا کرتے تھے اور آیامِ بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے کوئی محلہ ایسا نہ تھا جہاں پر مہینا بیس روز کے بعد نیک لوگوں کی مجلس نہ ہوتی اور صوفیاء کا سماع نہ ہوتا، اور اس میں گریہ و رقت نہ ہوتی۔ شیخ کے کئی مُرید ایسے تھے جو مسجد میں یا گھروں پر نماز تراویح میں ختم قرآن کراتے اور ان لوگوں میں سے جو مستقیم الحال تھے اکثر و بیشتر رمضان میں اور جمعہ اور مواسمِ آیامِ حج کی راتوں میں قیام کرتے تھے۔ صبح تک جاگتے اور پلک پلک نہیں مارتے تھے ان بزرگوں میں سے بہت سے حضرات ایسے تھے جو دو تہائی یا تین چوتھائی رات تمام سال قیام اللیل میں گزارتے اور بعض عبادت گزار تو عشاء کی نماز کے دھنوسے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ شیخ کے مُریدوں میں سے چند کو تو میں جانتا ہوں کہ جو شیخ کی نظرِ کرم کی بددلت صاحبِ کشف و کرامات ہو گئے تھے۔ شیخ کے مبارک وجود اُن کے مبارک انفاس کی برکت اور اُن کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس علاقے کے اکثر مسلمان عباداتِ تصوف اور ترک و تجرید کی طرف مائل اور شیخ سے مرید ہونے کے خواہشمند ہو گئے تھے۔ سلطان علاء الدین بھی مع اپنے خاندان کے لوگوں کے شیخ کا معتقد ہو گیا تھا۔ خواص و عوام کے دل نیکی اور نیکو کاری کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ حاشا دکلا کہ عہدِ علانی کے آخری چند سال میں اکثر و بیشتر مسلمانوں میں سے کسی کی بھی زبان پر شراب و شاہد، فسق و فجور، قمار بازی، فحش حرکات، لواطت یا بچہ بازی کا ذکر تک بھی نہ آتا۔ بڑے جرائم اور کبیرہ گناہ لوگوں کے نزدیک بمنزلہ کفر ہو گئے تھے مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خوری اور احتکار (ذخیرہ اندوزی) کے مرتکب نہ ہوتے تھے اور خوف و ہراس کی وجہ سے دکانداروں میں بھوٹ، کم تولنا، مکاری و دغا، دھوکا دہی اور نادانی کا روپیہ مار لینا، سب قطعی طور پر ختم ہو گئے تھے۔ علم حاصل کرنے والے اور اشراف و اکابر جو شیخ

کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے زیادہ تر سلوک کی کتابوں اور ان صحیفوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے جن میں طریقت کے احکام ہوتے تھے۔ چنانچہ قوت القلوب، احیاء العلوم، احیاء العلوم کا ترجمہ عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف رسالہ تشریح، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاة، لوائح اور لوامع قاضی حمید الدین ناگوری اور قوائد الغواد امیر حسن کے شیخ کے موقوفات کی وجہ سے بہت زیادہ خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ لوگ کتاب فروشوں سے زیادہ تر سلوک اور حقائق پر کتابوں کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے اور کوئی رومال ایسا نظر نہ آتا جس میں مسواک اور کنگھا لٹکا ہوا نہ ہوتا۔ صوفیوں کی خریداری کی زیادتی کی وجہ سے لوٹے اور چمڑے کی کشتیاں (رطبت چرمی) ہنگلی ہو گئی تھیں۔

در حقیقت اللہ تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو اس آخری زمانے میں جنیدؒ و بایزیدؒ کی مثل پیدا کیا تھا اور اپنی ذات کے عشق سے جس کی کیفیت انسانی عقل میں نہیں آسکتی آراستہ و پیراستہ کیا تھا۔ شیخ ہونے کے کمالات کی ان پر مہر لگادی تھی اور ہدایت کے فن کو ان پر ختم کر دیا تھا۔

زین فن مطلب بلند نامی

کان ختم شدست بر نظامی

(اس فن میں شہرت کی خواہش نہ کر کیونکہ وہ نظامی پر ختم ہو چکی ہے۔)

پہنجم ماہ محرم کو جو شیخ الاسلام شیخ فرید الدینؒ کے عرس کی تاریخ ہے شیخ کے گھر (یعنی خانقاہ) میں دہلی اور مملکت کے دوسرے علاقوں سے لوگ اتنی زیادہ تعداد میں آکر جمع ہو جاتے اور سماع میں شرکت کرنے کے اس کے بعد اتنی جمعیت کسی کو یاد نہیں کہ کبھی ہوئی ہو شیخ کے ان عجیب معاملات کی وجہ سے شیخ کا زمانہ ایک عجیب زمانہ گزرا ہے [برنی: تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۶۹ء صفحات ۵۰۶ - ۵۰۰]

یہ عہد سلطنت کے ایک مشہور اور مستند مورخ کا بیان ہے جو حضرت نظام الدینؒ کا مرید

بھی تھا۔ غور کیجیے کہ بلبن کا پوتا سلطان معز الدین کی قباد ۶۸۶ھ میں تخت پر بیٹھا تھا اُس کے زمانے میں غیاث پور میں رہ کر آپ نے ارشاد و ہدایت کا کام وسیع پیمانے پر شروع کیا۔ سلطان علاء الدین خلجی ۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ / ۲۱ اکتوبر ۱۲۹۶ء کو تخت نشین ہوا حضرتؒ کی اصلاحی کوششوں سے آٹھ سال کی مختصر مدت میں دہلی کے معاشرے میں جو انقلاب آگیا تھا برنی کے بیان کی روشنی میں اُس کا اندازہ کر لینا دشوار نہیں ہے۔

حضرتؒ کی خانقاہ سلاطین و اُمراء، علماء اور فقہاء، عوام و خواص، نوکر پیشہ اور اہل حرفہ فقراء و مساکین سب کے لیے ایک مرکز کشش بن گئی تھی۔ یہاں قلب و روح کا تزکیہ و تہذیب بھی ہوتا تھا سیرۃ و اخلاق کی اصلاح بھی کی جاتی تھی، احکام شریعت کی پاسداری کا درس بھی دیا جاتا تھا، دکھ درد کے مارے ہوئے انسانوں کو تسکین اور تسلی بھی ملتی تھی، فقراء و مساکین کے لیے کھانا کپڑا بھی فراہم ہوتا تھا، دعا اور ہمتِ درویشان کے طالبوں کو تعویذ بھی دیا جاتا تھا، ہر آنے جانے والے کے لیے ایک عام لنگر بھی کھلا ہوا تھا، قدم قدم پر دستگیری و رہنمائی بھی ہو رہی تھی مختصر یہ کہ حضرتؒ نے ارشاد و ہدایت اور فقر و درویشی کا ایسا معیار قائم کر دیا تھا جس تک پہنچنا بعد کے زمانے میں بھی کسی کے لیے ممکن نہ ہو سکا۔

حضرتؒ کی خانقاہ میں لنگر اور بخشش کا یہ حال تھا کہ بقول حضرت چراغ دہلویؒ یہ معلوم ہوتا تھا کہ دریا بہہ رہا ہے۔ تاریخِ ہمیں کا بیان ہے کہ شیخ نظام الدینؒ کو تمام کمالات دین اور دلوں جہان کی فقری و درویشی کے باوجود عطا و بخشش کا بہت اہتمام تھا، اور اتنی نذر و فتوحات لے لے کبھی حضرت یا ان کے خلفاء حاجت مندوں سے شکرانہ کہہ کر بھی لیتے تھے یا شلاً اس طرح فرماتے تھے کہ ایک جیتل کی مٹھائی لاؤ تاکہ ہم اپنے پیر کی نیاز دیں اور تمہارے لیے دعا کریں اس کا سبب یہ تھا کہ عہدِ سلطنت میں علماء نے یہ بحث بھی چھیڑ رکھی تھی کہ تعویذ دینا یا اُس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں اس سلسلے میں بعض فتاویٰ و فتاویٰ فیروز شاہی وغیرہ میں موجود ہیں۔

آئیں کہ حضرت شیخ فریدؒ کے عرس کے دن ایک دن کے اندر چند لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ (تاریخ
جیبی صفحہ ۷۶)

آپ کو اتباع سنت کا اتنا اہتمام تھا کہ کسی وقت کوئی ادنیٰ سا فعل بھی خلاف سنت
آپ سے سرزد نہ ہوتا تھا، ایک بار قاضی حمید الدینؒ کے گھر پر محفل سماع میں آپ مدعو تھے، قاضی
حمید الدینؒ کا انتقال ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء میں ہوا، آپ ان کے فرزندوں کی دعوت پر ان کے گھر
تشریف لے گئے، ہوں گے، بہر حال آپ صدر محفل میں تشریف فرما تھے اور لوگ ہاتھ دھو کر کھانے
کے لیے بیٹھ چکے تھے، دسترخوان بچا دیا گیا تھا، آپ نے کھانے سے پہلے ہاتھ نہیں دھوئے تھے، اور
یہ سوچ رہے تھے کہ اگر یہاں سے اٹھتا ہوں تو جمع کو تکلیف ہوگی، اور نہیں اٹھتا ہوں تو ایک
سنت فوت ہوئی جاتی ہے۔ اگرچہ آپ با وضو تھے، مگر اس سنت کے ترک ہونے پر بھی دل میں
تردد ہو رہا تھا، کوئی معتقد آپ کے ساتھ تھے، وہ جمع میں سے اٹھ کر گئے اور اپنی دستار
کا ایک گوشہ پانی میں تر کر کے لے آئے، اس سے حضرت نے پئے ہاتھ صاف کیے اور پھر کھانا
شروع کیا، ملحوظات شیخ برہان الدین غریبؒ "نفائس الانفاس" (قلمی) ۹ رجب ۱۲۳۶ھ روز
یکشنبہ)

فتوحات اتنی کثرت سے آتی تھیں کہ ڈھیر لگ جاتے تھے۔ آپ کا اصول یہ تھا
کہ لا حذر نذرانہ کی کوئی مقدار مقرر نہ کی جائے، ولا رد کوئی کچھ نذر پیش کرے تو رد نہ کی
جائے، ولا کد کوئی نہ دے تو اس سے بغض نہ رکھا جائے، اور فرماتے تھے کہ دس دس
لو اور ایک ایک، یعنی اگر کسی نے دس روپے نذر کیے ہیں تو انہیں دس ضرورت مندوں
میں تقسیم کر دیا جائے۔ جو کچھ نذرانہ آتا تھا وہ اُسی دن فقراء میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ اپنے پاس
کوئی درہم بچا کر نہ رکھتے تھے۔ ایک بار آدھا درہم بچ گیا تھا وہ حضرت کے پاس تھا۔ رات کو

آپ پر حالت شغل میں "عروجی" کیفیت طاری ہوئی مگر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ اُد پر اُٹھتے ہیں، تو کوئی دامن پکڑ کر نیچے کو کھینچ لیتا ہے۔ آپ نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اس آدھے درہم کا اثر ہے۔ فوراً اُسے اپنے پاس سے دور کر دیا۔

داد و دُش کا ابتدا سے عالم یہ تھا کہ کسی ضرورت مند کی حاجت اپنے فقر و احتیاج کے عالم میں بھی پوری کر دیتے تھے۔ حضرت بُرہان الدین غریب فرماتے ہیں کہ آیام جوانی میں جب حضرت دہلی آئے خبر نہیں اُس وقت شیخ الاسلام فرید الدین سے بیعت ہو چکے تھے یا نہیں، اُس وقت دہلی میں ایک مجذوب سلطان معین الدین تھے، یہ حضرت کو ملے اور کہا کہ ہمارے لیے کچھ لاؤ۔ حضرت کے پاس اُس وقت کچھ نہیں تھا۔ آپ سلطان معین الدین کو بازار میں لے گئے اور اپنی عبا یا دستار اُن لوگوں کے ہاتھ بیچ کر مطلوبہ چیز سلطان معین الدین کو دلا دی۔ (نفاس

الانفاس ۳ شوال ۷۲۷ھ، ۲۸ جون ۱۳۲۲ء)

ایک بار ایک طالب علم آپ کی خانقاہ میں آیا یہ وہ زمانہ تھا جب آپ غیاث پور میں تشریف رکھتے تھے اور فتوحات کثرت سے آرہی تھیں۔ پہلے اُس طالب علم کو کھانا کھلایا پھر آپ لے اقبال سے فرمایا، "انہیں آدھا تنکا دے دو" اقبال نے کہا اس وقت موجود نہیں، آپ نے فرمایا کسی سے لے کر دے دو۔ اُس وقت اتفاق سے کسی سے بھی نہیں ملا۔ خانقاہ میں ایک بیل بندھا ہوا تھا حضرت نے فرمایا جاؤ اس بیل کو بازار میں بیچ آؤ اُسے لے کر بازار گئے تو بازار کا دقت گذر چکا تھا وہ بیل بھی نہیں بچا اُسے واپس لے آئے۔ طالب علم نے کہا یہ بیل ہی مجھے دیدیجے میں بیچ لوگا

سلہ ان کے بارے میں حضرت بُرہان الدین غریب نے ۳ شوال ۷۲۷ھ کی مجلس میں فرمایا کہ ان کا کشف بہت بڑھا ہوا تھا۔ ایک بار امیر خسرو اپنے بچپن میں مسجد جارہے تھے، کچھ پڑھتے تھے، سلطان معین الدین دیوانہ مسجد میں آئے اور کچھ دُبرہ ۱۱ امیر خسرو کے منہ میں رکھ دیا کیسی نعمتیں اُس ذرے بوسے ملیں۔ (نفاس الانفاس قلمی)

وہ ۳-۵ تنکے کا تھا۔ اُنی مبارک نے حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کیا: ”وہ طالب علم کہتا ہے کہ بیل ہی اُس کو دے دیا جائے“ آپ نے فرمایا: ”ہاں اُسے دے کر رخصت کر دو“۔
(نفاس الانفاس ۱۳ ربیع الآخر ۴۳۳ / ۲ جنوری ۱۳۳۳ء)

ایک دن ایک شخص حضرت کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا میرے گھر میں دو کنواری لڑکیاں (عجوزہ) ہیں اور اتنی حیثیت نہیں کہ اُن کی ضرورت پوری کر سکوں۔ یہ سن کر حضرت نے خادم سے فرمایا، قلم دان لاؤ، پھر ایک رقعہ پر لکھا: ”مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالِهَا“ آپ نے اُس شخص کو رقعہ دیتے ہوئے فرمایا ”تیرے قریب کے پاس جاؤ، اُن سے اپنا حال بیان کرو اور یہ رقعہ دے دینا۔ اُس شخص نے ملک کو رقعہ ہا کر دیا تو ملک نے حضرت کا خط پہچان لیا، اُس شخص کا حال غور سے سنا۔ اُس زمانے میں ملک قریب کی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی۔ اُس کا جہیز جمع ہو رہا تھا۔ وہ سب کپڑے اور زیور وغیرہ لے کر آیا اور اُس شخص کے حوالے کر دیے۔ دوسرے دن سلطان علاؤ الدین خلجی کے دربار میں حاضر ہوا تو سلطان نے پوچھا ”تیرے کل کا ماجرا کیا تھا؟“ قریب حیران ہوا کہ سلطان کو کیسے خبر ہوئی اُس نے شیخ کا رقعہ ملنے کا واقعہ بتایا، تو بادشاہ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ شیخ نے کیا لکھا تھا؟ اُس نے رقعہ کا مضمون بتایا۔ بادشاہ نے قریب کے عمل کو بہت سراہا اور کہا کہ تم نے جو جہیز تیار کر رکھا تھا اُس کی فہرست لاؤ۔ قریب نے فہرست پیش کی، اب یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ملوک و امراء کی بیٹیوں کا جہیز کیا ہوتا تھا، خاص طور سے ترک امراء جو بہت فیاض بلکہ فضول خرچ تھے۔ بادشاہ نے زیورات کی فہرست اپنے خزانہ دار کو دیتے ہوئے کہا کہ اسے دس گنا کر کے ملک قریب کو دے دو۔

حضرت کے زمانے میں بھی اُن کے بدخواہ اور حاسد تھے جو حضرت کی بے پناہ مقبولیت اور عزت کو دیکھ کر آتشِ حسد میں کباب ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ اس مقبولیت کا سبب

داد و دہش اور دسترخوان کی دست ہے، کھانے پینے اور عطایا لینے کے لالچ میں لوگ اُن کی خدمت میں جاتے ہیں۔ مگر یہ بات صرف مساکین کے لیے کہی جاتی تو ایک بات بھی تھی، حضرت کی خانقاہ میں تو اُمراء کا بھی ہجوم رہتا تھا۔ اُن کی عقیدت بھی اسی تھی کہ کسی زمانے میں طبقہ دُامراء میں اتنی کثرت سے فقیر دست پیدا نہیں ہوئے، رمضان کے مہینے میں افطاری کا سامان ظہر کے وقت سے بُنا شروع ہوتا تھا اور دُرد و دُرنک اُمراء کے گھروں میں پہنچتا تھا۔ اور بہت سے ملوک دُامراء اسی تبرک سے روزہ افطار کرتے تھے جو شیخ کی خانقاہ سے اُنھیں ملتا تھا۔

حضرتؒ کے عطا و بخشش کے انداز بھی نرالے تھے، کسی کو یہ علم نہ ہوتا تھا کہ کس کو کیا دیا، مگر کبھی یہ بھید اتفاق سے کھل جاتا تھا۔ ایک بار کسی شخص کے لیے آپ نے خواجہ اقبال سے فرمایا اُنھیں شکر کی ایک پُریا دے دو۔ وہ شخص ادب سے سلام کر کے پُریا لے کر چلا گیا۔ گھر جا کر پُریا کھولی تو اُس میں دس تنکے (اُس زمانے کا سکہ) رکھے ہوئے تھے۔ وہ سمجھا کہ یہ پُریا مجھے اقبال نے غلطی سے دے دی ہے، پھر خانقاہ میں واپس آیا اور حضرتؒ کی خدمت میں وہ پُریا پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ مجھے بھولے سے دیدی تھی، اس میں تو تنکے نکلے، اس لیے واپس لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: ارے خواجہ، یہ تو اللہ تمہیں دے رہا ہے، ہم درمیان میں کون ہوتے ہیں؟ تم اُنھیں رکھو اور جیسے جی چاہے خرچ کرو۔

حضرتؒ خود تو معمولی لباس زیب تن فرماتے تھے مگر نذرانوں میں ملوک دُامراء کی طرف سے ہندوستان میں بُنا جانے والا بہترین کپڑا حضرت کے پاس آتا تھا اور وہ سب عوام میں تقسیم ہو جاتا تھا، کپڑے کے تھانوں کی تہ میں بھی تنکے چھپا کر رکھ دیے جاتے تھے۔ ایک بار کوئی شخص جسے حضرتؒ نے ولایتی کپڑے کا تھان مرحمت

فرمایا تھا حاضر ہوا اور اُس نے سونے کے چند ٹکے حضرت کو واپس دیتے ہوئے یہی کہا کہ غلطی سے یہ تھان میں لپٹ کر چلے گئے تھے۔ حضرت نے اُس سے بھی یہی فرمایا۔ جب خدا تمہیں رہا ہے تو میں کون ہوں؟ یہ تمہارے ہیں، خرچ کر دو۔

اللہ نے اس فقر و درویشی کے ساتھ داد و بخشش میں برکت بھی ایسی دی تھی کہ دیکھنے والوں کی عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ حضرت کا معمول تھا کہ جمعہ کی صبح کو یا جمعرات کو نمازِ عشاء کے بعد تجرید کرتے تھے اور خانقاہ میں جو کچھ سامان ہوتا تھا سب نکلو کر فقراء، مساکین اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اس کا قاعدہ یہ تھا کہ شہر سے آئے ہوئے جو لوگ موجود ہوتے تھے انہیں دس دس بیس بیس آدمیوں کے حصے دے کر فرما دیتے تھے کہ انہیں تقسیم کر دو اس طرح خانقاہ میں کچھ بھی باقی نہیں بچتا تھا، مگر صبح کو فجر کی نماز کے بعد واپس جانے والے مسافروں کو رخصت کرنے کے لیے حضرت تشریف رکھتے تھے تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے کر ہی رخصت فرماتے تھے اور دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی کہ رات تو سب کچھ بٹ چکا تھا اب یہ کہاں سے آرہا ہے!

حضرت کی خانقاہ کے دو دروازے دریا کی طرف تھے۔ دریا پر پانی بھرنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا اور اس کھینچا پانی میں بعض لوگوں کے گھرے ٹوٹ جاتے تھے، انہیں فوراً حضرت کی خانقاہ سے کورا گھڑا مل جاتا تھا، اس طرح روزانہ متعدد گھرے بھی تقسیم ہوتے تھے، مگر کبھی کسی کو خانقاہ میں پانچ ستائیس گھرے بھی رکھے ہوئے نظر نہ آتے تھے، اور اس پر حیرت ہوتی تھی کہ یہ نئے گھرے فوراً کہاں سے آجاتے ہیں!

بخشش و عطا کے لیے حضرت نے کچھ قاعدے بھی مقرر کر رکھے تھے۔ غیاث پور اور قُرب و خوار کے رہنے والوں کو روزینہ ملتا تھا، جو لوگ شہر میں رہتے تھے انہیں ہفتہ وار وظیفہ دیا جاتا تھا، آس پاس کے تھنات سے آنے والوں کے لیے ماہانہ مقرر تھا اور دروازے کے علاقوں سے مثلاً گجرات، راجستھان، دکن وغیرہ سے آنے والوں کے لیے سشش ماہی یا سالانہ مقرر کر دیا تھا

حضرت کو نذرانوں اور فتوحات میں جو کچھ ملتا تھا وہ تو سب کا سب اس طرح تقسیم ہو جاتا تھا مگر آپ نے اپنے خلفاء کے لیے فتوح لینے اور اُسے خرچ کرنے کے قواعد بھی مقرر فرما دیے تھے۔ کسی یثلمت (۱/۱۰) کسی پر رُبع (۱/۱۰) کسی پر خُمس (۱/۵) اور کسی پر عُشر (۱/۱۰) مقرر تھا۔ چنانچہ مولانا جمال الدین فتوح کا تیسرا حصہ ساکین کو دیتے تھے، اُن کے پاس جو فتوح آتی تھی اُسے تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصہ اپنی بیوی کے پاس بھیجتے، دوسرا یا ران سلسلہ پر خرچ کرنے کے لیے رکھتے اور تیسرا حصہ فقراء میں بانٹ دیتے تھے۔ مولانا خُصام الدین ملتانی پر خُمس مقرر تھا وہ پانچواں حصہ ساکین کے لیے رکھتے تھے۔

حضرت کی آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں تھا اسی طرح حضرت کے خلفاء اور متاخر مریدین کا بھی کوئی متعین ذریعہ آمدنی نہیں تھا۔ حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں حضرت نظام الدین کا وظیفہ ایک تنکا سفید (چاندی کا سکہ) ماہانہ مقرر تھا، یہ علم نہیں کہ یہ کہاں سے ملتا تھا، جب آپ اجودھن سے بیعت ہو کر آئے تو اُسے ترک کر دیا تھا بعض عقیدت مند کسی خاص دن پر (مثلاً جمعہ کو) معمولاً نذر پیش کرتے تھے یا نئے چاند پر سلام کرنے حاضر ہوتے اور نذر دیتے تھے، اگر کسی نے تین بار کسی مقررہ وقت پر مقررہ نذر پیش کی تو چوتھی بار حضرت قبول نہیں فرماتے تھے۔ توکل ایسا تھا کہ فرماتے تھے اپنا حال کسی سے صراحت تو کیا کُنائے میں بھی بیان نہیں کرنا چاہیے کہ یہ بھی ”درخواست“ ہے، اسی طرح کسی کی چیز یا سلمان کی اُس کے سامنے تعریف کرنا نہیں چاہیے کہ یہ بھی ”خواہش“ ہے، اور اگر تعریف سُن کر وہ شخص اپنی چیز بطور ہدیہ پیش کرے تو قبول نہیں کرنا چاہیے۔ کسی ایسے شخص سے بھی اپنا حال بیان نہ کرے جس کے بارے میں یہ احتمال ہو کہ وہ امداد کے لیے کسی کو آمادہ کر دے گا یا کہیں سفارش کر دے گا۔ یہ بھی ”سُعی“ ہے۔ درویش کو لازم ہے کہ خطراتِ قلب کی نگہداشت کرے مثلاً دل میں یہ خیال نہ گذرے کہ فلاں شخص آئے گا تو میرے لیے یہ چیز لائے گا، اس اندیشہ کو دل سے باہر دور کرے اور اگر وہ شخص کچھ لے کر آئے تو قبول نہ کرے۔ پھر کبھی خطرہ نہ گذرے گا۔ جب یہ مقام

حاصل ہو جائے تو اب جو کچھ آئے گا وہ من جانب حق آئے گا اور مرتبہ تسلیم و توکل حاصل رہے گا۔

اپنے زمانے کے سلاطین سے تعلقات

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی مبارک زندگی میں دہلی کے تخت پر جو بادشاہ بیٹھے ان کے نام یہ ہیں (۱) جب حضرت اس عالم وجود میں تشریف لائے ہیں اُس وقت تخت دہلی پر سلطانہ رضیہ بنت سلطان شمس الدین التمش رونق افروز تھی اُس نے ۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء سے ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء تک حکومت کی۔ حضرت کا قیام جب تک بدایوں میں رہا دہلی میں دو بادشاہ اور تخت نشین ہوئے یعنی معز الدین بہرام شاہ (۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء سے ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء) اور علاؤ الدین مسعود شاہ (۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء تا ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء)۔

(۲) حضرت بدایوں سے دہلی کب تشریف لائے اس کا قطعی سبب معلوم نہیں ہے، بعض دایات میں کہا گیا ہے کہ آپ ۱۶ سال کی عمر میں یہاں وارد ہوئے اسے صحیح مانا جائے تو ۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء ہوگا۔ کچھ تذکرہ نگاروں کا قول ہے کہ ۲۵ سال کی عمر میں دہلی آنا ہوا، اس حساب سے تقریباً سنہ ۶۵۷ھ/۱۲۵۸ء ہوتا ہے۔ یہاں سلطان ناصر الدین محمود شاہ ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء میں تخت پر بیٹھا تھا اُس کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن ۶۶۲ھ/۱۲۶۵ء میں سربراہ دہلی ہوا۔ گمان غالب یہ ہے کہ حضرت سلطان ناصر الدین کے عہد حکومت میں دہلی میں وارد ہوئے، اور بلبن کے زمانے میں اچودھن کا سفر ہوا اور حضرت بابا صاحبؒ سے بیعت اور پھر خلافت ملی۔

(۳) بلبن کے بعد ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء میں سلطان معز الدین کی قباد تخت نشین ہوا اور اُس نے اپنا مستقر کیلوکھڑی کو بنایا جو غیاث پور کے پاس واقع تھا۔ یہ زمانہ بہت فسق و فجور اور عیش و نشاط کا تھا اور اُس کے عہد میں حضرت کی خانقاہ تعمیر ہوئی۔ کیلوکھڑی کی آبادی کی تکمیل جلال الدین خلجی کے زمانے میں ہوئی اب اسے شہر نہ کہا جانے لگا تھا دیکھتے ہی دیکھتے چار جانب بلند و رفیع عمارتیں کھڑی ہو گئیں اور بازار بھر گئے۔ (برنی ص ۱۷۶)

۱۳۱۹ھ/ ۱۲۹۰ء میں فیروز شاہ خلجی کی تخت نشینی سے خاندان خلجی کی حکومت کا آغاز ہوا، یہ حضرت کا معتقد تھا مگر اسے خانقاہ میں آنے کی اجازت نہیں ملی اور اس نے بھیس بدل کر آنے کا ارادہ کیا تو حضرت خانقاہ چھوڑ کر اجودھن کے سفر پر روانہ ہو گئے اس کے زمانے میں ۱۳۹۰ھ/ ۱۲۹۰ء سے حضرت نے دست بیعت لینا شروع کیا۔ غالباً اسی سال ۱۳۹۰ھ/ ۱۲۹۰ء میں حضرت بدراسختی کا انتقال ہوا۔

(۵) جلال الدین خلجی کے بعد مختصر وقفے کے لیے رکن الدین ابراہیم شاہ خلجی تخت پر بیٹھا۔

(۶۹۵ھ/ ۱۲۹۵ء) پھر اسی سال علاؤ الدین خلجی محمد شاہ اول تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں حضرت کی مقبولیت اپنے نقطہ عروج تک پہنچ گئی، جماعت خانے میں ہر وقت بھیڑ رہنے لگی اس کی خبر دربار تک بھی پہنچی۔ علاؤ الدین بہت بدگمان بھی تھا اور یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ کہیں کسی بیٹے سے دشمنی پیش آدے۔ جمع ہوں۔ اس نے حضرت کی خانقاہ میں اپنے مخبر اور جاسوس تعینات کر دیئے ان میں سے بعض حضرت کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ ایک دن دسترخوان کے کنارے پر، اور حضرت سے ذرا دور ایک شخص بیٹھا تھا، خواجہ سید محمد امام حضرت کے نزدیک تھے انھوں نے چپکے سے اشارہ کر کے حضرت کو بتایا کہ دسترخوان کے سرے پر جو فلاں شخص بیٹھا ہے یہ سلطان کا مخبر ہے۔ حضرت نے بلند آواز سے فرمایا: ”ہوا کرے یہاں سے لے کیا جائے گا ہم اپنے عزیزوں اور یارانِ سلسلہ کے ساتھ بیٹھے کھانا ہی تو کھا رہے ہیں! یہ اس زمانے میں سلطان نے اُمراء پر بھی پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ خانقاہ میں نہ جائیں، اس کا خیال تھا کہ جماعت خانے کا یہ شاہانہ خرچ اُمراء کے نذرانوں سے چل رہا ہے وہ نہ جائیں گے تو شیخ کی آمدنی کم ہوگی اور لنگر ہلکا پڑے گا تو خود ہی زائرین کا رجوع بھی گھٹ جائے گا۔ حضرت نے اسی مخبر کے سامنے قصداً ذرا بلند آواز سے اپنے خادم خواجہ مبشر سے فرمایا کہ دسترخوان پر قورمہ روٹی ہوتی ہے ہو سکتا ہے بعض لوگوں کو یہ مرغوب نہ ہو تم لنگر میں طاہری اور بڑھادو۔ اور دو مہانوں کے سامنے ایک صحن رکھ دیا کرو۔ پھر فرمایا ”خلق خدا کے لیے یہ لنگر ہم صرت زبان کے چٹخارے کے لیے نہیں کہتے بلکہ یہ ہمارے خواجہ

حضرت بابا فریدؒ کی نعمت ہے میرا توجہ چاہتا ہے کہ یہاں سے شہر دہلی تک ہر جگہ نور لگوادوں اور طرح طرح کی نعمتیں ہمہ وقت موجود رہیں جن سے بے واسطہ وسیلہ بندگان خدا فائدہ اٹھائیں۔ کھائیں اور ساتھ میں باندھ کر بھی لے جائیں۔

یہ ارشاد بھی سلطان کے کانوں تک پہنچا مگر اس نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا اور صبر و تحمل سے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ ایسی خبریں سن کر اس کے چہرے کا رنگ ضرور متغیر ہو جاتا تھا۔ اس بدگمانی کا سبب یہ تھا کہ عہدِ جلالِ علمی میں سیدی مولانا کا واقعہ پیش آچکا تھا، "مارگزیدہ از رسیمان تبرسد دال بات تھی۔ ایک دن پھر حضرتؒ نے دیکھا کہ کوئی نمبر موجود ہے تو خواجہ مبشر کو بلایا اور پوچھا "جماعت خانے میں جو رویشِ روزہ رکھتے ہیں ان کی سحری کا کیا انتظام ہے؟ مبشر نے بتایا تو فرمایا کہ علوہ پراٹھا اور سمو سے اضافہ کر دو اور ہر رویش کو ایک پراٹھا اور دو سمو سے دیا کرو۔" یہ خبر بھی سلطان کو پہنچی مگر سلطان نے سوچا کہ حضرتؒ یہ سب کچھ محض رضائے حق کے لیے کر رہے ہیں اگر کوئی اور غرض ہو تو یہ برکت حاصل ہو نہیں سکتی اب وہ بھی آپ کا معتقد ہو گیا، اور اپنے دو فرزندوں خضر خاں و شادی خاں کو حضرتؒ کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ ان بچوں کو اپنی غلامی میں قبول فرمائیے حضرتؒ نے کچھ دنوں تک سکوت رکھا۔ یہ دونوں بار بار ہمت ہونے کے لیے اصرار کرتے تھے حضرتؒ مال دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم بادشاہزادے اور صاحبِ چتر و تاج ہو تمہارا کام لشکر کشی کرنا اور امورِ سلطنت کو چلانا ہے یہ سب فقیری کا رخانہ ہے تمہارے بس کا نہیں، یہاں فقر و مسکنت اور عاجزی و بیچارگی کے سوا کیا رکھا ہے؟ تم ان سب کا تحمل کہاں کر سکو گے؟ مگر خضر خاں اور شادی خاں دونوں برابر التماس بیعت کرتے رہتے تھے۔ جب اصرار بہت بڑھا تو حضرتؒ نے فرمایا: "اچھا تم اپنے باپ سے مشورہ کر لو اور اجازت لے لو۔"

۱۔ علاؤ الدین کی شادی - عز الدین کی قباد کی بیٹی سے ہوئی تھی جس کے بطن سے پانچ فرزند تھے: خضر خاں شادی خاں ابوبکر خاں، قطب الدین مبارک خاں، شہاب الدین عمر۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اس نے ۲۸، ۲۹ میں خضر خاں کی ماں نابک کو مکہ معظمہ میں دیکھا تھا جہاں وہ حج کرنے گئی تھی۔

سلطان نے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی دن یہ درخواست کی تھی کہ حضرت ان بچوں کو اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ اس بار سلطان نے ایک امیر کو اپنا وکیل بنا کر حضرت کی خدمت میں بھیجا اور انہوں نے سلطان کی طرف سے اجازت ہونے کی باضابطہ اطلاع حضرت کو دی تب حضرت نے دونوں شاہزادوں کو بیعت کیا اور دونوں کو خرقہ بھی عنایت فرمایا۔

بیعت ہونے کے بعد دونوں شاہزادوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا اگر اجازت ہو تو ہم اس نعمت کے حاصل ہونے کی خوشی میں جماعت خانے کے درویشوں کی دعوت کریں۔ حضرت نے اجازت دے دی۔ دوسری بار جب دونوں آئے تو سارا ساز و سامان ساتھ تھا۔ غیاث پور کے صحرا میں دور دور تک خیمے لگ گئے اور بہت بڑے بڑے شامیانے نصب کیے گئے ایسا شاندار لنگر ہوا کہ ایک ہفتہ تک دن رات جشن منایا گیا، ہر قسم کی نعمت کھانے کے لیے موجود تھی اور صبح و شام سماع کی مجلسیں گرم تھیں۔ ان تاربخوں کا تعین خود حضرت نے کیا تھا اور سلطان علاؤ الدین نے اپنے تمام درباری اُمراء کو درویشوں کی خدمت کرنے کے لیے غیاث پور بھیج دیا تھا۔ شاہزادوں کو تاکید کر دی تھی کہ وہ باب داخلہ پر موجود رہیں ہر ایک مہمان کا خود استقبال کریں، دعوت کے بعد ان کے ہاتھ خود دھوائیں خادموں سے نہ دھلوائیں، خربت اور پان اور عطر بھی درویشوں کی خدمت میں خود پیش کریں۔ چلتے وقت ہر مہمان کو نذر دینے کے لیے رد مالوں میں سونے اور چاندی کے سکے بندھوا کر دیے تھے جو لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے۔ رخصت کرتے وقت بادشاہ نے پھر شاہزادوں اور اُمراء سے کہا کہ یہ خدمت تو میں خود کرتا مگر مجبور ہوں کہ مجھے اس محفل میں باریابی کی اجازت نہیں ہے۔ دعوت کے لیے تین بڑے شامیانے لگائے گئے تھے۔ دونوں شاہزادے سارے انتظامات متکمل کرنے کے بعد شیخ کی خدمت میں آئے اور ان سے تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ حضرت ڈوے میں سوار ہو کر جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئے۔

بادشاہ کے پانچویں بیٹے، ملک نائب، خوانین و اُمراء سب ادب سے دست بستہ کھڑے تھے حضرت تشریف فرما ہو گئے تو ان سے اجازت لے کر شاہزادوں نے اور ملوک و اُمراء نے محفل کے ہاتھ دھلانے

شروع کیے۔ بڑے اور قیمتی دسترخوان بچھے ہوئے تھے جن پر الوان نعمت موجود تھی۔ ہر قسم کا خشک میوہ،
بھلے مٹھائیاں وغیرہ بے شمار سامان تھا کہ سب کو تھوڑا تھوڑا ہی چکھیں تو پیٹ بھر جائے۔ کھانا ہو چکا
تو شہزادوں نے سماع کی اجازت طلب کی، حضرتؑ نے اجازت دی بہترین قوالوں نے سماع شروع
کر دیا، یہ جلسہ طہر کی اذان ہونے پر ختم ہوا۔

اس محفل میں بعض خوشامدی بھی تماشا کر رہے تھے کہ اتنے بڑے اور عظیم المرتبت شہزادے اور
امراء معمولی دردیشوں اور فقیروں کی خدمت کر رہے ہیں اور انھیں اس پر سخت تعجب ہو رہا تھا۔
ملک نائب بدبخت جس کا ذکر اوپر آیا وہی ہے جس نے بعد کو خضر خاں اور شادی خاں کو قید کر کے قلعہ
گوالیار میں بند رکھا اور انھیں اندھا کر دیا تھا۔ حضرتؑ کے کسی حاسد نے اُس زمانے میں خضر خاں سے
سے کہا کہ تم بڑے اعتقاد کے ساتھ شیخ کے مرید ہوئے تھے اور خود کو اُن کی غلامی میں دے دیا تھا۔
پھر یہ کیا حال ہو گیا شہزادے نے کہا، ”یہ تو حضرتؑ کا عین کرم اور اُن کی غلامی کی برکت ہے کہ مجھے دنیوی
اقتدار سے بچا لیا ورنہ نہ جانے کتنے ظلم کرتا، کسی کا مال اور حق مارتا کسی کو ناحق ستاتا، حضرتؑ نے مجھ اس
وعدے سے بھی بچا لیا کہ ”مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَبِدًا فُجِزَ اَذَاهُ جَهَنَّمَ“ ترجمہ۔ جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا
اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور قرآن کریم کے اس حکم سے بھی خارج کر دیا کہ ”اِنَّ الَّذِیْنَ یَاکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْمًا
اِنَّہُمْ یَاکُلُوْنَہِیْ بُکْرًا ۖ وَہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ“ ترجمہ۔ جو یتیموں کا مال ظلم کر کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھری ہیں
اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ ۱۰:۱۴ اگر میری ظاہری بیانی چھین لی تو کیا ہوا، حضرتؑ نے میرے باطن کی آنکھیں تو کھول
دی ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں یہ سب حضرتؑ کا دامن مبارک ہاتھ آجانے کی برکت ہے، اور مجھے امید
ہے کہ قیامت میں بھی ان شاء اللہ حضرتؑ شیخ کے جھنڈے کے نیچے میرا حشر ہوگا۔ (قوام العقائد قلمی)
ایک بار سلطان علاؤ الدین کو بعض خوشامدی امیروں کی چغل خوری سے یہ شبہ ہو گیا تھا کہ کہیں
اس مقبولیت سے میری سلطنت کو تو کوئی خطرہ پیش آنے والا نہیں ہے۔ اُس نے سوچا کسی ترکیب
سے معلوم کیا جائے حضرتؑ کے غرائم کیا ہیں، بادشاہ نے ایک خط لکھا کہ اللہ نے دنیا کا مال متاع

مجھے بخشا ہے اور آپ مخدوم عالیاں میں میرے لیے عین سعادت یہ ہے کہ جو کوئی مہم پیش آئے یا جن امور میں عامۃ الناس کی بھلائی ہو ان میں آپ کے مشورے اور ہدایات کی روشنی میں کام کروں۔ چند مہمات مسائل درپیش ہیں وہ آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں ان کے بارے میں جس بات میں مملکت کی بھلائی مضر ہو وہ آپ قلمبند فرمادیں یہ خط دے کر خضر خاں کو بھیجا کہ حضرت کی خدمت میں ادب سے پیش کرے اور جو کچھ جواب دہ محنت فرمائیں وہ لے کر آئے۔ خضر خاں کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ بادشاہ نے اپنے دل میں کیا سوچ رکھا ہے۔ اُس نے وہ خط حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اُس پر اچھتی ہوئی نظر بھی نہیں ڈالی اور اُسے لے کر بغیر پڑھے ایک طرف کور کھ دیا۔ خضر خاں سے فرمایا: درویشوں کو بادشاہوں سے کیا لینا دینا ہے میں درویش ہوں ایک گوشے میں پڑا ہوں مسلمانوں اور بادشاہ کی دعا گوئی میں مشغول ہوں اگر اس (امور سلطنت کے بارے میں) آیندہ بادشاہ مجھ سے کچھ کہے گا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ملک خدا تنگ نیست یہ جواب خضر خاں نے بادشاہ کو جا کر بتایا تو وہ خوش ہوا اور کہا کہ سلطان المشائخ سے اسی جواب کی توقع تھی، یہ بدخواہ مجھے خواہ مخواہ اُن سے بدظن کر کے مردانِ خدا سے برسرِ خصومت کر دینا چاہتے تھے۔ اُس نے اب حضرت کو معذرت کا پیغام بھیجا اور خانقاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ حضرت نے فرمایا کہ آنے کی کچھ ضرورت نہیں میں غائبانہ دعائیں مشغول ہوں اور ایسی دعائیں زیادہ اثر ہوتا ہے۔ جب علاؤ الدین نے زیادہ الحاح کیا تو حضرت نے کہلا بھیجا کہ میرے گھر میں دو دروازے ہیں ایک سے بادشاہ داخل ہوگا تو میں دوسرے سے نکل جاؤں گا۔

سلطان علاؤ الدین کی عقیدت پھر آخر تک قائم رہی اور اس کے زمانے میں شیخ کی اصلاحی کوشش کے جو ثمرات برآمد ہوئے اُن کا تذکرہ ہم ضیاء الدین برنی کے الفاظ میں لکھ چکے ہیں۔ ملک نائب جس کا اوپر تذکرہ ہوا پچاس ہزار سوار لے کر وزگل کی طرف گیا ہوا تھا اور وہاں سے بہت دنوں تک کوئی خبر نہیں ملی اس سے بادشاہ تو متفکر تھا ہی سارے شہر پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ اس لیے کہ ہر گھر کا کوئی نہ کوئی فرد اس لشکر میں شامل تھا۔ سلطان نے قاضی حمید الدین صدر جہاں کو حضرت کی خدمت میں بھیجا اور یہ التماس کیا کہ

شیخ اس لشکر کی سلامتی کے لیے توجہ فرمائیں۔ حضرت نے اقبال کو اشارہ کیا کہ قاضی صدر جہاں کیلے کچھ کھانے کو لاؤ۔ قاضی کھانے لگے تو حضرت نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں اور بطور حکایت فرمایا کہ فلاں شہر میں ایک بادشاہ تھا اس نے کسی طرف اپنا لشکر ایک مہم پر بھیجا اور ایک عرصے تک اس لشکر کی خبر خبر نہ ملی تو اس شہر میں ایک بزرگ سے رجوع کیا۔ اس بزرگ نے حاجب سے کہا کہ لشکر کی خبر چالیس دن کے بعد آجائے گی۔ اس کے بعد حضرت نے کچھ اور باتیں کہیں یہاں تک کہ قاضی صدر جہاں کھانے سے فارغ ہو گئے اور اقبال نے پان بھی پیش کر دیا۔ یہ واپس جانے لگے مگر سخت حیران اور متحیر تھے کہ شیخ نے کوئی جواب نہ دیا اگر بادشاہ پوچھے گا تو کیا کہوں گا؟ شیخ کی ہیبت سے یہ بھی مجال نہ ہوئی کہ اپنا معروضہ دوبارہ پیش کر دیں۔ اگلے دن دربار میں سلطان نے پوچھا کہ شیخ نے کیا فرمایا؟ تو قاضی نے کہا کہ وہ اور باتیں کرتے رہے اس باب میں کچھ ارشاد نہ ہوا۔ سلطان نے پھر پوچھا کیا حکایتیں سنائی تھیں؟ قاضی نے بیان کیں۔ بادشاہ نے کہا "قاضی جی، شیخ کو جو کچھ کہنا تھا وہ انہوں نے حکایت کے پردے میں فرما دیا مگر تم مجھے نہیں؟" جب ایک مہینہ گزر گیا تو بادشاہ نے دہلی سے بیانے تک دھاوے کے سوار متعین کر دیے کہ ملک نائب کا عریضہ آنا ہوگا۔ ٹھیک چالیسویں دن مغرب کے وقت ملک نائب کا عریضہ پہونچا جس میں درنگل کی فتح کا شردہ لکھا ہوا تھا۔

سلطان ملاؤ الدین ۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء سے ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء تک حکومت کرتا رہا۔ فوائد الفوائد ابتدا سے تیسری جلد کے آخر تک اسی کے عہد حکومت میں مرتب ہوئی ہے مگر ان ۸۸ مجلسوں میں سلطان کا کہیں نہ ملتا اور سرسری حوالہ بھی نہیں آیا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حاکمان وقت سے آپ کو ذرہ بھر کوئی تعلق نہ تھا (۷) ملاؤ الدین غلی کی وفات ۶ شوال ۷۱۵ھ/۲۷ جنوری ۱۳۱۶ء کے بعد ملک نائب نے اس کے چھوٹے بیٹے شہاب الدین عمر شاہ کو تخت نشین کر دیا یہ صرف پانچ یا چھ سال کا نابالغ بچہ تھا اسے تخت پر بٹھا کر ملک نائب خود حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اسی سال اس نے خضر خاں اور شادی غلی کو قید کیا پھر ملک سنبل کو بھیج کر دونوں شہزادوں کی آنکھیں کھلوائیں شہاب الدین عمر شاہ کی سلطنت صرف ۴۵ دن تک رہی، ملک نائب کو ملاؤ الدین

کے وفادار خادموں نے قتل کر دیا اور قطب الدین مبارک شاہ کو قید خانے سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا۔ شروع میں تو قطب الدین، شہاب الدین کا نائب بن کر کام کرتا رہا پھر ملوک و امراء کو اپنے ساتھ ملا کر بادشاہ بن بیٹھا، اور شہاب الدین کی آنکھوں میں سلائی پھردا کر اسے قلعہ گوالیار میں بے بسج دیا۔ جن پالکوں نے ملک نائب کو قتل کر کے قطب الدین کو تخت دلایا تھا انہیں بھی دہلی سے باہر بھیج کر ان کی گردنیں اڑوا دیں۔

قطب الدین مبارک شاہ کی عیاشی اور فسق و فجور کا کچھ حال ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ یہی وہ بد بخت بادشاہ ہے جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے بغض رکھتا تھا۔ اُس نے سوچا کہ شیخ کے اثر کو ختم کیا جائے تو ملتان سے سہروردی سلسلے کے بزرگ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ (وفات ۹۰۷ جمادی الاولیٰ ۷۵۳ھ، ۲۷ جنوری ۱۳۵۳ء) کو دہلی بلوایا مگر اس نے دیکھا کہ حضرت رکن الدینؒ خود شیخ کے انتہائی معتقد اور ارادتمند ہیں۔ شیخ رکن الدین ملتانیؒ دربار میں تشریف لائے تو قطب الدین مبارک نے کہا: آپ ازراہ مہربانی ملتان سے یہاں تک میری دعوت پر تشریف لے آئے اور ایک شخص (حضرت نظام الدینؒ) یہاں قلعہ کی دیوار کے نیچے بیٹھا ہوا ہے، مگر کبھی سلام کرنے بھی نہیں آتا اور مجھے کچھ گردانتا ہی نہیں۔ حضرت رکن الدینؒ نے فرمایا میرے ساتھ تویر اسمعیل ہے (شیخ کے برادر خرد عماد الدین اسمعیل مراد ہیں) جو مجھے کھینچ لاتا ہے، حضرت نظام الدینؒ نے ایسا کوئی جھگڑا بالابھی نہیں تو پھر وہ کیوں اور کس لیے آئیں؟ آپ حضرت کے حق میں بدخواہوں کی باتیں نہ سنا کریں وہ بہت بزرگ انسان ہیں انہیں دنیا داری کے جھگڑے سے کیا واسطہ؟ سلطان نے یہ سنا تو شرمندہ ہو کر کہنے لگا، معاذ اللہ، مجھے اُن کی مخالفت نہیں ہے میں تو آنے والوں کی حکایت بیان کر رہا ہوں۔

غیاث تغلق جب افغان پور کے چوہی محل میں دب کر مرا ہے اُس وقت شیخ رکن الدینؒ بھی وہاں موجود تھے دہلی سے نکلان جاتے ہوئے وہ اجودھن گئے اُس زمانے میں بابا صاحبؒ کے پوتے حضرت علاؤ الدین موح دریا حیات تھے انہوں نے ان کی زیادہ خاطر نہیں کی نہ قیام کرنے کے لیے اصرار کیا، اس کا سبب یہی تھا

لکھ بادشاہوں کے دربار سے متعلق رہتے تھے۔ ان سے معاف کرنے کے بعد حضرت موج دریا نے غسل کیا اور اپنا لباس تبدیل کیا تھا۔ (سیرالادلیا ۲)

بادشاہ کے دربار میں نوچندی کے موقع پر تمام اُمراء، حکام، علماء اور مشائخ نے چاند کی مبارکباد دیے جایا کرتے تھے حضرت نظام الدینؒ اپنی خانقاہ کی نمایندگی کے لیے اپنے خادم خواجہ اقبال کو بھیج دیتے تھے لوگوں نے کہا کہ بڑے بڑے علماء اور مشائخ دربار میں سلام کرنے آتے ہیں، حضرت نظام الدینؒ تشریف نہیں لاتے اپنے ملازم کو بھیج دیتے ہیں، یہ تو بادشاہ کی توہین ہے۔ قطب الدین نے حکم دیا کہ آئندہ چاند رات کو شیخ خود حاضر ہوں، نہ آئیں تو ان کو لایا جائے وطلب یہ کہ گرفتار کر کے لائیں، حضرت چاند رات سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ کے مزار مبارک پر گئے اور فاتحہ پڑھ کر اس شکل مرعے میں اپنی والدہ ماجدہ کی روح مبارک سے بہت طلب کی سب لوگ بچہ فکرمند تھے کہ حضرت تو دربار میں جائیں گے نہیں بادشاہ کو جوان فاعلت اندیش اور گرم مزاج ہے ایسا ہو کہ حضرت کی شان میں گستاخی کرے اور روٹیوں کا دل دکھے۔ مگر حضرت کو نفس مطمئنہ حاصل تھا۔ جس دن حضرت کو دربار میں طلب کیا جانا تھا اسی شب میں بادشاہ کے منظور نظر خسر و خاں نے جو گجرات کے قبیلہ نباد سے تعلق رکھتا تھا، اور نو مسلم تھا، قطب الدین کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

قطب الدین مبارک شاہ کو حضرت نظام الدینؒ سے عداوت اس لیے تھی کہ وہ جانتا تھا خضر خاں اور شادی خاں حضرت کے نہایت مخلص مرید اور حلقہ بگوش تھے، اور حضرت کا اس وقت کی سوسائٹی پر گہرا اثر تھا۔ اُس نے ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جسے مسجد میری کہا گیا ہے اور سب علماء و مشائخ کو پیغام بھیجا کہ اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کیا کریں، یہ پیغام حضرت نظام الدینؒ کے پاس بھی پہنچا تھا مگر آپ نے جواب دیا کہ جو مسجد میرے گھر سے زیادہ قریب ہے اُس کا حق زیادہ ہے۔ اس جواب سے بھی سلطان برہم ہوا۔ ایک بار حضرت نظام الدینؒ اولیاء شیخ ضیاء الدین رومیؒ کے سوم کی فاتحہ میں شرکت کے لیے تشریف

لے شیخ ضیاء الدینؒ رومیؒ کا مزار قطب صاحبؒ کی درگاہ کے راستے میں مہر دلار روڈ پر واقع ہے۔ مبارک شاہ ان سے مرید بھی ہو گیا تھا۔ (مرآۃ الاسرار قلمی ۲/۲۲ ب)

لے گئے وہاں اس بادشاہ کا سامنا بھی ہو گیا، حضرت نے اُسے سلام کیا مگر اس بے ادب بے نصیب شخص نے منہ پھیر لیا اور سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ وہ اپنے درباری امراء کو سختی کے ساتھ روکتا تھا کہ حضرت کی خانقاہ میں نہ جائیں اور سردر بار حضرت کے لیے ناشائستہ کلمات زبان پر لاتا تھا۔ اس نے یہاں تک اعلان کر دیا تھا کہ جو حضرت کا سر کاٹ کر لائے گا اُسے ایک ہزار اشرفیاں انعام دینگا۔ وہ اپنے درباریوں سے حضرت کے قتل کرنے کے منصوبے پر گفتگو کرتا تھا، مگر امراء نے کہا کہ تمام دہلی حضرت کی مرید ہے انہیں کوئی بھی نہ مارے گا تب اُس نے دہلی کے پاس کسی قصبہ سے کچھ لوگوں کو بلایا تاکہ اُن کے ہاتھوں سے شیخ کو قتل کرادے۔ ایک وزیر کو یہ منصوبہ معلوم تھا اُس نے چپکے سے آکر حضرت کو آگاہ کر دیا کہ آپ کہیں تشریف لے جائیں، مگر آپ نے نہایت اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ فرمایا ”وہ ظالم ہے اور ہرگز مجھ پر غلبہ نہ پاسکے گا“ وزیر نے کہا کہ آپ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ کی روح مبارک کی جانب توجہ فرمائیں حضرت نے فرمایا ”پانچ سال ہو گئے میں نے شیخ کو بھی خواب میں نہیں دیکھا“

آخر وہ واقعہ پیش آیا کہ اُس نے نوحیدی کے سلام کے لیے شیخ کو طلب کیا اس بار ارادہ تھا کہ اگر شیخ بذات خود تشریف نہیں لائے تو انہیں گرفتار کیا جائے گا، مگر اُسی زمانے میں وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا اور نہایت بیدردی سے قتل ہوا۔ اُس کی مدت حکومت چار سال چار ماہ رہی۔

(۷) قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کر کے خسرو خاں تخت پر بیٹھا تو اُس نے اپنا لقب ”ناصر الدین خسرو شاہ“ اختیار کیا ۶۲۰ھ / ۱۲۲۰ء۔ چونکہ وہ دغا کر کے اور اپنے آقا کو قتل کر کے بادشاہ بنا تھا اور ابھی دہلی کی سوسائٹی میں ایسے ہزاروں افراد موجود تھے جنہوں نے علاؤ الدین کا زمانہ دیکھا تھا اور اُس عہد کی خیر و برکت انہیں یاد تھی اب جو خاندان علائی کے ساتھ ظلم و ستم ہو رہے تھے ان پر وہ سخت کڑھ رہے تھے اس لیے خسرو خاں نے تخت نشین ہوتے ہی علماء اور مشائخ کی زبان بند کرنے کے لیے خزانے کا منہ کھول دیا اور ہر ایک کو بے دریغ انعام دیا۔ ایک بڑی رقم حضرت کی خانقاہ میں بھی بھیجی جو آپ نے رکھ لی۔

اُس زمانے میں غازی ملک دیپال پور میں تھا اور سردی چوکیوں کی حفاظت کر رہا تھا یہ علاقہ اُس کی جاگیر

بھی تھا۔ اُسے یہ پرچہ مل چکا تھا کہ خاندان علانی پر مظالم توڑے جا رہے ہیں اور خسرو خاں بادشاہ بن بیٹھا ہے۔
 ادھر اُس کا بیٹا جو ناخاں دہلی میں تھا اور یہ تاک لگا رہا تھا کہ کسی طرح بھاگ کر اپنے باپ کے پاس پہنچ جائے
 ایک دن موقع پا کر وہ اپنی جمعیت کے ساتھ نکل بھاگا۔ خسرو خاں نے اس کے تعاقب میں فوجی دستے روانہ
 کیے مگر وہ اُسے پکڑ نہ سکے۔ جو ناخاں کے صحیح سلامت آٹنے پر غازی ملک نے صدقات تقسیم کیے، اور خسرو خاں
 سے انتقام کی تیاری شروع کر دی۔ ادھر خسرو خاں نے صوفی خاں کو فوج دے کر دیپال پور کی سمت روانہ
 کیا تاکہ غازی ملک کو شکست دے کر گرفتار کر لائیں مگر یہ ساری فوج نا تجربہ کار تھی، غازی ملک ایک
 منہا ہوا اور کار آزمودہ سپاہی تھا جس کی عمر میدان جنگ میں گذری تھی، اُس نے ایک ہی ہتے میں اس
 ناکارہ فوج کا تار و پود بکھیر دیا، جو بقیۃ السیف تھے وہ بھاگ کر دہلی آ گئے یہ معلوم تھا کہ اب غازی ملک
 دہلی کا رخ کرے گا یہاں اُس کے مقابلے کی تیاریاں شروع ہو گئیں، مگر اندر سے سب کے دل بیٹھے بھڑے
 تھے اس لیے کہ غازی ملک وہ تھا جس نے منگولوں کے پھلے پھڑا دیے تھے، خسرو خاں کی ناکارہ فوج اُس کا
 یہ مقابلہ کر سکتی تھی خسرو خاں میدان میں تو آیا، مگر اُس نے ساری فوج کو ڈھائی ڈھائی مہینے کی ہنگامی تنخواہ
 ادا کی اور باقی روپیہ رعایا میں تقسیم کر دیا تاکہ لوگوں کی ہمدردی اُس کے ساتھ رہے، دیوانی دمال کے بیشتر
 ریکارڈ جلوا دیے، اور خزانے میں ایک پھوٹی کوڑی بھی باقی نہیں چھوڑی۔ اُسے یقین تھا کہ غازی ملک غالب
 آئے گا، وہ چاہتا تھا کہ اُسے خزانہ بالکل خالی ملے تاکہ ایک دن بھی حکومت کرنا ذخوار ہو جائے۔ غازی ملک اندر
 کے قریب موجودہ انڈیا گیٹ خیمہ زن ہوا، معمولی جھڑپوں کے بعد ہی لشکرِ اعداء تتر بتر ہو گیا اور شاہی پیشرو
 دور باض غازی ملک کے سامنے پیش کیے گئے خسرو خاں ملک شادی علانی کے باغ میں چھپ گیا تھا وہاں
 سے اگلے دن گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ بلوک دامرا نے اندر پت میں حاضر ہو کر محل اور خزانے کی کھنیاں غازی
 ملک کو پیش کر دیں۔ اگلے دن وہ سیری میں آیا اور قہر ہزار ستون میں بیٹھ کر اُس نے سب سے پہلے خاندان علانی
 کا ماتم کیا اور دیکھا کہ اس خاندان کے ایک فرد کو بھی خسرو خاں نے زندہ نہیں چھوڑا ہے جو تخت علانی پر بیٹھ سکے۔
 دامرا موجود تھے سب نے اتفاق رائے کے ساتھ غازی ملک سے درخواست کی کہ اب وہ زمام حکومت

سنجھائے۔ اس طرح یکم شعبان ۸۲۰ھ / ۶ ستمبر ۱۳۲۰ء شنبہ کے دن خاندان تغلق کی بنیاد پڑی۔ اور غازی ملک غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ کچھ ہی دنوں میں سیاسی اور تفری بھی کم ہو گئی اور حالات نارمل ہونے لگے۔ مگر جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے خسرو خان نے خزانہ میں جھاڑو دلوادی تھی اور سارا آمد و خرچ کا ریکارڈ بھی ضائع کر دیا تھا اس لیے حاصل کی وصولی کا کام سخت دشوار ہو گیا تھا۔ جن علماء و مشائخ کے بارے میں شہرت عام سے معلوم تھا کہ انہیں خسرو خان نے روپیہ دیا تھا ان سب سے غیاث الدین تغلق نے واپس طلب کیا۔ کچھ دورانہ نشیوں نے تو وہ روپیہ خرچ نہیں کیا تھا اور یہ دیکھ رہے تھے کہ اونٹ کس کرڈٹ بیٹھتا ہے؟ بعض خرچ کر چکے تھے، کسی کے پاس آدھا پونہ باقی تھا۔ غیاث الدین تغلق نے سب سے اگلو الیا اور اس بارے میں کچھ سختی بھی ہوئی، وہ بھی اس کے لیے مجبور تھا کہ اتنی بڑی سلطنت کا کاروبار خزانے کے بغیر کیسے چلاتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیا رآن ممتاز مشائخ میں تھے جن کے پاس کثیر رقم آئی تھی۔ آپ سے بھی بادشاہ نے مطالبہ کیا کہ واپس کریں۔ آپ نے جواب دیا کہ مہ بیت المال کا روپیہ تھا جن کا حق تھا ان کے پاس پہنچ گیا، مطلب یہ کہ فقرار و مساکین میں تقسیم ہو گیا۔ ممکن ہے اس جواب سے بادشاہ کو تکدر ہوا ہو، بہر حال آپ کی خانقاہ سے کچھ واپس نہیں ملا۔

خسرو خان کے قتل ہونے کے بعد تغلق حکومت کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ اہل اسلام کی حکومت واپس آئی ہے اس لیے علماء کا دربار میں رسوخ بہت بڑھ گیا تھا، شریعت و طریقت کے مباحث پر علماء نے جب بھی شور برپا کیا ہے اُس کا مقصد حفظ شریعت سے زیادہ اپنے اقتدار اور مفادات کا محفوظ کرنا رہا ہے، ایسے علماء زنا و خال ہوئے ہیں جنہوں نے خالصتہً بوجہ اللہ محض حفظ شرع کے لیے آواز بلند کی ہو اور قربانیاں دی ہوں۔ غیاث الدین تغلق کے زمانے میں جب ذرا اُمی جی ہو گئی تو علماء نے سماع کے خلاف شوشہ چھوڑا۔ یہاں مشائخ کی خانقاہ میں ایک زمانے سے سماع کا رواج تھا۔ اور اس کو قاضی

۱۰ دہلی میں ایک مجذوب تھے انہیں ”آہوئی“ کہتے تھے ایک بار حضرت نظام الدین اُس کے سامنے سے گزرے لگا: ”تم قاضی حمید الدین کا نام روشن کرو گے“ حضرت نے سوچا: مجھے قاضی حمید الدین سے کوئی نسبت

حمید الدین سہروردی ناگوری (متوفی ۶۳۲ھ ۱۲۳۶ء) نے رائج کیا تھا ایک بار دہلی میں خشک سالی ہوئی سلطان اتمش نے قاضی حمید الدین سے دعائے باران کا التماس کیا، انھوں نے محفل سماع منعقد کی جس میں شیخ علی سگزی، احمد نیر والی، بدر الدین سمرقندی، قطب الدین غزنوی، نظام الدین ابوالوہید اور شیخ محمود مونسہ دوز جیسے بزرگ موجود تھے، جیسے ہی سماع شروع ہوا بارش بھی شروع ہو گئی تھی (خیر المشرقیہ) خود حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کادصال (۴۱۲۱ھ ۱۵۱۲ء) نے بھی سماع منعقد کرنے کے لیے جو مشائخ سماع کے قائل تھے وہ بھی اپنے موقف میں زیادہ سخت ہو گئے تھے۔ عام صوفیہ یا کم معروف مشائخ کو تو سماع کرنے سے روکا جاسکتا تھا اور ان پر قدغن بھی لگائی جاسکتی تھی مگر حضرت نظام الدین اولیا اُس زمانے میں سب سے بزرگ شیخ تھے، حضرت بابا فرید گنج شکر سے خلافتِ روحانی رکھتے تھے، علوم معقول و منقول کے زبردست عالم اور محقق تھے اُن پر قدغن لگانا معمولی علماء کے بس کی بات نہیں تھی اس لیے یہ طے کیا گیا کہ اس موضوع پر اُن سے مناظرہ کیا جائے اور سماع کے جواز میں شرعی دلائل طلب کی جائیں۔ علماء کا خیال تھا کہ حضرت یہ دلیلیں نہ دے سکیں گے تو اُن پر غلبہ پانا آسان ہوگا۔ اس مقصد کے لیے ایک محضر طلب کیا گیا جس میں شہر کے تمام مستند علماء اور مشائخ موجود تھے۔ حضرت نے اس محضر یا مناظرے میں جانے کے لیے کوئی نہیں ہے، میں تو حضرت شیخ الاسلام فرید الدین کا چاکر ہوں یہ کیا کہتا ہے؟ پھر خیال آیا کہ سماع کی طرف اشارہ ہوا انھیں سماع سے بہت رغبت تھی اور حضرت فریب فرمایا کہ "خواجہ ہاشم در سماع غلو سے تمام داشتہ" (نفاثات الانفاس ۲، سہول ۲۲۲ء)

تباری نہیں کی تھی مگر بعض مخلصوں نے حجاز کی دلیلیں جمع کرنا شروع کر دی تھیں چنانچہ شیخ علم الدین نبیرہؒ حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانیؒ نے بھی کتبہ قدما سے حجاز کی دلیلیں جمع کر کے حضرت کو بھیجیں اور یہ لکھا کہ آپ سے یہ عبارتیں پوشیدہ تو نہ ہوں گی مگر میں انہیں اپنے اخلاص کا اظہار کرنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ بعد میں انہوں نے اباحت سماع کے موضوع پر ایک رسالہ بھی تصنیف کیا۔

سید علاء الدین جیوری بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، منتهی عالم بھی تھے اور سارے شہر کے استاد تھے انہوں نے بھی اباحت سماع میں درجنوں روایات نکالیں اور شیخ کی خدمت میں بھیجیں مولانا فخر الدین زراوی دوسرے بزرگ تھے جو محض میں خود بھی پہنچ گئے تھے، انہوں نے اباحت سماع میں ایک رسالہ بھی لکھا "كشف القناع عن وجہ السماع" اس کا ایک قلمی نسخہ جامعہ علمیہ اسلامیہ کی لائبریری میں موجود ہے (مکتوبہ ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء) اس میں ۳۳۔ اوراق ہیں اور چھوٹی چھوٹی دس فصلیں ہیں۔ یہ رسالہ عرصہ ہوا چھپ بھی چکا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔

حضرت نے سماع کی اباحت ثابت کرنے کے لیے احادیث نبوی سے استدلال کیا تو بعض علماء نے غوغا شروع کر دیا اور آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ان علماء کا کہنا یہ تھا کہ آپ حنفی ہیں اگر سماع کے حوازیں امام ابو حنیفہؒ کا کوئی قول یاد ہے تو وہ پیش کیجیے۔ اس سے حضرت کو تکدر ہوا اور آپ نے بڑے رنج کے ساتھ فرمایا کہ وہ شہر ویران کیوں نہیں ہو جاتا جہاں حدیث نبوی کے مقابلے میں قول اپنی حنیفہ طلب کیا جاتا ہے۔ چند ہی سال کے بعد ۷۲۷ھ، یہ ہوا کہ محمد بن تغلق نے دولت آباد کو ہجرت کرنے کا جبر حکم دیا، ساری دلی میں آکر لوہنے لگے اور وہ دلی پھر کبھی آباد نہ ہو سکی اس کے بعد جو دلی بسی وہ دلی گیٹ کو اس پاس تھی

جس جیساکہ ہم لکھ چکے ہیں حضرت نے حدیث شریف کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور مشرق الانوار کے مؤلف سے آپ کی سند حدیث بذو واسطہ مشغل ہوتی ہے اس مطالعہ حدیث کا اثر یہ تھا کہ بعض مسائل میں آپ مجتہد ان روش رکھتے تھے، مثلاً حلت سماع، قرأت فاتحہ خلف الامام اور صلوة الجنازہ علی الغائب جیسے مسائل میں آپ حنفی مسلک سے ہٹ کر شافعی مسلک کے پیرو تھے۔

حضرت تو کہیدہ خاطر وہاں سے چلے آئے مگر غیاث الدین تغلق کو یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ یہ علماء حضرت پر غالب نہیں آ سکتے حضرت نے ایک موقع پر فرمایا: لوگ سمجھتے ہیں کہ میں یونہی خانقاہ میں بیٹھ گیا ہوں۔ ارے میں کسی کا بٹھایا ہوا بیٹھا ہوں۔

یہ اسی پس منظر میں تھا کہ حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ سماع کرتے ہوئے لے جائیں مگر حضرت رکن الدین ملتانی نے وصیت کی تعمیل نہ کرنے کی ذمہ داری خود قبول کر لی اور عام لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ اگر سماع ہوا تو شیخ اٹھ بیٹھیں گے اور عالم میں فتنہ بپا ہو جائے گا سماع کے بارے میں حضرت کے تعلق کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ کبھی قوالوں کو دیکھ کر ہی رونے لگتے تھے کبھی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: ”یہ قوال محبوب کے پیغامبر ہیں، انہیں دیکھ کر تو گریہ آنا ہی چاہیے“ (لطائف اشرفی) جس دن سماع ہوتا تھا ساری محفل کو کھانا بھی کھلایا جاتا تھا، مگر کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھانے کا سامان مہیا نہ ہوا تو آپ تھوڑے سے بچنے ہوئے چنے ہی منگوا کر حاضرین میں تقسیم کر دیتے تھے سماع سے پہلے تلاوت قرآن ہوتی تھی پھر سماع، پھر کھانا۔

ایک بار نہ کھانا تھا نہ قوال تھے حضرت نے امیر خسرو سے فرمایا: ”ترک تم قوال بن جاؤ، میں قاری بنتا ہوں“ پھر حضرت نے ۵-۶ آیات کی تلاوت فرمائی اور امیر خسرو نے لمن کے ساتھ اپنی ہی غزل پڑھی:

ماہِ ہلال ابروئے من، عقل مرا شیدا مکن

غزہ زنجان زان سو میا، آہنگ جان ماکن

حضرت پر ایسی کیفیت طاری ہوئی جس کا بیان کرنا ممکن نہیں۔

(لطائف اشرفی ۲/۷۸)

(۲۸) سلطان غیاث الدین تغلق باغیوں کی سرکوبی کے لیے لکھنوتی کی طرف گیا اور جونا خان کو درنگل سے طلب کر کے دہلی میں اپنا نائب بنا گیا۔ لکھنوتی کی مہم کو جلد ہی سر کر کے وہ دہلی کی طرف واپس آیا اور

تغلق آباد سے تین چار کوس کے فاصلے پر افغان پور نامی گائوں میں دربار کے اُمراء اور اکابر شہر نے اُس کا استقبال کیا۔ یہاں سلطان کی آمد کے سلسلے میں ایک چوبی محل تین چار دن کی محنت سے تیار کیا گیا تھا۔ جس کی بنیادیں بھی ابھی نہیں سوکھی تھیں۔ وہاں کھانے کے بعد سلطان کے سامنے نو وارد ہاتھیوں کی پریڈ کرائی گئی اُن کی دھمک سے چھت نیچے آپڑی اور سلطان دب کر مر گیا۔ (۲۵/۴۷۲۵ تا ۲۵/۶۱۳۲)

غیاث الدین کے بعد اُس کا بیٹا جو ناخاں بادشاہ ہوا جو تاریخ میں محمد بن تغلق کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ آخری بادشاہ تھا جس کا زمانہ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے پایا حضرت اُسے تخت نشینی کی خبر پہلے ہی دے چکے تھے جس زمانے میں یہ نائب تھا ایک دن خواجہ جہاں کو ساتھ لے کر حضرت کی قدیموبی کے لیے حاضر ہوا، حضرت اُس زمانے میں بیمار تھے، پلنگ پر آرام فرما رہے تھے۔ اقبال حضرت سے اجازت لے کر ان دونوں کو حجرے میں لائے یہ دونوں تعظیم بجا لا کر کھڑے رہے، حضرت نے سلطان محمد تغلق سے فرمایا: تم اس کھاٹ پر بیٹھ جاؤ۔ جو ناخاں نے کہا: حضرت میری کیا مجال ہے کہ آپ کے سامنے کھاٹ پر بیٹھوں۔ حضرت نے فرمایا: تم ہمیں بٹھا رہے ہیں تو بیٹھ جاؤ۔ جو ناخاں ارشاد کی تعمیل میں بیٹھ گیا مگر ادب کی وجہ سے ایک زانو پر بیٹھا۔ اب حضرت نے اقبال کو حکم دیا، جاؤ ایک کرسی لے کر آؤ۔ اقبال کرسی لائے، تو حضرت نے خواجہ جہاں سے فرمایا، تم اس کرسی پر بیٹھو خواجہ جہاں بھی حضرت کے حکم کو بجالایا شیخ کی خدمت سے باہر آ کر جو ناخاں نے خواجہ جہاں سے کہا: خدمت شیخ نے مجھے تخت اور تمہیں کرسی عطا فرمائی ہے جو وزارت پر دلالت کرتی ہے اب اس کا دھیان رکھنا چاہیے اور تیار رہنا چاہیے۔ جب جو ناخاں بادشاہ ہوا تو وزارت خواجہ جہاں کو سونپی۔ جب تک وہ زندہ رہے نہ محمد بن تغلق کی سلطنت میں کوئی تصرف کر سکا نہ خواجہ جہاں پر غلبہ پاسکا جو بھی ان سے ٹکرایا وہ برباد ہوا۔

محمد بن تغلق کے زمانہ حکومت (۲۵/۴۷۲۲ تا ۲۵/۴۷۵۲) میں ملتان کے حاکم کشاد خاں نے بغاوت کر دی اور اپنا لاؤ لشکر لے کر دہلی کی سمت بڑھنے لگا۔ ادھر محمد بن تغلق نے اپنی فوج کو تیار کیا اور ملتان کی طرف پیش قدمی کی۔ دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے جنگ سے پہلے قاصدوں (نہ حضرت کے خادم خاص۔ ناشر)

کی آمد و رفت شروع ہوئی، آخر جنگ کا دن طے ہو گیا، جنگ سے ایک دن پہلے سلطان نے لوگ
 و امراء کو ہتھیار، گھوڑے، وغیرہ سامان خود تقسیم کیا اور ان سے کہا کہ جی جان سے لڑیں اُس وقت
 امراء کے درمیان قطب دیر بھی موجود تھا جو حضرت نظام الدین اولیا کا مرید تھا اور حضرت اُس پر
 بہت نوازش فرماتے تھے۔ سلطان نے کہا: قطب کیا تمہیں شیخ کا بتایا ہوا کوئی عمل یاد ہے جو اس
 وقت کام آسکے؟ قطب دیر نے عرض کیا جی ہاں ہے۔ سلطان نے کہا: بتاؤ قطب دیر نے کہا: ایک
 دن شیخ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو ایسی مہم پیش آئے تو چاہیے کہ رات بھر عبادت میں مشغول رہے
 جب صبح ہونے لگے تو فلاں آیت پڑھے اور دشمن کی طرف دم کر دے اور سوار ہو کر جنگ کے لیے
 نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ دشمن کو مغلوب کر دے گا اور اُسے فتح نصیب ہوگی۔ سلطان نے کہا: اچھا
 تو فوراً اعلان کر دو کہ سب فوجی اپنے خیموں میں واپس ہو جائیں اور جنگ کے لیے تیاری کرتے رہیں
 پھر حکم دیا کہ پانی لائیں۔ سلطان نے وضو کیا اور مٹھے پر بیٹھ گیا۔ کہتے ہیں کہ تمام رات عبادت کرتا
 رہا، پھر فجر کی نماز پڑھ کر وہ آیت تلاوت کی جو شیخ نے کسی کو بتائی تھی اور کشلو خاں کے لشکر کی سمت
 میں دم کر دیا۔ اب سلطان نے اپنے ہتھیار منگوائے۔ اتنے میں قطب دیر بھی آگئے اور عرض کیا: کیا خداوندِ عالم
 کو مشغولی شب میسر آئی؟ بادشاہ نے کہا: ہاں۔ قطب دیر نے فتح کی مبارکباد بھی دے ڈالی سلطان گھوڑے
 پر سوار ہو کر جنگ کے لیے نکلا۔ کچھ دیر تک گھمان کارن پڑا، اور کشلو خاں کا لشکر غالب آگیا سلطان کی
 فوج ادھر ادھر بھاگنے لگی، سب ایسے بدحواس ہوئے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ سلطان کسی گوشے میں
 قطب دیر کے ساتھ چھپا ہوا تھا، اپنے لشکر کی اس شکست و ریخت کو دیکھ رہا تھا اور سخت افسردہ تھا۔
 سلطان نے قطب دیر سے کہا: ”قطب یہ تو اُلٹا معاملہ ہو رہا ہے۔“ قطب دیر نے بڑے اطمینان سے کہا
 خداوندِ عالم اس شکست کا کچھ اعتبار نہیں، ہونا دہی ہے جو حضرت شیخ کا ارشاد ہے: ”ادھر کشلو خاں نے
 فتح کی خوشی میں اپنے پانچ رکاب سے نکال کر گھوڑے کی گردن پر رکھ دیے اور اپنا خود سرے اتار کر زمین
 میں ایک طرف لٹکا دیا۔ بہت خوش تھا، اور بھاگتی ہوئی فوج کا تماشا دیکھ رہا تھا، قضا رکسی طرف سے ایک

یہ زناٹے بھرتا ہوا آیا اور کشلو خاں کی شہ رگ میں پیوست ہو گیا، وہ قلا بازی کھا کر گھوڑے سے گرا، سلطان کہیں چھپا ہوا یہ سب دیکھ رہا تھا، جھپٹ کر اپنی کمین گاہ سے نکلا اور اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ اُن پر ٹوٹ پڑا کشلو خاں کے ساتھ جو سوار تھے جب انہوں نے دیکھا کہ سردار مارا گیا اور سلطان از سر نو حملہ آور ہوا ہے، تو وہ بدحواس ہو کر بھاگنے لگے اور حضرت کی تعلیم کی ہوئی دعا کی برکت سے یہ شکست فتح میں بدل گئی۔ یہ واقعہ حضرت کے وصال کے بعد کا ہے۔

سلطان محمد بن تغلق حضرت کے وصال سے چند ماہ قبل ہی تخت نشین ہوا تھا۔ چہار مشنبہ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ / ۲۷ اپریل ۱۳۲۵ء کو حضرت کے وصال کی اطلاع ملی تو وہ تغلق آباد سے سوار ہو کر غیاث پور آیا اور کچھ فاصلے پر گھوڑے سے اتر کر پیدل چلا، جنازے کو بہت دیر تک کندھا دیا اور دیر تک موجود رہا۔ حضرت کے مزار مبارک پر پہلا گنبد محمد بن تغلق نے ہی بنوایا تھا (مرآة الاسرار قلمی ۲/۳۶)

یہ شاہانِ وقت سے حضرت کے تعلقات کا مختصر سا حوالہ ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے گیارہ بادشاہوں کا زمانہ پایا مگر صحیح یہ ہے کہ آپ کی ولادت سے وفات تک دہلی کے تخت پر چودہ بادشاہ بیٹھے اور آپ کے دہلی تشریف لانے کے بعد گیارہ تخت نشین ہوئے، ان میں کم از کم تین بادشاہ حضرت کے معتقد بھی تھے، مگر آپ نے کبھی دربار کا رخ نہیں کیا، نہ کوئی جاگیر قبول کی، نہ وظیفہ اور منصب لیا لیکن بالواسطہ طور پر آپ بادشاہوں کی اصلاح سے غافل بھی نہیں رہے۔ بادشاہوں کی کنجی اُن کے مصاحب اور درباری اُمراء ہوتے ہیں، حضرت نے چند ہی برسوں میں معاشرہ پر اتنا گہرا اثر ڈالا تھا کہ اُمراء کا مزاج بھی ڈیڑھ سا نہ ہو گیا تھا۔ مؤلف قوام العقائد کا بیان ہے۔

معلوم جہانیاں باد اُمراء و خانانِ دلوک کہ بخت
دنیا دالوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اُمراءِ خوانین
شیخ پیوند اشتبند ہر کیے درجامہ قبا سالکانِ طرقت
دلوک جو حضرت شیخ سے بیعت رکھتے تھے لباس
بودند و حدیث "وَجَدْنَا فِي الْقُبَابِ مَا طَلَبْنَا
امارت میں سالکانِ طریقت تھے اور یہ قول کہ جو

فی الکساء در حق ایشان سالیح و درین راه
جان و مال ہمہ در میان آورده و در حق صرف کرد
مراد اہل طریقت لباسِ ظاہر نیست
کمر بند متِ سلطان بند و صوفی باش
و ایشان ہر یکے از انہا بودند اگر شمر از مشغولی باطن
و معاملات ایشان بیان کردہ آید کتابِ مطول
گردد ۵

ہم گڈریوں میں ڈھونڈتے تھے وہ قبائیں پایا
ان اُمراء پر پورا صادق آتا تھا وہ اپنا جان و مال
سب راہِ خدا میں صرف کرتے تھے (شعر)
”اہل طریقت کو یہ مطلوب نہیں کہ تم درختوں کا
سایا ہی پہنؤ، بلکہ بادشاہ کی خدمت کرو اور
صوفی بن کر رہو۔“

ان میں سے ہر ایک ایسا تھا کہ اُس کی مشغولی
باطن اور معاملات کا حال لکھا جائے تو ایک
طویل کتاب بن جائے۔

طبقہ اُمراء میں اصلاحی کوششوں کا اثر سب سے خفی اور بہت دیر میں ہوتا ہے جب اس طبقے کا حضرت
کے روحانی فیضان سے یہ حال ہو گیا تھا تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عہدِ علانی میں حضرت کی تاثیر کا جو
حال برنی نے لکھا ہے وہ محض ایک سرسری اظہار ہے۔

حضرتؒ نے اپنے خدام و مریدین کی تربیت ایسی کر دی تھی کہ وہ جہاں بھی گئے وہاں کے
باشندوں کی کایا پٹ دی حضرت بُہان الدین غریب حضرت حُسام الدین ملتانی حضرت افی سرانج
کی کوششوں کے اثرات اُن کے علاقوں میں آج تک محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

خلفاء | حضرت کے خلفاء کی ایک طویل فہرست ہے اور کوئی بھی فہرست سب ناموں کی
جامع نہیں ہو سکتی، یہاں نظامی فیضان کی عمومیت کا اظہار کرنے کے لیے ہم ایک مختصر فہرست دُج
کرتے ہیں:

حضرت کے ممتاز خلفاء اور مریدین

(۲) خواجہ ابوبکر مشدہ (مشدوی)

(۱) خواجہ ابوبکر مصلی دار

- (۳) خواجہ احمد بدایونیؒ
کتھول میں انتقال ہوا، لاش دہلی لا کر دفن کی گئی،
- (۴) امیر خسروؒ (۲۲) تقی الدین لکھنویؒ
- (۵) امیر خسرو دہلویؒ مؤلف سیرالاولیاء (۲۳) خواجہ تقی الدین کھوجؒ
- (۶) بدر الدین ساکن کڑا مانک پور (۲۴) ملک تبلیغہؒ
- (۷) بدر الدین تولایا فوقؒ (۲۵) جلال الدین اودھیؒ
- (۸) بدر الدین محبوبؒ (۲۶) قاضی جلال الدین دولت آبادیؒ
- (۹) بدر الدین نوکھوؒ (۲۷) مولانا جمال الدین اودھیؒ مخاطب بہ جوان صالح
- (۱۰) بدر الدین یا کریمؒ (۲۸) جمال الدین نصرت خانیؒ
- (۱۱) برہان الدین حجتہ ملتانیؒ (۲۹) مولانا جمال الدین یادؒ
- (۱۲) برہان الدین دولت آبادیؒ (۳۰) جمشید قلندرؒ
- (۱۳) برہان الدین ساویؒ (۳۱) مولانا حجتہ الدین شیبانیؒ
- (۱۴) برہان الدین صوفیؒ (مرآۃ الاسرار قلمی ۲/۴۹ ب) (۳۲) مولانا حجتہ الدین شیبانیؒ
- فرزند شیخ جمال ہنسویؒ پدر شیخ قطب الدین منورؒ (۳۳) مولانا حجتہ الدین ملتانیؒ
- (۱۵) برہان الدین غریب ہنسویؒ (۳۴) حسام الدین گجراتیؒ (دوقات پٹن گجرات میں)
- (۱۶) مولانا بہار الدین ادھیؒ یاد دار الامانیؒ (سیرالاولیاء) (۳۵) میر حسن علار سجری دہلویؒ جامع فوائد الفوائد (دوقات
- وطن ملتان)
- (۱۷) شیخ بہار الدین اودھیؒ (۳۶) دولت آباد: ۲۹ صفر ۷۳۸ھ
- (۱۸) ملک بہار الدین گہرؒ (۳۷) سید حسین بن سید محمد کرمانیؒ [ف
- (۱۹) بہار الدین مجرودؒ (۳۸) ۲۱ شعبان ۷۵۴ھ
- (۲۰) تاج الدینؒ (۳۹) حمید قلندر جامع خیر المجالس
- (۲۱) تاج الدین دادریؒ (دولت آباد جاتے ہوئے) (۴۰) شیخ حوصل کیتھونؒ

- (۳۸) شیخ حیدرؒ (۵۶) شہاب الدین امامؒ
- (۳۹) خواجہ رشیدؒ (۵۷) شہاب الدین دیباجیؒ
- (۴۰) قاضی رفیع الدین کاشانیؒ (۵۸) شہاب الدین کنتوری یا کستوریؒ؟
- (۴۱) خواجہ رفیع الدین بارونؒ (۵۹) قاضی شہ پائیلؒ
- (۴۲) رکن الدین جعفرؒ (۶۰) ضیاء الدین برنیؒ مؤلف تاریخ فیروز شاہی وغیرہ (تالیف ۱۵۸۷ھ/۱۶۳۵ء) پائین مزار حضرت امیر خسروؒ متصل حجرہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ
- (۴۳) خواجہ سالار حسینؒ (۶۱) مولانا ظہیر الدین کوتوالؒ
- (۴۴) سراج الدین حافظ بدایونیؒ (۶۲) عبدالرحمن سارنگپوریؒ
- (۴۵) سراج الدین عثمان ابغی سراجؒ (وفات غالباً ۶۲) عبدالرحمن سارنگپوریؒ
- (۴۶) سراج الدین ناگوریؒ (۶۳) عبدالعزیز بانگر مسوؒ
- (۴۷) سید محمد بن محمود کرمانیؒ (وفات ۷۱۷ھ/۱۳۱۶ء) (۶۴) قاری عبدالکرم قدوائیؒ
- (۴۸) قاضی شاد علیؒ (۶۵) شیخ عثمان سنیاؒ (انھیں اجازت صحبت حاصل تھی) (وفات ۷۳۸ھ) نام وجیہ الدین وطن ستام
- (۴۹) قاضی شرف الدین فیروز کوئیؒ (۶۶) خواجہ عز الدین (غیبہ شیخ؟)
- (۵۰) شرف الدین جیمنکلؒ (۶۷) علاؤ الدین اندرپیؒ
- (۵۱) خواجہ شمس الدینؒ (۶۸) مولانا سید علاؤ الدین جیوریؒ
- (۵۲) شمس الدین دھاریؒ (مدفن ظفر آباد) (۶۹) مولانا علاؤ الدین نیلیؒ (وفات ۷۶۲ھ) مدفن بستی حضرت نظام الدین چغتو ترو پانان (نزد مزار حضرت شمس الدین چغتو)
- (۵۳) شمس الدین دیباجیؒ (۷۰) علی جاندارؒ
- (۵۴) شمس الدین ماہر و بڑا زوہد علی بھریؒ (۷۱) علاؤ الدین مذکور (پیر حسام ودیش)
- (۵۵) مولانا شمس الدین بھریؒ (وفات ۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء) (۷۲) خواجہ عمرؒ
- (۷۳) مدفن بستی حضرت نظام الدین چغتو ترو پانان - (۷۴) خواجہ عمرؒ

- (۷۳) قاضی فخر الدین بجلوریؒ
(۷۴) مولانا فخر الدین حیرتیؒ (یا خیری)
(۷۵) مولانا فخر الدین زرداریؒ (وفات ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء)
(۷۶) مولانا فخر الدین مروزیؒ
(۷۷) فخر الدین زاہد میرٹھیؒ
(۷۸) مولانا فخر الدین ہانسویؒ
(۷۹) شیخ فرید الدینؒ
(۸۰) مولانا فصیح الدینؒ (وفات قبل ۱۳۲۵ھ) (۹۳) شیخ لطیف الدینؒ
(۸۱) قاضی شاہ پالمیؒ
(۹۴) لطیف الدین کھنڈ سالیؒ
(۸۲) قطب الدین دبیرؒ
(۹۵) شیخ ماہن بوندیؒ
(۸۳) شیخ قطب الدین منور ہانسویؒ (۹۶) شیخ مبارک گوپا سولیؒ (میرداد عہد علاقہ)
(۸۴) قوام الدین یکدانہ اودھیؒ
(۸۵) قوام الدین رستمی مشہور شطاری بزرگ (۹۷) حضرت خواجہ سید محمد امامؒ (رہبر گنج شکر)
(۹۸) شیخ محمدؒ (مزار بستی حضرت نظام الدینؒ)
ہیں شیخ قوام الدین کا مزار رتبک میں ہے (۹۹) محمود بھاسائیؒ
(تفصیل: مآثر الاعداد)
(۱۰۰) مولانا محمود نوہتیہؒ (سیر الاولیاء)
(۸۶) قوام الدین قدوائیؒ
(۸۷) ملک قیر بیگؒ
(۸۸) خواجہ کریم الدینؒ
(۱۰۱) قاضی محی الدین کاشانیؒ (وفات ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء)
(۱۰۲) مدفن بیرون فصیل سیری ایمر جنسی (۱۹۷۵ء) کے
زمانے میں اسی مزار پر سے شرک نکال دی گئی۔
(۱۰۳) ملک زادہ مسعود بیگ

- (۱۰۳) خواجہ معز الدینؒ (۱۱۲) نظام الدین دبیر (عہد محمد تغلق)
 (۱۰۴) شیخ منتجب الدین ہانسوی ثم (۱۱۳) مولانا نظام الدین شیرازی (مدفن: اپنے
 دولت آبادی برادر حضرت برہان الدین گھر میں قلعہ سیری کے پاس) (سیرالاولیاء)
 عزیزؒ مزار خلد آباد (مہاراشٹر) (۱۱۴) نظام الدین مولیؒ
 (۱۰۵) خواجہ منہاج الدینؒ (۱۱۵) نظام الدین ہاشمی محدث ظفر آبادیؒ
 (۱۰۶) خواجہ موسیٰ دیوگیریؒ (۱۱۶) مولانا وجیہ الدین پائیؒ
 (۱۰۷) خواجہ موید الدین انصاریؒ (۱۱۷) وجیہ الدین یوسف کلاکھڑیؒ
 (۱۰۸) خواجہ موید الدین کٹراؒ (۱۱۸) شیخ یعقوبؒ
 (۱۰۹) نجم الدین محبوب عرف شکر خاں تھانیسری (۱۱۹) مولانا یوسف بدایونیؒ
 (۱۱۰) حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی چراغ (۱۲۰) سید یوسف حسینی دولت آبادیؒ (حضرت
 دہلیؒ ولادت ۷۶۷ھ / وفات گیسو دراز کے والد ماجد) مدفن خلد آباد

۷ / رمضان ۷۷۷ھ

(۱۱۱) شیخ نظام الدین پانی پتیؒ

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے یہ فہرست مکمل کیا عشرِ عشر بھی نہیں ہے یہ تو صرف وہ نام ہیں جو تاریخ و تذکرہ
 کی کتابوں میں اور مخطوطات میں محفوظ رہ گئے ہیں ان ناموں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانے کی
 سوانحی کے بہترین افراد کو حضرت نے اپنی خانقاہ میں جمع کر لیا تھا۔

حضرت کی پاکیزہ سیرت اور مکامِ اخلاق کا اندازہ تو فوائد الفواد کی مجالس کا مطالعہ کرنے سے
 ہی ہو جاتا ہے اور آپ کی تعلیمات کا بھی ان مجلسوں میں بہترین اظہار ہوا ہے، مناسب ہوگا کہ آپ کی
 حیات مبارکہ اور معمولات کی چند ایسی تفصیلات بیان کر دی جائیں جو عام طور پر سامنے نہیں آتی ہیں۔

غیر مسلموں سے روابط اور سلوک

حضرت کا سابقہ ہندو جوگیوں سے بھی ہوتا تھا اس کی مثالیں فوائد الفواد میں بھی موجود ہیں۔ (مثلاً جلد ۵ مجلس ۱۹) مگر یہ واقعات آپ کے سفرِ وجود صحن سے متعلق ہیں۔ خود آپ کی خانقاہ میں بھی جوگی آتے تھے۔ ایک بار چھ جوگی آئے اور آپ کے جماعت خانے کی دہلیز پر مراقبہ کرنے بیٹھ گئے، وہ کسی سے کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ اقبال نے جاکر حضرت کو اطلاع دی، حضرت نے فرمایا ان کو اندر بلا کر بیٹھاؤ۔ اُن جوگیوں نے حضرت کی خدمت میں آکر تعظیم پیش کی، حضرت نے بڑی شفقت سے فرمایا: بیٹھو وہ سب فرش پر بیٹھ گئے۔ اُن میں سے ایک جوگی نے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ شخص "کانورو" نام میں فلاں پہاڑ کے ایک غار میں چالیس سال تک رہا ہے اور کسی سے ملاقات نہیں کی پھر دوسرے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ پچاس سال سے ایک کھوہ میں سادھ لگائے ہوئے تھے، اسی طرح پانچوں نے اپنا احوال بیان کیا کہ ۳۰ - ۴۰، ۴۰ - ۵۰ سال مراقبہ میں رہے ہیں اور خلق سے بالکل آمیزش نہیں کی مگر اب ہمیں غیبی اشارے سے بتایا گیا کہ دہلی میں ایک بڑے بزرگ موجود ہیں تو ہم نے آپس میں مل کر طے کیا کہ شیخ کا دیدار کریں اور انھیں اپنی عقیدت پیش کریں، اس کے سوا اور کچھ مطلوب نہیں ہے۔ یہاں سے ہم اپنے اپنے ٹھکانوں کو لوٹ جائیں گے۔ حضرت بہت دیر تک اُن سے اخلاق اور محبت کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے اور انھیں رخصت کیا۔

ایک بار حضرت خیر کی طرف تشریف لے جا رہے تھے ایک برہمن راستے میں ملاوہ بھی بڑا گیانی اور تمپیا کرنے والا تھا، جب حضرت اُس کے سامنے سے گزرے تو خدا جانے اُس نے کیا دیکھا لوگوں سے پوچھنے لگا یہ کون بزرگ ہیں؟ کسی نے حضرت کا نام بتایا پوچھا کہاں رہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا غپاٹ پور میں۔ حضرت تو آگے نکل گئے، اُسے یہ فکر ہوئی کہ ان بزرگ سے کیسے ملاقات کروں؟

مولانا یوسف کلاکھٹری دہلی رہتے تھے اُن کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ کچھ دن کے بعد اُس نے مولانا یوسف سے پوچھا کہ آپ ہر ہفتہ میں ایک دن رات کہاں غائب ہو جاتے ہیں؟ مولانا نے کہا کہ ہمارے ایک

بیرہیں۔ وہ غیاث پور میں رہتے ہیں۔ میں ہر ہفتہ میں ایک دن رات اُن کی خدمت میں گزارتا ہوں برہمن نے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے بھی اُن کی سیوا میں لے چلیں؟ مولانا نے ہاں ہی بھری ایک دن برہمن کو ساتھ لے کر غیاث پور آئے، اُسے تو پہلے دردانے میں بٹھایا خود حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت خواجہ محمد امام بھی حضرت کے پاس بیٹھے تھے مولانا باریاب ہوئے تو حضرت کو بتایا کہ ایک برہمن آپ کے دیدار کا مشتاق ہو کر میرے ساتھ آیا ہے اور دہلیز پر بیٹھا ہے

حضرت نے فرمایا: اندر بلا لو، اُس شخص نے حجرے میں حاضر ہو کر تعظیم پیش کی اور ایک طرف بیٹھ کر مراقبہ میں چلا گیا کوئی بات نہیں کی۔ حضرت نے سید محمد امام سے کہا: یہ مشغول ہو گیا کچھ دیر کے بعد اُس نے آنکھ کھولی اور زمین پر سر رکھ دیا، پھر اٹھا اور سلام کر کے چلا گیا مولانا یوسف کلا کھڑی بہت حیران ہوئے کہ میں اس شخص کو کہاں لے آیا اس نے تود و باتیں بھی نہیں کیں۔ یونہی مٹھ اٹھا کر چل دیا۔ یوسف کلا کھڑی کی جانب دیکھ کر حضرت مسکرائے اور فرمایا: مولانا اس قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں! اگلے دن مولانا اپنے گھر واپس آئے تو وہ برہمن آیا مولانا نے کہا: عجیب آدمی ہونے کے سامنے جا کر مراقبہ کرنے لگے اور اُن سے در باتیں بھی نہیں کیں یونہی واپس آگئے۔ برہمن نے کہا میں کیا بات کرتا؟ میں نے مراقبہ کیا تاکہ یہ دیکھوں کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں جن کی چھوٹ حضرت کی گفتگو میں پڑتی ہے، میں نے بہت کوشش کی مگر سراغ نہ ملا اور کسی جانب سے ان نعمتوں کی طرف پہنچنے کا راستہ مجھے نہ ملتا تھا، ایشور ہی جانتا ہے کہ شیخ کے باطن میں کون سی نعمتیں بھری ہوئی ہیں کوئی منش (انسان) نہ ان نعمتوں کو پاسکتا ہے نہ ان کا اُتو بھو تجربہ کر سکتا ہے، جب میں نے یہ دیکھا تو اچڑج میں پڑ گیا اب اُن سے بات ہی کیا کرتا؟ (تَوَامِ الْعُقَاذِم)

حضرت کی غذا | حضرت اُن دنوں کو چھوڑ کر جن میں روزہ رکھنا کر دہ ہے بارہ مہینے روزے رکھتے تھے۔ آپ کے لیے سہری خواجہ عبدالرحیم لے کر آتے تھے، حضرت کہیں ایک آدھ لقمہ چکھ لیتے اور کبھی جیوں کی توں واپس ہو جاتی تھی، انتظار کے وقت بھی غذا بہت قلیل ہوتی تھی اور اُس میں سے بھی حاضر الوقت لوگوں کو عطا فرماتے رہتے تھے، ایک بار کوئی مسافر حضرت کی خدمت میں آیا، آپ اُس وقت دسترخوان پر

بیٹھے تھے اُسے بھی بٹھالیا، دوران گفتگو میں اُس سے پوچھا، اس سفر میں آپ کن درویشوں سے ملے؟
 اُس نے نام بنام ذکر کرنا شروع کیا اور کہنے لگا ایک درویش تو ایسے ملے جو نہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھاتے
 ہیں نہ پوری نیند سوتے ہیں، جب وہ مسافر یہ بات کہہ رہا تھا ہمارے حضرت لقمہ بنا کر اٹھا چکے تھے اور
 دہن مبارک تک لے جا رہے تھے کہ اچانک اُسے واپس رکھ دیا اور کھانے سے ہاتھ روک لیا۔
 (نفائس ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ)

آپ کو گئے بہت مرغوب تھے، جن عقیدتمندوں کو یہ بات معلوم تھی وہ جب گئے کی فصل نہ ہوتی
 اُس وقت بھی دُور دور سے کھوج کر لے آتے تھے اور حجرے کے کونے میں دو چار گئے ہر وقت رکھے
 رہتے تھے، ایک دن بے موسم کے گئے حجرے میں رکھے دیکھے، تو خواجہ کریم الدینؒ نے دل میں سوچا
 آج کل گئے کہاں سے آگئے؟ حضرتؒ نے وہی بات شروع کر دی اور فرمایا کہ مجھے گئے بہت ہی
 زیادہ مرغوب ہیں جب دوستوں اور عزیزوں کو یہ معلوم ہے کہ مجھے پسند ہیں تو جانے کہاں کہاں سے
 کھوج کر لے آتے ہیں، مگر اس سال گنتوں کی پوری فصل گزر گئی میں نے صرف ایک پوری
 ”بطور حق نعمت“ کھائی ہے۔ خواجہ کریم الدینؒ نے کہا کہ غور کرو اس سے بڑی ریاضت اور کیا ہوگی کہ ہو
 چیز حضرتؒ کو اتنی مرغوب ہو وہ بھی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھائیں۔

ایک بار حضرتؒ کی طبیعت کچھ ناساز تھی آپ نے کوئی دوا کھائی جس کے بذرقے کے طور پر دودھ
 پینا ضروری تھا، آپ نے دوا تو کھالی دودھ نہیں پیا، دوا کا ردِ عمل ہونے لگا، خدام نے عرض کیا
 حضرتؒ تھوڑا سا دودھ لے لیں تو دوا کا زور کم ہو جائے گا حضرتؒ نے فرمایا مجھ سے پیا ہی نہیں جائیگا
 خدام نے پھر اصرار کیا کہ دو تین چیمے ہی دودھ کے لے لیں حضرتؒ نے پھر فرمایا، یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ اس
 وقت کسی نے حضرتؒ کی غذا کا حال پوچھا تو فرمایا کہ انظار کے وقت ایک چپاتی کھا لیتا ہوں، سائل نے
 پھر پوچھا، کیا اتنی ہی بھوک ہوتی ہے؟ فرمایا: نہیں ایک چپاتی اور کھا سکتا ہوں مگر کھانا نہیں، یہ چپاتی
 سات آٹھ تو لے وزن کی ہوتی تھی جو انظار کے وقت تناول فرماتے تھے۔ انظار کے بعد آپ تھوڑی دیر

آرام کرتے تھے، اس مدت میں آپ کے خدام کچھ انار دانے گلاب میں تر کر کے لے آتے تھے، اس میں سے آپ صرف چند دانے منہ میں رکھ لیتے تھے۔ ایک دن ایک صاحب موجود تھے آپ نے کچھ انار دانے انھیں مرحمت فرمائے ان کا بیان ہے کہ میں حیرت میں رہ گیا کیا یہ اسی دنیا کا انار ہے یا جنت کا میوہ ہے؟ میں نے ایسی لذت اور اتنی لطافت کبھی انار میں محسوس نہیں کی تھی۔ یہ بھی ہمارے حضرت دس پانچ دانوں سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔

سحری کے لیے عموماً طاہری تیار کی جاتی تھی تو عبدالرحیم یہ کرتے تھے کہ بھنا ہوا چوزہ یا کوئی پرندہ مثلاً بیویا تیر، چادلوں میں چھپا کر رکھ دیتے تھے اور وہ خاص اہتمام سے بہت لذیذ پکایا ہوا ہوتا تھا، مگر کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت کی انگلیوں نے اُسے چھوا ہو، آپ کنارے سے ایک آدھ لقمہ اٹھا لیتے تھے اور وہ رکابی ویسے ہی واپس آجاتی تھی بلکہ شاید آپ کو یہ احساس بھی نہ ہوتا تھا کہ اس میں کوئی اور چیز بھی رکھی ہے۔

حضرت کا لباس | حضرت کا لباس بہت سادہ اور معمولی ہوتا تھا، لوگ طرح طرح کے کپڑے تذر میں لاتے تھے مگر وہ سب تقسیم ہو جاتے تھے، بعض کپڑے آپ ایک آدھ دن پہن لیتے تھے تاکہ اپنا لباس کسی کو مرحمت فرمائیں تو کام آ سکے۔ لباس پہننے سے پہلے یہ ضرور سوچتے تھے کہ ایسا لباس ہمارے مشائخ نے پہنا ہے یا نہیں، اگر شبہ ہوتا تھا تو ہرگز نہ پہنتے تھے اکثر کسی بات پر بڑی محبت اور عقیدت سے فرماتے تھے کہ ”این ملت خواجگان ماست“۔ ہارانی ایک لباس تھا جو علماے ظاہر پہنا کرتے تھے، آپ نے وہ کبھی نہیں پہنا۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی ایک دو تائی تھی جگہ جگہ سے پوند کی ہوئی جس قسم کا بھی پاک کپڑا ملتا تھا اسی کا پوند لگایا جاتا تھا، حضرت خواجہ اجمیریؒ نے وہ دو تائی خواجہ قطب الدینؒ کو مرحمت فرمائی تھی اور قطب صاحبؒ نے اپنے تبرکات کے ساتھ حضرت بابا فریدؒ کو عکرتقدس سترہ کو عطا فرمائی تھی ان سے یہ ہمارے حضرت کو ملی تھی اور آپ اُسے خاص مواقع پر بہت عقیدت سے زیب تن فرماتے تھے۔ یہ دو تائی اپنے تبرکات کے ساتھ آپ نے حضرت چراغ دہلیؒ کو مرحمت فرمائی تھی۔

جو غالباً اُن کے جسدِ مبارک کے ساتھ ہی دفن کر دی گئی۔ (انوار المجالس قلمی نسخہ اُصفیہ ورق ۶۱۔ الف)
آپ کی پاپوش مبارک عموماً لال رنگ کی ہوتی تھی۔ اور کلاہ مبارک کبھی لال کبھی زرد پہنتے تھے۔

آخری علالت اور وصال

نہایت سخت مجاہدات کی وجہ سے حضرت کی صحت کبھی اچھی نہیں رہی مگر اپنی ایمانی قوت اور روحانی برکت سے کمزوری کے باوجود سارے مشاغل پورے اہتمام اور پابندی سے جاری رکھتے تھے۔ اُس زمانے میں خلد کی بیماری بہت ہوتی تھی اس نے بھی حضرت کو بہت پریشان کیا کبھی سر میں درد بھی ہو جاتا تھا یہ مسلسل جاگنے کے سبب ہوتا تھا کبھی بواسیر کی شکایت ہو جاتی تھی، ان بیماریوں سے آپ کی بصارت بھی متاثر ہوتی تھی۔ ایک بار آپ بیمار تھے، حضرت برہان الدین غریب حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: مولانا برہان الدین آؤ، یہ کہہ کر مصافحہ کے لیے دست مبارک دوسری طرف بڑھائے۔ حضرت غریب سمجھ گئے کہ حضرت کی بصارت کچھ متاثر ہے بہت دکھی ہوئے اور جماعت خانے میں آکر رنجیدہ بیٹھ گئے، پھر انھیں حضرت کا فرمان یاد آیا کہ اگر کسی کو کوئی حاجت پیش آئے تو آیت: **وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا** ۵، بار پڑھے ان شاء اللہ وہ پریشانی دور ہو جائے گی۔ حضرت غریب نے یہی ورد شروع کیا، جیسے ہی ۵ کا عدد پورا ہوا اوپر سے کسی آنے والے نے بتایا کہ حضرت کو صحت ہو گئی، ہر چیز کو صحیح دیکھ رہے ہیں۔ (نفائس الانفاس)

ایک بار حضرت بیمار ہوئے، خاصی پریشان کن حالت تھی کچھ دن کے بعد صحت ہونے لگی، ایک دن حضرت نے فرمایا کہ ”اس بیماری میں ہمارے ایک مرید نے خود کو ہمارے اُدر پر قربان کر دیا“ جب حضرت بیمار ہوتے تھے تو خادمانِ درگاہ یہ کوشش کرتے تھے کہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہیں اور اچھی اچھی پُر لطف باتیں کریں جن سے حضرت کو راحت ملے، حضرت خود بھی فرمایش کر کے لطائف سنتے تھے۔

ایک بار آپ بیمار تھے، حضرت برہان الدین غریب اور بہار الدین دارالامان حاضر خدمت تھے، حضرت نے مولانا بہار الدین سے فرمایا کوئی لطیفہ سناؤ، مولانا بہار الدین نے کہا کہ ایک شخص بیمار تھا اُس سے

طبیعوں نے کہا کہ تم آپ گوشت کے سوا اور کچھ نہیں کھانا اس کے لیے دوسرا گوشت منگو باگبا اور اتنا ہی اس میں پانی ڈالا پھر جب پکتے پکتے وہ ایک پیالہ بھر رہ گیا تو وہ آپ گوشت اُسے پیے کو دیا گیا۔
طیب نے اُسے کہا کہ آج تم نے دوسرا گوشت کھایا ہے۔ یہ سن کر حضرت نے ہنسنے لگا۔

(زنہائیں الانفاس ۲۹ صفر ۷۳۴ھ)

حضرت کے وصال سے چالیس دن پہلے معمولات میں فرق آنا شروع ہو گیا تھا مثلاً نماز میں سجدے زیادہ کرتے یا گریہ بہت زیادہ اور بے سبب طاری ہوتا یا تحیر کا عالم پیدا ہو جاتا جمہ کے دن کو بار بار یاد فرماتے، ایک وقت کی نماز دو دو تین تین بار ادا فرماتے یا یہ مصرع پڑھتے:

می زویم دی زویم دی زویم

اسی حالت میں ایک دن جماعت خانے میں تجرید کرائی اور اقبال سے فرمایا کہ جو کچھ ہے سب مساکین میں تقسیم کر دو ورنہ کل خدا کے سامنے تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اُس زمانے میں حضرت شیخ رکن الدین ملتانی دہلی میں تھے وہ عیادت کے لیے آئے تو انہوں نے حضرت سے کہا کہ انبیاء کو حیات و موت میں اختیار دیا جاتا ہے، علماء و مشائخ بھی وارثین انبیاء ہیں آپ بھی اگر کچھ دن اور دنیا میں رہنے کا ارادہ فرمائیں تو اس سے بہت سے طالبوں کو فائدہ پہنچے گا۔ حضرت نے زندگی ہوئی آواز میں فرمایا آج کل ہر شب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ رہا ہوں وہ فرماتے ہیں: نظام اشتیاق تو مارا بیشتر است زود بیا در کنف مابیا سا (نظام تم سے ملنے کا ہمیں بہت اشتیاق ہے جلد سے آؤ اور ہمارے پاس آرام کرو)

انتقال سے چالیس دن قبل کھانا پینا مطلق ترک کر دیا تھا، ایک دن افی مبارک نے تھوڑا سا سوتوں کا پالی پیش کیا تو وہ بھی نہیں لیا اور فرمایا نالی میں پھینک دو۔

حضرت شمس الدین دامغانی نے موقع پا کر عرض کیا کہ آپ کہاں آرام فرمانا چاہیں گے تو حضرت نے فرمایا کہ میں جنگل میں کھلے آسمان کے نیچے سوؤں گا۔ اسی بیماری کے زمانے میں حضرت کے خدمت گاروں

نے دریافت کیا کہ مخدوم کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟ فرمایا کہ میرے روضے پر آنا اتار ہے گا جو تم لوگوں کے لیے کفایت کرے گا، اسی نے پھر عرض کیا کہ اس کی تقسیم کون کرے گا؟ مراد یہ کہ روضہ کا متولی کون ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ "جو اپنا حصہ چھوڑ دے گا۔ چنانچہ عہدِ محمد شاہ تک حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد روضہ مبارک کی متولی رہی فتوح کی تقسیم چار حصوں میں ہوتی تھی:

(۱) پہلا حصہ فریقِ اول غیر گان کا جن میں حضرت بدر الدین اسحق کی اولاد یعنی حضرت بابا فریدؒ کے نواسے ہیں، چونکہ حضرت نظام الدین اولیاؒ تمام عمر مجبور رہے اور آپ کی کوئی صلیبی اولاد نہیں تھی اور بابا صاحبؒ کے نواسوں کو آپ نے اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا تھا اس لیے پہلے فریق وہی قرار پائے۔ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی مترجمِ فوائد الفواد اس خاندان کی نشانی ہیں۔

(۲) فریقِ ثانی "ہارونیان" یعنی حضرت خواجہ رفیع الدین ہارونیؒ کی اولاد۔ اس خاندان کا کوئی فرد اب بقیدِ حیات نہیں ہے۔ بعض حضرات اُن کے نواسوں میں موجود ہیں۔ خواجہ حسن نظامیؒ اسی نسبت سے اپنے آپ کو "خواہر زادہ" لکھا کرتے تھے۔

(۳) فریقِ ثالث، قاضی زادگان، یہ حضرت قاضی محمد الدین کاشانیؒ کی اولاد ہیں ان کی رشتہ داری ہارونیان میں ہوئی اور کسی زمانے میں ننھیال سے بھی اُن کو وراثت ملی جواب تک ملی آرہی ہے۔ (۴) چوتھا فریق "ہندوستانیان" حضرت کی تدفین ظہر کی نماز سے پہلے عمل میں آئی، حضرت رکن الدین ملتانیؒ نے خواجہ اقبال سے دریافت کیا کہ حضرت مقابرِ یاران میں فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لاتے تھے تو کس جگہ بیٹھتے تھے؟ خواجہ اقبال نے ایک جگہ بتائی جہاں نازگی کا درخت لگا ہوا تھا اور کہا کہ حضرت کی نشست اس پیر کے نیچے ہوا کرتی تھی، حضرت رکن الدین نے وہی جگہ آپ کی لحد کے لیے تجویز فرمائی (قوام العقائد)

سیرنامہ لیامر کا بیان ہے کہ جہاں آپ کا روضہ ہے یہاں صحرا تھا اور یہ بلند اور شاندار عمارتیں بعد کو وجود میں آئیں بعض دوسرے تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ خضر خاں بہ مقبرہ ہوا چکا تھا جواب درگاہ شریف کی مسجد ہے، مگر حضرت کی مصیبت کے بعد آپ کو وہاں دفن کرنا مناسب نہ سمجھا گیا اور اُس مقبرے کے سامنے ایک حوض

تھا اُسے مٹی سے پاٹ کر اُس میں لحد تیار کی گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض اور عقیدتمندوں نے بھی شاندار روضے تعمیر کر رکھے تھے۔

حضرت کا وصال ۱۸ ربیع الثانی ۱۲۵۰ھ - ۲۷ اپریل ۱۸۶۵ء کے دن صبح سات بجے کے قریب (بعد طلوع آفتاب) ہوا، اور اُسی دن دوپہر میں تدفین پھل میں آئی۔ آپ کو حضرت رکن الدین ملتانی اور حضرت چرلغ دہلی نے لحد میں اتارا اور بابا صاحبؒ کے تبرکات آپ کے ساتھ قبر میں رکھے گئے یعنی خرقہ، عرقا، صلیبیج۔

(۲)

حضرت نظام الدین ادلیاؒ کے حالات و ملفوظات پر مشتمل کئی کتابیں لکھی گئیں ان میں سے چند قدیم ترین تاخذ یہ ہیں:

(۱) فوائد الفوائد ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین ادلیاؒ جمع کردہ امیر حسن علاء سجنری اس کے پانچ حصے ہیں، جن میں ۸۸ مجلسوں کا حال ہے، ان میں حضرت کے ارشادات و ملفوظات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ اس کتاب پر قدرے تفصیلی گفتگو ہم آگے چل کر کریں گے۔

(۲) قوام العقائد مرتبہ محمد جمال قوام سیرۃ شمس العارفین دہلوی۔ یہ کتاب حکیم محرم ۱۰۵۵ھ کو لکھنا شروع کی گئی اور ۱۰۷۵ھ رجب ۱۰۵۵ھ کو اختتام تک پہنچی یعنی اس کی جمع و تالیف میں ۱۸۴ دن صرف ہوئے۔ اس میں حضرت کے حالات و ملفوظات ہیں جن کا ایک حصہ تو وہی ہے جو فوائد الفوائد، سیر الادلیا، ڈرر نظامی اور خیر المباحس میں ملتا ہے، کچھ باتیں اس سے نئی بھی معلوم ہوتی ہیں۔ میں نے عزیز گرامی صاحبزادہ سید محمد خسرو حسینی نر زبدا کبر حضرت مخدوم عالمیاں سید محمد محمد الحسینی سجادہ نشین حضرت بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ کے مملوک عکسی نسخے سے استفادہ کیا ہے اور اس کرم بے نہایت کے لیے دونوں بزرگوں کا شکریہ میم قلب سے ادا کرنا واجب ہے۔ جزائکم اللہ خیر الجزا ربی الدارین۔

(۳) سیر الادلیا۔ یہ مشہور کتاب سید محمد بن مبارک علوی کرمانی متوفی ۱۰۷۵ھ کی تالیف ہے جو عام طور پر ”امیر خرد“ کہلاتے ہیں۔ اس خاندان کے ردابط حضرت بابا فریدؒ اور حضرت نظام الدین ادلیاؒ سے بہت

قدیم اور بہت اُستوار رہے، امیر خُرد کے دادا سید محمد کرمانی جو دہن میں بھی رہے اور دہلی میں حضرت نظام الدین ادلیا کے ساتھ بھی اُس وقت سے رہے جب آپ غیاث پور میں منتقل بھی نہیں ہوئے تھے۔

امیر خُرد نے جب سیرالادیا رُٹب کی اُس وقت اُن کی عمر پانچ ہو چکی تھی۔ اس میں اپنے مشاہدات کے علاوہ اُنھوں نے اپنے دادا، والد، اور چچا سے روایات اخذ کی ہیں اور حتمی الوسع بہت احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ لکھا ہے۔ تذکرہ ادلیا سے ہندوستان کی یہ قدیم ترین اور مستند ترین کتاب ہے۔ اس میں دس ابواب ہیں، آخری باب میں حضرت کے ملفوظات کا انتخاب بھی دیا ہے۔ سیرالادیا کے چند قلمی نسخے یہ ہیں:

(۱) نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ مکتوبہ ۱۰۳۰ھ/۱۹۲۰ء

(۲) نسخہ انڈیا آفس لندن نوشتہ ۱۰۹۳ھ/۱۹۸۲ء

(۳) نسخہ دارالعلوم دیوبند مکتوبہ سلسلہ جلوس اکبری مطابق ۱۰۷۷ھ (مخطوطات دیوبند ۵۱/۲)

(۴) نسخہ برٹش میوزیم لندن بکٹوبہ در حدود ۱۸۵۰ء

(۵) نسخہ برلین - رقم ۵۸۶ (اسٹوری ۱/۹۶۶)

نسخہ مکتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن رقم ۹۳۹ نوشتہ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء (فہرس ۶۶۶)

نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ (جواہر میوزیم اٹا دہ کلکشن) رقم ۱۸۹/۹۲۰ اوراق ۲۷۲ - ۵۰۱ میں

سید عبداللہ جیو کو ایک نسخہ قدیم سید محمد حسن بن فضل اللہ (یکے از اجداد ایشاں) کا لکھا ہوا ملا ہے

سامنے رکھ کر شیخ محمد کاتب سے ۱۲۷۷ھ مطابق سلسلہ جلوس شاہ عالم میں یہ نسخہ لکھوایا

گیا۔ یہ کتاب شعبان ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں چرخ لال مالک مطبع محبت ہند فیض بازار (دریا گنج)

دہلی کی توجہ سے پہلی بار شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ ۱۹۲۳ء میں لاہور سے چھپا تھا۔ اسی

ایڈیشن کا عکس مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا تھا۔

سیرالادیا حضرت نظام الدین ادلیا کے حالات میں سب مفصل، مستند اور قابل قدر کتاب ہے۔

(۴) دُورِ نظامی مؤلفہ علی بن محمود جاندار بھی ایک قدیم ماخذ ہے اس میں حضرت کے ملفوظات اور تعلیمات کو ۴۰ ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اس کا بڑا حصہ توسیع الادبیہ اور فوائد الفوائد میں مشترک ہے کچھ مواد ایسا ہے جو صرف اسی کتاب میں ملتا ہے۔ اس کا فارسی متن آج تک شائع نہیں ہوا، ہم نے کتب خانہ سالار جنگ میوزیم کے مخطوطے کی دستی نقل سے کام لیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ پیر زادہ محمد نسین نظامی نے کیا تھا اور یہ بازار میں گفتار محبوب کے نام سے بھی ملتا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ حضرت کے حالات و ملفوظات مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی ملتے ہیں۔

- (۱) احسن الاقوال ملفوظات حضرت برہان الدین غریب (اردو ترجمہ از عبد المجید ادرنگ آبادی)
- (۲) نفاس الانفاس ملفوظات حضرت غریب (قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، مکتوبہ ۲، رجب ۱۲۹۳ھ)
- (۳) شمائل الاتقیاء - مرتبہ رکن الدین عماد کا شانی، مابین ۷۳۲ھ و ۷۳۸ھ

قلمی نسخے ہیشنل میوزیم دہلی۔ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد۔ جامعہ عثمانیہ (مکتوبہ ۱۰۹۰ھ)

نسخہ ذخیرہ مولانا نسیم احمد فریدی (مکتوبہ ۱۲۶۱ھ)

یہ ایک بار حیدرآباد سے شائع بھی ہو چکی ہے، محرم ۱۳۴۷ھ، مگر طبعاً بھی کمیاب ہے۔

- (۴) خیر المجالس ملفوظات حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی جمع کردہ حمید قلندر
- (۵) جوامع الکلم ملفوظات حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز قدس سرہ جمع کردہ سید حسن المعتمد بہ سید محمد اکبر حسینی (قلمی نسخہ کتب خانہ حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی) یہ محمد حامد صدیقی صاحب کی تصحیح کے بعد ۱۳۵۶ھ میں انتظامی پریس کانپور میں چھپ کر درگاہ شریف گلبرگ سے شائع بھی ہو چکی ہے
- (۶) سیر العارفین مؤلفہ جمالی دہلوی اردو ترجمہ از غلام احمد سنبھلی شمس المطابع مراد آباد ۱۹۰۱ء
- نیز تہ ڈاکٹر محمد الیوب قادری شائع کردہ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۶ء۔

حضرت نظام الدین ادلیہ کے ملفوظات کے کچھ اور مجموعے بھی مرتب ہوئے ان میں بعض کی اصلیت مشکوک ہے مثلاً افضل الفوائد و راحة المحبین۔ اور بعض اب دنیا سے ناپید ہو چکے ہیں

مفتی قمری قرشیؒ، ولادت ۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء میں ہوئی اس طرح وہ امیر خسرو (۶۴۵-۷۵۱) سے ایک سال چھوٹے تھے۔ ابتدائے عمر میں ہی (غالباً عہد بلبن میں) دہلی آگئے تھے اور تعلیم زیادہ تر یہیں حاصل کی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے ان کی واقفیت پرانی تھی۔ مگر ملاقات دہلی میں ہوئی ہوگی۔ اس لیے کہ بدایوں میں ان کی ولادت سے پہلے حضرت اُس شہر کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ امیر حسنؒ نے مہدار فیاض سے نہایت حساس ذہن اور لطیف مذاق پایا تھا فارسی اور عربی پر غیر معمولی قدرت حاصل ہو گئی تھی، اور تیرہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر انھوں نے ملازمت اختیار کی۔ امیر خسرو کے ساتھ وہ بھی سلطان بلبن کے لائق دلی عہد محمد خان شہید کے متوکل رہے جو انھیں دوات دار بنا کر ملتان لے گیا تھا ۷۸۸ھ/۱۳۸۶ء اُس کی مصاحبت میں پانچ سال تک رہے (برنی ۶۷) شہزادہ محمد کی شہادت پر امیر خسرو نے نظم میں اور امیر حسن نے نثر میں مرثیہ لکھا، شہزادہ محمد علم و ادب کا بڑا قدردان اور سرپرست تھا وہ منگول لشکر کا مقابلہ کرتے ہوئے ۳۰ ذی الحجہ ۷۸۳ھ/۸ مارچ ۱۳۸۵ء کو شہید ہو گیا تھا، یہ عہد سلطنت میں تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے، اگر شہزادہ محمد خان کو تخت بلبن پر بیٹھنے کا موقع ملا ہوتا تو ہندوستانی ادب و ثقافت کی تاریخ دوسرے ہی انداز میں لکھی جاتی۔ اُس کی شہادت کے بعد امیر حسن بے روزگار ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد جلال الدین خلجی ۱۳۹۵/۷۹۵-۱۳۹۰/۷۸۹ھ نے انھیں درباری ملازمت میں لے لیا، بدایونی کا بیان ہے کہ جلال خلجی کے دربار میں گویے امیر حسن کی غزلیں گایا کرتے تھے (بدایونی ۱/۱۸۲) جلال الدین کے بعد رکن الدین ابراہیم شاہ اول چند روز کے لیے بادشاہ بنایا گیا تھا پھر علاؤ الدین خلجی تخت نشین ہوا ۷۹۵ھ/۱۳۹۵-۱۴۱۲ء زیادہ پڑھا لکھا بھی نہ تھا اور اُسے شعر و ادب سے بھی کچھ مناسبت نہ تھی، اس لیے امیر حسن شاید فوج کے غیر فحارب عملے میں کسی معمولی خدمت پر لگ گئے تھے۔ شاہی لشکر کے ساتھ وہ مشرق میں لکھنوتی اور جنوب میں دیوگیر (دولت آباد) تک گئے جب وہ لشکر کے

امیر حسن کا شعر ہے: قرشی الاصل ہاشمی نسبم کز ہوایش برآمد این قہر م

ساحر باہر جاتے تھے تو آٹھ آٹھ مہینے کی غیر حاضری ہو جاتی تھی اس لیے مجلسوں کا فصل ٹھہ گیا ہے۔ دہلی میں ان کی سکونت خضر آباد چھادنی میں تھی۔ انھوں نے علاؤ الدین خلجی (د ۷۱۶ھ) کی مدح میں قصائد بھی لکھے ہیں، مگر بادشاہ نے کوئی خاص قدردانی کا ثبوت نہیں دیا۔ کبھی کبھی ان کی تنخواہ بھی رُک جاتی تھی اور وہ مالی اغبار سے پریشان رہتے تھے۔ کبھی اپنا سامان اور اسلحہ بھی گردین رکھنا پڑ جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطب الدین مبارک شاہ اور خسرو خاں کے عہد میں وہ خانہ نشین رہے۔ حضرت سے ان کی شناسائی تو ممکن ہے عہدِ بلبن ہی سے رہی ہو امیر خسرو اور مبارک الدین برنی ان کے دوست تھے ان کے ساتھ یا اپنے طور پر شاید یہ حضرت کی خانقاہ میں بھی آنے ہوں گے، مگر اصلاً ان کی معاشرت ایک دنیا دار آدمی کی سی تھی، ان کے حال پر حضرت کی جو توجہ ہوئی، اس نے دنیا ہی بدل کر رکھ دی اور ایک درباری ملازم کو خاصانِ حق کی بارگاہ تک پہنچا دیا، اُس کے بارے میں بہت سے افسانے بھی مشہور ہو گئے ہیں جن کا یہاں درج کرنا غیر پسندیدہ طوالت کا باعث ہو گا لیکن مولانا شہاب الدین امام کی یہ روایت بے اصل نہیں ہو سکتی (سیر العارفین اردو ترجمہ ۱۱۷-۱۱۸) کہ ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ حسبِ معمول خواجہ قطب صاحبؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کر کے واپس آرہے تھے، آپ کا گذر حوضِ شمسی پر ہوا جو اُس زمانے میں بڑی بارونتی اور پُر فضا سیرگاہ تھی، اس کے اطراف میں بھی بعض بزرگوں کے مزارات تھے، حضرت وہاں فاتحہ پڑھنے تشریف لے گئے۔ وہیں کہیں اتفاق سے امیر حسن بھڑیؒ اپنے دوستوں کے ساتھ میکشی کا شغل کر رہے تھے، اچانک حضرت کا سامنا ہو گیا، یہ سسپٹا گئے اور اسی نشے کی حالت میں لڑکھڑاتی زبان سے یہ اشعار پڑھے:

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم گریز صحبتہا اثر باشد کجاست؟
زہد تان فسق از دلِ ما کم نہ کرد فسقِ مایان بہتر از زہدِ ثماست!

۱۔ جمالی دہلوی: سیر العارفین (اردو ترجمہ) ۱۱۷-۱۱۸

ترجمہ: کتنے برسوں سے ہماری ایک دوسرے سے ملاقات ہے، اگر صحبت میں کوئی اثر ہوتا ہے تو وہ کہاں ہے؟ تمہارا زہد ہمارے فتنے پر غالب نہ آسکا، گویا ہمارا فسق تمہارے زہد سے اچھا ہے!

امیر حسن کے لیے سعادت کی گھڑی آپکی تھی، حضرتؒ نے مسکرا کر اُن کی طرف دیکھا اور صرت اتنا فرمایا: ”در صحبت اثر ہاست ان شاء اللہ روزی باد“ (صحبت میں اللہ چاہے بڑی تاثیریں ہیں خدا تمہیں روزی کرے) یہ الفاظ امیر حسن کے خرمین معاصی پر بکلی بن کر گرنے اُس مدہوشی کے عالم میں اور بھی بے اختیار ہو گئے فوراً اپنے سر سے کُلاہ اتاری اور حضرتؒ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ حضرتؒ نے سر پر ہاتھ پھیرا کچھ دیر اُن کی دلجوئی کے لیے وہاں کھڑے رہے پھر آپ مزارات پر حاضری دیکر واپس چلے آئے۔ اگلے دن امیر حسن خانقاہ میں حاضر ہوئے، حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعتِ توبہ کی اور خانقاہ کے مستقل حاضر باشوں میں شامل ہو گئے۔ حضرتؒ کے دو لفظوں نے امیر حسن کی دنیا اور آخرت دونوں کو سنوار دیا اگر وہ لمحہ اُن کی زندگی میں نہ آتا تو جیسے سیکڑوں بڑے بڑے باکمال شاعر گنہامی کی گرد میں گم ہو کر رہ گئے، ایسا ہی اُن کا انجام بھی ہوتا۔ حضرتؒ نے انھیں اور اُن کے فن کو عمر جاودا بخش دی ایسی ہی صورتِ حال کے لیے حافظ شیراز نے کہا ہے،

آنان کہ خاک راز نظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشہ چشنے بما کنند

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ توبہ کے وقت امیر حسن کی عمر ۷۳ سال تھی، یہ درست نہیں۔ اُن کا سال ولادت ۷۵۲ھ ہے تو از روئے حساب یہ واقعہ ۷۷۵ھ میں پیش آنا چاہئے۔ جب کہ فوائد القواد کا آغاز ۳ شعبان ۷۷۵ھ (۲۸ جنوری ۱۳۷۸ء) سے ہوتا ہے اور قیاس یہی چاہتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ اسی سال پیش آیا ہے۔ اُس وقت امیر حسن کی عمر ۵۵ سال تھی۔ اس کی طرف امیر حسن نے اپنے ایک شعر میں بھی اشارہ کیا ہے:

اے حسن توبہ آن گئے کردی کہ ترا طاقت گناہ نمساند

ترجمہ: اے حسن تم نے اُس وقت توبہ کی جب گناہ کرنے کی طاقت ہی باقی نہ رہی،

مسعود علی محوی مرتب کلمات امیر حسن دہلوی کو اس قفقے کی صحت میں شک ہے اور ان کی دلیل

یہ ہے کہ ۶۹۹ھ میں شاہی فرمان کے ذریعہ علاؤ الدین خلجی نے سارے ملک میں شراب کی کشید اور فروخت پر پابندی لگا دی تھی اور اُس کے حکم کی خلاف ورزی کسی پبلک مقام پر کرنا ممکن نہ تھا، لیکن اس واقعے کی تصدیق کے لیے کسی داخلی قریبے موجود ہیں۔ اول یہ دیکھنا چاہیے کہ مغزالدین کی قباد کے زمانے میں فسق و فجور اتنا عام ہو گیا تھا کہ سارا شہر میکدہ اور قحبہ خانہ بن کر رہ گیا تھا، اور ان حالات سے گھبرا کر بادل ہو کر ہنر نے دہلی کو خیر یاد کہنے کا ارادہ کر لیا تھا جس کی کچھ تفصیل ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ اُس زمانے میں عوام اور اُمراء سب عیش و نشاط اور فسق و فجور کی زندگی میں مبتلا تھے، امیر حسن کا تودہ بھرپور جوانی کا زمانہ تھا، اگر انھیں بھی میکشی کی عادت پڑ گئی ہو تو کچھ تعجب کا مقام نہیں کیونکہ یہ اُس زمانے کے معمولات میں شامل تھی۔ عہدِ علانی میں پابندیاں بھی اسی لیے لگائی گئیں کہ معاملہ عدسے تجاوز کر چکا تھا۔ لیکن یہ سمجھنا غلط ہو گا کہ اس قدغن کے بعد میکشی کا نام و نشان مٹ گیا تھا۔ رہا پبلک جگہ کا سوال تو حیک ہوئے کا احتمال شہر میں زیادہ ہوتا تھا اسی لیے لوگ شہر سے باہر باغوں اور جنگلوں میں جمع ہو جاتے تھے۔ غیاث الدین تغلق کے دور ۷۳۵ھ/۱۳۲۵ء - ۷۴۰ھ/۱۳۲۹ء میں سماع پر قدغن تھی تو سماع کی محفلیں بھی شہر کے باہر باغوں میں ہونے لگی تھیں۔ تیسرا قریبہ یہ ہے کہ "فوائد الفوائد" کی پہلی ہی مجلس توبہ کی فضیلت کے بیان سے شروع ہوتی ہے، اور حضرتؑ نے فرمایا: توبہ کرنے والا، متقی انسان کے برابر ہو جاتا ہے اس لیے کہ متقی وہ ہے جس نے مثلاً تمام عمر میں کبھی شراب نہ چکھی ہو یا کوئی گناہ اُس سے سرزد نہ ہوا ہو، اور نائب وہ ہے جس نے گناہ کیا اور اُس سے رجوع کر لیا یعنی وہ گناہ کی لذت سے آشنا ہو کر اُسے چھوڑتا ہے تو یہ زیادہ بڑا مجاہدہ نفس ہے۔ حضرتؑ کے یہ الفاظ خود اشارت کر رہے ہیں کہ امیر حسن سے خطاب ہے اور انھوں نے اُسی زمانے میں توبہ کی ہے۔

بیعت کے بعد امیر حسن ہر جمعہ کو خدمتِ شیخ میں حاضری دیتے تھے اور جمعہ کی نماز کیلو کھڑی کی

جامع مسجد میں حضرت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

امیر حسن کی سیر اور اخلاق

سب ہم عصر تذکرہ نگار امیر حسن کے مکام اخلاق اور حسن سیرت کی شہادت دیتے ہیں، ضیاء الدین برنی

جو امیر حسن کے دوست تھے، اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں :

امیر حسن مذکور باوصات و اخلاق و اوصاف ہے متصف	امیر حسن مذکور باوصات و اخلاق و اوصاف
تھے اور میں نے بہت کم لوگ دیکھے ہیں جو پاکیزہ اخلاق	متصف بودہ است و بعزت خداوندان
دلوں کی طرح مجلسوں میں لطیف اور ظریفانہ باتیں کرنے	مکام اخلاق کہ در لطائف و ظرائف
دہلی کے بڑے علماء، اکابر اور سلاطین کی تاریخ سے واقفیت	و مجلسہ و استخفا را اخبار سلاطین و اکابر
صوفیہ کی سی زندگی اور سمجھ، قناعت، پاکیزگی اعتقاد، اور دنیوی	و علمائے بزرگ دہلی و استقامت عقل و زہد
سازد سامان کے بغیر نچر اور دنیا سے بے تعلقی کی زندگی	و ریست صوفیہ و لزوم قناعت و اعتقاد
میں خوش اور مطمئن رہنے میں ان کی مثل ہوں..... ان کی	پاکیزہ و خوش بودن و خوش گذراندن
صحبت اس قدر شیریں ہوتی تھی اور وہ ایسے ظریف	بے اسباب دنیا، و تجرد و تفرڈ از
خوش مزاج، باادب اور مہذب تھے کہ ہم لوگوں کو جو	علائق دنیا، چو اُد کسی را کمتر دیدہ ام
راحت اور کشش ان کی ہم نشینی میں حاصل چنان شیرین مجلس و ظریف و خوش
ہوتی تھی وہ کسی اور کی صحبت میں نہیں ملتی تھی۔	باش و مزاج دان و مؤدب و مہذب
(اردو ترجمہ از ڈاکٹر معین الحق ص ۲۳-۵۲۲)	بود کہ مارا راحت دانی سے کہ بجا است
شائع کردہ	اُدی شد از بجا است غیر اُدیا فقیم
(مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۹ء)	(تاریخ فیروز شاہی)

سیرالادبیاء کا مولف امیر غفر دکرانی بھی امیر حسن سے ذاتی طور پر واقف ہے وہ کہتا ہے کہ لطائف میں ان کا جواب نہ تھا، عشق انگیز اشعار کہتے تھے اور ایسے لطائف و نکات ان کی نگاہوں میں ہوتے تھے کہ

بادشاہ اور شہزادے بھی اُن کی باتوں کو سننے کے مشتاق رہتے تھے وہ اس دنیا میں مجبور رہے اور دیوگیر میں دفن ہوئے۔ (سیرالاولیاء ۳۱۸)

محمد قاسم فرشتہ کا بیان ہے کہ وہ فضل و دانش میں باکمال ہونے کے علاوہ حسن و جمال میں بھی بے مثال تھے، مگر باقی جو داستان فرشتہ نے لکھی ہے وہ بازاری گپ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، کسی دوسرے تذکرہ نگار نے اُن کے حسن و جمال کا ذکر نہیں کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے امیر حسن کی سیرۃ اور حسن اخلاق کو چند لفظوں میں ظاہر کر دیا ہے:

اُنھیں اپنے زمانے کے فضلا میں خاص مرتبہ اور عزت	اور ادرمیان فضلاے عصر عزت و مکاتے
حاصل تھی اور حضرت شیخ نظام الدین کے مریدوں میں	دیگر بود، درمیان مریدان شیخ نظام الدین
شیخ سے قُرب اور اُن کی خصوصی توجہ سے ممتاز تھے۔	بقرب و عنایت شیخ امتیازے داشت
حسن معاملہ، صفائی باطن اور دوسری سب اچھی	دور حسن معاملت و صفایے سریرت
صفات میں یگانہ دیکتا تھے۔ اور تصوف کی	و سایر صفات حمیدہ یگانہ عصر بود و بہ ادھار
خوبیوں سے بھی آراستہ تھے۔	تصوف موصوف

(اخبارالاحیاء)

غرض امیر حسن ایک خوش مزاج، پاکیزہ اطوار، مرعبان مرنج، قانع، متوکل، صلاح کوشش اور صوفی منش انسان تھے۔ اُنھیں دربار سے امیر خسرو کی طرح انعام و اکرام نہیں ملے بلکہ اکثر تنگ دستی میں گزر کرتے تھے اپنے افلاس کی طرف اُنھوں نے بعض اشعار میں اشارہ بھی کیا ہے۔ وہ آزادانہ و مجرورانہ اور قلندرانہ زندگی گزارتے تھے۔ اور شیخ کے بتائے ہوئے اعمال و اداد و عبادات میں مشغول رہتے تھے۔ فوائد الفوائد کی ایک مجلس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پاس ملیح نامی ایک غلام تھا جسے اُنھوں نے حضرت کی مجلس میں آزاد کر دیا تھا۔

تصانیف برنی نے لکھا ہے: اُور اتالیفات نظم و نثر بسیار است (ص ۳۶) لیکن ن ک شہر کورجی دنیا تک شاداب رکھنے کے لیے صرف فوائد الفواد ہی کافی ہے

امیر حسن کا ایک مختصر رسالہ ”نخ العانی“ علی گڑھ کے ذخیرہ سر شاہ سلیمان میں موجود ہے در رقم ۵: ۱۱۵ یہ رسالہ ص ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی نقل کسی نے ۱۲۹۷ھ ۱۰۸۰ء میں کی ہے۔ اس کا موضوع ”عشق“ ہے۔ فوائد الفواد جلد ۲ مجلس ۳۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۲۳ محرم ۱۲۹۷ھ ۱۰۸۰ء چاند شنبہ یکم جون ۱۹۱۲ء کو امیر حسن نے حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے اسے پسند فرمایا۔ غالباً یہ اسی زمانے میں لکھا گیا ہوگا۔

دوسری تصنیف امیر حسن کا دیوان ہے۔ جسے مسعود علی محوی نے اپنے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ ایڈٹ کیا، اور مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد نے ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء میں حیدر آباد دکن سے چھپوایا تھا۔ امیر حسن کی اور کوئی تصنیف موجود نہیں۔ بعض حضرات نے شہزادہ محمد خان شہید کے مرثیہ نشر کو بھی علیحدہ تصنیف مانا ہے۔ یہ مرثیہ کلیات میر حسن مرتبہ مسعود علی محوی کے علاوہ بدایونی کی منتخب التواریخ اور تاریخ مبارک شاہی میں بھی موجود ہے۔ محوی کا پیش کردہ متن صحت سے زیادہ قریب ہے

امیر حسن دہلوی نے شادی نہیں کی تمام عمر مجرد رہے۔ اُن کے رشتہ داروں میں میر جھنجھو اور شمس الدین ماترود کے نام ہمیں معلوم ہیں اور یہ بھی دریافت ہوتا ہے کہ شمس دیر سے اُن کی قرابت تھی۔ حضرت کے وصال کے بعد انھیں محمد بن تغلق کے زمانے میں دولت آباد کو کوچ کرنا پڑا۔ محمد غوثی شطاری مولف گلزار ابراہیم کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیر حسن کو حضرت خواجہ نظام الدین نے حضرت برہان الدین غریب کے قافلے کے ساتھ دولت آباد کے لیے رخصت کیا تھا۔ مگر یہ درست نہیں ہے۔ تقریباً دس سال وہاں رہے اور وہیں ۲۹ صفر ۷۳۸ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۳۳۳ء جمعہ کے دن انتقال ہوا۔ علاقہ بالا گھاٹ میں دفن ہوئے اسی احاطے میں علام آزاد بلگرامی کا مزار بھی ہے۔ اُنکی تالیفات ”مقدم اولیاء“ سے برآمد ہوتی ہے۔ دولت آباد میں وہ ”حسن شیر“

امیر حسن کا سال وفات معلوم ہے انتقال کی تاریخ تذکرہ اعراس بزرگانِ دہلی (قلمی) میں لکھی ہے جس میں لکھا ہے: یہ کاغذیں مٹ کر ہو چکی ہیں۔

کے نام سے معروف ہیں اور یہ غالباً حسن شاعر کی خرابی ہے۔ حسن نام کے دوسرے لوگوں سے ممتاز کرنے کے لیے انھیں حسن شاعر کہا گیا ہوگا۔ امیر حسن عربی و فارسی کا بہترین اور راسخ علم رکھتے تھے جیسا کہ ان کی نظم و نثر سے ظاہر ہے، نہایت ذہین اور لطیف طبع تھے، جوانی میں خوبصورت اور سڈول رہے ہوں گے، نکتہ آفرینی میں ان کا جواب نہ تھا علم مجلسی سے خوب واقف تھے کہ جوانی بابتلا ہوں کے دربار میں گذری تھی اور بچگی کی عمر کو پہنچے تو "شہنشاہ دین" حضرت نظام الدین کی بارگاہ میں قرب نصیب ہوا۔ بات میں نکتہ پیدا کرنا اور سہل اسلوب میں دل پراثر کرنے والی نظم و نثر لکھنا ان کا کمال تھا۔ وہ اپنی شاعری میں سعدی شیرازی کی پیروی کرتے تھے اور انھیں "سعدی ہند" کہا جاتا تھا۔ مولانا جامی نے ان کے اسلوب کو "سہل متنع" بتایا ہے کہ دیکھنے میں بہت آسان معلوم ہوتا ہے مگر ویسا کہنا دشوار ہے۔ مگر حضرت چراغ دہلی نے فرمایا: "امیر حسن اور امیر خسرو نے بہت چاہا کہ خواجہ سعدی کے طرز پر شعر کہیں ميسر نہ ہوا۔ خواجہ سعدی نے جو کچھ کہا ہے وہ "حال" سے کہا ہے۔ ابتداء میں انھیں ترتیب دیوان کی طرف کچھ التفات نہیں تھا۔ انڈیا آفس لندن میں ان کے دیوان فارسی کا جو نسخہ ہے اس کے دیباچے میں انھوں نے لکھا ہے کہ "میں نے یہ دیوان ۱۵۷۵ء میں مرتب کیا جبکہ میری عمر ۶۳ سال ہے، ان کے دیوان فارسی کا ایک نسخہ شاہان اودھ کے کتب خانے میں بھی تھا اس میں اشعار کی تعداد اسی ہزار تھی۔ یہ بتائی گئی۔

غزل : ۵۳۳۰ : قصیدہ : ۴۹۰ : رباعی : ۲۰۷ : کل اشعار : ۶۰۲۷
حیدرآباد سے شائع ہونے والے دیوان میں اشعار کی تعداد کہیں زیادہ ہے :

غزل : ۵۳۹۹ : قصیدہ : ۲۱۲۶ : رباعی : ۴۵۸ : مثنویات : ۱۴۰۰ : کل : ۹۴۸۳ (اشعار)

لیکن اس کے علاوہ بھی ابھی ان کا کلام دوسرے ماخذوں میں مل سکتا ہے اور یقین ہے کہ ۷۱۵ھ میں ترتیب دیا جانے والا دیوان بھی ان کی آخری روایت نہ ہوگی۔

۱۷ یہ حضرت نظام الدین اولیاء کی تاریخ وفات بھی ہے جس سے ۷۲۵ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ۱۸ خیر المجالس (مجلس ۴)

فوائد الفوائد | فوائد الفوائد کی چند نمایاں خصوصیات ہیں:

(۱) صحتِ زبان، صحتِ روایت، حسنِ اسلوب اور حجیت کے اعتبار سے یہ کسی صوفی درویش کے ملفوظات کا پہلا مجموعہ ہے جو ایک خاص سنج پر اور تاریخ وار مرتب ہوا ہے ایسا کوئی مکمل ملفوظ اس سے پہلے موجود نہیں تھا، جسے فوائد الفوائد کے لیے نمونہ بنایا جاتا اگرچہ ۵۵۰ھ میں سخنان البوسعید الوالخی، (اسرار التوحید) اور سخنان ادھ الدین کرمانی جیسی کتابیں مرتب ہو چکی تھیں مگر وہ ایک مخصوص حلقے میں رہیں اور ان میں ہر طبقہ کی دلچسپی اور ہدایت کا سامان نہیں تھا۔ فوائد الفوائد نے پہلی بار ملفوظ لٹریچر کے لیے ایک مثالی نمونہ پیش کیا اور بعد کو جمع ہونے والی ملفوظات کی بہت سی کتابوں کے لیے اسی کتاب سے رہنما خطوط ملے۔

(۲) امیر حسن نے حتی الوسع اس کا اہتمام کیا کہ جو لفظ حضرت کی زبان مبارک سے نہیں اُسے بعینہ باقی رکھیں۔ اگر لکھتے ہوئے کوئی لفظ چھوٹ جاتا تھا تو وہ جگہ سادہ چھوڑ دیتے تھے اور جب حضرت ان ادراک پر نظر ثانی فرماتے تھے تو خالی جگہوں کی خانہ پری بھی کر دیتے تھے۔ اس سے پہلے شرف ملفوظات کے اور کسی مجموعے کو حاصل نہیں ہوا تھا کہ اس میں الفاظ شیخ کو بعینہ لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہو اور پھر شیخ نے اس پر نظر ثانی بھی کی ہو۔ فوائد الفوائد کے بعد یہ چلن بھی رائج ہوا اور بعض ملفوظات اس اہتمام کے ساتھ قلمبند کیے گئے۔

(۳) حضرت نظام الدین ادلیا کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ عربی و فارسی ادبیات کا اعلیٰ درجے کا ذوق رکھتے تھے، خود شاعر بھی تھے، بلکہ شاعرِ گہ تھے، عربی میں ان کی نثر کے جو نمونے ملتے ہیں وہ اس پر گواہ ہیں کہ وہ عربی زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے تھے، انھیں تفسیر سے بھی ذوق تھا، کلام اللہ کے حافظ تھے۔ قرآن کے دس پارے تجوید کے ساتھ پڑھ کر قرابت بھی درست لی تھی فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں وقت کے بہترین علماء سے پڑھی تھیں، حدیث نبوی کی سماعت ایسے ہزرگوں سے کی تھی جنہوں نے مشارق الانوار کے حواصیل رضی الدین حسن صفائی سے براہِ راست سند حاصل کی تھی، تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی

۳۵/۳۳-۶۱۲ کی تصنیف عوارف المعارف کا درس حضرت گنج شکر سے لیا تھا اور عملی تربیت بھی اُن کی خانقاہ میں رہ کر حاصل کی تھی، عقائد کے موضوع پر ابو شکر بلخی کی تمہید المہتدی سبقاً سبقاً پڑھ کر اُس کی بھی سند حاصل کی تھی، یہ وہ علمی کمالات تھے جو ہر صاحبِ ملفوظ کی شخصیت میں جمع نہیں ہوتے، اور ان کا پرتو ہمیں فوائد الفواد کے ایک ایک لفظ میں نظر آ رہا ہے۔ اس کتاب میں موضوعات کا جو تنوع ہے وہ کسی دوسرے مجموعے میں شاید ہی مل سکے۔ فوائد الفواد کے متنوع موضوعات میں سے چند یہ ہیں۔

۱: تفسیر	۲: حدیث	۳: فقہ
۴: اصول فقہ	۵: تاریخ	۶: سیرت
۷: سیر الاولیاء	۸: ملفوظات مشائخ	۹: تصوف (نظری)
۱۰: تصوف (عملی)	۱۱: اعمال	۱۲: عبادات
۱۳: اُدراد	۱۴: آداب المریدین	۱۵: آداب الصوفیہ
۱۶: تزکیہ نفس	۱۷: اخلاقیات	۱۸: اطلاعات صوفیہ
۱۹: فلسفہ	۲۰: منطق	۲۱: آداب معاشرت
۲۲: تعبیر روایا	۲۳: حکایات مشائخ	۲۴: اصول عقائد
۲۵: ادب و شعر	۲۶: سماع	۲۷: لغت اور فقہ اللغۃ
۲۸: وعظ و تذکیر	۲۹: تمثیلات	۳۰: لطائف

ان کے علاوہ بھی فوائد الفواد میں بہت کچھ موجود ہے۔ یہ تو وہ جو اہر ہیں جو ہم جیسے ظاہرین لوگوں کو منظر آ رہے ہیں، اس میں حکمت و معرفت، عشق و محبت مشغولی باطن اور روحانی نعمتوں کے جو اسرار ہیں اُن سے صاحبانِ نسبت حسبِ توفیق فائدہ اُٹھاتے رہے ہیں اور اس کتاب کو اگر غور و فکر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ ایسا ہی اثر کرتی ہے جیسے کوئی شخص حضرت کی خانقاہ میں چھ ماہ تک مسلسل حاضر رہ کر زیرِ تربیت رہا ہو۔

نوائد الفواد کی پہلی مجلس ۳ شعبان ۷۰۷ھ مطابق ۲۸ جنوری ۱۳۰۸ء اتوار کو قلعہ ہولی چھا در مانچو میں جلد کی ۲۲ ویں اور آخری مجلس ۲۰ شعبان ۷۲۲ھ / ۵ - ستمبر ۱۳۲۲ء اتوار کو لکھی گئی ہے۔ ۸۹۰۱۰ مجلسوں میں بعض طویل ہیں اور بعض بہت مختصر ہیں۔ التذو مجلسوں کے درمیان زمانی فاصلہ بھی زیادہ ہے مثلاً جلد اول کی ابتدائی مجالس عموماً جمعہ کے دن کی ہیں۔ آٹے تیل نہ مل پڑھا جاتا ہے۔ کبھی دو مجلسوں کے درمیان تین ماہ کا فاصلہ واقع ہو جاتا ہے۔ امیر حسن جب دہلی میں تھے وہ اندازاً ۱۰۰۰۰ سے حضرت نئی خانقاہ میں حاضر ہوتے تھے اور اس ۱۵ سال کی طویل مدت میں انھوں نے ہفت ہزاروں صفحات لکھے ہوں گے بعد کو ان صفحات سے منتخب حصے نکال کر انھیں نوائد الفواد میں شامل کیا۔ انھوں نے انتخاب میں اس کا خیال رکھا کہ مضامین کی تکرار نہ ہو اور ان میں تنوع اور تازگی مانی رہے۔ صرف وہی ملفوظات شامل کیے جائیں جن میں حضرت کے بزرگوں کا تذکرہ ہو آپ کے سوانحی حالات پر روشنی پڑتی ہو، شریعت و طریقت کے رموز و اسرار کی تشریح ہو، یا اس سے تصحیح عقائد کی غرض حاصل ہوتی ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی اہتمام کیا کہ حضرت کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں ابجاز و اختصار کے ساتھ اہم نکات کو پیش کر دیا جائے۔ محمد شاہ تغلق کے عہد حکومت میں جب دارالہکامہ دہلی سے دولت آباد (دیوگیر) کو منتقل ہوا (۷۲۷ھ / ۱۳۲۷ء) اور شاہی حکم سے ساری آبادی دہلی سے منتقل ہو گئی تو امیر حسن بھی دہلی کو خیر باد کہہ گئے ان کے سامان سفر میں ہی نوائد الفواد کے دو جلدات تھے جنہیں وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اپنی وفات سے قبل انھوں نے وصیت کی یا خود ایسی زندگی میں ایسا کیا ہوگا کہ ان مسودات کو ایک قبر میں دفن کیا گیا اور اس کے متعلق سن سبزی مذکور ہوئے یہ دونوں قبریں آج بھی دولت آباد میں اسی طرح موجود ہیں ایک قبر عرض میں چار فٹ اور اس سے بالکل متصل حسن دہلوی آسودہ خاک ہیں۔

اگر نوائد الفواد کے وہ ساری بے مسودات ہمارے زمانے تک پہنچ گئے ہوتے تو حضرت محبوب الہی کی مبارک زندگی اور پرکشش شخصیت کے بارے میں اور بھی ہزاروں نئی باتیں ہمیں پڑھنے کو مل سکتی تھیں۔

فوائد الفواد کی مقبولیت

فوائد الفواد ہر دور میں بے حد مقبول رہی اور اے حشری نظامی سلسلے کے اولیاء نے ہی نہیں بلکہ دوسرے سلاسل کے درویشوں نے بھی دستور العمل سمجھا ہے۔

ہر دور میں فوائد الفواد کی نقل اور کتابت بھی ہوتی رہی ہے اور اس کثرت نقل سے اس کی بعض

ردایتوں میں معمولی لفظی اختلافات بھی راہ پا گئے ہیں۔ لیکن شمالی ہندوستان میں پچھلے سات سو برسوں

میں اتنے سیاسی انقلابات آئے ہیں کہ بقول شاعر: چمن اڑ گئے آندھیاں آتے آتے۔ ہمیں اب

فوائد الفواد کا کوئی بہت قدیم نسخہ نہیں ملتا، جو نسخے دستیاب ہیں ان میں اکثر عہد محمد شاہی کے بعد کے ہیں۔

فوائد الفواد کے قلمی نسخے

(۱) کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد۔ قلمی فارسی فن تصوف نمبر ۱۸۷۳ د یہ غالباً سب سے قدیم

نسخہ ہے اس پر متعدد مہر بھی ثبت تھیں جو کسی بدتوفیق شخص نے مٹا دی ہیں۔ ایک مہر

پر الفاظ ”معتد خاں مرید شاہجہاں“ پڑھ جاتے ہیں۔

(۲) کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد۔ نمبر اندراج ۱۲۰ (فارسی) مکتوبہ ۱۱۶۱ م۔

مطابق ۶۱۷۸ھ

(۳) نیشنل میوزیم نئی دہلی۔ نمبر اندراج ۲۶۳/۷۲ مکتوبہ ۱۲۳۰ م/۶۱۸۰۵

(۴) ایضاً نمبر اندراج ۱۴۱۵ مکتوبہ ۱۲۴۵ م/۳۰ - ۶۱۸۲۹

(۵) ایضاً (ڈونک کلکشن) نمبر اندراج ۲۳۸۲ بلا تاریخ

ان کے علاوہ نیشنل میوزیم کراچی، ندوۃ العلماء لکھنؤ، اور مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں بھی قلمی نسخے موجود ہیں مگر کوئی بھی زیادہ قدیم نہیں ہے۔

لے مزید نسخوں کے لیے ملاحظہ ہوں: اسٹوری، ۱۹۵۳ء پرنسٹن لٹریچر رچھہ ۲ ص ۹۴۲ - ریو فہرست برٹش

میوزیم لندن جلد ۳/۷۴ - ۹۷۲ (۶۱۹۶۶)

بعض قدیم کتابوں میں فوائد الفواد کے حوالے سے جو باتیں لکھی گئی ہیں وہ اب ہمیں اس کتاب میں نظر نہیں آتیں اس کا یہ مطلب ہے کہ فوائد الفواد کی قدیم روایتوں میں اور موجودہ روایت میں مطالب اور موضوعات کا اختلاف بھی رہا ہے۔ مثال کے طور پر صبر السیر العارفين کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ غلوں کے ابتدائی عہد کی تالیف ہے اس میں شمس الدین بزاز کا ایک داقہ فوائد الفواد کے حوالے سے لکھا ہے مگر وہ کتاب میں نہیں ملتا۔ (سیر العارفين اردو ترجمہ ۱۳۵) اسی طرح سیر العارفين میں ہے "کتاب فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک رات میں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مقام پر بیٹھے اور وضو کرتے ہوئے خواب میں دیکھا، صبح کے وقت مولانا حسام الدین اس مقام پر پہنچے اور اس مقام کی زمین تر دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ بالضرور قبر میری اسی جگہ بنا دیں، چنانچہ اب تک قبر ان کی خطہ بدایوں کی اس زمین میں واقع ہے" (سیر العارفين اردو ترجمہ از غلام احمد منجھلی صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ خمس المطابع مراد آباد ۱۹۰۱ء)

سیر العارفين کا اردو ترجمہ محمد اثوب قادری مرحوم کا کیا ہوا مرکزی اردو بورڈ لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اس میں نان ثرید کی تفصیلت کے بارے میں فوائد الفواد کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے (صفحہ ۱۸۲) وہ فوائد الفواد میں بہت اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

نافع السالکین میں حضرت احمد پارسا کا ایک قصہ فوائد الفواد کے حوالے سے نقل ہوا ہے وہ اس کتاب میں نہیں ہے۔ اس طرح کی اور بھی کچھ مثالیں ملتی ہیں اور یہ اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ فوائد الفواد کے تمام معلوم قلمی نسخوں اور دوسری کتابوں کی مدد سے اس کا متن نہایت دیدہ و زیبی کے ساتھ مدون کرنے کی ضرورت ہے۔

فوائد الفواد کے مطبوعہ نسخے | گذشتہ سو سو برس میں فوائد الفواد کئی بار شائع بھی ہوئی ہے۔ اس کے چند ایڈیشن یہ ہیں۔

(۱) ۱۲۸۲ھ / ۶۶ - ۱۸۴۵ء مطبع حسنی دہلی باہتمام احمد حسن خاں

(۲) ۱۰ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ / ۴ - اگست ۱۸۴۵ء مطبع ہندوپریس دہلی باہتمام

(۳۱): رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ / اکتوبر ۱۹۰۸ء (بارچہارم) نو لکھنور لکھنؤ

(۳۲): ۱۳۱۳ھ / ۹۶ - ۱۸۹۵ء مسلم پریس دہلی، اردو ترجمہ از غلام احمد بریان اسے جناب مسلم احمد نظامی

نے "ارشاد محبوب" کے نام سے چھاپا ہے۔

(۳۵): ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف لاہور پاکستان اردو ترجمہ

از پروفیسر محمد سرور (صفحات ۴۹۰) اس سے پہلے محکمہ اوقاف نے ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء میں

فوائد الفواد کا فارسی متن جناب محمد لطیف ملک کا مرتب کیا ہوا بہت اہتمام سے شائع کیا تھا

اور اب تک شائع ہونے والے متون میں یہی سب سے اچھا ہے۔

(۴): ۱۹۷۸ء مدینہ پبلشنگ کمپنی جناح روڈ کراچی (صفحات ۳۹۴) اردو ترجمہ از غلام احمد

بریان، مع مقدمہ از شمس بریلوی

فوائد الفواد کے ترجمے کتاب اگر اس اہمیت کی ہو جیسی فوائد الفواد ہے کہ اس میں

شریعت و طریقت کے مسائل اور اسرار و دقائق کو نہایت دلنشین اور موثر پیرائے میں بیان کیا گیا ہے اور یہ

چشتی نظامی سلسلے سے وابستہ لاکھوں طالبان حق کا دستور العمل رہی ہے تو کسی دوسری زبان میں اس کے ترجمے کا معاملہ اور بھی نازک ہو جاتا

ہے یہاں مترجم کے لیے صرف فارسی زبان سے واقف ہونا اور اردو زبان میں اظہار پر قادر ہونا ہی کافی نہیں بلکہ تصوف اسلامی کی نظری اور

عملی واقفیت بھی درکار ہے اور شریعت اسلامیہ سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے اس کے علاوہ اگر وہ خود ایک باعمل درویش اور

صاحب نسبت و صاحب سلسلہ بھی ہو تو اس کتاب کے مطالب کو اور بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور سمجھا سکتا

ہے۔ ترجمے کی دشواریوں کو میں صرف چند مثالوں سے واضح کرنا چاہوں گا:

۱: فوائد الفواد جلد اول میں ۳ محرم الحرام ۷۰۸ھ کی مجلس: ۱۳ کی ایک عبارت کا ترجمہ پروفیسر محمد سرور

نے یوں کیا ہے: "متعدی طاعت وہ ہے کہ اس سے دوسرے کو منفعت اور راحت پہونچے۔ اتفاقاً خواہ

ازراہ شفقت۔ پھر جسے یہ راحت پہونچے وہ دوسرے پر لطف و کرم کرے اسے متعدی طاعت کہتے ہیں"

۲:۱ غلام احمد بریان نے اپنے ترجمے میں اس پوری مجلس کو چھوڑ دیا ہے۔ مجلس کا عنوان اور تاریخ تو موجود ہے مضمون ندارد ہے۔

۳:۱ محمد لطیف ملک کے مرتب کردہ متن میں اصل فارسی عبارت یوں ہے:

”اتما طاعت متعذیہ آنست کہ از منفعتی دراحتی بدیگری رسد باتفاق و اشتقاق و بدیچہ دسترس شود

لطف در حق بغیری کند، آن را طاعت متعذیہ گویند“ (فارسی متن : ۲۱)

اس عبارت میں لفظ ”اتفاق“ غلط ہے، صحیح اتفاق ہے بمعنی خرچ کرنا، اور ترجمہ یوں ہوگا:

”لیکن متعدی عبادت وہ ہے کہ اُس سے دوسرے کو فائدہ یا راحت ملے، خواہ خرچ کرنے سے یا شفقت کرنے سے۔ اور جو کچھ بھی میسر ہو اُس سے دوسروں کے حق میں بھلائی کرے، اسے طاعت متعذیہ کہتے ہیں۔“
”اس مثال سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ایک نقطے کے فرق سے ترجمہ کیا سے کیا ہو گیا۔

دوسری مثال اس سے اگلی چودھویں مجلس میں ہے: ”سخن در ولایت و ولایت افتاد، بی فرمودند کہ شیخ را ہم ولایت باشند ہم ولایت۔ ولایت آنست چوں تا نب خود و طاعت کند ہر آئینہ از طاعت با ذوق گیر ممکن آنست کہ مریدان را بخدا رسانند و آداب طریقت تعلیم فرماید“ (ص ۲۲) متن کے مرتب نے حاشیے میں یہ اظہار بھی کر دیا ہے کہ نسخہ ۱۰۰۰ میں الفاظ ”چوں تا نب خود و طاعت کند ہر آئینہ از طاعت با ذوق گیر ممکن آنست“ موجود نہیں ہیں، پھر بھی انھوں نے اس جملے کو متن میں شامل رکھا، حالانکہ سیاق و سباق سے ان الفاظ کا کوئی علاقہ نہیں یہ پہلی مجلس کے الفاظ ہیں جو لاہور کے مطبعہ فارسی متن میں صفحہ ۲ سطر ۹۔۱۰ پر آئے ہیں اور یہاں ۴۱ ویں مجلس میں کسی ناقل کی غلطی سے شامل ہو گئے ہیں۔ پروفیسر محمد سرور اور غلام احمد بریان دونوں نے عبارت کے بے جوڑ ہونے پر غور نہیں کیا، اور ترجمہ کر دیا۔ بریان والا ترجمہ تو غلط اور ناقص بھی ہے۔

۲: پندرہویں مجلس میں ایک فقرہ کا ترجمہ پروفیسر محمد سرور نے یوں کیا ہے: ”خواجہ علی کے یہ کہنے

کے بعد پھر انھوں نے جو یہ بات کہی تھی کیا اس میں گستاخی کا عمل دخل تھا؟ فرمایا: بے شک، وہ ذرا جوڑے ہوئے تھے لہذا اس دولت کو بھی کھو بیٹھے۔ (سرور: ۷۰)

۱:۲ جناب غلام احمد بریان کا ترجمہ یہ ہے: انھوں نے یہ سن کر جواب دیا کہ آگے آؤ اور غائب ہو گئے خواجہ علی نے اُن کو نہ دیکھا اور نہ بعد اس واقعے کے بعد کبھی آواز آئی۔ بندہ نے عرض کیا کہ خواجہ علی نے گستاخی کی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک گستاخی کی تھی۔ اور اسی وجہ سے وہ اس دولت سے بھی محروم رہے۔ (ترجمہ بریان: ۷۵-۷۶)

۲:۲ فارسی متن کی اصل عبارت یہ ہے: ”بعد ازان کہ این سخن بگفت پیش ازان آواز ہم نہ شنید درین میان بندہ عرض داشت کرد: مگر خواجہ علی اُن سخن کہ گفت گستاخی کرد؟ فرمود کہ آری بدن انبساطے کہ کرد ازان دولت ہم محروم ماند۔“ (ص ۲۵)

اب غور کیجیے کہ سرور نے ”بدن انبساطے کہ کرد“ کا ترجمہ کیا ہے: ”وہ ذرا چوڑے ہوئے تھے“، اور یہاں خود امیر حسن اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ بندے نے عرض کیا، تو اُس کا ترجمہ ہی ندارد ہے۔ حالانکہ متن بالکل واضح تھا۔ بریان کے ترجمے میں یہ الفاظ کہ ”ذرا آگے آؤ“، متن سے کہیں مستفاد نہیں ہونے انھوں نے اس سادے سے جملے کو خبط کر دیا ہے کہ این ”سخن بگفت پیش ازان آواز ہم نہ شنید“ یہاں بھی متن میں ایک نقطے کی فرد گزاشت ہے کہ ”پیش“ کی جگہ ”میش ہونا چاہیے۔ عبارت کا سیدھا سا دھا ترجمہ وہ ہے جو اس کتاب میں ملے گا۔ انبساط کا مفہوم شوخی یا چہل ہے۔

۳: سولہویں مجلس کے آخری فقرے کا ترجمہ غلام احمد بریان نے یوں کیا ہے: پس اگر اس حالت کے لائق ہونے پر بھی توبہ نہ کی اور عذر تقصیر نہ کیا درجہ تسلی میں جا پڑے گا یعنی دوست اس کی جدائی پر دل دھرے گا۔ (شمس ص ۷۷)

۱:۳ پروفیسر محمد سرور نے اس میں ایک فقرے کا ترجمہ یوں کیا: یعنی اس کے دوست کا دل اُسے اس کی جدائی پر مطمئن کرنے کا (سرور ص ۷۲)۔
۳:۳ فارسی متن میں یوں ہے: پس اگر اینجا ہم در توبہ تقصیرے رود بعد ازان تسلی شود۔ تسلی چہ باشد؟ یعنی دوست اُدا بر جدائی اودل بیاراید۔ (متن ص ۷۷)

۳، میں بھی تل اُٹ پھاڑ والا معاملہ ہے۔ یہاں ”بیارید“ کی جگہ ”بیارید چاہیے۔ بریان نے درتو بہ تعبیرے رد“ جیسے سادہ سے جملے کا ترجمہ بھی درست نہ کیا۔

یہ مثالیں بہت طویل اور کثیر ہو سکتی ہیں میں نے ابتدائی اور ان سے صرف دو میں نمونے یہ ظاہر کرنے کو نقل کیے ہیں کہ ترجمہ کتنا دشوار کام ہے اور فوائد الفواد کے جو تراجم ہوئے ہیں ان میں کس نوعیت کی غلطیاں دانستہ یا نادانستہ سرایت کر گئی ہیں۔ چند اور باتوں کی طرف اختصار کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے زیر نظر ترجمے کی نمایاں خصوصیات کا تذکرہ کر دوں گا۔ ذیل کے اشارات میں پہلا نمبر فوائد الفواد کی جلد کا اردو دسر مجلس کا ہے [

۱: ۳۱ » فرمود کہ غائب جمع رغیب است یعنی چیز ہائے بسیار است در شب ”یہ اصل میں خبر ہائے بسیار ہونا چاہیے۔ اسی پیرا کے آخر میں ہے ”آن سال تمام نرلیست۔ سیاق کا تقاضا یہ ہے کہ ”آن سال تمام نرلیست۔ یعنی اُس پورے سال وہ زندہ رہا (جس دن غروب آفتاب کے بعد نیا سال شروع ہوتا اُس کے آغاز سے قبل ہی انتقال کیا)

۱: ۲۵ » این سخن بر خاطر گرامی ایشان گران آمد ساعتی شد بر لفظ مبارک راند ”یہاں ساعتی شد کی جگہ ”ساکت شد“ کا محل ہے۔

۱: ۲۵ فارسی متن میں ایک فقرہ یوں ہے: »گداے مردہ مردہ گیر« (مطبوعہ متن ہم) اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم تو گداے مردہ ہو خود کو مردہ ہی سمجھو، سرور نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ”مردہ فقیر کو مردہ ہی جان اور پھر یہ بھی دیکھ کہ مبادا یہ بدنامی کسی کے سر تھوپ دی جائے“، اس کو ایک حد تک درست مانا جاسکتا ہے، مگر بریان نے عبارت کی طرف سے آنکھیں موند کر جو دل چاہا لکھ دیا فرماتے ہیں: »اس خیال کے آتے ہی پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ بہت بڑی بدنامی ہوگی اور یہ امر طسرتی درویشی سے بعید ہے“ (بریان: ۹۰)

نظامی صاحب کا ترجمہ بالکل متن کے مطابق ہے: »پھر میں نے تامل کیا اور اپنے آپ کے کہا کہ تم تو گداے مردہ ہو اپنے آپ کو مردہ ہی سمجھو۔ مگر یہ بدنامی کسی اور پر نہ آجائے: اسی مجلس میں آگے

یہ عبارت ہے: ”خدمت شیخ محمد سپر خیز را بطلب من مرستاد :- اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے شیخ کے کسی فرزند کا نام محمد نہ تھا۔ سب سے چھوٹے بیٹے محمد قیوب تھے۔ اہل بیت یعنی شیخ نجیب الدین متوکل کے بیٹے کا نام محمد تھا۔ اور ایک آپ کے پوتے بھی محمد تھے جن کی غریب ممت بھی: غور طلب یہ ہے کہ یہاں کون مراد ہے؟

۲۸:۱ مطبوعہ فارسی متن ہے: ”از جانب تو نیز استعدادے وفا بیعتی باید و نیز من از آن خود می کنم :-“ (ص ۵۲)

ترجمہ محمد سرور: ”نیز میں کوئی خود ا۔ بنے پاس سے تھوڑا ہی دینا ہوں (ص ۹۶) کسی حد تک درست ہے۔ برہان کہتے ہیں: ”اور کسی کو میں اپنی جانب سے تھوڑی دیتا ہوں۔“ (ص ۹۶) نظامی: ”نیز کیا میں خود کرتا ہوں؟“ (مجلس ۲۸) یہاں متن اس طرح درست ہے: ”و نہ من از آن خود می کنم (اور نہ میں اپنے پاس سے دیتا ہوں)۔“

۱:۲ من در میان شان نخواہم بود (۷۰) یہاں در میان شمایان ہونا چاہیئے اور اسی سے ترجمہ درست ہوگا۔

۳:۳ دوسری جلد کی چوتھی مجلس میں ہے: ”از احوال او حکایت می فرمود کہ مرد نیک بود اخلاق نیکو داشت و اتفاق نیز :-“ (ص ۷۴)

سرور: ”اُس کے حالات بیان کر رہے تھے آپ نے فرمایا: وہ نیک آدمی تھا، اچھے اخلاق کا مالک تھا اور اتفاق تھا۔“ (۱۳۱)

برہان: ۱۳۶ ”متوفی کے حالات بیان فرما رہے تھے کہ مرنے والا نیک شخص تھا۔ اس کا اخلاق اچھا تھا ملتسا تھا اور دنیا کے نیک و بد سے کچھ کام نہ تھا۔“

یہاں متن میں اتفاق نہیں ”اتفاق“ ہے اور مراد یہ ہے کہ نیک کاموں میں خرچ بھی کرتے تھے۔ نظامی صاحب کا ترجمہ درست ہے۔

۵:۲ » مرا گفتینہا بسیار گشت « (۸۱-۸۰) یہاں » ناگفتینہا « ہونا چاہیے اور نظامی متن کا ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

۴:۳ » سراج الدین لقب مردے بود ساکن قصبۃ البوہر۔ وقتے من آن جا رسید و در فائے اود نرول کردم۔ اود قوم اود ہر دو بند مت شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز ارادت آرد و ہر دو بند (۹۶) ترجمہ سرور: » ایک شخص تھا جس کا لقب سراج الدین تھا اور وہ ابوہرکار بنے والا تھا جس روز میں ابوہر پہونچا تو اُس کے گھر ٹھہر: وہ اور اُس کے عزیزہ افارب ہر دو شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے عقیدت دار ارادت رکھتے تھے۔ « (۱۴۳) »

ترجمہ بریان: ۱۳۵ » شیخ سراج الدین ساکن ابوہر ایک بزرگ شخص تھے شیخ الاسلام فرید الدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ سے اُن کو شرف بیعت حاصل تھا اور اس گانو کے کئی آدمی حضرت سے بیعت تھے یہاں جو لفظ » قوم اود « استعمال ہوا ہے وہ بیوی کے لیے ہے اور صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ اور اُن کی بیوی دونوں... نظامی صاحب کا ترجمہ درست ہے۔

۱۸:۲ یہاں متن میں غلطی سے » اللہ المعافی «، چھپا ہے اور کسی مترجم نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ اللہ المعافی ہونا چاہیے۔ نظامی صاحب نے اپنے ترجمے میں اس غلطی کی اصلاح کر دی ہے۔

۲۱:۲ » بسیار مسلمانان بدست ہندوان کشتہ شدند « (۱۱۴) اس موقع پر اور اسی طرح صفحہ ۱۳۹ (متن فارسی) بند دے مراد اہل ہند نہیں ہے، فارسی میں » بندو « کا مفہوم بٹ مار ہے جیسے حافظ نے کہا ہے: بخال بند دش بخشم سمرقند و بخارا۔ البتہ متن فارسی کے صفحہ ۲۰۱ و ۲۰۵ پر یہ لفظ اخصی عنوں میں استعمال ہوا ہے جن سے ہم آشنا ہیں۔ ایسے مواقع پر ترجمے کی بد اعتیاد غلط فہمیاں پیدا کر دیتی ہے۔ فارسی لفظ بندو کا ہمارے مستعمل لفظ سے مماثل ہونا محض اتفاق ہے۔

۹:۳ » روزے این مشرت سخنے گفت، مولانا رضی الدین تبسمی کرد، مشرت دوات جانب اود فرستاد اود مشرت شد بدو ترسید « (۱۷۹)

ترجمہ سرور : ۲۲۷ » ایک روزیوں ہوا کہ اُس مشرف نے کوئی بات کی جس پر مولانا رضی الدین مسکرا دیے مشرف نے اُن پر دوات کھینچ ماری، انھوں نے منہ موڑ لیا اور مشرف سے گھبرانے لگے۔

ترجمہ بریان : ایک روز کچھ گفتگو ہو گئی، مشرف نے کچھ بیان کیا آپ نے سن کر تبسم فرمایا، مشرف نے کہا کہ اس کا فیصلہ کر لیجیے، یہ کہہ کر دوات آپ کے پاس بھیجی کہ سوال لکھ دیجیے۔ آپ کو بُرا معلوم ہوا اور اُس جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ (۲۰۰)

نہایت غلط اور سن مانا ترجمہ ہے۔ سرور تو یہ نہ سمجھے کہ مشن میں » بدو ترسید« میں ایک نقطہ زائد لگ گیا ہے » بدو نہ رسید« ہونا چاہیے اور بریان نے » دوات بدو فرستاد« کا مطلب سمجھا۔ سیدھا سا ترجمہ یہ ہے کہ » ایک روز اُس مشرف نے کوئی بات کہی، مولانا رضی الدین مسکرا دیے مشرف نے اُن پر دوات کھینچ ماری، یہ ذرا ترچھے ہو گئے، دوات ان کے لگی نہیں۔«

اس سے اگلی سطر میں پیش ازیں کی جگہ بھی » بیش ازیں« (اس سے زیادہ) ہونا چاہیے۔ نظامی صاحب نے صحیح ترجمہ کیا ہے۔

۱۹: ۴ » من نریارت اُد بَرُوم و ہم در شہر نباشم« (۲۳۳)

یہاں محل یہ ہے کہ حضرت کے استاذ کا انتقال ہوا ہے آپ اُن کی مجلسِ سوم میں شرکت کے لیے غیاث پور سے شہرِ دہلی (سیری) تشریف لے جا رہے ہیں اور اُس زمانے میں غیاث پور کیلو کھیری کا علاقہ اُمراء کی عیاشیوں کا مرکز بنا ہوا ہے، آپ یہ نیت کر رہے ہیں کہ اب فاتحِ سوم کے لیے جاؤں گا تو وہیں شہر میں رہ پڑوں گا غیاث پور واپس نہ آؤں گا۔ یہ مفہوم حاصل کرنے کے لیے نباشم کو بباشم پڑھنا ہوگا۔ دوسرے مترجمین کے مقابلے میں یہاں بھی نظامی صاحب کا ترجمہ قرینِ صحت ہے۔

غیاث پور کے ہی ذکر میں یہ عبارت ہے: » من سیج دقت غیاث پور را ندیدہ بودم و نہی دانستم کہ غیاث پور کجا ست، چون این آواز شنیدم برد دستِ رفتم آن دوست را نقیبی بود و نیشا پور«

(۲۴۲) اسی عبارت نے اب تک ہر موصوف اور تذکرہ نگار کو مغایع میں رکھا ہے نقیب نیشاپوری نام ہو سکتا ہے مگر عبارت کہتی ہے کہ اُس نقیب کا ایک دوست تھا نیشاپوری۔ اب اس کا ترجمہ کرنے والوں نے بھی غلط کرکھا ہے۔ مثلاً محمد سرور: ۲۸۹ اس کا ایک رازدار تھا جو نیشاپور کا رہنے والا تھا۔ ترجمہ بریان: ۲۵۰: ایک دوست کے گھر کو گیا جس کو نقیب نیشاپوری کہتے تھے: نظامی صاحب کو بھی اس کا غلط ہوا انھیں کیا خود مجھے بھی بار بار غور کرنے کے باوجود اس کا مفہوم سمجھ میں نہ آیا، چنانچہ ذہن میں یہ بات آئی کہ عبارت یوں ہے: ”اُن دوست کا نقیب بود نیشاپوری“ یعنی میں ایک دوست کے گھر گیا جس کا نقیب نیشاپوری تھا اس سے وہ گنجلک دور ہو گئی۔

۳۶: ۴ اس مجلس میں شیخ احمد کا نام آتا ہے جنھیں مشن میں شیخ احمد نبردانی کہا گئے اور سب اسی طرح لکھتے رہے ہیں، لیکن یہ نسبت دینی نبردالہ کی طرف ہے۔ اس نام کا ایک قصبہ پنجاب میں بھی ہے اور گجرات میں بھی وجودہ شہر پٹن کا پرانا نام نبردالہ تھا۔ شیخ احمد کی نسبت گجرات والے نبردالہ کی طرف ہے اور اسے نبردالی ہونا چاہیئے۔

۴۴: ۴ ”دقتی من از خدمت شیخ... خرقہ یافتہ از کلیم خرقہ چشتی دآن بنوز با من بست۔“
ترجمہ سرور: ۳۶ ”فرمایا جب مجھے شیخ... سے خرقہ ملا یہ کلیم دکنس چشتی سلسلے کا خرقہ تھا۔“
بریان: ۳۰۷ ”مجھے حضرت شیخ... نے ایک کلیم عطا فرمایا تھا۔ جواب تک میرے پاس موجود ہے یہاں چشتی کی تجنیس غلطی نے مفصلے میں ڈال دیا، صحیح متن یوں ہے: ”خرقہ یافتہ از کلیم خرقہ چشتی“
فحش بمعنی موٹا، کھردرا۔

ان چند مثالوں کے یہاں درج کرنے سے مدعا یہ ہے کہ کتاب میں اصل اہمیت الفاظ کی ہوتی ہے باقی سب ثانوی باتیں ہیں، کسی کتاب کا ترجمہ کرتے ہوئے یا کسی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے الفاظ کے دائرے سے باہر نکل کر سوچنا ہمیشہ غلطی کا سبب بنتا ہے۔ مذہبی اور اصولی کتابوں میں الفاظ کی رعایت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب کے ترجمہ فوائد الفواد کو میں پچھلے تراجم سے بہت کچھ رہا ہوں اور اس دعوے کی دلیلیں کچھ تودہ ہیں جو اوپر بیان کی گئیں اور چند اضافی خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) وہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کے نواسے اور حضرت بدیع الدین اعظمی

علیہ الرحمۃ کی اولاد میں، شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کے لائق فرزند اور جہانگیر
میں، سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی نسبت اُن کے گھر کی چیر ہے اس لیے فوائد الفواد کے اسرارِ دمعانی کی
لطاقتوں کو ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے؟

(۲) وہ خود ایک باعمل درویش ہیں، اور اُن کے ہاتھوں سے یہ نعمت ہزار بندگانِ خدا کو پہنچ
رہی ہے اس زمانے میں شاید ہی کسی بزرگ نے ایسے سلیقے اور اتنے حُرم و احتیاط اور دیانت
سلسلہ کی پاسداری کے ساتھ چشتی نسبت کو شائع کیا ہو جیسا اللہ تعالیٰ اُن کے فیض سے عام
کر رہا ہے

(۳) برسوں سے اُن کا معمول ہے کہ فوائد الفواد اور سیرالادبیاء سفر و حضر میں اُن کی رفق رہتی ہیں
اور خواہ ایک دو صفحات ہی مطالعہ کریں مگر روزانہ کام مطالعہ کرتے ہی حتیٰ کہ اُس کی مجالس کے مفایم
’انھیں تقریباً حفظ ہو گئے ہیں اور اُن کی تقریر و تحریر میں بھی اکثر و بیشتر اُن کتابوں کے حوالے ضرور آ جاتے
ہیں۔ اس تعلق خاطر نے اور مطالعے کی کثرت نے فوائد الفواد کے مضامین پر انھیں اتنا حاوی کر دیا ہے
کہ اُس کی فارسی جو پہلے بھی زیادہ مشکل نہ تھی اُن کے لیے اردو کی طرح سہل اور سُرل ہو گئی ہے۔

(۴) اگر میں یہ کہوں کہ وہ فارسی کے باقاعدہ ”عالم“ ہیں تو یہ مبالغہ ہو گا مگر اتنا بے تکلف
کہہ سکتا ہوں کہ اُن کی تعلیم اُس زمانے میں ہوئی جب فارسی کا آب و دامن اس ملک میں ٹھوڑا بہت
باقی تھا۔ اور ایسے اساتذہ موجود تھے جن کی محبت سے علم کا رسوخ حاصل ہوتا تھا۔ اس لیے انھوں
نے جتنی فارسی پڑھی ہے اُس میں کہیں جھول نہیں ہے۔ سب سے بڑی اور قابلِ تعریف بات
جو ایک عالم کی پہچان ہے وہ یہ کہ وہ ہمہ وقت سیکھنے کے لیے آج بھی آمادہ رہتے ہیں اُن کا ذہن
جدید ہے رنگ خوردہ نہیں اس لیے وہ غیر مانوس خیالات سے بھڑکتے نہیں اور اُن کی تہ تک پہنچنے
کی کوشش کرتے ہیں۔

(۵) جس زبان سے ترجمہ ہو رہا ہو اُس سے زیادہ قدرت و بہارت کی ضرورت اُس زبان میں
ہوتی ہے جس میں ترجمہ کیا جائے۔ اردو کے لیے کہنا ہی کیا ہے، بطح کے بچے کو تیرنا کون سکھاتا ہے؟

وہ حضرت خواجہ حسن نظامی کے بیٹے میں یہی اُن کی سب سے بڑی اُردو کی سند ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا اُسلوبِ نثر بہت شیریں اور دلنواز ہے وہ اس طرح لکھتے ہیں کہ کہیں اُردو یا تکلف کا نام نہیں ملتا۔ حسن ثانی نظامی صاحب نے خواجہ صاحب کے اُسلوب کی کامیاب پیروی کی ہے۔ وہ آسان زبان لکھتے ہیں۔ سامنے کے الفاظ سے کام لیتے ہیں۔ عبارت کو بوجھل نہیں بناتے اُس کے آہنگ اور ترنم کا لحاظ رکھتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں بھی ایک لے قائم کر دیتے ہیں، یہ خوبیاں اس ترجمے کی عبارت میں بھی موجود ہیں۔

(۶) بعض مواقع پر آپ کو یہ احساس ہوگا کہ کوئی لفظ ذرا بھاری آگیا اور اُس سے زیادہ آسان یا عام استعمال کا لفظ موجود تھا، تو اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے ازراہ عقیدت یہ کوشش کی ہے کہ اصل متن کے جو الفاظ اردو میں رائج ہیں اور سمجھے جاسکتے ہیں اُنھیں حتی الوسع جوں کا توں باقی رکھا جائے کیونکہ یہ حضرت محبوب الہی کی زبانِ مبارک سے نکلا ہوا لفظ ہے۔ لیکن اس اہتمام سے ترجمے میں کسی طرح کا نقص واقع نہیں ہونے دیا ہے۔

فوائد الفوائد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ سیکڑوں سال سے بزرگوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ اگر یہ کتاب بیمار کو سنائی جائے یا کوئی اپنی کسی حاجت کے پورا ہونے کی نیت سے اس کو نقل کرے تو ابھی کتاب کی قرأت یا نقل تمام نہیں ہوگی کہ بیمار شفا پا کر ہو جائے گا اور جو اُس کی جائز حاجت ہے وہ ان شاء اللہ پوری ہوگی۔ مجھے حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی مدظلہ العالی نے اس کتاب پر مقدمہ لکھنے کا حکم دیا تو اپنی نااہلی اور بے بضاعتی کے باوجود میں نے اسے دین و دنیا کی سعادت سمجھ کر قبول کیا ہے اور امید کرتا ہوں جتنی دیر میرا قلم حضرت محبوب الہی کے پاکیزہ حالات اور موقوفات لکھنے میں مشغول رہا ہے وہ لمحاتِ زندگی کا سب سے اچھا مصروف تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی کا فیضان جاری رکھے اُنھیں اور اُن کے مخلصین کو بھی علمِ نافع اور عملِ مقبول روزی کرے۔

آمین ثم آمین - جمعہ ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ - ۱۹۰۷ء
دہلی یونیورسٹی دہلی ۳ فروری ۱۹۰۹ء
نثار احمد فاروقی ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ غیبی ہیرے موتی اور لاریبی پھول خواجہ راستین، لقب یافتہ دوما ارسلانک الا
رحمۃ للعالمین، فقیروں اور مسکینوں کے بادشاہ شیخ نظام الحق والشرع والدین متع اللہ المسکین
بطول بقایہ آمین کے خزانہ تلقین اور نہاں خانہ یقین سے جمع کیے جاتے ہیں۔ اور جو کچھ
اس شمع محفل ملکوت سے کانوں تک پہنچا جاوے وہ حضرت کا عین لفظ مبارک ہو یا اس
کے معانی اسے اپنی محدود سمجھ کے موافق لکھ لیا۔ اور چونکہ اس مجموعے سے دردمندوں
کے دل بہت فائدے اٹھائیں گے۔ اسلئے اس کا نام فوائد الفواد (دلوں کے فائدے) رکھا
ہے اور اللہ ہی مدد کرنے والا ہے۔ اور اسی پر بھروسہ ہے۔

پہلی مجلس

اتوار ماہ شعبان (اس کی برکتیں عام ہوں) کی تیسری تاریخ سات سو سات ہجری
(۱۷۷۷ھ) پر وردگار کی رحمت کے امیدوار بندہ گناہ گار حسن علا سحری کو جو اس تلقین کا
لکھنے والا اور ان معانی کا جمع کرنے والا ہے۔

۱۔ اُس عالم اور جہان کے پھول جس پر کوئی شبہ نہیں ہے۔

۲۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر عالمین کے لیے رحمت بنا کر۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ان کی درازی عمر سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے۔

۴۔ محسوس اور موجود نظر آنے والا عالم ناسوت کہلاتا ہے۔ اس کے بطون کو ملکوت کہتے ہیں۔

اس شاہ فلک جاہ، ملک دست گاہ کی قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی اسی وقت اس آفتاب روشن ضمیری کے قطب کی بے نظیر نظر کے فیض سے اس کے باطن نے چہار طین کی آلائش کا ترک اختیار کیا اور اس کے سر کو اس ناصیہ اصفیا کی کلاہ چہار ترکی سے زینت ملی الحمد للہ علیٰ ذالک

اس روز فرض نمازوں اور چاشت کی نماز، اور چھ رکعت بعد نماز مغرب اور ایام بیض کے روزوں کی تاکید کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ تائب متقی کے برابر ہے۔ کیونکہ متقی تو وہ ہوتا ہے کہ مثلاً اس نے ساری عمر بھی شراب نہ پی ہو یا اور کوئی گناہ اس سے نہ ہوا ہو۔ اور تائب وہ ہوتا ہے کہ گناہ کیا اور پھر توبہ کر لی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دونوں اس حدیث کے مطابق برابر ہیں کہ 'التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ' گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں، یہ تشریح بھی اسی ضمن میں فرمائی کہ جس نے گناہ کیا اور گناہ سے خوب ذوق پایا جب (وہ) توبہ کرتا ہے اور طاعت کرتا ہے تو اس طاعت میں بھی خوب ذوق پاتا ہے۔ اور (علین) مکن ہے کہ اس راحت کا ایک ذرہ جو اسے طاعت میں حاصل ہوا، وہ ذرہ گناہوں کے کھلیان کے کھلیان جلا ڈالے !

پھر ذکر یہ آیا کہ مردان خدا خود کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ انہیں ظاہر کر دیتا ہے زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ خواجہ ابوالحسن نوری اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھرے۔ مناہا میں کہا کرتے تھے کہ الہی ! مجھے اپنے شہروں میں اپنے بہدوں کے درمیان چھپالے۔ انھوں نے ایک ہاتھ سے آواز سنی کہ

لہ ناصیہ اصفیا۔ اصفیا کی پیشانی تشبیہ حضرت محبوب الہیؐ کے چہرہ مبارک کے لیے ہے جیسے انہی چہرے پر پیشانی نمایاں ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت کی حیثیت اصفیا کے لیے پیشانی کی تھی ہے۔

اے ابوالحسن! الحق لایترہ شیء یعنی حق کو کوئی چیز نہیں چھپاتی۔ اور حق ہرگز پوشیدہ نہیں رہتا! اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ خطہ ناگور میں ایک بزرگ تھے۔ انھیں حمید الدین سوائی کہتے تھے۔ علیہ الرحمۃ والغفران۔ ان سے سوال کیا گیا کہ مشائخ میں سے بعض انتقال کر جاتے ہیں اور ان کے انتقال کے بعد کوئی ان کا نام (بھی) نہیں لیتا اور بعض جب انتقال کر جاتے ہیں (تو) ان کا نام اور شہرت دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جاتے ہیں۔ احوال کا یہ فرق کیسے ہوتا ہے؟ جواب دیا کہ جو زندگی میں اپنے اشتہار کی کوشش کرتے ہیں۔ وفات کے بعد ان کا نام اور شہرت مٹ جاتے ہیں۔ اور جو زندگی کے زمانے میں خود کو پوشیدہ رکھتے ہیں وفات کے بعد ان کا نام اور شہرت سارے جہان میں پہنچ جاتے ہیں۔

پھر مشائخ کبار اور ابدال پران کے ترقی درجات کا ذکر آیا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک شخص حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کی خانقاہ میں آیا۔ اس نے کسی کو دیکھا کہ ہاتھ پیر ٹوٹے ہوئے اور خراب (حال) خانقاہ کے دروازے پر آ پڑا ہے یہ شخص شیخ کی خدمت میں گیا۔ اور اس دروازے پر پڑے ہوئے آدمی کا حال سنا کر دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے فرمایا خانوش رہو! اس نے بے ادبی کی ہے۔ اس آنے والے نے پوچھا کہ اس نے کیا بے ادبی کی ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ وہ ابدالوں میں سے ایک ہے۔ کل وہ لوگ اپنے دوسرے دو ساتھیوں کے ساتھ اس قوت پر واز سے جو ابدالوں کو حاصل ہے ہو! میں اڑ رہے تھے۔ جب اس خانقاہ پر پہنچے تو ان کا ایک ساتھی تو خانقاہ سے ہٹ کر ادب سے داہنی طرف ہو کر گزر گیا۔ دوسرا ساتھی بھی خانقاہ کی بائیں جانب سے نکل گیا۔ یہ چاہتا تھا کہ بے ادبی کے ساتھ خانقاہ کے اوپر سے گزرے (چنانچہ) گر پڑا! یہ معافی بھی اسی سلسلے میں بیان فرماتے۔ پیر کے ادب کا دھیان رکھنے اور اس کے سامنے اچھا جواب دینے کے بارے میں زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ خواجہ جنید بغدادی

قدس اللہ سرہ العزیز ایک دفعہ عید کی رات کو اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ اور چار اشخاص مردانِ غیب میں سے ان کی خدمت میں حاضر تھے (حضرت نے ہاں میں سے ایک کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ تم کل عید کی نماز کہاں پڑھو گے؟ اس مرد نے کہا کہ مبارک میں! اس کے بعد دوسرے سے پوچھا کہ تم کہاں ادا کرو گے؟ وہ مرد بولا کہ مدینہ معظمہ میں! اس کے بعد تیسرے سے دریافت کیا کہ تم کہاں پڑھو گے؟ اس نے جواب دیا کہ بیت المقدس میں! پھر چوتھے سے پوچھا کہ تم کہاں ادا کرو گے؟ وہ آداب بجالایا اور عرض کی بغداد ہی میں! اپنے خواجہ کے ساتھ! خواجہ نے اس کے بارے میں اس طرح فرمایا تو ان سب سے زیادہ زاہد بے عالم ہے اور افضل ہے!

پھر تنزیہیے کا ذکر نکلا۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ مرد کا کمال چار چیزوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کم کھانا۔ کم بولنا۔ کم سونا اور لوگوں سے کم ملنا جلنا! پھر جدوجہاد کی بات آئی۔ بندے نے یہ دو شعر حضرت کی زبان گوہر بار سے سینے۔

(ترجمہ) دین کی ہدایت اگرچہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے (لیکن) کوشش بندے کو بھی کرنی چاہیے وہ نامرد اعمال جو حشر میں تمہیں پڑھنا ہے۔ اس کی مشق یہیں سے کر لینی چاہیے۔

دوسری مجلس

اسی سال ماہ مبارک شعبان کی آٹھویں (تاریخ) جمعے کو نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ بندے کے پاس ایک غلام تھا طلیح نام، اس کو مرید ہونے کے شکرانے میں ساتھ لایا تھا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر کی نظر کے سامنے اسے آزاد کر دیا دعائے خیر فرمائی! اسی وقت اسی غلام نے اپنا سر مخدوم عالمیان کے قدموں میں رکھ دیا اور بیعت کے شرف سے مشرف ہوا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک

اسی موقع پر خواجہ اداۃ اللہ برکاتہ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ اس راہ میں غلامی اور خواجگی درمیان میں نہیں ہے۔ جو بھی عالم محبت میں کھرا اترتا ہے۔ اس کا کام بن جاتا ہے۔ اس گفتگو کے دوران فرمایا کہ غرین میں ایک پیر تھے۔ ان کا ایک غلام تھا۔ زیرک نام۔ اور یہ زیرک حد درجہ صدق و صلاحیت رکھتا تھا۔ جب ان بزرگوار پیر کا آخر وقت آیا تو مریدوں نے پوچھا کہ آپ کی جگہ کون بیٹھے گا؟ بولے زیرک! اور ان پیر کے چار بیٹے تھے۔ ہوشیار اور صاحب اختیار زیرک نے عرض کی۔ اے خواجہ مجھے آپ کے بیٹے چھوڑیں گے تھوڑی کہ آپ کی جگہ بیٹھوں۔ وہ ضرور مجھ سے جھگڑا کریں گے۔ پیر بولے تو خاطر جمع رکھا! اگر انھوں تیرے ساتھ دشمنی کی تو میں ان کے شر کو تجھ سے دور کروں گا! الغرض جب پیر رحمت حق کے جوار میں پہنچ گئے تو زیرک خواجہ کی جگہ پر بیٹھا۔ پیر کے بیٹوں نے خصومت شروع کی کہ تو ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ تیری کیا مجال کہ ہمارے باپ کی جگہ پر بیٹھے! جب ان کا عناد بہت بڑھا تو زیرک پیر کے روٹنے پر آیا اور عرض کی کہ اے خواجہ آپ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے بیٹے تیری مزاحمت کریں گے تو میں ان کے شر کو تجھ سے دفع کروں گا۔ اب وہ مجھے ایذا پہنچانے کے درپے ہیں۔ آپ کو اپنا وعدہ وفا کرنا چاہیے۔ یہ عرض کیا اور اپنی جگہ واپس آگیا۔ اس کے چند ہی روز بعد کافر غرین کے نواح پر حملہ آور ہوئے۔ مخلوق ان سے لڑنے باہر نکلی۔ پیر کے چاروں بیٹے بھی ان کے ساتھ نکلے اور جنگ میں شریک ہوئے۔ چاروں نے شہادت پائی۔ اور وہ جگہ بلا مزاحمت زیرک کے لیے مقرر ہو گئی۔

تلیح مذکور کو اس کے مرید ہونے کے بعد دو رکعت نماز کا حکم ہوا۔ اس سلسلے میں زبان مبارک سے فرمایا کہ اس دو گانے کی کیا نیت کرنی چاہیے؟ (پھر) فرمایا کہ نفی ماسوا اللہ کے لیے۔

تیسری مجلس

اسی سال شعبان کے مبارک مہینے لی پندرھویں تاریخ جمعے کو نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ ایک جوالقی (ملنگ) اندر آیا۔ کچھ دیر بیٹھا اور پھر اٹھا اور چلا گیا خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اس قماش کے لوگ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کم بار پاتے تھے۔ البتہ شیخ الاسلام فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کی خدمت میں ہر طرح کے درویش اور غیر درویش پہنچ جاتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہر جمعہ عاک میں ایک خاص بھی ہوتا ہے۔ اس باب میں حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بہاء الدین زکریا سیاحت بہت کرتے تھے۔ ایک دفعہ جوالقیوں (ملنگوں) کے ایک گروہ میں پہنچے۔ اور ان کے درمیان بیٹھ گئے۔ اس مجمعے میں ایک نور پیدا ہوا۔ جب غور سے دیکھا تو ان لوگوں میں ایک شخص نظر آیا کہ نور اس سے نکل رہا تھا۔ (یہ) آہستہ سے اس کے پاس گئے اور بولے کہ تو ان لوگوں میں کیا کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پاپا تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ہر عاک میں ایک خاص بھی ہوتا ہے۔

اسی باب میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی بزرگ اسی طرح کے ایک مجمعے میں پہنچے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ دو رکعت نماز میں پورا قرآن مجید ختم کرتا ہے (یہ) بزرگ حیران رہ گئے اور اپنے آپ سے بولے کہ اس طرح کے گروہ میں جس میں کہ یہ مرد ہے۔ اس قسم کی طاعت بہت غیر معمولی (چیز) ہے۔ مگر اس کام میں استقامت ہو جب بات ہے۔ الغرض جب وہ وہاں سے چلے آئے تو دس سال بعد پھر اسی گروہ پر سے گزر ہوا۔ اس درویش کو اسی طرح پابند پایا۔ اس وقت کہنے لگے کہ اب حقیقت کھلی کہ ہر عاک میں ایک خاص بھی ہوتا ہے!

چوتھی مجلس

اسی سال ماہ مبارک شعبان دامت حرمتہ کی بائیسویں تاریخ جمعے کو نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ دریافت فرمایا کہ مغرب عشاء کے درمیان جو چہ رکعت (نماز) ادا بین بتائی ہے۔ پڑھتے ہو؟ عرض کی۔ جی ہاں۔ اس کے بعد ایام بیہض کے روزوں کے بارے میں پوچھا کہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی رکھتا ہوں۔ اس کے بعد نماز چاشت کے بارے میں دریافت فرمایا کہ ادا کرتے ہو؟ میں نے عرض کی ادا کرتا ہوں۔ اس کے بعد چار رکعت صلوٰۃ السعدت کا حکم فرمایا اس روز یہ سعادت دوسری سعادت کے ساتھ مل گئی! والحمد للہ علیٰ ذالک۔

پانچویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی تیرھویں تاریخ جمعے کو نماز سے پہلے قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ پوچھا کہ معمول کے خلاف نماز سے پہلے کیسے آئے؟ عرض کیا گیا کہ نماز تراویح مولانا ظہیر الدین حافظ سلمہ اللہ تعالیٰ کی اقتداء میں پڑھتا ہوں اور وہ ہر رات تین سیپارے پڑھتے ہیں۔ بندے کی خواہش ہے کہ دس رات متواتر بلا ناغہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لے تاکہ ختم قرآن کا ثواب حاصل ہو جائے۔ اگر اجازت ہو تو نماز جمعہ کے بعد واپس چلا جاؤں تاکہ تراویح مل جائے۔ ارشاد ہوا اچھی بات ہے!

اس کے بعد اسی معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بہار الدین زکریا

سہ ہر مہینے کی تیرہ چودہ پندرہ تاریخوں کو ایام بیہض کہتے ہیں۔ ان دنوں کی راتیں روشن چاندنی راتیں ہوتی ہیں۔

رحمت اللہ علیہ نے ایک رات کو حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہے،
 آج رات کو دو رکعت نماز پڑھے اور ایک رکعت میں قرآن مجید
 ختم کرے؟ حاضرین میں سے کوئی اس بات کے لیے آمادہ نہ ہوا
 شیخ بہاء الدین آگے بڑھے اور ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کر لیا اور چار سیپارے مزید
 پڑھے اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھ کر نماز پوری کی۔

اس موضوع کی مناسبت سے دوسری حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بہار الدین علیہ الرحمۃ
 نے فرمایا کہ مجھے جو کچھ ملا نماز سے ملا۔ اور شائع اور زہادوں کے اور ادب میں نے کیے
 مگر ایک چیز مجھ سے نہ ہو سکی اور وہ یہ تھی کہ مجھے اطلاع دی گئی کہ فلاں بزرگ آغاز صبح سے
 طلوع آفتاب تک ختم قرآن کر لیتے ہیں۔ ہر چند میں نے (بھی) چاہا لیکن نہ کر سکا۔

اسی ضمن میں ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ایک
 دفعہ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے۔ (انہوں نے) ایک (اور) بزرگ کو (بھی) طواف کعبہ میں
 دیکھا (اور) ان بزرگ کے پیچھے چلنے لگے۔ جہاں وہ قدم رکھتے۔ قاضی حمید الدین بھی اپنا قدم
 وہیں رکھتے۔ ان روشن ضمیر پیر کو اس بات کی خبر ہو گئی۔ بولے (یہ) ظاہری پیروی کیا کرتے
 ہو۔ اس (کام) کی پیروی کرو جو میں کرتا ہوں۔ قاضی حمید الدین علیہ الرحمۃ نے پوچھا آپ کیا کرتے
 ہیں؟ پیر نے کہا کہ میں ایک روز میں سات سو مرتبہ ختم قرآن کرتا ہوں۔ قاضی حمید الدین کو
 بہت تعجب ہوا اور (دل میں) یہ اندیشہ گزرا کہ شاید قرآن کے معانی کو الفاظ کے بغیر
 تصور کر لیتے ہوں گے اور خیال میں پڑھتے ہوں گے۔ پیر نے اپنا سراٹھایا اور بولے لفظ
 بہ لفظ۔ مومن نہیں! جب خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ حکایت تمام کی۔ اعز الدین علی
 شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو خاص مریدوں میں سے ایک تھے پوچھا کہ شاید یہ کرامت ہوگی؟
 خواجہ نے فرمایا ہاں کرامت ہوگی۔ ہر معاملہ جو عقل میں آجائے وہ اور ہوتا ہے۔ اور جس میں

تھان بود تمل : ہو وہ کرامت ہوتی ہے

پھر : سناخ فی طاعت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے تھے : حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے سلسلے میں مجھ تک جو کچھ بھی پہنچا
میں نے وہ سب یاد کیا۔ یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت رسالت پناہ نے ایک دفعہ نماز معکوس
میں والی بنے میں بھی کیا اور یاؤں میں سے باندھے اور اپنے آپ کو سرنگوں ایک
نہیں میں ابھار دیا اور اسی طرح نماز پڑھی جب یہ حکایت تمام فرمائی (اس) کہینہ بندے
کی طرف سے کیا اور فرمایا کہ جو بھی تمہارا سن عمل سے کسی مقام تک پہنچا۔ اگرچہ خدا کا فیض تو پہنچتا
تو ہے لیکن ہمیں خود بھی جدوجہد کرنی چاہیے۔

چھٹی مجلس

اسی سال ماہ شوال کی پانچویں تاریخ جمعے کو نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت
حاصل ہوئی۔ ترک و تجرید کی گفتگو آئی۔ اس کے دوران فرمایا کہ ایک درویش تھے
حد درجے فقیر اور مسکین۔ ان کا پیٹ بھوک کے مارے کمر سے چپکا ہوا تھا۔ کسی راہ
جاتے تھے۔ خواجہ محمود پیٹوہ نے جو ہمارے یار (مرید) ہیں ایک دانگ (چھوٹا سکہ)
ان کے سامنے رکھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ آج میں نے کھلی پیٹ بھر کر کھالی ہے۔
خوراک کی طرف سے میں نے پوری بے فکری کر لی ہے۔ آج مجھے اس دانگ کی ضرورت
نہیں ہے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اس کے صدق کی انتہا پر تعجب فرمایا اور
ارشاد ہوا کہ زہے قناعت و قوت صبر!

یہ حکایت بھی اسی ضمن میں بیان فرمائی قناعت کے بارے میں اور غیر حق بھانہ و تعالیٰ سے لالچ نہ رکھنے کے بارے میں

فرمایا کہ ایک بزرگ تھے جنہیں شیخ علی کہتے تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنا خرقہ سی رہے تھے اور پیر پھیلا رکھے تھے اور الٹا خرقہ ران پر ڈالے بخجہ کر رہے تھے۔ اسی دوران ان سے کہا گیا کہ خلیفہ آتے ہیں۔ انھوں نے اپنی نشست ذرا بھی نہیں بدلی۔ اسی طرح بیٹھے رہے اور بولے آنے دو۔ خلیفہ آیا سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ شیخ نے سلام کا جواب دیا۔ شاید حاجب نے رائے ڈی سی، جو خلیفہ کے ساتھ آیا تھا کہا کہ شیخ پاؤں سمیٹ لو شیخ نے اس کی بات کی طرف ذرا التفات نہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک دو بار حاجب نے اس بات کو دہرایا بھی، الغرض جب خلیفہ کی واپسی کا وقت ہوا تو شیخ نے ایک ہاتھ حاجب کا پکڑا اور ایک خلیفہ کا اس کے بعد بولے کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو سمیٹ رکھا ہے اب میرے لیے جائز ہے کہ پاؤں کو نہ تھپوں یعنی تم سے مجھے کچھ لالچ نہیں ہے۔ نہ کچھ لیا نہ لینا ہے۔ میں نے اپنے ہاتھ سکڑ لیے ہیں (اور) مجھاس کا حق ہے کہ پاؤں نہ سکڑوں! کچھ اس کا ذکر تو کہ سلوک کی اصل کیا ہے اور جو مغز معانی ہے وہ کیا ہے اس درمیان ارشاد ہوا کہ ایک شخص خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ والفقہان کی خدمت میں آیا اور مرید ہو گیا، پھر خواب کے زمان کا منتظر ہوا کہ نماز روزے اور اراد کے سلسلے میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ خواب نے صرف اتنا کہا کہ جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔ اور اپنے لیے وہی چاہو جو دوسروں کے لیے چاہتے ہو۔ الغرض یہ شخص واپس چلا گیا اور ایک مدت کے بعد پھر خواجہ اجل شیرازی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میں اس روز حضور سے مرید ہو کر منتظر تھا کہ خواب مجھ سے نماز اور اراد کے بارے میں فرمائیں گے۔ مگر کوئی حکم نہ ہوا۔ آج پھر منتظر ہوں۔ خواجہ نے پوچھا اس روز تمہارا سبق کیا تھا؟ مرید نے بیان ہوا اور کچھ جواب نہ دیا خواجہ نے تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا

اس روز میں نے تم سے کہا تھا کہ جو کچھ اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرو اور اپنے لیے وہی چاہو جو کسی غیر کے لیے چاہتے ہو۔ تمہیں یہ بات یاد نہیں رہی۔ پس جب پہلی مشق ہی درست نہیں کی تو دوسری مشق کیسے کراؤں؟

یہ حکایت پوری ہونے کے بعد ارشاد ہوا کہ ایک بزرگ تھے پرہیزگار۔ وہ اکثر کہا کرتے کہ نماز و روزہ اور بیع و اوراد سب دیگ کے مسالے ہیں۔ اصل چیز دیگ میں گوشت ہوتا ہے۔ جب تک گوشت نہ ہو ان مسالوں سے کچھ نہیں بنتا۔ ان بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ یہ تمثیل اکثر بیان فرماتے ہیں۔ (ذرا تشبیح (بھی) کیجیے۔ ان بزرگ نے کہا کہ گوشت ترک دنیا ہے اور نماز و روزہ اور اوراد و بیع اس کے مسالے ہیں اول آدمی کو چاہیے کہ ترک دنیا اختیار کرے اور اس کا تعلق کسی چیز سے نہ رہے۔ اگر وہ نماز روزہ (نقلی) اوراد وغیرہ کرے نہ کرے مضائقہ نہیں۔ لیکن جب دنیا کی محبت دل میں ہوگی تو دعاؤں اور اوراد وغیرہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد خواجہ ذکریا اللہ بانی نے فرمایا کہ اگر گھسی اور کالی مرچ لہسن پیاز دیگ میں ڈالیں اور پانی بھی چھوڑ دیں اور شورباتیار کریں تو اسے شوربا بے زور (نقلی شوربا) کہیں گے اور شوربا بے مزدور بھی یعنی جھوٹا شوربا۔ پس اصل شوربا وہ ہوگا کہ جو گوشت سے تیار ہو۔ چاہے اس میں مسالے ہوں یا نہ ہوں۔

اس کے بعد ترک دنیا کی تحقیق میں یہ لفظ زبان مبارک پر آیا کہ ترک دنیا یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کر لے مثلاً لنگوٹی باندھ کر بیٹھ جائے۔ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس پہننے اور کھانا کھائے۔ البتہ جو کچھ آئے اسے خرچ کرتا رہے۔ جمع نہ کرے اور اس سے رغبت نہ رکھے اور دل کو کسی چیز سے اٹکاٹے نہ رکھے۔

ساتویں مجلس

اسی سال شوال کی انیسویں تاریخ جمعے کو نماز کے بعد قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی ذکر آداب تصوف اور اشارات مشائخ اور ان کی اصطلاحات کا نکلا زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ شیخ جمال الدین بسطامی رحمۃ اللہ علیہ دارالسلطنت دہلی میں شیخ الاسلام تھے اہل صفہ کے مراجم اور آداب کو خوب جانتے تھے چنانچہ ایک دفعہ ان کے سامنے پانی کا ایک کوزہ لایا گیا اور اس کوزے کے چار کونے تھے یعنی پکڑنے کی چار جگہیں تھیں۔ کوئی بزرگ تشریف رکھتے تھے وہ بولے کہ اسے لقمانی کوزہ کہتے ہیں۔ شیخ جمال الدین بسطامی نے فرمایا لقمانی کوزہ کیوں کہتے ہیں؟ وہ بزرگ چپکے ہو گئے اس کے بعد شیخ جمال الدین نے قصہ سنایا کہ ایک بزرگ تھے ان کو شیخ لقمان مہرخی کہتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ ان کے مناقب بہت ہیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں روایت ہے کہ شاید کوئی جمہور ان سے چھوٹ گیا یا شرع کی ظاہری باتوں میں سے کوئی شمار رہ گیا واللہ اعلم اس شہر کے امام ان کے احتساب کے لیے نکلے ان سے کہا گیا کہ شہر کے ائمہ آرہے ہیں تاکہ آپ سے بحث کریں۔ شیخ لقمان نے پوچھا کہ سوار آرہے ہیں یا پیادل؟ عرض کیا گیا سوار آرہے ہیں اس وقت شیخ ایک دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دیوار سے بولے کہ خدائے عزوجل کے حکم سے چل! دیوار اسی وقت چلنے لگی مقصد یہ کہ انھیں شیخ لقمان نے ایک دفعہ کسی مرید سے پانی کا کوزہ طلب کیا۔ مرید نے کوزہ پیش کیا جس میں کوئی کونا اور پکڑنے کی جگہ نہ تھی۔ شیخ نے حکم دیا کہ ایسا کوزہ لانا چاہیے جس میں کونا ہو اور جسے پکڑ سکیں۔ مرید گیا اور ایک کوزہ ایک کونے والا بنا کر لایا اور شیخ کی خدمت میں (اس طرح) پیش کیا کہ اسی کونے کو پکڑے ہوئے تھا شیخ مسکرائے اور بولے کہ اس کونے کو تو تم نے پکڑ رکھا ہے۔ میں

کس جگہ سے پکڑے؟ جاؤ دو ہستی کوزہ بنا کر لاؤ۔ مرید پھر واپس گیا اور دو ہستی کوزہ بنا کر پیش کیا۔ ایک ہستہ ایک ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا اور دوسرا ہستہ دوسرے ہاتھ سے۔ شیخ نے پھر کہا کہ دونوں طرف سے تو تم نے پکڑ رکھا ہے۔ میں کس جگہ سے تمہاموں۔ جاؤ تین ہستی کوزہ بنا کر لاؤ۔ مرید گیا اور تین ہستی کوزہ بنا کر لایا۔ دو ہستے (اپنے) دونوں ہاتھوں سے پکڑے اور دوسرے ہستے کو اپنے سینے کی طرف کر لیا۔ شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ جاؤ چار ہستی کوزہ بناؤ۔ اس کے بعد اس مرید نے اسی طرح کا چار ہستی کوزہ بنا کر پیش کیا۔ غرض یہ کہ اس کوزے کو لقمائی کوزہ اسی سبب سے کہتے ہیں۔

آٹھویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی چھبیسویں تاریخ جمعے کو نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ نماز کا اور امام اور مقتدیوں کی حضوری (قلب) کا ذکر آیا۔ ارشاد فرمایا کہ نماز کی حضوری کی ابتداء یہ ہے کہ نمازی جو کچھ پڑھے اس کے معانی کو دل پہٹاری کرے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ الاسلام بہا الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک شخص تھے انھیں حسن افغان کہتے تھے۔ صاحب ولایت تھے اور انتہائی بزرگ۔ اتنے کہ شیخ بہا الدین فرماتے تھے کہ اگر کئی تجھ سے پوچھا گیا کہ ہماری درگاہ میں کیا رتخفہ لائے تو میں عرض کروں گا کہ حسن افغان کو لایا ہوں۔ ایک دفعہ یہ حسن کسی گلی میں جا رہے تھے۔ ایک مسجد میں پہنچے مودن نے تکبیر کہی۔ امام آگے بڑھے اور ایک خلقت جماعت میں شامل ہو گئی۔ خواجہ حسن بھی آئے اور مقتدی بن گئے۔ جب نماز ہو چکی اور خلقت واپس ہوئی تو خواجہ حسن امام کے پاس گئے اور بولے۔ اے خواجہ تم نے نماز شروع کی اور میں تمہارے ساتھ شامل ہوا۔ تم یہاں سے دہلی گئے اور وہاں سے غلام خریدے۔ پھر واپس آئے اور ان غلاموں کو

خراسان لے گئے اور وہاں سے ملتان واپس آئے اور وہاں سے مسجد میں تشریف لائے۔
 میں تمھارے پیچھے میران (پریشان) پھرتا پھرا۔ آخر یہ کیسی نساڑ ہے؟
 اس کے بعد ان کی بزرگی کی شرح میں فرمایا کہ ایک دفعہ کسی گاؤں میں مسجد
 بنائی جا رہی تھی خواجہ حسن وہاں پہنچے۔ اہل عمارت سے بولے کہ محراب کو یوں سیدھا
 کرو کیونکہ قبلہ اس طرف ہے۔ یہ بات کہی اور ایک طرف اشارہ کیا۔ ایک مولوی صاحب
 بھی وہاں موجود تھے۔ وہ جھگڑنے لگے کہ نہیں قبلے کا رخ دوسری طرف ہے۔ الغرض ان
 کے درمیان خوب بحث ہوئی۔ خواجہ حسن نے مولوی سے کہا رخ اس جانب کرو جدھر
 میں بتا رہا ہوں اور غور سے دیکھو۔ مولوی صاحب نے اس جانب رخ کیا تو رکے کدسی
 رخ دیکھا جدھر خواجہ حسن بتا رہے تھے۔

اس کے بعد ان کے احوال کی تفصیل بتائی کہ وہ آتی دب پڑھے لکھے، تھے کچھ بھی نہیں پڑھا تھا
 لوگ آتے تھے اور کاغذ اور تختی ان کے سامنے رکھتے تھے۔ چند سطریں اس پر لکھی ہوتی تھیں بعض نظم
 میں اور بعض نثر میں بعض عربی اور بعض فارسی موضوع پر چند سطریں لکھتے تھے اور ان سطروں کے درمیان
 ایک سطر قرآن مجید کی آیت کی بھی لکھ دیتے تھے۔ پھر ان سے پوچھتے تھے کہ ان سطروں
 کے درمیان قرآن مجید کی سطر کونسی ہے؟ وہ قرآن کی آیت کی طرف اشارہ کرتے کہ یہ ہے
 ان سے کہا جاتا کہ آپ نے تو قرآن پڑھا نہیں ہے۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ قرآن کی آیت ہے
 فرماتے کہ (جو) نور اس سطر میں دیکھتا ہوں وہ دوسری سطروں میں نہیں ہے۔

ان بزرگ کے احوال کی مناسبت سے ذوق نماز کے استغراق کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک
 شخص تھے جنہیں خواجہ کریم کہتے تھے۔ وہ شاید دہلی میں اول اول کلرک رہے تھے آخر
 میں دنیلے دھندوں سے منہ پھیر لیا اور دھندوں میں سے ہو گئے۔ چنانچہ اکثر کہا کرتے کہ
 جب تک میری قبر دہلی میں ہے کوئی کافر غالب نہیں آسکتا۔ ان کی نماز کے حضور کا حال

بیان فرمایا کہ ایک دفعہ غریب کی نماز کے وقت دروازہ کمال کے سامنے نماز میں مشغول تھے شاید اس زمانے میں بیواتیوں کا دروازہ خطرہ تھا۔ کوئی بھی تا وقت اس دروازے کے قریب اور ان اطراف میں جانے کی ہمت نہ کرتا تھا یہ خواجہ کریم نماز میں مشغول ہوئے ان کے ساتھی دروازے پر کھڑے تھے اور آواز دے رہے تھے کہ جلدی شہر میں آجاؤ اور دروازے کا دربان بھی شور مچا رہا تھا۔ الغرض ان خواجہ کریم نے اپنی نماز پورے حضور کے ساتھ تما کی جب وہ اس جگہ سے واپس آئے تو ان سے کہا گیا کہ تم نے ہماری کوئی آواز نہیں سنی؟ جواب ملا نہیں۔ بولے تعجب ہے ہم نے اتنا تو شور مچایا اور تم نے نہیں سنا فرمانے لگے تعجب تو اس پر ہے کہ کوئی نماز میں ہو اور کسی کا شور (اور ادم) سنے اس کے بعد فرمایا کہ جب سے ان خواجہ کریم نے خدائے عزوجل سے لوگائی تما کبھی درم و دینار کو ہاتھ میں نہیں لیا۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر دنیا اور اس کی لذتوں کے ترک کے سلسلے میں گفتگو فرمانے لگے ارشاد ہوا کہ ہمت بلند رکھنی چاہیے اور دنیا کی آلائش میں نہیں پھنسنا چاہیے خواہش سے بلند ہو جانا چاہیے اس وقت یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے۔

یک لحظہ ز شہوتے کہ داری برغیر تا بنشیند ہزار شاہد پیش
 (ترجمہ) لمحہ بھر کو اپنی خواہشوں سے بلند ہو جاؤ تاکہ ہزار معشوق تمہارے سامنے بیٹھ جائیں !

۹ لوہیں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی دسویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ ارشاد ہوا کیا بات ہے۔ آج کیسے آگئے۔ یعنی معمول تو جمعے کا تھا۔ بندے نے عرض کی کہ یہ سعادت آج ہی مقدر تھی جب بھی قسمت پوری کرتی ہے۔ قدم بوسی کی سعادت میسر آ جاتی ہے۔ فرمایا۔ اچھا کیا۔ جو بھی غیب سے آتا ہے۔ اچھا ہوتا ہے۔

اس کے بعد صحبت کے اثر کا تذکرہ آیا۔ فرمایا کہ صحبت کا اثر قومی ہوتا ہے۔ پھر ترک دنیا پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ کون ہے جس نے گھٹیا چیز کو نہ چھوڑا اور اعلیٰ چیز اس تک خود نہ پہنچی!

دسویں مجلس

اسی مہینے کی پندرہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ عزیزوں کی ایک جماعت جیسے مولانا وجیہ الدین پائلی اور مولانا حسام الدین حاجی اور مولانا تاج الدین یار اور مولانا جمال الدین اور دوسرے مرید حاضر تھے۔ کھانا سامنے رکھا گیا۔ ارشاد ہوا کہ جس کا روزہ نہ ہو کھانا کھائے۔ ایسا بیض کی وجہ سے اس مجمعے کے اکثر لوگ روزے سے تھے۔ اسکے بعد کھانا ان دو تین آدمیوں کے پاس بھجوا دیا گیا جو روزے سے نہیں تھے۔ اس وقت زبان مبارک سے فرمایا کہ جب عزیز آئیں تو کھانا سامنے رکھنا چاہیے مگر کسی سے یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ تم روزے دار ہو کیونکہ اگر روزے سے نہ ہو گا تو خود کھالے گا۔ اور یہ نہ پوچھنے میں کہ تم روزے سے ہو کیا حکمت ہے؟ یہ کہ اگر وہ کہے گا کہ میرا روزہ ہے تو دکھاوے کا دخل ہو جائے گا۔ اور اگر وہ روزے دار ایسا پکا اور سچا مرد ہو کہ دکھاوے کا اس پر گزر نہیں (اور پھر) وہ کہے کہ میرا روزہ ہے تو اس کی طاعتِ عالی علانیہ دفتر میں لکھی جائے گی۔ اور اگر کہے کہ میرا روزہ نہیں ہے تو یہ جھوٹ بولنا ہوگا۔ اور اگر خاموش رہے تو پوچھنے والے کی تحقیر ہوگی۔

گیارہویں مجلس

اسی مہینے کی اکیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ نیک مردوں کے قدم کی برکت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ جو بھی جگہ ہے۔ انھیں کے قدموں کی برکت سے راحت بخش ہے۔ مثال کے طور پر دہلی کی جامع مسجد

فرمایا کہ کتنے اولیاء اور بزرگوں کے قدم وہاں پیچھے ہوں گے کہ یہ جگہ ایسی راحت بخش ہے۔
 اس دوران فرمایا کہ میں نے محمود کبیر سے سنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ صبح کے وقت
 میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جامع مسجد کے طمع شدہ کنگوروں کے اوپر جو محراب کے طاؤں
 کے اوپر بنے ہوئے ہیں آ جا رہے تھے پرندے کی طرح بڑی تیزی سے اور بے خوفی سے اس
 کنارے سے اس کنارے تک (کبھی) آتے تھے اور (کبھی) جاتے تھے میں دور سے دیکھ رہا
 تھا۔ جب صبح ہونے لگی تو ان کنگوروں پر سے نیچے اتر آئے۔ میں ان کے سامنے گیا اور سلام کیا
 مجھ سے کہنے لگے تم نے دیکھا؟ میں نے کہا (جی ہاں) دیکھا۔ بولے کسی سے کہنا نہیں۔

اسی دوران کاتب (حسن علاء بھڑی) نے عرض کیا کہ بزرگوں میں سے اکثر اپنے احوال
 کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ (اس میں) کیا حکمت ہے؟ ارشاد ہوا کہ اگر راز کو فاش کر دیں تو دوسرے
 راز کے محرم بننے کے قابل نہ رہیں۔ اگر ایک (آدمی) دوسرے سے راز کہتا ہے اور (راز) سننے
 والا اس کو ظاہر کر دیتا ہے تو وہ (راز) بتانے والا (پھر) دوسرا راز نہیں بتائے گا۔ بندے
 نے عرض کی کہ یہ کیا بات ہے کہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ بہت دفعہ غیب کی باتیں
 زبان پر لائے ہیں؟ فرمایا کہ جس وقت اولیاء شوق کے غلبے میں ہوتے ہیں تو بے خودی
 کے عالم میں کچھ کہہ دیتے ہیں۔ البتہ جو کامل ہیں وہ اصرار میں سے کوئی چیز بھی ظاہر نہیں کرتے
 اس کے بعد دوبارہ مصرع زبان مبارک پر آیا۔

مرداں ہزار دریا خور دند و تشہ رفتند

(ترجمہ) مردوں نے ہزار دریا پیے اور (پھر بھی) پیاسے گئے۔

پھر فرمایا کہ بہت بڑا حوصلہ چاہیے کہ راز کے قابل ہو سکے۔ اور اسکے اہل

پیوری طرح ہیں تو اصحاب صحو (ساک) ہیں۔ بندے نے پوچھا کہ اصحاب سکر (مجنون) (ب)

کا مرتبہ اونچا ہے یا اصحاب صحو کا؟ فرمایا کہ اصحاب صحو کا مرتبہ واللہ اعلم

بارہویں مجلس

اسی سال مادہ ذی الحجہ کی چودھویں تاریخ بدھ کو قدابوسی کی سعادت حاصل ہوئی زبان کی تاثیر کا ذکر آیا زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ وہ طاعت اور وہ ورد جو کسی صاحب نعمت کی زبان سے ملا ہو اس کے ادا کرنے میں راحت ہی دوسری ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ چند ورد ہیں جو میں نے خود اپنے آپ پر واجب کر لئے ہیں۔ اور چند دوسرے ورد ہیں جو مجھے اپنے خواجہ سے عطا ہوئے ہیں ان دونوں وردوں کی ادائیگی کے وقت۔ جو راجتیں میسر آتی ہیں ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

پھر بات اختیار کے ترک کی آئی یعنی خود اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کرنا چاہیے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو دوسروں کے محکوم ہیں۔ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو حاکم ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ جمعے کے روز نماز کے لیے اپنی خانقاہ سے باہر نکلے۔ مریدوں سے پوچھنے لگے کہ جامع مسجد کا راستہ کونسا ہے۔ کس طرح جانا چاہیے؟ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ راستہ یہ رہا! ان سے پوچھا گیا کہ اتنی دفعہ آپ جمعے کی نماز کو گئے ہیں۔ راستہ نہیں جانتے؟ بولے جانتا ہوں لیکن اس وجہ سے پوچھتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لیے دوسرے کا محکوم بن جاؤں؟ اس کے بعد ترک وطن اور مکان و محل وغیرہ کی محبت کے سلسلے میں وعظ فرمایا اور یہ اشعار زبان مبارک پر آئے۔

دشت و کبار گیر ہم چو خوش
خانان را بمان بگر بہ موش

پیر ہونے سے مرید ہونا بہتر ہے مترجم

قوت عیسیٰ چو ز آسماں سازند ہم بدایں جاش خانہ پردا زند

خانہ را گر برائے قوت کنند مورد زنبور و عنکبوت کنند

ترجمہ: پیار اور جنگل کو جنگلی جانوروں کی طرح ٹھکانہ بناؤ۔ گھربار کو چوہے بلی کے لیے چھوڑ دو۔ حضرت عیسیٰ کی روزی آسمان پر مہتی۔ زمین ان کا گھر بنا دیا گیا کھانے کے لیے اگر گھر بناتے ہیں تو چیونٹیاں اور بھڑیں اور مکڑیاں بناتے ہیں۔

تیرہویں مجلس

سات سو آٹھ ہجری شمس ۱۰۸۵ھ محرم الحرام کی تیسری تاریخ کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ طاعت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک طاعت ہے لازمی اور ایک طاعت ہے متعدی طاعت لازمی تو وہ ہے کہ جس کا فائدہ اسی ایک طاعت کرنے والے کی ذات کو پہنچتا ہے۔ اور وہ نماز ہے اور روزہ ہے۔ اور حج ہے اور ادا اور تسبیحات اور اسی طرح کی را اور چیزیں ہیں۔ لیکن طاعت متعدی وہ ہے کہ جس سے فائدہ اور راحت دوسروں کو پہنچے۔ خرچ کرنے سے اور شفقت برتنے سے اور جہاں تک ہو سکے دوسروں کے حق میں مہربانی کرنے سے۔ اس کو طاعت متعدیہ کہتے ہیں۔ اور اس کا ثواب بے حد و اندازہ ہے۔ اور طاعت لازمیہ میں تو اخلاص ہونا چاہیے تاکہ قبول ہو جائے۔ لیکن طاعت متعدیہ تو جس طرح کی بھی ہو اور جیسے بھی کی جائے اس کا ثواب ہے۔ واللہ الموفق۔

چودھویں مجلس

اسی مہینے کی ساتویں (تاریخ) جمعرات کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ ولایت اور ولایت کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ شیخ کے لیے ولایت بفتح واؤ بھی ہوتی ہے اور ولایت بکسر

واؤ، بھی ولایت تو یہ ہے کہ جب تائب ہوتا ہے اور طاعت کرتا ہے تو اس طاعت سے بڑا ذوق پاتا ہے اور ممکن ہے کہ مریدوں کو خدا تک پہنچا دے اور طریقت کے آداب سکھائے اور (غرضیکہ) جو کچھ اس کے اور خلقت کے درمیان ہے اس کو ولایت کہتے ہیں لیکن جو کچھ اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ہے وہ ولایت ہے۔ اور وہ خاص محبت ہے۔ اور جب شیخ دنیا سے انتقال کرتا ہے تو ولایت اپنے ساتھ لیجاتا ہے۔ مگر ولایت جس کو چاہتا ہے دے جاتا ہے۔ اپنی پسند کے آدمی کو اگر وہ نہ دے تو بھی جائز ہے کیونکہ حق عزوجل اس ولایت کو کسی دوسرے کو عطا کر دیتا ہے۔ لیکن ولایت جو اس کے ساتھ ہوتی ہے اس کو اپنے ساتھ ہی لے جاتا ہے۔

اس باب میں حکایت بیان فرمائی کہ کسی بزرگ نے ایک مرید کو کسی بزرگ کے پاس بھیجا اور معلوم کرایا کہ رات کو بساط عالم پر کیا گزری۔ انھوں نے جواب کہلوا یا کہ رات کو شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ العزیز نے مسجد مہذبہ میں انتقال کیا۔ ان بزرگ نے پھر کسی کو بھیجا اور پوچھو یا کہ ان کی ولایت کس کو دی گئی۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس کی مجھے خبر نہیں جو کچھ معلوم تھا وہ بتا دیا۔ اس کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ ان کی ولایت شمس العارفین علیہ الرحمۃ والغفران کو دی گئی ہے۔ رات ہی کو شمس العارفین کے دروازے پر پہنچے۔ شمس العارفین نے اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے ان سے فرمایا خدا تعالیٰ کے اتنے سارے شمس العارفین ہیں (کیا خبر کن شمس العارفین کو ولایت) دی گئی ہے۔ اس کے بعد شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سنایا جو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے بھائی تھے۔ ارشاد ہوا کہ جب وہ تعلیم و تحصیل کے لیے مدرس کے پاس گئے تو استاد نے پوچھا کہ نجیب الدین متوکل تم ہی ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں

عل فضل اللہ ابو سببہ بن ابی الخیر ولادت ۳۵۷ھ مہذبہ اقلیم خاوران خراسان وفات ۴۰۴ھ شعبان ۴۰۴ھ جمہ انھوں نے ابو عبد الرحمن السلمی سے بھی خرقہ لیا تھا۔

نجیب الدین متاکل (خراب و خستہ) ہوں متوکل (توکل رکھنے والا) کون ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد استاد نے کہا کہ شیخ الاسلام فرید الدین کے بھائی تم ہی ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ظاہری بھائی ہوں۔ معنوی بھائی کون ہو سکتا ہے۔!

پھر اصحاب نعمت کی بخششوں کا ذکر نکلا کہ وہ خدمت کرنے والوں پر بڑی نظر (عنایت) رکھتے ہیں۔ اس درمیان فرمایا کہ ایک خواجہ تھے صاحب نعمت و ہمت۔ کبھی کبھی قاضی عین القضاۃ علیہ الرحمۃ والغفران کے پاس خرچ بھیجا کرتے۔ شاید قاضی عین القضاۃ علیہ الرحمۃ نے کبھی کسی اور دوسرے سے فرمائش کی اور اپنی ضرورت پوری کر لی۔ ان خواجہ نے سنا تو آزر و خاطر ہوئے اور عین القضاۃ سے اپنی ناراضی کہلوائی کہ کسی دوسرے سے کوئی چیز لی۔ مجھے یہ دولت کیوں نہ عطا کی۔ عین القضاۃ نے ان کو لکھا کہ اس بات کے لیے رنج نہ کیجیے۔ اجازت دیجیے تاکہ دوسروں کو بھی دولت ملے۔ اور ان لوگوں میں سے نہ بنیے (جن میں سے) ایک نے کہا تھا اے اللہ مجھ پر رحم کر اور محمدؐ پر (رحم کر) اور ہم دونوں کے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کر! اور ان لوگوں میں سے نہ بنیے (جن میں سے) ایک نے کہا کہ۔

اے باغبان آ اور باغ کا دروازہ کھول دے۔ اور جب میں اور میرا محبوب اندر آجائیں تو دروازہ بند کر دے۔ اسی روز میرا چچو راقم الحروف (ایمیر حسن) کا بھتیجہ مرید ہوئے اور بیعت کی۔ اور اس کا بھائی شمس الدین مخلوق ہوا (مرمنڈایا) اور اسی روز شیخ جلال الدین ہانسوی کے پوتے (یا نواسے) مخلوق ہوئے اور مولانا برہان الدین غریب سلمہ اللہ تعالیٰ نے سرے سے مخلوق ہوئے اور شیخ عثمان سیستانی نے کلاہ کی درخواست کی اور (کلاہ) پائی اور شمس الدین کو خرقہ ملا۔ بہت ہی راحت والا دن تھا۔ اس موقع پر شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرمائی کہ جب وہ شیخ الاسلام قطب الدین اوشی قدس

سرہ کی خدمت میں آئے اور سر کے بال اتروائے تو شیخ نے فرمایا۔
حقیقت میں چراغ اسی وقت بجھتا ہے جب اس کے سر سے روغن نکل جاتا ہے۔

پندرھویں مجلس

اسی سال ماہ تہ ماہ سی الاولیٰ کی چھٹی تاریخ بدھ کو حضر آباد چھاؤنی سے حاضر ہوا
قدیم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ مردان غیب کا ذکر آیا کہ وہ جب کسی کو قابل دیکھتے
ہیں اور طاعت و عبادہ میں عالی ہمت پاتے ہیں تو اڑا لے جاتے ہیں۔ اس اثنا میں
فرمایا کہ نصیر لقب ایک جوان بدایوں میں تھے۔ ان سے میں نے سنا کہ وہ کہتے تھے
میرے باپ پیچھے ہوئے درویشوں میں سے تھے۔ ایسا ہوا کہ ایک رات انھیں دروازے
کے سامنے سے آواز دی گئی۔ وہ باہر آئے۔ ہم نے بس اندر سے سلام اور علیک (سلیم)
سنی اور اتنا اور سنا کہ بارے والد کہتے ہیں کہ فرزندوں اور گھر والوں سے رخصت ہو لوں۔ بولے
اتنی بہلت نہیں ہے۔ اس کے بعد کچھ پتہ نہ چلا کہ میرے والد اور وہ (لوگ) کیا ہوئے!
اسی باب میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سنایا کہ انھوں نے ایک
کتاب لکھی ہے اور اس میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے زمانے میں ایک جوان تھے جنھیں قزوینی
علیہ الرحمۃ کہتے تھے۔ ان کے گھر میں مردان غیب جمع ہوئے۔ اور نماز کے وقت خلق
صف بہ صف کھڑی ہوئی مردان غیب میں سے ایک (شخص) نے امامت کی جماعت
نے بلند قرأت سنی اور تسبیحات اور جو کچھ نماز میں ہوتا ہے (سنا) البتہ اس امام کو نہیں دیکھا
صرف یہ قزوینی دیکھتے تھے۔ شیخ شہاب الدین فرماتے ہیں کہ انھیں مردان غیب میں سے
ایک شخص نے ایک مہرہ (سوزے کا سنگ) انھیں قزوینی کے ہاتھ مجھے بھجوایا تھا اور وہ مہرہ اب تک
میرے پاس ہے۔ اسی ضمن میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرد تھے علی نا اُجب

بھی مردانِ غیب ان کے تجربے کے دروازے پر آتے اور کہتے سلام علیکؑ خواجہ علی صرف ان کی آواز سنتے اور بس کئی دفعہ ایسا ہوا یہاں تک کہ ایک روز ایہ (سب آئے اور بولے سلام علیکؑ اے خواجہ علی! خواجہ علی نے (سلام کا) جواب دیا اور بولے اے مرد و ابس سلام کرو گے اور آواز دیتے رہو گے اپنی صورت نہیں دکھاؤ گے یہ بات کہنے کے بعد انھوں نے پھر کبھی آواز بھی نہیں سنی۔ اس درمیان بندے نے عرض کی شاید خواجہ علی نے یہ بات کہہ کر گستاخی کی۔ ارشاد ہوا ہاں! شوخی کی بات کیا کی اس دولت ہی سے محروم ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مردانِ غیب پہلے آواز دیتے ہیں اور اپنی بات سناتے ہیں اس کے بعد ملاقات کرتے ہیں اور پھر اڑا لیجاتے ہیں۔ اس حکایت کے آخر میں زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ کیا باراحت نقا ہے کہ جہاں کسی کو یہ لیجاتے ہیں

سولہویں مجلس

اسی مہینے کی انیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ سلوک کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ چلنے والا کمال کی طرف رخ رکھتا ہے۔ یعنی سالک جب تک سلوک میں ہے۔ کمالیت کا امیدوار ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ سالک ہوتا ہے۔ اور واقف ہوتا ہے۔ اور راجع۔ چنانچہ سالک تو وہ ہے جو راستہ چلتا ہے۔ اور واقف وہ ہے کہ جس کو وقفہ پڑ جاتا ہے بندے نے عرض کی کہ کیا سالک کو بھی وقفہ پڑتا ہے؟ فرمایا ہاں! جب بھی سالک کی طاعت میں کوئی فتور پڑتا ہے۔ جیسے کہ طاعت کا ذوق نہ رہے تو اس کے لیے وقفہ ہوتا ہے۔ اگر جلدی ہو شیار ہو جائے اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہو تو پھر سالک ہو سکتا ہے۔ اور اگر خدا کی پناہ اسی (حال پر) جارہے تو اس کا خطرہ ہے کہ راجع ہو جائے۔

اس کے بعد اس راہ کی لغزش کی سات قسمیں بیان فرمائیں۔ اعراض حجاب
تفاضل۔ سلب مزید۔ سلب قدیم۔ تسلی۔ عداوت ان قسموں کی تمثیل اور تفصیل میں
فرمایا کہ: جیسے دو دوست ہوں۔ عاشق اور معشوق۔ ایک دوسرے کی محبت میں ڈوبے
ہوئے۔ اس درمیان اگر عاشق سے کوئی حرکت یا کامایا بات یا فعل ایسا ہو جائے جو
اس کے دوست کی پسند کا نہ ہو تو وہ دوست اس سے اعراض کرتا ہے۔ یعنی منہ مڑ
لیتا ہے۔ پس عاشق پر واجب ہے کہ اسی وقت استغفار میں مشغول ہو جائے اور
معذرت چاہے اور یقیناً اس کا دوست اس سے راضی ہو جائے گا تھوڑی سی بے توجہی
جو ہوئی تھی جاتی رہے گی۔ اور اگر وہ محبت کرنے والا اس خطا
پر اصرار کرے گا اور عذرا پیش نہیں کرے گا۔ تو وہ اعراض اس
حجاب تک پہنچ جائے گا: معشوق ایک حجاب (پروردہ) درمیان میں لے آئے گا۔ جیسے ہی خواجہ
ذکرہ اللہ بالہ حجاب کی تمثیل میں اس بات پر پہنچے۔ ہاتھ اونچا کیا اور آئین چہرہ مبارک کے سامنے
کر لی اور فرمایا کہ مثلاً اس طرح کا حجاب محب اور محبوب کے درمیان ہو جائے گا: پس محب عاشق
پر واجب ہو گا کہ معذرت کی کوشش میں رہے اور توبہ کرے۔ اور اگر اس معاملے میں سستی کرے گا
تو وہ حجاب تفاضل میں بدل جائے گا۔ کیا ہو گا؟ یہ کہ وہ دوست اس سے جدائی اختیار کرے گا
پس شروع میں اعراض سے زیادہ نہیں تھا چونکہ معافی نہیں چاہی حجاب ہو گیا اور جب اس
نا پسندیدگی پر اڑا رہا تو تفاضل ہو گیا۔ (دوری ہو گئی) اگر اس کے بعد بھی وہ دوست
معافی نہ مانگے تو سلب مزید واقع ہو گا۔ یعنی اس کے اوراد اور طاعت و عبادت
کے ذوق میں جو بڑھت تھی وہ واپس لے لی جائے گی۔ پس اگر اس پر بھی عذر نہ کرے اور اس
ہٹ دھرمی پر جمار ہے تو سلب قدیم ہو گا کہ وہ طاعت اور وہ راحت جو "مزید" (بڑھوتری) سے پہلے میسر
تھی وہ بھی چھین جائے گی پس اگر یہاں بھی توبہ میں کسر رہ جائے تو اس کے بد تسلی ہوگی تسلی کسے

کہتے ہیں؟ یعنی اس کے دوست کا دل اس کی جدائی پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ پس اگر پھر بھی توبہ میں سستی ہو تو عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور محبت جو تھی وہ عداوت میں بدل جاتی ہے
نعوذ باللہ منها۔

ستر قصوں مجلس

اسی مہینے کی پچیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ملی۔ کھانا کھلانے کی فضیلت کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ لوگوں کو کھانا کھلانا بہت اچھی چیز ہے اس دوران فرمایا کہ خواجہ علی فرزند خواجہ بزرگ شیخ رکن الدین راللہ تعالیٰ ان سب کو قیامت میں خیر سے اٹھائے تا تارمی کافروں کے حملے میں گرفتار ہوئے۔ ان کو چنگیز خاں کے سامنے لے گئے اسی خاندان کے مریدوں میں سے ایک شخص وہاں حاضر تھا۔ وہ دربار میں رسوخ رکھتا تھا۔ جب اس نے خواجہ علی کو گرفتار دیکھا تو حیران رہ گیا۔ دل میں سوچنے لگا کہ ان کی رہائی کی کیا ترکیب ہو۔ اور ان کا ذکر چنگیز خاں کے سامنے کس حیثیت سے کروں۔ اگر کہتا ہوں کہ یہ بڑے بزرگ اور صاحب کرامت خاندان سے ہیں۔ تو اسے کیا معلوم اور اگر طاعت و عبادت کا ذکر کرتا ہوں تو وہ بھی موثر نہ ہوگا۔ مختصر یہ کہ بڑے سوچ بچار کے بعد چنگیز خاں کے سامنے گیا اور کہا کہ اس شخص کا باپ بہت بزرگ آدمی تھا۔ مخلوق کو کھانا کھلاتا تھا۔ اس کو رہائی دینی چاہیے چنگیز خاں نے پوچھا کہ اپنے لوگوں کو کھانا دیتا تھا یا غیر لوگوں کو؟ اس شخص نے جواب دیا غیر لوگوں کو۔ اپنے لوگوں کو تو سب ہی کھلاتے ہیں۔ مگر اس کا باپ خلق بیگانہ کو کھانا تقسیم کرتا تھا چنگیز خاں اس بات سے خوش ہو گیا اور بولا کہ وہ آدمی کسانیک ہوتا ہے جو خلق خدا کو کھانا دیتا ہے۔ پس اسی وقت حکم دیا کہ اسے رہا کر دیں۔ اور خلعت بھی عطا کیا اور معذرت کی اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالینہ نے فرمایا کہ کھانا کھلانا تاکا مند ہوں میں پسندیدہ ہے۔ اس کے بعد خطرہ اور عزیمت اور فعل کا ذکر آیا۔ فرمایا اول خطرہ ہے کہ پہلے آدمی کے دل میں کوئی چیز آتی ہے۔ اس کے بعد عزیمت ہے۔ یعنی اس خیال پر دل جم جاتا ہے

۱۔ یہ محرم ۱۱۷۷ھ ۱۲۲۰ء کا قہقہہ ہے۔ تاریخ بناکتی۔ تہران مصر ۳۶۶

اس کے بعد فعل ہے۔ یعنی اُس عزیمت (ارادہ) کو عمل تک پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ عوام کو جب تک کہ نہ گزر میں نہیں پکڑتے۔ لیکن خواص کی خطرے ہی پر پکڑ ہو جاتی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ ہر حال میں خدا کی طرف رجوع رہیں۔ کیونکہ خطرہ اور عزیمت اور فعل سب حق (تعالیٰ) کے پیدا کیے ہوئے ہیں ہر صورت میں حق کی پناہ مانگیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ ابوسعید البوالخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کوئی خطرہ میرے دل میں ایسا نہیں گزرا کہ اس کے فعل کی تہمت مجھ پر نہ لگی ہو۔ اگرچہ ہرگز وہ فعل میں نہ کیا ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کوئی کامل مادیچے درویش ان کی خانقاہ میں آئے شیخ ابوسعید البوالخیر نے ان کی معرفت کا کمال دیکھا اور سمجھ گئے کہ وہ کیسے (کامل) مرد ہیں۔ افطار کے وقت اپنی لڑکی سے کہا کہ پانی کا کوزہ ان کے سامنے لے جائے۔ لڑکی اگرچہ چھوٹی تھی مگر پورے ادب اور نہایت احترام کے ساتھ پانی ان درویش کے سامنے لے گئی۔ شیخ ابوسعید کو بیٹی کا ادب بہت اچھا لگا۔ اور دل میں کہنے لگے کہ وہ کیا خوش قسمت آدمی ہوگا جس کے نکاح میں یہ لڑکی جائے گی جب یہ خیال ان کے دل میں آیا حسن موزن کو جو خانقاہ کے خادم تھے بازار میں (انھوں نے) بھیجا اور کہا کہ جاؤ خبر لاؤ کہ شہر میں کیا چرچہ ہے؟ حسن موزن بازار میں گئے اور واپس آکر شیخ سے کہا کہ بازار میں آج میں نے ایک ایسی بات سنی ہے کہ کسی کان میں اس کے سننے کی طاقت نہیں۔ شیخ بولے کہ کہو! حسن نے جواب دیا کہ وہ بات میری زبان پر کیسے آئے شیخ نے حکم دیا کہ جو کچھ تم نے سنا ہے وہ کہہ گزرو! حسن موزن نے کہا کہ بازار میں ایک شخص دوسرے سے کہتا تھا کہ شیخ ابوسعید چاہتے ہیں کہ خود اپنی بیٹی سے شادی کر لیں۔ شیخ ہنسے اور بولے کہ میرے اس خطرے ہی پر میرا مواخذہ ہو گیا۔

جب خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ حکایت پوری کی بندے نے عرضداشت کی کہ اس

حکایت سے معلوم ہوا کہ شیخ ابو سعید الوائلی اپنے زمانے کے بندوں میں نیک بخت ترین ہوئے ہیں فرمایا ہاں۔ اور بندے کی اس بات پر تعریف فرمائی۔

پھر توبہ کی استقامت کا ذکر آیا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ اگر ایک شخص شراب سے توبہ کرنا ہے تو لازمی طور پر اس کے پُرانے ساتھی اور ہم جولی اس کی مزاحمت کرتے ہیں۔ اور ہر دفعہ شراب پینے کے لیے اس مقام پر اسے بلاتے ہیں جہاں انھوں نے لطف اٹھایا تھا اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ پھر شراب پیئے۔ اور یہ بات اسی وقت ہوتی ہے جب اس کے دل میں کسی قدر لگاؤ رہ گیا ہو اور اگر تائب دل کو اس خیال سے پوری طرح صاف کر لیتا ہے تو کوئی ہم جولی اور ساتھی اس کی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ توبہ کی تو سچائی کا ثبوت اس کے ساتھیوں اور ہم جولیوں کا ساتھ چھوٹنا ہوتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ جس کسی کا ذکر کسی گناہ اور کسی فسق کے ساتھ لوگ زبان پر لاتے ہیں یہ اس وقت ہوتا ہے کہ کسی قدر اس شخص کا دل اس فسق اور گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن جب توبہ کرنے والا اپنے دل کو پوری طرح اس ناشائستہ کام سے پھیر لیتا ہے تو پھر کوئی بھی اس جرم و گناہ کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کرتا۔ یہ ساری بات توبہ کی استقامت کی دلیل ہے۔ یعنی جب تک تائب توبہ میں مستقیم ہے۔ تو نہ اس کا ذکر کوئی معصیت کے ساتھ کر سکتا ہے نہ فسق کے ساتھ اس کا نام زبان پر لا سکتا ہے البتہ اس گناہ اور اس معصیت کی طرف مائل ہوگا تو ضرور اس کو طلب کرنے میں کھینچا تانی کریں گے اور زبان پر بھی اس کا ذکر فسق و فجور کے ساتھ لائیں گے۔

پھر حیدر زادہ علیہ الرحمۃ کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ وہ ترک بچے تھے اور ایک صاحب حال درویش تھے۔ جس زمانے میں چنگیز خاں کی یورش ہوئی کافروں نے ہندستان کا رخ کیا۔ ان ایام میں انھوں نے ایک روز مریدوں کی طرف رخ کر کے کہا کہ مغلوں سے بچ کر بھاگو کہ وہ غالب آجائیں گے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیسے؟ بولے وہ ایک درویش کو اپنے ساتھ لارہے ہیں

اور خود اس درویش کی پناہ میں آتے ہیں۔ میں نے عالم باطن میں اس درویش سے گشتی کی اور اس نے مجھے زمین پر دے مارا۔ اب حقیقت یہ ہے کہ وہ غالب آجائیں گے تم لوگ بھاگو۔ اس کے بعد خود ایک غار میں چلے گئے اور غائب ہو گئے۔ انجام وہی ہوا جو انھوں نے کہا تھا۔

اس حکایت کے بیان کے بعد بندے نے عرض کی کہ یہ گروہ جو لوہے کے طوق و کڑے ہاتھ اور گردن میں ڈالتا ہے۔ کیا انھیں کی پیر دی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہاں۔ لیکن ان پر تو ایک حال طاری ہوا کرتا تھا کہ اس حال میں گرم دہکتے ہوئے لوہے کو اٹھا لیتے تھے اور خود اپنے ہاتھ سے کبھی طوق بناتے تھے اور کبھی کڑا بنا لیتے تھے۔ لوہا ان کے ہاتھ میں موم ہو جاتا تھا۔ اور یہ گروہ جو ہے یہ طوق اور کڑے تو پہنتا ہے لیکن وہ حال کہاں ہے۔۔۔

پھر اس بات کا ذکر آیا کہ زندگی یہ ہے کہ درویش ذکر حق میں مشغول رہے۔ اسکے بعد فرمایا کہ ایک بزرگ تھے ان کو میرہ گرامی کہتے تھے۔ کسی درویش کو یہ آرزو ہوئی کہ ان کی زیارت کو آئے۔ اور ان درویش کی یہ کرامت تھی کہ جو خواب بھی دیکھتے۔ سچا ہوتا اس خواب کی تعبیر بالکل وہی ہوتی جو دیکھا ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ان پر میرہ گرامی کا اشتیاق (ملاقات) غالب آیا۔ میرہ گرامی جہاں تھے وہاں روانہ ہوئے۔ راستے میں کسی منزل پر اترے اور سو گئے انھوں نے خواب میں سنا کہ میرہ گرامی مر گئے۔ جب صبح ہوئی تو اٹھے۔ اور بولے کہ افسوس اتنا راستہ ان کی ہوس میں طے کیا اور وہ وفات پا گئے۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ خیر چلتا ہوں۔ جس مقام پر وہ تھے وہاں ان کی قبر کی زیارت کروں۔ جب اس مقام پر پہنچے جہاں میرہ گرامی تھے تو کھری سے پوچھنا شروع کیا کہ میرہ گرامی کی قبر کہاں ہے؟ سب نے کہا وہ تو زندہ ہیں ان کی قبر کو کیوں پوچھتے ہو۔ یہ

درویش حیران ہوا کہ میرا خواب جھوٹا کیسے ہو گیا۔ الغرض میرہ گرامی کی خدمت میں آیا اور سلام کیا۔ میرہ گرامی نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا اے خواجہ معنی کے اعتبار سے تمہارا خواب سچا تھا۔ کیونکہ میں مسلسل یاد حق میں مشغول رہتا ہوں۔ اس رات کو اس کے غیر میں مشغول ہوا۔ یہ ندا عالم میں کر دی گئی کہ میرہ گرامی مر گیا! واللہ اعلم۔

اٹھارویں مجلس

اسی سال ماہ جمادی الاخریٰ کی تیرھویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ روزے کی گفتگو ہو رہی تھی۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ ایک روایت میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ تین روز روزہ رکھتے تھے۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ وہ تین روز کون سے ہیں؟ اس کے بعد فرمایا کہ آداب درویشی یہ ہیں کہ تہائی سال روزہ رکھا جائے۔ یعنی ایک سال میں چار مہینے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کی تقسیم کی گئی ہے۔ جو لوگ تین مہینے روزہ رکھتے ہیں۔ دس خرم کے اور دس ذمی الحجہ کے اور رکھتے ہیں اور دس روز دوسرے متبرک دنوں اور موسموں کے رکھتے ہیں۔ یہ سب تہائی سال بن جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کا تعین ایک اور طرح سے بھی کرتے ہیں کہ اگر ہفتے میں دو دن روزہ رکھیں مثلاً پیر کو اور جمعرات کو تو اس طرح بھی تہائی سال ہو جائے پھر صائم الدہر (ہمیشہ روزہ رکھنے والے) کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے نہ روزہ رکھنا نہ افطار کیا۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس پر دوزخ تنگ ہو گئی اور انھوں نے

۱۔ عقد تسعین روزے کی گرہ۔ گنتی کا ایک طریقہ تھا جس میں ہاتھ کی انگلیوں کو موڑ کر بند کر لیا جاتا تھا۔ مراد یہ کہ جہنم اس پر بند مٹھی کی طرح تنگ ہو جائے گی۔

نوتے کی گرہ لگائی اٹبان دونوں حدیثوں کو کس طرح مطابق کیا جائے گا؟ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے نہ روزہ رکھنا نہ افطار کیا۔ اس کے معنی اس طرح ہوں گے کہ جس نے پیوستہ روزے رکھے تو ان میں وہ پانچ روز دونوں عیدوں اور ایام تشریق کے بھی ہوئے۔ بس یہ ایسا ہوگا کہ اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔ اور جس نے متواتر روزے رکھے مگر ان پانچ روز افطار کیا رکھایا پیام اس پر تنگ ہوگئی دوزخ جس طرح نوتے کی گرہ یعنی اس شخص کی گنجائش نہیں ہوگی دوزخ میں جیسے کہ نوتے کی گرہ میں کسی چیز کی گنجائش نہیں ہوتی۔

اس کے بعد خواجہ ذکرة اللہ بالآخر نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ جو مسلسل روزے رکھتا ہے اس کو عادت ہو جاتی ہے۔ اور روزے کی تکلیف اس پر آسان ہو جاتی ہے۔ پس ثواب اس میں زیادہ ہوگا کہ ایسا روزہ رکھیں جو نفس پر زیادہ دشوار ہو۔ اور اس روزے کو روزہ داری کہتے ہیں کہ ایک روز روزہ رکھا اور دوسرے روز افطار کیا رکھایا پیام،

انیسویں مجالس

اسی پینے کی انیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ جیسے ہی بندے نے سرزمین پر رکھا ارشاد ہوا کہ ظہر کی نماز کے بعد دس رکعت نماز پڑھو پانچ سلاموں سے اور ان دس رکعتوں میں قرآن کی آخری دس سورتیں پڑھو۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس نماز کو نماز خضر کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی نماز ہے جو کوئی یہ نماز پڑھتا ہے خضر علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ اس کے بعد سنت نمازوں میں سورتوں کا تعین فرمایا۔ صبح کی نماز کی سنتوں میں فاتحہ کے بعد الم نشرح اور الم ترکیف۔ اور نماز ظہر کی چار رکعتوں

میں سے ایک میں سورہ قل یا ایہا الکفرون تا قل ھو اللہ احد اور نماز ظہر کی دو رکعت سنت میں آیت الکرسی اور آمن الرسول اور عصر کی نماز کی سنتوں میں اذا زلزلت الارض ینالھکم التکاثر اور شام کی نماز کی سنتوں میں سورہ کافرون و سورہ اخلاص اور سونے کی نماز (عشاء) میں آیت الکرسی و آمن الرسول اور شہد اللہ اور قل اللھم مالک الملک اور عشاء کی نماز کی دو رکعت سنت میں قل یا ایہا الکفرون اور اخلاص اور نماز وتر میں انا انزلنہ و سورہ الکافرون و سورہ اخلاص۔

بیسویں مجلس

اسی مہینے کی سٹائیسٹوئیں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ ذکر صبر جمیل کا ہو رہا تھا۔ اس معنی میں کہ خلق میں اعزہ کی وفات پر جو لوگ صبر کرتے ہیں وہ بڑا کام کرتے ہیں برخلاف ان کے جو بے صبری رکامظاہرہ کرتے ہیں۔ اور مرنے والے کا ناک لے کر بین کرتے ہیں۔ یہ کچھ چیز نہیں ہے۔

اس درمیان فرمایا کہ کہتے ہیں حکیم بقراط کے بیس لڑکے تھے۔ ایک ہی دن میں اس کے بیسوں کے بیس لڑکے مر گئے شاید چھت ان پر گر پڑی تھی۔ بیسوں لڑکے ہلاک ہو گئے۔ جب یہ خبر بقراط کو پہنچائی گئی تو اس حادثے پر اپنی طبیعت کو متغیر نہیں کیا۔

اس سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ مجنوں کو خبر کی گئی کہ لیلے مر گئی۔ بولا کہ نف ہے مجھ پر کہ ایسے سے میں نے دوستی ہی کیوں کی جو مر جائے !

اس کے بعد جب رات ہو گئی تو جمعے کی رات تھی۔ کوئی عورت خدمت میں آئی اور بیعت کی۔ عورتوں کی صلاحیت کے ثمرے کے بارے میں بہت سے نکتے

بیان فرمائے۔ اسی درمیان فرمایا کہ ایک خاتون تھیں۔ اندر پت میں ان کو عمدہ پکارتے تھے بڑی باعفت و باصلاحیت۔ چنانچہ بارہا شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان مبارک پر آیا کہ وہ عورت ایک مرد ہے جس کو عورتوں کی صورت میں بھیجا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ درویش لوگ نیک عورتوں اور نیک مردوں کی حرمت سے جو دعائیں لگتے ہیں تو پہلے نیک عورتوں کی دہائی دیتے ہیں اس اعتبار سے کہ نیک عورتیں کم ہوتی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب شیر جنگل سے نکلتا ہے تو کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ شیر نر ہے یا مادہ۔ یعنی بات توجہ ہے کہ آدم کا فرزند طاعت و تقویٰ میں مشہور ہو چاہے مرد ہو چاہے عورت۔

اس کے بعد پارساؤں کی فضیلت اور ان کی حکایت کے سلسلے میں یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے۔

اگر میں نیک ہوں تو ان میں میرا حشر ہو اور اگر بد ہوں تو ان کے طفیل مجھے بخش دیا جائے

اکبیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رجب کی تیرھویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ بندے سے پوچھا کہ تم زیادہ تر کن لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو؟ بندے نے آپ کے بعض بزرگ مریدوں کے نام لیے اور عرض کیا کہ ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔ آخر میں فرمائی اور یہ شعر زبان مبارک پر آیا۔

عاشقوں کے ساتھ بیٹھو اور عاشقی کا غم کھاؤ اور جو عاشق نہ ہو اس سے قربت کم رکھو۔ یہ شعر پڑھا اور اسکے بعد فرمایا کہ یہ ابو سعید الوالیدی رحمۃ اللہ کا کہا ہوا ہے۔ پھر

فرمایا کہ مشائخ کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ (فلاں) کن لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا رکھتا ہے۔ اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس قبیل کا ہے۔ پھر لیلة الرغائب کی فضیلت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ رغائب جمع ہے رغب و رغوب کی یعنی اس رات میں بہت سی نیکیاں ہیں۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ ایک نماز جو لیلة الرغائب میں آئی ہے جو کوئی اس کو ادا کرتا ہے وہ اس سال میں نہیں مرتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص تھا جو برابر یہ نماز پڑھتا تھا۔ جس سال اس کی وفات ہوئی تھی جب سال ختم ہوا تو وہ رات جو لیلة الرغائب ہوئی تھی اسی کے دن میں وفات پائی۔ یعنی اس پورے سال تک جی لیا۔

پھر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی نماز کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ یہ نماز تیسری جو تھی پانچویں رجب کو ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تیرھویں چودھویں پندرھویں بھی آیا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک روایت سے اس طرح بھی ہے کہ تیسویں یا چوبیسویں یا پچیسویں۔ اس کے بعد اس نماز کی فضیلت میں بہت کچھ فرمایا۔ اسی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ مدرسہ معزی میں ایک مولوی تھے جنھیں مولانا زین الدین کہتے تھے۔ بڑے دانشمند آدمی تھے۔ جو بھی مسئلہ ان سے پوچھا جاتا شافی جواب دیتے اور مباحثے میں فلسفیانہ طریقے سے حصہ لیتے۔ ان سے ان کی تعلیم کا حال پوچھا گیا۔ بولے میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا ہے۔ اور کسی کی شاگردی نہیں کی ہے۔ جب پوچھا ہو گیا تو ایک دفعہ خواجہ اویس قرنی کی نماز پڑھی۔ اور دعا کی کہ الہی میں بڑھاپے کو پہنچ گیا اور کچھ تعلیم حاصل نہ کی مجھے علم کرامت فرما۔ حق تعالیٰ نے اس نماز کی برکت سے علم کا دروازہ مجھ پر کھول دیا۔ یہاں تک کہ جس مسئلے کی گفتگو آتی ہے۔ میں بخوبی اس کی تشریح کرتا ہوں اور پوری درستی کے ساتھ اسے بیان کرتا ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ آخر رجب میں بھی ایک نماز آئی ہے۔ درازی عمر کے لیے اس سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بدرالدین غزنوی علیہ الرحمۃ والغفران متواتر یہ نماز پڑھتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے شیخ ضیاء الدین پانی پتی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے شیخ نظام الدین سے سنا ہے کہ جس سال میں شیخ بدرالدین غزنوی علیہ الرحمۃ والغفران کی وفات تھی۔ اس سال انہوں نے یہ نماز ادا نہیں کی۔ ان سے کہا گیا کہ اس سال یہ نماز آپ نے کیوں نہیں ادا کی؟ بولے میری عمر میں اب کچھ باقی نہیں ہے۔ وہی ان کی وفات کا سال تھا۔

پانیسویں مجلس

اسی سال ماہ رجب کی تیسویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی کعبے اور اس کی عمارت اور اس کی خرابی کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ کعبے کو دوبار خراب کیا گیا ہے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ کعبے کو دوبار خراب کریں گے تیسری بار آسمان پر لیجائیں گے اور یہ آخر زمانے میں ہوگا۔ اس کے بعد قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور اس طرح ہوگا کہ جب قیامت قریب آئے گی۔ تو بتوں کو لائیں گے۔ اور کعبے میں رکھیں گے اور وہ قبیلہ کہ جس کا نام اوس ہوگا۔ اس کی عورتیں آئیں گی اور ان بتوں کے سامنے رقص کریں گی۔ اس وقت کعبے کو آسمان پر اٹھالیا جائے گا۔

تیسویں مجلس

اسی سال شعبان کی گیارہویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی بندے کو سامنے بلا کر فرمایا کہ تمہیں چاہئے کہ ہمیشہ طاعت و عبادت میں مشغول رہو

اور اوراد اور دعاؤں کے پڑھنے میں محنت کرو۔ اور چاہے مشائخ کی کتابوں کے مطالعے میں رہو (غرض یہ کہ) مشغول رہو۔ اور بیکار نہ رہو۔ اس کے بعد خاص اپنے لباس سے مشرف فرمایا اور کلاہ اور کمرتا پہنایا والحمد للہ رب العالمین۔

چوبیسویں مجلس

اسی مہینے کی پچیسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ شب بیداری اور قرآن کی تلاوت اور اس گروہ کا ذکر آیا جو سب میں شب بیداری کرتا ہے۔ بندے نے عرض کی اگر اپنے گھر میں شب بیداری کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ اپنے گھر میں ایک سی پارہ پڑھنا بہتر ہے اس سے کہ مسجد میں ختم (قرآن) کریں اس کے بعد کسی کا ذکر آیا کہ جو اگلے وقتوں میں دمشق کی مسجد میں ہمیشہ شب بیدار رہتا تھا۔ اور ساری رات قیام کرتا تھا رنفل پڑھتا تھا، شیخ الاسلام کے عہدے کی امید میں۔ اس درمیان خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر آنکھ میں آنسو بھر لائے اور زبان مبارک سے فرمایا پھونک دو پہلے شیخ الاسلامی کو اور پھر خانقاہ کو اور اس کے بعد خود کو!

اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ ایک بقال (بیئے) تھے علیہ الرحمۃ جو پچیس سال روزے سے رہے اور کسی کو ان کے حال کی خبر نہ ہوئی۔ اس حد تک کہ ان کے گھر والوں کو بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ روزہ رکھتے ہیں۔ اگر گھر میں ہوتے تو یہ ظاہر کرتے کہ دوکان میں کوئی چیز کھالی ہے۔ اور اگر دوکان میں ہوتے تو یہ ظاہر کرتے کہ گھر میں کچھ کھایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اصل میں نیت نیک ہونی چاہیے۔ کیونکہ خلق

کی نظر تو عمل پر ہے۔ لیکن خدا کی نظر نیت پر ہے۔ جب نیت خدا کی طرف ہو تو تھوڑا سا عمل بھی پسندیدہ ہے۔

اس باب میں قصہ سنایا کہ دمشق کی جامع مسجد میں وقف بہت ہے اس جگہ کا متولی بڑا حیثیت دار ہوتا ہے۔ گویا دوسرا بادشاہ ہو۔ اس درجے کا اگر بادشاہ کو مال کی ضرورت ہو تو متولی سے قرض لیتا ہے۔ الغرض ایک درویش نے ان اوقاف کے لالچ میں دمشق کی جامع مسجد کے اندر طاعت و عبادت کا آغاز کیا کہ شاید شہرت ہو جائے اور تولیت اس کو دیدیں۔ ایک مدت طاعت میں مشغول رہا کسی نے اس کا نام تک نہ لیا۔ یہاں تک کہ ایک رات اس دکھاوے کی طاعت پر پشیمان ہوا اور خدا تعالیٰ سے عہد کیا کہ تجھ کو خاص تیری خاطر بوجوں گا۔ اس عہدے کی خاطر نہیں۔ یہ عہد کیا اور وہی طاعت جو کمرہا تھا اس میں کچھ کمی نہ کی۔ صالح نیت کے ساتھ اس میں مشغول رہا۔ اس کے بعد ہی اس کو تولیت کے منصب کے لیے بلایا گیا۔ بولا نہیں میں نے اسے ترک کر دیا بہت اس کی طلب میں رہا۔ اب جبکہ ترک کی ٹھانی ہے۔ تو مجھے عنایت کر رہے ہیں۔ الغرض اسی طرح خدا میں مشغول رہا اور اس شغل سے آلودہ نہیں ہوا۔

پچیسویں مجلس

ماہ مبارک رمضان (اس کی برکتیں عام ہوں) کی نویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی سعادت سے مشرف ہوا۔ حاضرین میں سے کسی نے یہ بات بیان کی کہ ایک شخص تھا۔ بڑی صلاحیت والا اور درویشوں کی خدمت کا بڑا مشتاق۔ اس سے میں نے کہا کہ تم خواجہ کے مرید کیوں نہیں ہو جاتے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایک دفعہ بیعت کی نیت سے وہاں گیا تھا۔ وہاں میں نے نصیس کپڑے پچھے ہوئے اور شمعیں جلتی

ہوئی دیکھیں۔ میرا اعتقاد ڈالوا ڈول ہو گیا۔ میں واپس چلا آیا خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے جب یہ بات سنی تو حاضرین کی طرف دیکھا اور فرمایا یہاں جامہ ہائے خواب اور شمعیں کب تھیں؟ اس کے بعد مسکرا کر فرمایا کہ چونکہ بیعت کی دولت اس کی قسمت میں نہ تھی تو اس کو ایسا ہی دکھایا گیا اس درمیان بندے نے عرض کی کہ جامہ ہائے خواب اور شمعیں اگر ہوں بھی تو اعتقاد کیوں خراب کیا جائے؟ زبان مبارک سے فرمایا کہ بعض کا اعتقاد ذرا سی چیز سے بدل جاتا ہے۔ اور بعض کا اعتقاد مضبوط ہوتا ہے اور ارادت میں پوری طرح پکا!

پھر فرمان پیر کی نگاہداشت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز ایک دعا ہاتھ میں لیے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے کہ کوئی ہے جو اس دعا کو یاد کر لے! میں سمجھ گیا کہ ان کا مقصود یہ ہے کہ میں یاد کروں۔ میں آداب بجالایا اور عرض کی اگر حکم ہو تو بندہ یاد کر لے۔ وہ دعا مجھے عطا فرمادی۔ میں نے عرض کی کہ ایک دفعہ شیخ کے سامنے پڑھ لوں۔ پھر یاد کروں۔ ارشاد ہوا پڑھو۔ جب میں نے پڑھا تو ایک اعراب کی اصلاح فرمائی کہ اس طرح پڑھو۔ میں نے جس طرح شیخ نے فرمایا تھا پڑھا۔ اگرچہ جس طرح میں نے پڑھا تھا وہ بھی معنی رکھتا تھا۔ قصہ اسی وقت وہ دعا مجھے دل سے یاد ہو گئی۔ میں نے عرضداشت کی کہ دعا یاد کر لی ہے حکم ہو تو پڑھوں ارشاد ہوا پڑھو! میں نے دعا سنائی اور وہ اعراب جو شیخ نے بتایا تھا اس کو اسی طرح پڑھا جب شیخ کی خدمت میں سے باہر آیا تو مولانا بدر الدین اسمعیٰ علیہ الرحمۃ والغفران نے مجھ سے کہا کہ تم نے اچھا کیا کہ اعراب اسی طرح پڑھے جیسے شیخ نے بتائے تھے۔ میں نے کہا اگر یہی ہو جو اس علم کو وضع کرنے والا ہے اور وہ سب جو اس علم کے بانی ہوئے ہیں۔ آئیں اور

علمیہ کی اعلیٰ قسم جس کو امر استعمال کرتے تھے

مجھ سے کہیں کہ اعراب اسی طرح ہیں جس طرح تم نے پڑھے تھے۔ (تب بھی) میں اسی طرح پڑھوں گا جس طرح شیخ نے فرمایا ہے۔ مولانا بدرالدین نے کہا یہ آداب جو تم ملحوظ رکھتے ہو ہم میں سے کسی کو بھی میسر نہیں!

پھر پیر کی بارگاہ کے آداب کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ میں نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے سنا ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ایک جرات اپنے پیر شیخ قطب الدین قدس اللہ العزیز کے سامنے کی تھی۔ اور ہوا یہ کہ میں نے ایک دفعہ شیخ سے اجازت مانگی کہ چلے کروں۔ اور گوشت نشین ہو جاؤں۔ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ ضرورت نہیں ہے۔ اس سے شہرت حاصل ہوتی ہے ہمارے خواجگان سے ایسی روایت نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ شیخ پیرِ احوال روشن ہے کہ میری نیت شہرت کی ذرا بھی نہیں ہے۔ میں شہرت کے لیے نہیں کہتا۔ شیخ قطب الدین خاموش ہو گئے اس کے بعد میں باقی ساری عمر سخت شرمندہ رہا اور توبہ کرتا رہا کہ ایسا جواب کیوں دیا جو ان کے حکم کے موافق نہیں تھا۔

جب یہ حکایت پوری ہو گئی خواجہ ذکری اللہ بالخیر نے قصہ سنایا کہ مجھ سے بھی ایک دفعہ شیخ کے سامنے بے ارادہ ایک جرات ہو گئی تھی۔ اور بڑا یہ تھا کہ ایک روز عوارف کانسو شیخ کے سامنے تھا۔ اس میں سے فوائد بیان فرما رہے تھے شاید وہ نسخہ باریک خط میں لکھا ہوا اور اسی قدر خراب حالت میں تھا۔ شیخ اُس کے بیان کرنے میں کسی قدر اٹکتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ ایک دوسرا نسخہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دیکھا تھا۔ مجھے وہ یاد آگیا عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین کے پاس صحیح نسخہ ہے۔ شاید یہ بات خاطر گرامی پر گراں گذری کچھ توقف

فرمایا پھر زبان مبارک سے گویا ہوئے۔ یعنی درویش میں سقیم نسخے کی صحت کی طاقت نہیں ہے؟ ایک دوبارہ ہی بات زبان مبارک پر آئی اور میرے دل میں ذرا بھی خیال نہیں تھا کہ کس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ اگر میں نے جان بوجھ اس نیت کے ساتھ یہ بات کہی ہوتی تو اپنے بارے میں سوچتا بھی کہ یہ بات مجھ سے متعلق ہے۔ جب دو تین بار یہ بات فرمائی تو مولانا بدرالدین الحق علیہ الرحمۃ والغفران نے مجھ سے کہا کہ شیخ یہ بات تمہارے بارے میں فرماتے ہیں میں کھٹا ہوا ہوں اور سہزنگا کر لیا اور شیخ کے قدموں پر گھر پڑا اور عرض کی کہ پناہ بخدا جو اس بات سے میرا مقصود مخدوم کی طرف کنایہ رہا ہو میں نے ایک نسخہ دیکھا تھا۔ اس کا ذکر کر دیا۔ میرے دل میں اور کوئی چیز نہیں تھی۔ ہر چند کہ میں معذرت کرتا تھا۔ ناخوشی کا اثر اسی طرح شیخ میں دیکھتا تھا۔ جب وہاں سے اٹھا تو سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ کسی کو ایسا دن اور ایسا غم نہ ملے جیسا اس روز مجھے تھا۔ مجھے رونا آنے لگا۔ مضطرب اور حیران باہر آیا۔ یہاں تک کہ ایک کنویں پر پہنچا۔ چاہتا تھا کہ خود کو اس کنویں میں گمراہوں پھر میں نے تامل کیا اور اپنے آپ سے کہا کہ تم تو گدائے مردہ ہو اپنے آپ کو مردہ ہی سمجھو مگر یہ بدنامی کسی اور پر نہ آجائے۔

اس حیرت و حسرت میں میرا سیمہ ہو کر باہر جنگل کی طرف نکل گیا اور آپ ہی آپ گریہ و زاری کرتا رہا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس وقت میرا کیا حال تھا الغرض شیخ کے ایک صاحبزادے تھے شہاب الدین لقب۔ میرے اور ان کے درمیان محبت کا تعلق تھا۔ ان کو اس حال کی خبر ہوئی شیخ کی خدمت میں گئے۔ اور میری کیفیت عہدگی سے خدمت میں عرض کی۔ حضرت شیخ نے اپنے لڑکے محمد کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا۔ میں آیا سر قدم مبارک میں رکھ دیا۔ اس وقت خوش ہوئے

دوسرے روز مجھے سامنے بلایا۔ اور بہت شفقت اور مرحمت فرمائی۔ اور ارشاد ہوا کہ یہ سب تمہارے کمال حال کے لیے کرتا ہوں۔ یہ لفظ اس روز حضرت سے میں نے سنا کہ پیر مرید کا مشاطہ ہوتا ہے۔ اس وقت مجھے خلعت عطا ہوا اور اپنے خاص لباس سے مشرف فرمایا۔ واللہ رب العالمین

چھبیسویں مجلس

اسی سال اور اسی مہینے کی اکیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ طاعت کی کوشش کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شروع میں جب لوگ طاعت کا آغاز کرتے ہیں تو یقیناً نفس پیگراں گزرتا ہے۔ اور دشوار نظر آتا ہے۔ لیکن جب کوئی دل سے اس میں لگ جاتا ہے تو حق تبارک و تعالیٰ توفیق عطا فرماتا ہے۔ اور اس کا آکواس پر آسان کر دیتا ہے۔ اسی طرح جو بھی کام واجبہ میں شکل لگتا ہے مگر جب لوگ شروع کر دیتے ہیں تو آسانی سے پورا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کی بارہا خواہش ہوئی کہ جوامع الحکایات کی ایک کاپی نقل کرا لیں۔ آمدنی بہت محدود تھی اور کتابت کا سامان اور کاتب کی اجرت بڑی ناقابل برداشت۔ یہاں تک کہ اگر کاغذ حاصل کرتے تو کتابت کا خرچ نہ ہوتا اور اگر یہ خرچ ہاتھ آتا تو کاغذ اور دوسرا سامان نہ ہوتا۔ الغرض ایک روز حمید نامی ایک کاتب ان کے پاس آئے۔ شیخ نجیب الدین نے فرمایا کہ ایک زمانے سے آرزو ہے کہ جوامع الحکایات کو لکھواؤں مگر کسی طرح میسر نہیں آتا۔ حمید نے عرض کی اس وقت کیا موجود ہے؟ شیخ نے فرمایا ایک درم حمید نے وہ ایک درم لیا۔ اور اس سے کاغذ خرید لایا اور کتابت

کرنے لگا۔ ظاہر ہے ایک درم میں چند ہی کاغذ آئے ہوں گے۔

مختصر یہ کہ اس نے ابھی ان کاغذوں پر کتابت مکمل بھی نہ کی تھی کہ دوسری نذر (حضرت متوکلؑ کو) پہنچ گئی اور مزید کاغذ کا سامان ہو گیا اور دوسری چیزیں بھی فراہم ہو گئیں اور کتابت کی اجرت بھی اسی میں سے نکل آئی۔ اس کے بعد متواتر (کچھ نہ کچھ) آتا رہا اور وہ کتاب بہت جلد اور خوبی کے ساتھ مکمل ہو گئی خلاصہ یہ کہ جب کام کی ابتدا ہو گئی (تو) پورا (بھی) ہو گیا۔

پھر شیخ نجیب الدین متوکلؑ کے مناقب اور ان کے اعتقاد کی خوبی تک بات پہنچی۔ فرمایا کہ ایک روز میں ان کی خدمت میں بیٹھا تھا اور اس وقت میرے سر پر بال تھے۔ میں ان سے مخاطب ہوا تو عرض کی کہ ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اس نیت سے پڑھیے کہ میں قاضی (جج) بن جاؤں شیخ نجیب الدین خاموش ہو گئے۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید سنا نہیں۔ دوسری بار عرض کیا کہ ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اس مقصد سے پڑھیے کہ میں کسی جگہ قاضی ہو جاؤں! پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ تیسری مرتبہ جب میں نے عرض کیا تو ہنسے اور بولے تم قاضی نہ بنو تم تو کچھ اور چیز بنو الغرض حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ انھیں اس کام سے کس قدر نفرت تھی کہ فاتحہ (بھی) نہ پڑھی۔ پھر بخشش (و مغفرت) کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک درم تھیلی میں ہو اور وہ ضرورت کے وقت چاہے کہ اس درم کو تھیلی میں سے نکالے اور وہ درم تھیلی کے کسی کونے میں چھپا رہ جائے اور اس شخص کے ہاتھ نہ آئے اور وہ سوچے کہ (کہیں) کھو گیا اور وہ غمگین ہو جائے تو اللہ تعالیٰ

عمل غالباً حضرت کی مراد یہ ہے کہ اس وقت تک حضرت مرید نہیں ہوئے تھے۔ مرید ہوتے وقت بالوں کی ایک لٹ کاٹی جاتی ہے اور بعض سر بھی منڈاتے ہیں جس کو مخلوق ہونا کہتے ہیں۔

اس کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ اس کے بعد خواجہ ذکر اللہ بالآخر نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس حدیث میں اُس شخص کے بارے میں وعدہ ہے کہ جس کے پاس بس وہی ایک درم ہو۔ کیونکہ اگر کسی کے پاس بہت سے درم ہوں اور ان میں سے ایک درم گم ہو جائے تو وہ منعموم نہیں ہوتا۔ البتہ وہ شخص جس کے پاس بس ایک ہی درم ہو اور وہ گم ہو جائے تو وہ منعموم ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ اس کی بخشش فرما دیتا ہے۔ ان معانی کا اظہار اس روز ہوا اور یہی دن تھا کہ خلعت اور خاص جوتیاں بخشش فرمائیں واللہ اعلم بالصواب

سَنَائِسُوں مجلس

اسی سال اسی مہینے کی اٹھائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ حسبِ عادت دہلیز کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ دروازے کے پاس ایک زمین (سیڑھیاں) تھا۔ جب بندے نے سرزمین پر رکھا تو اشارہ فرمایا کہ وہیں زمین کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ جب بھی دروازے کے ایک پٹ پر ہوا کا جھونکا لگتا۔ وہ بند ہو جاتا۔ بندے نے اس دروازے کو اپنے ایک ہاتھ سے مضبوط پکڑ لیا تاکہ کھلا رہے۔ کچھ وقت گزرا۔ بندے کی طرف نگاہ فرمائی دیکھا کہ درپکڑے بیٹھا ہوں۔ ارشاد ہوا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ بندے نے سرزمین پر رکھ دیا اور عرض کی کہ میں نے یہ درپکڑ لیا ہے! تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم نے یہ درپکڑا ہے اور مضبوط پکڑا ہے! اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ بار بار فرماتے کہ ہر دری اور ہر سری نہ ہو ایک درپکڑو اور مضبوط پکڑو!

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز صبح کے وقت کوئی دیوانہ ایک دروازے پر کھڑا تھا جب دروازہ کھولا گیا تو خلقت باہر آئی۔ ہر شخص کسی جانب روانہ ہو گیا کوئی دائیں طرف کوئی بائیں طرف کوئی سامنے ہر ایک کسی طرف چلا گیا۔ دیوانے نے جب یہ دیکھا تو بولا کہ یہ لوگ پرالندہ اور الگ الگ اور مخالف جاتے ہیں جب ہی تو کسی ٹھکانے پر نہیں پہنچتے۔ اگر سب ایک راہ جائیں تو مقصود تک پہنچ جائیں۔

قلمت طعام کا ذکر نکلا اور اس بات کا کہ بھرے پیٹ پر کچھ کھانے کا کیا نفع نقصان ہے۔ پھر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ بھرے پیٹ کچھ کھانا۔ دو آدمیوں کے سوا کسی کے لیے درست نہیں ہے۔ ایک تو وہ جس کے ہاں کوئی مہمان آیا ہوا ہو۔ اگرچہ وہ شخص سیر ہو چکا ہوتا ہم اس خیال سے کہ مہمان کچھ کھالے اس کو جائز ہے کہ کسی قدر بھرے پیٹ پر بھی مزید کھالے۔ دوسرے وہ روزے دار جس کے لیے سحری کا سامان نہ ہو اور وہ جانتا ہو کہ سحری کے وقت کوئی چیز نہ ہوگی اگر وہ چھکا ہوا ہونے پر بھی کچھ کھالے تو جائز ہے۔

پھر سنون دعاؤں کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت اور بلا میں گرفتار ہو کہ کسی علاج سے بھی (وہ مصیبت اور بلا) دفع نہ ہوتی ہو تو جمعے کے روز عصر کی نماز کے بعد سے غروب کے وقت تک کسی کام میں نہ لگے سوائے ان تین اسماء کے ذکر کے اور ان (تینوں) کو ایک ساتھ پڑھے۔ وہ تین اسم یہ ہیں۔ یا اللہ۔ یا رحمن۔ یا رحیم ضرور اس رنج سے خلاصی مل جائے گی۔

اٹھائیسویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی آٹھویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ اس روز اس ادنیٰ غلام احسن علاء بھری نے ان معانی کے جمع

کمرنے کا حال عرض کیا۔ بڑا اچھا وقت اور بڑی باراحت خلوت تھی۔ بندے نے
 سرزمین پر رکھا اور گویا ہوا کہ میری ایک عرضداشت ہے۔ اگر حکم ہو تو پیش کروں۔
 ارشاد ہوا ضرور کہو۔ بندے نے عرض کی کہ ایک سال سے زیادہ ہو گیا کہ مخدوم کی
 غلامی میں داخل ہوں۔ اور ہر بار (جب بھی) قدم بوسی کی دولت حاصل ہوتی ہے۔
 زبان گو ہر بار سے فوائد سننے میں چاہے وعظ و نصیحت اور طاعت کی ترغیب ہو
 چاہے حکایات مشائخ اور ان کے احوال ہوں۔ ہر باب میں روح افزا کلمات، اس
 لکھنے والے کے کان تک پہنچے ہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ بیچارے کا دستور
 عمل بلکہ مجھ در ماندہ کے لیے راستے کی رہنمائی بن جائیں۔ (ان کو) اپنی فہم کے
 بقدر میں نے قلم بند کر لیا ہے اس لیے بھی کہ بارہا زبان مبارک پر آیا ہے کہ کتاب مشائخ اور
 ان کے ارشادات جو انھوں نے سلوک کے بارے میں فرمائے ہیں نظر کے سامنے
 رکھنے چاہئیں۔ پس کوئی بھی مجموعہ میرے مخدوم کے جان بخش ملفوظات سے
 زیادہ نہیں ہو سکتا۔ پس اس وجہ سے بندے نے جو کچھ بھی زبان مبارک سے سنا جمع کر لیا
 اور اب تک اس کا اظہار نہیں کیا ہے حکم کا منتظر ہوں کہ کیا فرمان صادر ہوتا ہے
 جب خواجہ ذکوة اللہ بالخیر نے یہ عرضداشت سنی تو حکایت بیان فرمائی کہ جب میں حضرت
 شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا تو یہی بات
 میرے دل میں بھی آئی تھی کہ جو کچھ حضرت کی زبان مبارک سے سنا کروں گا لکھ لیا کروں گا
 اول روز دست بوسی کی دولت ملی تو پہلی بات جو شیخ سے سنی یہ تھی کہ زبان مبارک
 سے فرمایا۔

اے آتش فراق و دلہا کیاب کردہ سیلاب اشتیاق جانہا خراب کردہ

اے کہ تیرے فراق کی آگ نے دلوں کو کباب کر دیا اور تیرے اشتیاق کے سیلاب نے جانوں کو بھنڈر کر رکھا ہے۔

اس کے بعد میں نے چاہا کہ قدم بوسی کے اشتیاق کا حال حضرت کی خدمت میں کچھ عرض کروں۔ (مگر حضرت شیخ کی موجودگی کے رعب نے مجھ پر غلبہ کیا صرف اس قدر کہہ سکا کہ حضورؐ عالی کی قدم بوسی کا اشتیاق بہت ہی غالب ہو گیا تھا۔ جب شیخ نے رعب کا اثر مجھ پر دیکھا تو یہ لفظ زبان مبارک پر آیا۔ لَکَلِّ دَاخِلٍ دِهْشَةُ ہر آنے والا کچھ مرعوب ہوتا ہے۔ الغرض اس روز شیخ سے میں نے جو کچھ سنا اپنے مقام پر واپس آنے کے بعد اسے لکھ لیا۔ اس کے بعد جب بھی کچھ سنتا اس کو میں قلم بند کر لیتا یہاں تک کہ یہ بات میں نے شیخ کو بتائی چنانچہ بعد میں جب کبھی کوئی حکایت یا کوئی نکتہ بیان فرماتے تو پوچھ لیتے کہ تم موجود ہو؟ اس درجے (اس کا اہتمام تھا) کہ اگر میں موجود نہ ہوتا تو جب دوبارہ خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ فائدہ جو میری غیر موجودگی میں بیان فرمایا تھا اس کو دہراتے !

اس کے بعد خواجہ ذکرة اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے ایک کرامت دیکھی کہ انھی دنوں میں ایک شخص نے مجھے سفید کاغذ یکجا جلد کئے ہوئے دیے۔ میں نے وہ لے لیے اور شیخ الاسلام کے فوائد سب ان پر لکھ لیے۔ اور پر لکھا کہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ اس کے بعد وہ کلمات جو شیخ سے سن چکا تھا لکھے اور ابھی تک وہ مجموعہ میرے پاس ہے۔

یہ احوال بیان فرمانے کے بعد بندے سے فرمایا کہ وہ کاغذ جن پر تم نے لکھا ہے لائے ہو؟ بندے نے عرض کی جی ہاں لایا ہوں۔ ارشاد ہوا لاؤ۔ بندے نے چھ شیت کاغذ جن پر لکھ چکا تھا لا کر دست مبارک میں دے دیئے۔ (ابھیں) مطالعے کا شرف عطا فرمایا اور تعریف فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اچھا لکھا ہے۔ اور جیسے جیسے پڑھتے جاتے فرماتے جاتے اچھا

لکھا ہے۔ ایک دو جگہ میں نے جگہ خالی چھوڑ دی تھی۔ پوچھا خالی جگہ کیوں چھوڑی ہے۔ —
 عرض کی کہ یہ حروف ابھی طرح سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ شفقت فرمائی اور ہر بات کا بقیہ
 حصہ بیان فرمایا وہ کلمات مکمل ہو گئے۔ یہ تھی اس روز کی شفقت و رحمت اور شکتی
 پروری۔ الحمد للہ رب العالمین۔

پھر باری تعالیٰ کے فضل و رحمت کا ذکر آیا کہ خلق کے قیاس کے خلاف کار سازی فرماتا
 ہے۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ خلفائے بغداد میں سے کسی خلیفہ نے ایک جوان کو
 قید کیا۔ اس جوان کی ماں خلیفہ کی خدمت میں آئی اور روئی دھوئی کہ اس کے بیٹے کو چھوڑ دیں
 خدا۔ بولا کہ میں نے حکم دے دیا ہے کہ اس کو مستقل قید میں رکھا جائے جب تک میری آل میں
 سے ایک آدمی بھی خلیفہ رہے گا تیرا بیٹا قید خانے میں رہے گا میں نے اس طرح کا حکم دیدیا ہے
 بڑھیا نے جب یہ سنا تو آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بولی کہ خلیفہ نے تو خود یہ حکم
 دیدیا۔ اب تو کیا حکم کرتا ہے خلیفہ نے یہ بات سنی اور اس کا دل پلٹ گیا فرمان جاری کیا کہ بڑھیا کے بیٹے
 کو رہا کر دیں۔ اس کے بعد ایک قیمتی گھوڑا (بڑھیا کے) بیٹے کو عطا کیا اور حکم دیا کہ اس
 (جوان) کو عطا کردہ گھوڑے پر سوار کرا کے بغداد میں گشت کرائیں اور اس کے سامنے
 یہ پکارتے چلیں کہ یہ اللہ کا آزاد کردہ ہے خلیفۃ اللہ (کے حکم) کے خلاف۔ یہ اللہ کی عطا ہے
 خلیفہ (کی مرضی) کے خلاف!

پھر مرید کی قابلیت اور پیر کی بخشش کا ذکر آیا۔ اس درمیان حکایت بیان فرمائی
 شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مریدوں میں ایک شخص یوسف نامی تھے۔
 ایک دفعہ انھوں نے شیخ کے سامنے کسی قدر خفگی ظاہر کی کہ میں اتنے سال سے غلامی میں ہوں
 ہر شخص کو شیخ کی بارگاہ سے کچھ نہ کچھ بخشش ملی۔ مجھے تو ان سب سے پہلے
 ملنی چاہیے تھی۔ یہ بات اور اس طرح کی باتیں کہتے رہے شیخ الاسلام

نے فرمایا کہ میری طرف سے کوئی کمی نہیں ہے۔ تیری طرف سے بھی تو استعداد اور قابلیت ہوئی چاہئے۔ اور نہ میں اپنے پاس سے دیتا ہوں! اگر خدا تعالیٰ ہی نہ دے تو اس کو کیا کیا جائے؟ مرید اسی طرح شکایت کرتا رہا یہاں تک کہ اس درمیان شیخ کی نظر ایک چھوٹے سے کم عمر لڑکے پر پڑی اس سے فرمایا کہ آؤ۔ جہاں شیخ تشریف فرما تھے۔ اس کے سامنے اینٹوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔ شیخ نے اسی چھوٹے بچے سے کہا کہ جاؤ ان اینٹوں میں سے (ایک اینٹ) ہمارے لیے لے آؤ۔ بچہ گیا اور ایک سالم اینٹ شیخ کے سامنے لا کر رکھ دی۔ ایک مرید شیخ کی خدمت میں بیٹھتے تھے۔ شیخ نے دوبارہ اس بچے سے کہا کہ جاؤ ایک اور اینٹ ان مرید کے لیے بھی لے آؤ وہ بچہ گیا اور پھر ایک سالم اینٹ ان مرید کے سامنے رکھ دی۔ اس کے بعد پھر شیخ نے اس بچے سے فرمایا کہ ایک دفعہ اور جاؤ اور ان مرید کے لیے بھی ایک اینٹ لے آؤ۔ اور یہ اشارہ ان یوسف صاحب کی طرف کیا۔ وہ بچہ گیا اور آدھی اینٹ لایا اور ان کے سامنے رکھ دی۔ شیخ نے فرمایا میں اس کو کیا کروں (کیا) میں نے یہ اپنی طرف سے کیا ہے؟ چونکہ تمہاری قسمت میں اتنا ہی تھا تو میری کیا ذمہ داری؟

انتیسویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی بیسویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی شیخ عثمان حرب آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت آئی، زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ بہت بڑے بزرگ تھے ان کی ایک تفسیر ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ غزنین میں رہتے تھے۔ سبزی پکاتے اور بیچتے۔ شلغم اور چقندر اور اسی طرح کی سبزیوں کی دیگ پکاتے اور بیچتے۔ اس کے بعد غلیبی عنایت کے بیان میں یہ شعر زبان مبارک پر آیا۔

حق بشبان تناج نبوت دہد ورنہ نبوت چہ شناسد شبان

حق تعالیٰ چرواہے کو نبوت کا تاج دے دیتا ہے ورنہ چرواہے نبوت کو کیا جاساں
 یعنی پیغمبر موسیٰ علیہ السلام اس کے بعد ان کے احوال میں سے بیان فرمایا کہ اگر کوئی آتا
 اور کھوٹا درم ان کو دیتا اور جو کچھ انھوں نے پکایا ہوتا اسے خریدتا تو وہ اس درم کو لے لیتے
 اگرچہ جانتے ہوئے کہ کھوٹا ہے مگر خریدار کے سامنے کچھ نہ کہتے۔ اور جو کھرا درم لاتا تو
 اس کو بھی رکھنا دے دیتے۔ یہاں تک کہ خلق کو یہ خیال ہو گیا کہ ان کو کھرے کھوٹے کی تمیز
 نہیں ہے۔ اور بہت لوگ آتے اور کھوٹے درم دے دیتے اور وہ کھرے کی طرح لے لینے
 اور ان پر ظاہر نہ کرتے اور کھانا ان کے حوالے کر دیتے۔ تا آنکہ ان کے انتقال کا وقت
 آیا انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولے خداوند اتو خوب جانتا ہے کہ خلق مجھے کھوٹے
 درم دیتی تھی اور میں کھرے کی طرح انھیں قبول کرتا تھا اور ان کو واپس نہیں کرتا تھا تھا ان
 کے منہ پر نہ مارتا تھا اگر مجھ سے بھی کوئی کھوٹی طاعت ہوئی ہو تو اپنے کمر سے اسے واپس نہ پھیرا (پیر منہ پر مارتا)
 اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ کوئی صاحب دل درویش ان کے پاس آئے اور
 ان کی دیگ میں سے کھانا طلب کیا شیخ عثمان نے کفگیر دیگ میں ڈالا جب باہر نکالا تو سب چھوٹے
 بڑے موتی تھے۔ وہ درویش بولے کہ میں ان کا کیا کروں؟ شیخ عثمان نے پھر کفگیر دیگ میں
 ڈال کر نکالا تو سب سونا نکلا۔ ان درویش نے کہا کہ وہ سب کنکر تھے اور یہ پتھر کس کا کا
 ہیں؟ اس دیگ میں سے ایسی چیز نکالو کہ میں کھا سکوں۔ تیسری مرتبہ شیخ نے کفگیر پھر باہر
 نکالا تو وہی سبزی باہر آئی جو پکائی تھی۔ ان درویش نے جب یہ حال دیکھا تو شیخ سے کہا
 اب تمہیں اس جگہ زیادہ نہیں رہنا چاہیے۔ اس کے چند روز بعد ہی شیخ عثمان رحمت اللہ
 علیہ دنیا سے رخصت ہو گئے!

اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالغیر نے فرمایا کہ جب درویش سے اس طرح کی کوئی چیز

ظاہر ہو جائے تو پھر اسے یہاں نہیں رہنا چاہئے اور حکیم سنائی نے اس بات کو نظم کیا ہے۔

اپنا جان افروز جمال زیادہ نہ دکھا اور اگر دکھایا ہے تو جاکالادانا جلا
تیرا وہ جمال کیا ہے؟ تیری مستی! اور تیرا وہ کالادانہ کیا ہے؟ تیری ہستی
اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ جو کچھ اویا، ظاہر کر دیتے ہیں وہ ان کی مستی
کی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اصحاب سکر میں بر خلاف انبیاء کے کہ وہ اصحاب صحو ہیں
سنائی اس کو مستی کہتا ہے یعنی جب بھید کھول دیا تو پھر (جانے میں) دیر
نہیں کرنی چاہئے۔ اس بات کو اس عبارت میں کہا ہے۔

تیرا وہ جمال کیا ہے؟ تیری مستی اور تیرا کالادانہ کیا ہے؟ تیری ہستی
اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ آدمی کے لیے کشف و کرامت راستے کا حجاب پس
کام کی چیز محبت میں استقامت ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

تینیسویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعد کی تینیسویں (تاریخ) پیر کے دن قدم بوسی کی سعادت
حاصل ہوئی۔ ایک جوان حاضر ہوا خواجہ ذکرہ اللہ بالیخ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے
دادا کس پیر کے مرید تھے؟ اس نے جواب دیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ
کے مرید تھے۔ خواجہ نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ بہت کم کسی کو مرید کرتے
تھے۔ اور یہی طریقہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ اس مجلس میں مولانا
برہان الدین غریب عصمہ اللہ حاضر تھے انھوں نے پوچھا کہ ان کی مشیخت، و بزرگی
اللہ تعالیٰ اور دان کے شیخ کی طرف سے ملی تھی پھر وہ کسی کو مرید کیوں نہیں کرتے تھے۔
خواجہ ذکرہ اللہ بالیخ نے فرمایا کہ مرید کرنے نہ کرنے سے ان کی بزرگی و مشیخت میں

کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسکی مثال یہ ہے کہ جیسے دو مرد ہوں۔ ان دونوں میں (قوت) مرد می موجود ہو۔ لیکن ایک اولاد والا بنے اور دوسرا نہ بنے جو اولاد والا نہ بنے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسکی قوت مرد می میں کوئی فرق ہے۔ اور ایسا بہت دیکھا جاتا ہے۔ انبیاء کی امت میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بروز قیامت آتنا و صدقنا جو بھی پیغمبر آئے گا اس کے ساتھ اس کی امت ہوگی۔ کسی کے ساتھ زیادہ امت ہوگی۔ کسی کے ساتھ کم۔ اور ایک پیغمبر تشریف لائیں گے جن کے ساتھ ایک ہی آدمی ہوگا۔ اب اس سے ان کی نبوت میں کوئی کمی یا خرابی تھوڑی ہوگی۔ پیر اور مریدوں کی مثال کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔

اکتیسویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعد کی اکتیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ سماع کی بات چلی اور وجد جو اس میں ہوتا ہے۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ننانوے اسمائے راہی میں الواحد بھی پڑھتے ہیں۔ الواحد کے معنی ہیں الغنی اس کے بعد فرمایا کہ الواحد کے معنی وجد سے بھی آئے ہیں یعنی وجد عطا کرنے والا جیسے کہ شکر اس کا نام ہے۔ شکر اس کو کہتے ہیں جو شکر ادا کرے۔ لیکن یہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ بندوں کے شکر کو قبول کرنے والا۔ اسی طرح الواحد ظاہر میں وہ ہوگا۔ جو صاحب وجد ہو اور یہ بات پاک اور برتر خدا کے لیے درست نہیں ہوگی۔ پس اس جگہ واحد کے معنی وجد عطا کرنے والے کے ہیں۔

اس کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا کہ وہ سماع نہیں سنتے تھے۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمۃ والرضوان

فرماتے کہ ہر نعمت جو آدمی میں ممکن ہے وہ شیخ شہاب الدین کو دی گئی۔ سوائے ذوقِ سماع کے۔

اس کے بعد شیخ شہاب الدین کے شغل کے استغراق کی بات آئی۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ شیخ اوحہد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ شہاب الدین کے پاس آئے شیخ نے اپنا مصلیٰ لپیٹا اور اپنے گھٹنے کے نیچے رکھ لیا اور یہ بات مشائخ کے نزدیک بہت تعظیم کی ہوتی ہے۔ الفرض جب رات ہوئی شیخ اوحہد

نے سماع کی فرمائش کی شیخ شہاب الدین نے قوالوں کو بلایا اور سماعِ رتوالی کی جگہ آراستہ کی اور خود ایک کونے میں چلے گئے اور طاعت و ذکر میں مشغول ہو گئے شیخ اوحہد اور وہ لوگ جو اہل سماع تھے سماع میں مشغول ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو خانقاہ کا خادم شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ رات کو سماع تھا۔ لہذا اس جماعت کے لیے نہاری ناشتہ ہوئی چاہئے شیخ نے پوچھا کہ کیا رات کو سماع تھا؟ خادم نے عرض کی جی ہاں، تھا شیخ نے فرمایا کہ مجھے خبر نہیں ہوتی۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالینہ نے فرمایا کہ شیخ شہاب الدین کی حالت استغراق کو دیکھو کہ اس طرح ذکر میں مشغول تھے کہ سماع کی اونچی آوازوں کی انھیں خبر نہ ہوئی اور ہر بار جب سماع کو بند کرتے تھے اور اہل سماع قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے تو شیخ اسے سنتے تھے مگر شیخ ان کے سماع کو اس قدر اونچی آواز کے باوجود نہ سنتے تھے۔ اس سے اندازہ کرو کہ وہ کس درجے شغل میں ہوتے تھے اس کے بعد لاہور کے مزاروں کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ وہاں بہت بزرگ آرام فرما ہیں۔ اس کے بعد بندے سے پوچھا کہ تم نے لاہور دیکھا ہے؟ بندے نے عرض کی جی ہاں دیکھا ہے اور وہاں کے بعض بزرگوں کی زیارت بھی کی ہے جیسے شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اولیاء۔

اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہما دونوں ایک ہی پیر کے مرید ہوئے ہیں اور وہ پیر اپنے عہد کے قطب تھے۔ شیخ حسین زنجانی ایک زمانے سے لاہور میں رہتے تھے کچھ عرصے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری کو حکم دیا کہ لاہور جاؤ اور وہاں رہو شیخ علی ہجویری نے عرضداشت کی حسین زنجانی وہاں موجود ہیں۔ پیر نے فرمایا کہ تم جاؤ اور جب علی ہجویری ان کے اشارے کے موافق لاہور میں پہنچے تو رات تھی۔ دوسری صبح شیخ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا پھر بات نظم کی آئی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ بعضے شائع کی شاعری اچھی ہے اور بہت ہے جیسے شیخ ابو عبد کرمانی اور شیخ ابوسعید البواخیر اور دوسرے بزرگ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (مازلہم) خاص کر شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ خوب کہتے تھے اور شاعری میں انہیں بڑا غلو تھا۔ اس وزن تک کہ مریدوں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہر شیخ کی کوئی کتاب اور تالیف موجود ہے آپ کوئی چیز کیوں نہیں لکھتے انھوں نے جواب دیا کہ میرا ہر شعر کتاب کے برابر ہے۔

اسی روز اس بندۂ امیدوار حسن علامہ بحری (کو نماز اشراق تعلیم فرمائی دو رکعت پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد آیت الکرسی تا خالدون اور دوسری رکعت میں آمین الرسول تا آخر سورہ اور آیت اللہ نور السموات والارض تا واللہ بکل شیء علیم اس کے بعد اور دو رکعت نماز استعاذہ (بناہ) کے لیے فرمایا پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ الفلق اور دوسری رکعت میں سورہ الناس۔ اس کے بعد دو رکعت نماز استخارہ بتائی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ الکافرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص۔ اور ان دو گانہ نمازوں کے فوراً بعد جو دعائیں آتی ہیں (ان کا حکم فرمایا) اس کے بعد فرمایا کہ دو رکعتیں اور ہیں وہ بھی بتاؤں گا یہ بات زبان مبارک سے فرمائی اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ جس روز شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ سے نماز اشراق کے لیے فرمایا تھا پہلے یہی چھ رکعتیں بتائی تھیں اور ارشاد ہوا تھا کہ دو اور بھی بتاؤں گا!

تینیسویں مجلس

اسی سال راہِ ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ جمعرات کو قدابوسی کی دولت ہاتھ آئی آدابِ مجلس اور پیر کی خدمت میں حاضری اور بیٹھنے کے آداب اور جگہ حاصل کرنے کا ذکر کیا۔ ارشاد ہوا کہ ادب یہ ہے کہ جب کسی مجلس میں آئیں تو جو جگہ خالی دیکھیں وہاں بیٹھ جائیں۔ یعنی جب پیر کی خدمت میں آئیں تو اونچی یا نیچی جگہ کے خیال میں نہ رہیں جہاں بھی خالی جگہ دیکھیں بیٹھ جائیں کہ آنے والے کی جگہ وہی ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام والصلوٰۃ کسی جگہ تشریف رکھتے تھے اور صحابہ حلقہ بنائے سرکار کے اطراف بیٹھے تھے۔ راتنے میں (تین آدمی حاضر ہوئے ایک کو اس دائرے میں جگہ مل گئی وہ فوراً وہاں آکر بیٹھ گیا۔ دوسرے کو اس حلقے میں جگہ نہیں ملی وہ دائرے کے پیچھے بیٹھ گیا۔ تیسرے نے وہاں سے منہ موڑا اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ابھی جسبرئیل علیہ السلام آئے اور مجھے خبر دی کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص آیا اور اسے حلقے کے اندر جگہ مل گئی اور وہاں بیٹھ گیا ہم اسے اپنی پناہ میں جگہ دیتے ہیں اور جس کو دائرے میں جگہ نہیں ملی اور وہ شرماء کے حلقے کے پیچھے بیٹھ گیا ہم اس سے شرماتے

ہیں کل قیامت کے دن اس کو رسوا نہیں کریں گے۔ کہ جو شخص منہ پھیر کر چلا گیا ہماری رحمت بھی اس سے منہ موڑتی ہے۔ اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ جو بھی آئے مجلس میں جہاں جگہ خالی پائے بیٹھ جائے اور اگر جگہ نہ ہو تو حلقے کے پیچھے بیٹھے۔ بیچ میں نہیں بیٹھنا چاہیے کہ جو بیچ میں بیٹھتا ہے وہ ملعون (لعنت کیا ہوا) ہوتا ہے!

تینیسویں مجلس

اس ماہ ذی الحجہ کی اکیسویں تاریخ اتوار کو ہاتھ چومنے کا شرف حاصل ہوا قرآن

کی تلاوت اور ترسل اور اس کے پڑھنے کا جو حق ہے اس کا ذکر آیا۔ زبان ساک سے فرمایا کہ جب پڑھنے والے کو کسی آیت پر ذوق اور راحت حاصل ہو تو چاہئے کہ اس کی تکرار کرے اور راحت پائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ تلاوت اور سماع کے دوران جو سعادت حاصل ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ انوار اور احوال اور آثار۔ اور یہ تینوں تین عالموں سے نازل ہوتی ہیں اور یہ تین عالم کون سے ہیں؟ یہ ہیں ملک اور ملکوت اور ان دونوں کے درمیان جبروت۔ اور وہ تین سعادتیں جو نازل ہوتی ہیں یہ تینوں ارواح اور قلوب اور اعضاء پر اترتی ہیں۔ پہلے انوار جو ملکوت سے ہوتے ہیں ارواح پر اس کے بعد احوال جبروت سے قلوب پر پھر آثار ملک سے اعضاء پر یعنی اول سماع کے حال میں انوار نازل ہوتے ہیں عالم ملکوت سے ارواح پر۔ اس کے بعد جو کچھ دل میں کیفیت ہو اسے احوال کہتے ہیں۔ اور وہ عالم جبروت سے ہوتے ہیں دلوں پر! اس کے بعد گریہ اور حرکت و جنبش جو ظاہر ہوتی ہے اس کو آثار کہتے ہیں اور وہ اثر عالم ملک سے ہوتا ہے اعضاء پر۔ والحمد للہ رب العلمین۔

پھر صدقے کا تذکرہ آیا۔ فرمایا کہ اگر صدقے میں پانچ شرطیں موجود ہیں تو بلاشبہ وہ صدقہ قبول ہو جائے گا۔ اور ان پانچ شرطوں میں سے دو صدقہ دینے سے پہلے ہیں اور دو دیتے وقت ہیں اور ایک دینے کے بعد ہے جو دو شرطیں دینے سے پہلے کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو کچھ دیا جانے والا ہے وہ حلال کمائی سے ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ نیت کر کے نیک آدمی کو دے ایسے آدمی کو کہ وہ اسے فساد میں خرچ نہ کرے یعنی اچھے لوگوں کو دے۔ اور جو دو شرطیں دیتے وقت کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تواضع اور بنشاشت کے ساتھ دے۔ اور کھلے دل سے دے دوسری شرط یہ ہے کہ خفیہ دے۔ اور وہ ایک شرط جو دینے کے بعد کی ہے یہ ہے کہ جو کچھ دیا ہے اس کا ذکر کسی کے سامنے زبان پر نہ لائے اور اس کو بیان نہ کرنا پھرے۔ ان شرائط کے ساتھ جو صدقہ ہوگا مقبول ہوگا۔ اسکے بعد فرمایا کہ صدقہ ہوتا ہے۔ اور صدقہ ہوتا ہے۔ صدقہ تو ہم کو معلوم ہی ہے۔ لیکن صدقہ

دین مہر کو کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں معافی صدق و محبت کا تقاضا کرتے ہیں۔ یعنی جو شخص نکاح کرنا چاہتا ہے اسے لازماً صدق و محبت پیکرنا چاہیے۔ پس وہ مہر کو درمیان لاتا ہے۔ یہ صدقہ ہے اور جو راہ حق میں کوئی چیز دیتا ہے تو وہ بھی آنحضرت کی محبت میں دیتا ہے۔ صدق محبت کے سبب اس کا نام بھی صدقہ ہے

اس کے بعد امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حکایت بیان فرمائی وہ چالیس ہزار دینار حضرت رسالت (مآب) کی جناب میں لائے۔

چالیس ہزار دینار کا شکرانہ (ونذرانہ) عشق کو کیل و کلی کے ساتھ باریاب کرتے ہیں اور اس کا قصہ یہ ہے کہ اُس روز (حضرت) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں چالیس ہزار دینار موجود تھے۔ یہ سب کے سب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لائے۔ مصطفیٰ علیہ السلام والتحیۃ نے دریافت فرمایا کہ بچوں اور گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ فرمایا کہ خدا کافی ہے اور اس کا رسول! اس کے بعد حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور جو کچھ ابو بکر صدیق لائے تھے اس کا آدھا لیکر آئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بچوں اور گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ بولے آدھا لے آیا ہوں آدھا گھر والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے بارے میں نذرانے کی نسبت سے ان کا مرتبہ متعین فرمایا۔

اس کے بعد (حضرت) ابو بکر صدیقؓ کی کرامت کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ جس روز وہ چالیس ہزار دینار لائے تھے کھلی اوڑھے ہوئے تھے اور کیل سے اسے جوڑے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اُسی وقت جبریل علیہ السلام بھی حضرت رسالت والتحیۃ کی خدمت میں اسی لباس میں حاضر ہوئے۔ رسول علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کیا لباس ہے؟ جبریل بولے یا

رسول اللہ آج تمام فرشتوں کو حکم ہوا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موافقت میں گلیم اور ٹھیں اور اس میں کیل لگائیں۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر یہ دو مصرعے زبان مبارک پر لائے۔

چالیس ہزار دینار کا شکرانہ یوں دیتے ہیں کہ عشق کو کیوں وکلی کے ساتھ باریاب کرتے ہیں۔

یہاں سے صدق کا ذکر آیا حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص تھا اس کے پاس تھیلی میں پچیس سونے کے دینار تھے اس نے سوچا کہ کعبے کی زیارت کو جاؤں اور یہ دینار کعبے کے مجاوروں اور وہاں کے رہنے والوں کی نذر کروں۔ یہ نیت کر کے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک بے باک ڈاکو نے اسے آلیا اور تلوار نکال لی تاکہ اسے مار ڈالے۔ اس شخص نے تھیلی جو اس کے پاس تھی باہر نکال کر اس کے سامنے ڈال دی اور بولا کہ مجھے کیوں مارتے ہو میرے پاس تو بس یہی سونے کے پچیس دینار ہیں جو اس تھیلی میں ہیں انہیں لے لو ڈاکو نے تھیلی اٹھائی سونے کے دینار باہر نکالے اور گئے تو پورے پچیس دینار تھے یہ دینار اس شخص کے سامنے رکھ کر بولا کہ اپنا مال سنبھال اور سلامتی سے چلا جا کہ تیری سپاہی نے میرے غصے کو ٹھنڈا کر دیا۔

اس کے بعد تصدق کے معنی کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ امیر المومنین عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو گھوڑا عنایت فرمایا تھا اور وہ گھوڑا اس کے پاس سوکھ کر کاٹا ہو گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اس شخص سے گھوڑا اس روز کی قیمت پر خرید لیں جس روز اُسے عنایت کیا تھا جب یہ بات رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی گئی تو رسول علیہ السلام نے منع فرمادیا اور کہا مت خریدو۔ اپنی دی ہوئی چیز کو دوبارہ نہیں خریدنا چاہیے چاہے وہ کوڑیوں ہی میں کیوں نہ ملے۔

اس کے بعد کھانا کھلانے کی فضیلت کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے

کہ ایک درم کا کھانا تیار کر کے رفیقوں کے سامنے رکھنا اس سے بہتر ہے کہ بیس درم صدقہ کیے جائیں۔

کھانا کھلانے کی فضیلت میں یہ حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک شخص تھا صاحبِ حال درویش۔ وہ بخارا کے صدر جہاں کے پاس آیا اور کہا کہ میرا شہر کے بادشاہ کے پاس کچھ کا ہے تم سفارش کرو اور میرا کام کرادو۔ صدر جہاں نے جواب دیا کہ میں تجھے کیا جانوں اور مجھے کیا خبر کہ تو کون ہے کہ تیری سفارش کروں۔ اس شخص نے کہا میرا تم پر ایک حق ہے۔ صدر جہاں نے پوچھا کیا حق ہے۔ بولا ایک دفعہ تم کھانا نکالے بیٹھے تھے اور میں نے بھی تاکر تمہارے دسترخوان پر بیٹھ کر اس کھانے میں سے کچھ کھایا تھا۔ میرا تم پر یہ حق ہے صدر جہاں نے جب یہ سنا تو فوراً اٹھا اور بادشاہ کے پاس جا کر اس کا کام کر دیا۔

اس کے بعد فقرار کے لین دین اور خرید و فروخت کے بارے میں فرمایا کہ شیخ بدرالدین اسحق علیہ الرحمۃ والغفران نے کسی کو ایک شطرنجی دی اور کہا کہ اسے بازار میں لیجا کر بیچ ڈالو۔ پھر فرمایا کہ درویشانہ بیچنا ان سے پوچھا گیا کہ درویشانہ بیچنے کا کیا طریقہ ہے۔ بولے واپس گھر نہ لانا جو مول بھی لگے بیچ ڈالنا۔

چونتیسویں مجلس

اسی سال ماہ ذی الحجہ کی انتیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت میر آئی حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے مراتب اور مناقب پر گفتگو ہونے لگی۔ ارشاد ہوا کہ وہ نو سال تک ایک غار میں مقیم رہے۔ اس غار میں ایک چشمہ جاری تھا۔ ادہم اسی چشمے پر مقیم تھے اور خدائے عزوجل کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک رات کو سخت سردی تھی انھیں ٹھنڈ لگ گئی۔ یہاں تک کہ مرنے کا ڈر ہو گیا۔ اسی اندھیرے میں ان کا ہاتھ ایک پوستین

پہ پڑا۔ انھوں نے اسے اپنے اوپر کھینچ لیا اور گرم ہو گئے۔ جب دن چڑھا تو پوسٹین کو اتارا کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک اژدہا ہے۔ آنکھیں کھول کر اور بچپن اٹھا کر وہ حرکت کرنے لگا۔ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ حیرت زدہ ہی تھے کہ ایک آواز انھوں نے سنی ہم نے تجھے ایک ہلاک کرنے والے سے ایک ہلاک کرنے والے کے ذریعے بچایا یعنی ہم نے ایک مہلک چیز سے جو سردی تھی تجھے بچایا اژدہ کے ذریعے جو خود مہلک تھا۔

اسکے بعد فرمایا کہ ایک اور درویش کے ساتھ بھی ایسی ہی کرامت ہوئی تھی۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ کوئی درویش کنوئیں میں گر پڑا۔ رستی تھی نہیں کہ باہر نکلتا مرنے کے قریب ہو گیا۔ یکا یک اس نے ایک رستی کی شکل کی چیز دیکھی جو کنوئیں کے اوپر سے ٹٹک رہی تھی اس نے خیال کیا کہ بچاؤ کی صورت نکل آئی۔ اسے پکڑ کر کنوئیں سے باہر آ گیا۔ اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک شیر دہاں آ کر دم لٹکائے بیٹھا ہے اس نے بھی یہی آواز سنی کہ ہم نے تجھے ہلاک کرنے والے سے ہلاک کرنے والے کے ذریعے بچایا۔

اور یہیں سے اولیاء کی کرامت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک نابینا ولی تھے۔ ایک مخالف آیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا اس نیت سے کہ ان ولی کا امتحان کرے پچنانچہ دل میں خیال کیا کہ یہ آنکھوں سے معذور ہیں پس ضروری ہے کہ انکے عالم باطن میں بھی کچھ کمی ہو۔ لہذا ان نابینا صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ ولایت کی نشانی کیا ہے؟ اور جس وقت یہ بات ہو چھی ایک مکھی آئی اور اس مخالف کی ناک پر بیٹھ گئی۔ مخالف نے اسے اڑا دیا۔ مگر وہ پھر ناک پر آ بیٹھی

اس نے پھر اڑا دیا۔ تیسری دفعہ پھر اڑانا پڑا اور اسی درمیان اس نے سوال کیا کہ اولیاء کی نشانی کیا ہے؟ نابینا بولے کہ ایک نشانی تو یہ ہے کہ اولیاء کی ناک پر مکھی نہیں بیٹھتی!

پھر کھانے کی احتیاط اور اس کے اثر کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک جوان ابراہیم ادہم

رحمتہ اللہ علیہ کا مرید ہوا۔ یہ جوان اس قدر عبادت گزار تھا کہ ابراہیم ادہم کو اس کی طاعت و عبادت بہت پسند آئی۔ اور انھوں نے اپنے نفس کو ملامت کی کہ یہ نوازدار جوان تو اس قدر طاعت کرتا ہے۔ اور تم اتنی نہیں کرتے اس کے بعد اپنے روشن ضمیر کے نور سے انھیں معلوم ہوا کہ یہ سب شیطانی ہے وہ جوان ناجائز کافیا کھاتا ہے۔ اور شیطان نے اسے اس طاعت میں لگا رکھا ہے۔ جب ابراہیم ادہم پر اس کا حال کھل گیا تو انھوں نے اس جوان سے کہا اس کھانے میں سے جو میں کھاتا ہوں تم بھی کھایا کرو۔ جوان نے ایسا ہی کیا۔ جو درویشانہ کھانا ابراہیم کھایا کرتے تھے وہ لکڑیاں بیچ کر حاصل کیا جاتا تھا جوان بھی اسی میں سے کھانے لگا۔ اور بے بنیاد طاعت کا غلبہ جو اس پر تھا وہ جاتا رہا تھوڑی سی عبادت رہ گئی۔ چنانچہ فرض نمازیں بھی چیلے سے پڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس جوان کا کام بن گیا اور اخلاص حاصل ہو گیا۔

اس کے بعد تواجہ ذکر اللہ بالخیر نے یہ لازم جو تکاسماتوں کا راز ہے ظاہر فرمایا اور کہا کہ شیخ کی ضرورت اسی کام کے لئے ہوتی ہے اس کے بعد اسی سلسلے میں یہ نکتہ بیان فرمایا کہ طاعت چاہے تھوڑی ہو لیکن اخلاص زیادہ ہونا چاہیے۔

پھر مجاہدے کے پھل کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ چالیس برس تک رات کو نہیں سوئے۔ چالیس سال کے بعد ایک رات کو سوئے تو حضرت عزت اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ اس تاریخ کے بعد جہاں جاتے بستر ساتھ لیے پھرتے کہ سو جائیں اور خواب میں اس دولت کو پھر دیکھیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے آواز سنی کہ خواب کی وہ دولت چالیس سال کی بیداری کا پھل تھی !

پھر دنیا کے جمع خرچ کی بات آئی فرمایا کہ اس حدیث کی روایت دو طرح کی گئی ہے۔ ایک اس طرح کہ اس کے حلال کا حساب ہے اور حرام پر عذاب یعنی جو کچھ حلال

کمان سے جمع کیا ہے اس کا حساب دینا پڑے گا۔ اور جو حرام سے کمایا ہے۔ اس پر عذاب ہوگا۔ دوسری روایت اس طرح ہے کہ اس کے حلال پر عذاب ہوگا اور حرام پر بھی، عذاب ہوگا۔ حرام پر عذاب۔ تو کھلی ہوئی بات ہے۔ لیکن اس کے حلال پر عذاب کیسے ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ ایک شخص کو قیامت کی دھوپ میں کھڑا کیا جائے گا اور حساب مانگا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا یہ عذاب ہوگا اس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قول امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ دنیا کی دولت، حلال پر حساب ہے اور حرام پر عذاب ہے اور اس کی مشتبہ چیزوں پر عتاب !

پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ بعض مشائخ چاندی (روپیہ) قبول نہیں کرتے۔ فرمایا کہ روپیہ لینے اور اس کے خرچ کے بارے میں شہادتیں ہیں۔ لینے والے کو چاہیے کہ جو کچھ لے حق لے۔ اس کی تشریح یوں فرمائی کہ جیسے کوئی کسی کے سامنے روپیہ (دھبلا) پیش کرتا ہے۔ اسے علوی (سید) دیکھ کر کہ اس نے دو گیسو کر رکھے ہیں۔ اس اعتقاد سے نذر کرتا ہے کہ یہ فرزند رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں حالانکہ وہ لینے والا علوی (سید) نہیں ہوتا پس ایسی صورت میں جو کچھ لے گا قطعاً حرام ہوگا۔ اس کے بعد یہ تذکرہ آیا کہ مرد وہ ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگے۔ نہ زبان سے اور نہ دل میں یہ خیال کرے کہ اگر فلاں شخص مجھے کوئی چیز دے تو بڑا اچھا ہو۔ البتہ بغیر مانگے اور بغیر تمنا کیے اس کے پاس کوئی چیز آئے تو وہ جائز ہوگی۔

اس درمیان ایک بزرگ کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ فرماتے کہ میں کسی سے کچھ نہیں مانگتا اور دل میں لالچ بھی نہیں رکھتا۔ لیکن اگر کوئی شخص مجھے کچھ دیتا ہے تو میں عا قدیم زمانے میں سید لمبے بال رکھا کرتے تھے۔ اور لمبے گیسو ستید ہونے کی علامت ہوا کرتے تھے۔

لے لیتا ہوں اب وہ دینے والا مثلاً شیطان ہی ہو! خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے تبسم فرمایا اور کہا کہ ان بزرگ نے اسی طرح کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو شخص بھی مجھے کوئی چیز دیتا ہے میں اسے لے لیتا ہوں۔ مجھے کیا خبر کہ وہ کون ہے یا کہاں سے لایا ہے۔ بس اتنا کافی ہے کہ میں خود (اسکی) خواہش نہیں رکھتا!

پھر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احوال کا ذکر آیا کہ ہر پیغمبر کو انتقال کے وقت اختیار دیا جاتا ہے فرمان ہوتا ہے کہ تمہیں اختیار ہے اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ اور دن دنیا میں رہو تو رہو اور اگر نہیں چاہتے تو انتقال کر دینا پچھ حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دل میں خیال کیا کہ کسے خبر کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں خوش ہیں کہ

کچھ عرصے اور صحابہ کے درمیان (رونق افروز) رہیں یا اس میں (خوش ہیں) کہ عالم بقا کو سدھاریں۔ یہ بات دل میں سوچی اور رسول علیہ السلام والتحیۃ کی طرف مشکلی باندھ کر دیکھنے لگیں۔ رسول علیہ السلام والتحیۃ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا رسولوں کے اور صدیقیوں اور شہداء اور صالحین کے ساتھ! تیری رحمت سے اے سب سے بڑے مہربان!

یہ فوائد الفواد کا ایک جزو تھا۔ جو قلم بن کیا گیا۔ شروع شعبان کی ابتداء سنہ سات سو سات سے ذی الحجہ سات سو آٹھ (ہجری) کے آخر تک کہ ایک سال پانچ ماہ کی مدت ہوتی ہے۔ اگر خدائے عزوجل چاہے گا تو جو اور کچھ ان کے انمول بولوں سے سنا جائے گا اسی طرح لکھا جائے گا۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ چاہے اور مدد فرمائے اور ابھی تو فیق دے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ اعلیٰ اوصاف اور یہ ہمتیں بول خواجہ راستین قطب الانظار فی الارضین ختم المشائخ فی العالمین نظام الحق والشرع والدین اللہ تعالیٰ ان کی درازی عمر سے مسلمانوں کو مستفید فرمائے آمین، کے مبارک الفاظ اور متبرک کلمات سے جمع کیے گئے ہیں۔ اسی طرح پہلے بھی چند جزو ایک جلد میں لکھے جا چکے ہیں اور ان کا نام فوائد الغواد (دلوں کے فائدے) رکھا گیا ہے امید ہے کہ ان کے پڑھنے والے اور لکھنے والے کو دونوں جہان کی راحت میسر آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ صحیفے جو جمع کیے گئے ہیں یاروں کے لیے تحفے (بن گئے) ہیں حسن علماء سبزی (مزید کی) آس لگائے رکھنے والوں میں سے ایک سے

پہلی مجلس

سنہ ۱۲۹۰ھ شوال کی انتیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت آئی دنیا والوں سے میل جول چھوڑنے کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ جوانی کے زمانے میں میرا مخلوق کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ مگر ہمیشہ دل میں یہ رہتا کہ ان سے چھٹکارے کا موقع کب ملے گا۔ اگرچہ کہ وہ طالب علم اور مشغول (بجی) لوگ ہوتے تھے لیکن بحث کے دوران اکثر میرا دل متنفر ہو جاتا تھا اور میں نے کئی دفعہ اپنے ساتھیوں سے کہا بھی میں تمہارے

درمیان نہیں رہوں گا میں تو تمہارے پاس بس چند روز کا مہمان ہوں بندے
(حسن عطار سجزی) نے عرض کی کہ کیا (حضرت) شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز
سے بیعت ہونے سے قبل آپ ایسا فرماتے تھے؟ ارشاد ہوا۔ ہاں!

دوسری مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی ستائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت میسر
آئی۔ ذکر یہ تھا کہ مرید لوگ اپنے پیر کی زیارت کے لیے جایا کرتے ہیں اور ہر ایک کچھ
مدت بعد جاتا ہے۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ میں تین دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین
والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ ہر سال ایک مرتبہ
انتقال فرمانے کے بعد سات دفعہ اور گیا ہوں یا چھ دفعہ اچھی طرح یاد نہیں لیکن
زیادہ خیال یہی ہے کہ سات بار گیا ہوں کیونکہ ذہن میں یہ بات بھی جی ہوئی ہے کہ
زندگی میں اور وفات کے بعد کل، دس دفعہ حاضری ہوئی ہے۔ اسکے بعد فرمایا کہ
شیخ جمال الدین ہانسی سے سات بار حاضر ہوئے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ
نجیب الدین متوکل جب پہلی مرتبہ حاضر ہوئے اور رخصت کے وقت شیخ سے فاتحہ کی
درخواست کی تاکہ جس طرح اس وقت حاضر ہوئے اسی طرح پھر آئیں۔ اور دست بوسی
حاصل ہو۔ تو شیخ نے فرمایا کہ فاتحہ کی ضرورت نہیں ہے تم بہت دفعہ آؤ گے۔ (چنانچہ) اس
کے بعد اٹھارہ دفعہ اور آئے۔ اٹھارویں دفعہ واپس ہونے لگے تو پھر فاتحہ کی درخواست
کی۔ اس نیت سے کہ پہلی بار فرمایا تھا کہ بہت دفعہ آؤ گے۔ اس وقت سے اب تک انیس
پھیرے ہو گئے اب پھر فاتحہ کی درخواست کروں کہ ایک دفعہ اور آکر پوری بیس حاضریاں

ہو جائیں لیکن شیخ خاموش رہے شیخ نجیب الدین سمجھے کہ شاید سنا نہیں اس لیے انھوں نے پھر عرض کی مگر شیخ نے جواب نہ دیا آخر وہ واپس چلے آئے اس کے بعد ان کے درمیان ملاقات نہیں ہوئی۔

پھر شیخ بہار الدین ذکر یا کا ذکر (خیر) آیا کہ وہ شیخ الشیوخ شہاب الدین بہروردی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں گئے مگر ان کی خدمت میں سترہ روز سے زیادہ نہیں رہے۔ سترہویں دن ہی شیخ شہاب الدین نے ان کو نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ جب شیخ بہار الدین ہندوستان آئے تو دوبارہ ارادہ کیا کہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں جب روانہ ہوئے تو شیخ جلال الدین تبریزی سامنے سے آئے۔ اور شیخ بہار الدین کو واپس کر دیا کہ شیخ الشیوخ کا فرمان یہی ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔

اس کے بعد شیخ بہار الدین کی بزرگی کا تذکرہ آیا۔ ارشاد ہوا کہ سترہ روز میں ہی انھوں نے وہ نعمتیں حاصل کر لیں جو دوسرے مرید برسوں میں حاصل نہ کر سکتے یہاں تک کہ ان کے بعض پرانے مریدوں کو ناگوار بھی گزرا کہ ہم اتنے سال سے خدمت کر رہے ہیں۔ مگر ہمیں تو اتنی نعمت ملی نہیں اور ایک ہندوستانی آیا اور اتنی تھوڑی مدت میں اسے خلافت مل گئی۔ اور بڑے شمار نعمتیں بھی۔ یہ بات شیخ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ انھوں نے جواب دیا کہ تم لوگ گیلی لکڑیاں لائے تھے گیلی لکڑیاں آگ کیسے پکڑتی ہیں۔ ذکر یا خشک لکڑیاں لانے تھے۔ جو ایک پھونک میں شلگ گئیں۔

تیسری مجلس

اسی سال ماہ ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ جمعرات کو قہار بوسی کی سعادت پیشتر آئی۔ طاعت اور مشغولی حق کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ جو بھی وجود ہے دو عددوں کے درمیان

ہے اور جو وجود و عدموں کے درمیان ہو اس کو بھی عدم ہی سمجھنا چاہیے چنانچہ عورتوں کے ایام منفرد ہیں اگر ایک روز خون نظر آتا ہے اور دوسرے روز پاکی رہتی ہے اور پھر دوسرے روز خون نظر آتا ہے تو اس پاکی کے بارے میں بھی خون ہی کا حکم ہے اس کے بعد فرمایا کہ وہ وجود و عدموں کے درمیان ہو اس غیر متواتر پاکی کی طرح ہے جو دونوں کے درمیان ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس زندگی کا کیا بھروسہ جس کے وجود پر عدم کا حکم لگ سکتا ہے۔ اس تھوڑے وقفے کو بیکاری اور غفلت میں کیوں گزارا جائے۔

پھر ایک بزرگ کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ ہمیشہ مشغول بحق رہتے اور خلقت سے میل جول نہیں رکھتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ تم نے یہ کیا حال کر رکھا ہے کہ کسی کے ساتھ بھی اٹھنا بیٹھنا نہیں ہے۔ اور خلق کی صحبت سے پرہیز کرتے ہو۔ ان پیر نے جواب دیا کہ اس سے پہلے میں کتنے ہی ہزار سال تک معدوم رہا اسکے بعد پھر زمانوں کیلئے معدوم ہو جاؤنگا یہ جو تھوڑی سی عمر درمیان میں سلی ہے۔ اس کو کیوں ضائع کروں اور خلقت میں گھل مل کر اور بنے نتیجہ چیزوں میں مشغول ہو کر اس کو کیوں خرچ کروں۔ اور اس نقد حیات کو حق کی رضا میں کیوں نہ صرف کروں؟

مولانا محمود اودھی (ان کی پرہیزگاری قائم رہے) حاضر تھے۔ ان سے دریافت فرمایا کہ کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے عرض کی کہ مولانا برہان الدین غریب (ان کے فضائل قائم رہیں) کے گھر میں رہتا ہوں۔ زبان گوہر نشاں سے ارشاد ہوا کہ جہاں بھی رہو کھرے بن کر رہو۔

اسن کے بعد ارشاد ہوا کہ روزانہ زمین کا ایک قطعہ دوسرے قطعے سے زبان حال دریافت کرتا ہے کہ کیا تجھ پر سے آج کوئی ذکر کرنے والا یا کوئی درد مند گزرا ہے؟ اگر

وہ جواب دیتا ہے کہ نہیں گزرا تو وہ قطعہ زمین جس پر سے ایسا آدمی گزرا ہوتا ہے اس قطعے پر شرف محسوس کرتا ہے

چوتھی مجلس

اسی سال ماہ ذالحجہ کی پچیسویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ شیخ اس روز کسی عزیز کی نماز جنازہ میں شرکت فرما کر آئے تھے مرحوم کے بارے میں ارشاد ہوا کہ وہ بہت نیک آدمی تھے اور دینک کاموں میں، خیر بھی کرتے تھے۔ کسی کی اچھائی برائی سے واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ اور نیکی کی راہ پر چلتے تھے۔ بس کسی کا ہاتھ نہیں پکڑا تھا۔ پھر فرمایا کہ جب آدمی علم حاصل کرتا ہے تو شرف پاتا ہے اور جب طاعت کرتا ہے تو اس کا کام بہتر ہو جاتا ہے اس وقت پیر کی ضرورت پڑتی ہے کہ دونوں کو توڑ ڈالے یعنی علم و عمل کو اس کی نظر سے گراوے تاکہ وہ گھمنڈی نہ بن جائے۔ اور کھائے میں نہ رہے۔ اس وقت ان مرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ سنا ہے انتقال کے وقت وہ اکیلے تھے اپنے پرانے میں سے کوئی بھی قریب نہ تھا۔ بس وہ تھے اور حق تعالیٰ اور یہ بڑی اچھی حالت اور بہت بڑی سعادت ہے! اس کے بعد مولانا شہاب الدین خطیب ہانسوی کی حکایت بیان فرمائی ارشاد ہوا کہ انھوں نے دعا مانگی کہ خداوند! میں نے تیرے بہت سے عہد پورے کیے اب مجھے امید ہے کہ تو بھی میری ایک بات پوری کرادے گا اور وہ یہ ہے کہ میرے مرتے وقت کوئی میرے پاس نہ ہو۔ نہ ملک الموت اور نہ کوئی اور فرشتہ بس میں ہوں اور تو ہوا!

اس کے بعد فرمایا کہ مولانا شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ بہت بزرگ آدمی تھے۔ ہر رات کو سورہ بقرہ پڑھتے تھے۔ پھر سوتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے یہ سورہ پڑھی تو گھر کے کونے سے ندا آئی۔

داری سربراہ و گرنہ دور از برما
مادوست کشیم و تونداری سربراہ

گھروالے سب سو رہے تھے میں حیران رہ گیا کہ یہ کون بول رہا ہے۔ گھر میں کوئی آدمی ایسا نہیں تھا جو یہ بات کہتا۔ دوسری دفعہ پھر سنا:
داری سربراہ و گرنہ دور از برما مادوست کشیم و تونداری سربراہ

خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو اس قدر گریہ طاری ہوا کہ پورا قصہ بیان نہ فرما سکے۔ روتے جاتے تھے اور حکایت بیان کرتے جاتے تھے کہ یہ مولانا شہاب الدین اس خطا سے گئے اور بڑی مصیبتیں بھیلیں اور تکلیفیں برداشت کیں اور (دنیا سے) اسی طرح رخصت ہوئے جیسا کہ وہ چاہتے تھے۔
پھر سماع اور اہل سماع کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ سماع مردوں کے لیے زبردست کسوٹی ہے۔

پھر یہ تذکرہ آیا کہ خوف کا ایمان کیسا ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ کافر لوگ مرتے وقت عذاب کو دیکھ لیں گے اس وقت ایمان لائیں گے۔ یہ ایمان کسی حساب میں نہیں کیونکہ یہ ایمان بالغیب نہیں۔ اگر مومن مرتے وقت توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ لیکن کافر لوگوں کا مرتے وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا۔

اگر ہم سے تعلق ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں ہے تو ہمارے پہلے سے ہٹ جاؤ۔ ہم تو دوست کو ہلاک کرنے والے ہیں تم اس کی تاب نہیں لاسکتے۔

پایہنجویں مجلس

سندسات سوڈس، ہجری ماہ محرم کی پندرہویں تاریخ التوار کو قدم بوسی کی دولت مستیر آئی
 مشائخ کی کتابوں اور ان فوائد کا ذکر آیا جو انھوں نے تحریر فرمائے ہیں۔ ایک عزیز حاضر خدمت
 تھے انھوں نے عرض کی کہ ایک شخص نے مجھے اودھ میں ایک کتاب دکھائی اور کہا کہ یہ حضرت
 مخدوم خواجہ نظام الدین کی لکھی ہوئی ہے۔ خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے فرمایا کہ نہیں اس نے غلط
 کہا۔ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔

اسکے بعد فرمایا کہ شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جب کشف المحجوب لکھی تو شروع کتاب
 میں اپنے نام کا ذکر کیا۔ اس کے بعد دو تین جگہ اور ذکر فرمایا، اور پھر اپنا نام لکھنے کی وجہ یہ بیان
 فرمائی کہ میں نے اس سے پہلے عربی اشعار کہے تھے۔ اور ان میں اپنا نام کہیں نہیں لایا تھا ایک
 جوان مرد نے یہ غضب ڈھایا کہ وہ سارے اشعار اپنے نام کر لیے۔ اور انتقال کے وقت
 بے ایمان گیا۔

جب یہ قصہ پورا ہو چکا تو یہ تذکرہ آیا کہ موت کی گھڑی بڑی کٹھن گھڑی ہے۔ اور یہ جاننا بھی
 مشکل ہے کہ (جانے والا) ایمان کے ساتھ گیا یا بے ایمان اسکے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ سلامتی
 ایمان کی علامت یہ ہے کہ مرنے والے کا چہرہ رحلت کے وقت زرد ہو جائے اور ماتھے پر پسینہ
 آجائے اس دوران یہ بات بیان فرمائی کہ انتقال کے وقت میری والدہ سعادت کی یہی علامتیں کھتی تھیں۔
 اسکے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دو رکعت نماز ہے جو ایمان کی حفاظت کے لیے پڑھنی
 چاہیے مغرب کی نماز کے بعد پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص (قل ہو اللہ) اور ایک
 مرتبہ سورہ نطق (قل اعوذ برب الفلق) اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص اور
 سورہ الناس (قل اعوذ برب الناس) اسکے بعد سجدے میں رکھ دے اور تین دفعہ کہے یا حی یا قیوم تبتنی علی الایمان

(اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور سب کو قائم رکھنے والے مجھے ایمان پیر ثابت قدم رکھ) پھر اس نماز کی برکت کے سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ میں نے معین الدین حسن بکری قدس اللہ سرہ الغریز کے نبیے (نواسے یا پوتے) خواجہ احمد سے سنا ہے اور یہ خواجہ احمد بہت ہی صالح مروتھے۔ وہ کہتے تھے کہ میرے ایک سپاہی دوست تھے۔ وہ برابر یہ دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ بہت ناوقت ہم اجیر کے حدود میں تھے مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ وہاں ڈاکوؤں کا ڈر تھا۔ اور ڈاکو نظر بھی آنے لگے تھے۔ ہم نے فوراً جلدی جلدی تین رکعتیں فرض اور دو رکعتیں سنت پڑھیں اور شہر کی جانب آگئے۔ ان دوست نے اس کے باوجود کہ چوروں کا خطرہ دیکھ لیا تھا اور اتنا خوف طاری تھا، یہ دو رکعت نماز حفاظتِ ایمان ادا کی الغرض جب اس جوان کی وفات کا وقت آیا تو مجھے بھی خبر ہو گئی۔ میں ان کا مال جاننے کی غرض سے مرتے وقت ان کے پاس پہنچ گیا۔ انھوں نے اسی طرح رحلت فرمائی جیسا کہ چاہیے تھا۔ خواجہ ذکرو اللہ بالخیر نے ارشاد فرمایا کہ خواجہ احمد نے اس شخص کی رحلت کا حال ان الفاظ میں بیان کیا کہ اگر مجھے عدالت کی کرسی کے سامنے لیجائیں تو میں گواہی دوں گا کہ وہ با ایمان گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اس کے بعد دو رکعت نماز کا اور تذکرہ فرمایا۔ وہ بھی نماز مغرب کے بعد اس کا ذکر اس طرح فرمایا کہ میرے ایک ہم جماعت دوست تھے۔ ان کو مولانا تقی الدین کہتے تھے۔ وہ بڑے صالح اور سمجھدار پڑھے لکھے تھے۔ وہ ہمیشہ نماز مغرب کے بعد دو رکعت نماز ادا کرتے پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد والسمار ذات البروج اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد والسمار والطارق پڑھتے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو خواجہ ذکرو اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہنے لگے کہ جب میرا کام تمام ہو گیا تو حکم آیا کہ ہم نے اسے ان دو رکعتوں کے طفیل بخش دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ کیا اسے صلوٰۃ النور کہتے ہیں؟ فرمایا کہ نہیں اس کو

صلوٰۃ البروج کہتے ہیں۔ صلوٰۃ النور اس دو رکعت نماز کو کہتے ہیں جس کی دونوں رکعتوں میں سورۃ انعام کی شروع کی آیات پڑھتے ہیں۔ پہلی رکعت یستعیزون پر ختم کرتے ہیں اور دوسری رکعت میں اَلَمْ یَرْزُقْکُمْ اَھْلَکُمْ اَھْلَکُمْ سے شروع کر کے یستعیزون ہی پر ختم کرتے ہیں۔

پھر اس وقت کی اور طلوع کے وقت کی نماز کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جب رات آتی ہے تو ایک فرشتہ کعبہ کی چھت پر آکر پکارتا ہے کہ اے خدا کے بندو اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے استیوا! خدائے تعالیٰ نے تمہیں ایک رات یہ عنایت فرمائی ہے اور ایک رات تمہارے لیے آنے والی ہے اور وہ رات قبر کی رات ہے۔ اُس (آنے والی) رات کے لیے اسی رات کو کچھ ذخیرہ کر لو اور کچھ کام کر لو اور وہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھو پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ قل یا ایہا الکفرون اور دوسری رکعت میں بھی یہی۔ اور جب دن نکلتا ہے تو یہی فرشتہ بیت المقدس کی چھت پر آتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ اے بندگانِ خدا اور اے امتانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدائے تعالیٰ نے تمہیں ایک دن عطا کیا ہے اور ایک دن تمہارے لیے آنے والا ہے اور وہ روز قیامت ہے۔ اور اس دن کے نوشے کے لیے آج — ایک کام کر لو اور وہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھو ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ سورۃ الاخلاص (قل ہو اللہ) پڑھو۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمۃ والغفران نے اسے حدیث بتایا ہے مجھے حدیث (شریف) کے الفاظ یاد نہیں رہے۔ مفہوم یہی ہے جو بیان کیا گیا۔

اس کے بعد اولیاء کی موت اور اس حال کا ذکر آیا جو اس کے بعد ہوتا ہے اس ضمن میں فرمایا کہ اولیاء انتقال کے وقت تک ایسے ہوتے ہیں جیسے کوئی سو رہا ہو اور اس کا معشوق بھی بستر میں آگیا ہو۔ رحلت کے وقت اس سونے والے کی حالت ایسی ہوتی ہے گویا یکایک نیند سے بیدار ہو گیا ہو اور وہ معشوق جس کی طلب میں ساری زندگی رہا تھا اس کو

اپنے بستر میں موجود دیکھے۔ اندازہ کرو کہ اس کو کیسی خوشی اور فرحت ہوگی۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ کیا بعض اولیاء ایسے ہوتے ہیں جن کو یہیں مشاہدے کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے؟ فرمایا کہ ہاں لیکن یہ نعمت جو اس وقت دیکھتے ہیں۔ جب وہ کمال کو پہنچتی ہے تو پھر بالکل اس سونے والے کی مانند ہوتے ہیں کہ جو نیند سے بیدار ہو تو اپنے معشوق کو اپنے بستر پر پائے اس حدیث کے موافق کہ الناس نیاک فاذا ماتوا انتہوا۔ یعنی ساری خلقت نیند میں ہے جب موت آئے گی تو بیدار ہوگی۔ یعنی یہاں جو جس طلب میں مستغرق ہے۔ مرنے کے بعد اس کا مطلوب اس کو ملے گا۔

اس کے بعد اولیاء کی موت کے تذکرے میں حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں میرے ایک دوست تھے۔ احمد نام۔ بڑے نیک اور عبادت گزار اور ابدال صفت اگرچہ کہ بے پڑھے لکھے تھے لیکن ہمیشہ شرعی مسائل اور ان کے احکام کی تحقیق میں لگے رہتے اور ہر ایک سے یہی پوچھتے رہتے۔ یہاں تک کہ جب میرا دہلی آنا ہوا تو وہ بھی دہلی آ گئے۔ ایک روز راستے میں ملاقات ہوئی اور مجھے دیکھ کر بڑی گرم جوشی سے ملے۔ اس کے بعد میری والدہ کا حال پوچھا ان کو میری والدہ کی بیماری کا حال تو معلوم تھا۔ لیکن انتقال کی خبر نہ تھی۔ میں نے کہا کہ والدہ تو اللہ کی رحمت کو پیاری ہوئیں۔ بولے تم سلامت رہو پھر (بڑے مضطرب ہوئے اور بے چین ہو کر رونے لگے جب خواجہ ذکریہ اللہ باخیر حکایت کے اس حصے تک پہنچے تو ان کو اس قدر رونا آیا کہ جو فرماتے تھے۔ پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ رونے کے درمیان یہ دو شعر زبان مبارک پر آئے۔ خبر نہیں کہ احمد صاحب ہوشو سے روایت فرمائے یا خود ہی پڑھے۔ الغرض شعر یہ تھے۔

افسوس میرے دل نے کوئی تدبیر نہیں کی ملن کی راتوں کو زنجیر ڈال کر نہ رکھا

اب تیرا وصل ہماری مدد کرے یا نہ کرے ہمارے جدائی نے تو کوئی گسراٹھا نہیں رکھی
 اس کے بعد ارشاد ہوا کہ کچھ عرصے بعد ان احمد نے دنیا سے رحلت کی میں نے ان کے مرنے
 کے بعد ایک روز انھیں خواب میں دیکھا کہ اپنی عادت کے موافق حسب معمول مجھ سے مسائل اور
 احکام پوچھ رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم پوچھ رہے ہو۔ یہ تو زندگی میں کا آتا ہے اور تم
 تو مر ہی چکے ہو۔ جب انھوں نے یہ بات سنی تو مجھ سے بولے کہ آپ خدا کے اولیاء کو مردہ کہتے ہیں؟
 اس قصے کے دوران ایک جوالقی (ملنگ) آیا اور نامناسب باتیں کرنے لگا جو اس
 مجلس میں نہیں کرنی چاہئے تھیں۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے کچھ نہیں کہا اور جو
 توقع اس کی تھی اس کو پورا کیا۔ اس کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ
 ایسی باتیں بھی ہونی چاہئیں۔ بہت سے لوگ آتے ہیں اور سر قدموں میں رکھتے ہیں
 اور نذر لاتے ہیں۔ پس اس طرح کے لوگ بھی آنے چاہئیں کہ آکر بے باکی سے جو چاہے
 کہہ ڈالیں۔ اس طرح یہ چیزیں ان چیزوں کا کفارہ (کمرنے والی) ہو جاتی ہیں۔
 حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ انہی اول فو لکھنے والوں
 میں سے ایک شخص آیا اور مجھے بہت کچھ برا بھلا اور نامناسب کہا
 میں نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ جب تک دنیا رہے ہمارا جہرا اور آپ کی برداشت باقی رہے!
 پھر فرمایا کہ ایک دفعہ انھیں منہ پھٹ لوگوں میں سے کوئی شخص شیخ الاسلام فرید الحق والدین
 قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور کہنا شروع کیا کہ آپ نے خود کو بت کیوں بنا رکھا
 ہے شیخ نے فرمایا کہ میں نے نہیں بنایا خدا نے بنایا ہے۔ وہ پھر بولا کہ نہیں آپ نے خود بنایا
 ہے شیخ نے ارشاد کیا کہ نہیں جو کچھ بنایا ہے خدا نے بنایا ہے۔ یہ سن کر وہ مخالف کھسیانا

عذر یعنی فراق اور جدائی تو ایک ایسی ابدی حقیقت ہے جو وصال نہ ہونے کی صورت میں پہلے ہی سے
 ہر طرح موجود رہتی ہے۔ وصال البتہ ایک ایسی چیز ہے اور گریز پا ہے جس کو حاصل کیا جاتا ہے (اور روکا جاتا ہے)

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی جوالقی (ملنگ) شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ وہ اس گروہ کے لیے بڑے سخت تھے۔ جوالقیوں نے انداز کر کسی چیز کا سوال کیا۔ شیخ نے کچھ نہ دیا۔ وہ باہر نکلے اور لڑنے جھگڑنے کے لیے تیار ہو گئے یہاں تک کہ انھوں نے اینٹیں اٹھالیں شیخ نے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو۔ (چنانچہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ وہ لوگ اینٹیں خانقاہ کے دروازے پر مارنے لگے۔ کچھ دیر ہوئی تو شیخ بہار الدین زکریا نے فرمایا کہ میں شیخ شہاب الدین کا بھایا ہوا ہوں میں اپنے آپ ہی نہیں بیٹھ گیا ہوں مجھے ایک مرد خدا نے یہاں بٹھایا ہے اس کے بعد حکم دیا کہ خانقاہ کا دروازہ کھول دو۔ جب دروازہ کھولا گیا تو ان ملنگوں نے سرزمین پر رکھ دیئے اور واپس چلے گئے اس کے بعد خواجہ ذکریا اللہ باخیر نے ارشاد کیا کہ پہلے (انھوں نے) خانقاہ کا دروازہ بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ یقیناً بشریت تھی اور خبر نہیں وہ گھڑی کیسی گھڑی تھی اس کے بعد جب کچھ وقت گزر گیا تو پھر دروازہ کھلوا دیا۔

اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ جنگ احد میں بہت صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے جب رسول علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بھی لمحہ بھر کو ان شہداء کے درمیان لیٹ جائیں یہاں تک کہ غضب کی گھڑی گزر جائے۔

چھٹی مجلس

اسی سال محرم کی پچیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان لوگوں کا ذکر آیا جو دولت جمع کرتے ہیں اور جس قدر دولت زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی اور زیادہ مانگتے ہیں۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ حق تبارک و تعالیٰ نے مختلف قسم کی طبیعتیں بنائی ہیں۔ مثلاً کسی آدمی کو دس درہم ہی کافی ہوتے ہیں اور ان میں اضافہ ہوتا ہے تو جب

تک خرچ نہ کرے اسے چین ہی نہیں آتا۔ اور کسی شخص کو ایسا بنایا جاتا ہے کہ جتنی زیادتی ہو رہے اتنی ہی ہوس بڑھتی ہے۔ اور یہ بات اس کی اپنی نہیں ہوتی۔ ازلی قسمت کی ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ سونے چاندی کی راحت خرچ کرنے میں ہے۔ یعنی آدمی کو کسی چیز سے راحت نہیں مل سکتی جب تک روپیہ خرچ نہ کرے۔ مثلاً اگر وہ چاہتا ہے کہ عمدہ لباس پہنے یا اسے اچھے کھانے کی آرزو ہو۔ یا اسی طرح کی اور کوئی تمنا ہو تو جب تک روپیہ خرچ نہیں کرتا۔ اس کی خواہش پوری نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ سونے چاندی سے اگر راحت حاصل ہو سکتی ہے تو ان کے جانے سے ہو سکتی ہے!

اسکے بعد فرمایا کہ سونے چاندی کے جمع کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ان سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ اس درمیان فرمایا کہ میرا دل خود شروع ہی سے کچھ جمع کرنے کی طرف راغب نہیں تھا اور طلب دنیا کا مجھے قطعاً خیال نہیں تھا۔ اس کے بعد جب شیخ الاسلام فرید الدین سے مرید ہوا تو پیوند بھی ایسی جگہ ہوا کہ ان کی نظر میں دونوں جہان نہ جھٹتے تھے۔ ترک مطلق تھا۔

اس کے بعد فرمایا اس سے پہلے مجھے روزی کی کچھ تنگی تھی۔ مگر خوشی سے گزران ہوتی تھی ایک روز کوئی شخص میرے پاس ناوقت آدھا تنکہ لایا میں نے کہا کہ آج تو دیر ہو گئی ہے اور جو کچھ ضروریات تھیں وہ پوری ہو چکی ہیں۔ اس کو کل خرچ کر دوں گا۔ جب رات ہوئی اور میں عبادت میں مشغول ہوا تو (اس) آدھے تنکے نے میرے دل کے دامن کو پکڑ لیا اور نیچے کھینچنا شروع کیا جب میں نے یہ حال دیکھا تو کہا خداوند! صبح کب ہوگی کہ میں اس سے بچھپا چھڑاؤں (اور خرچ کروں)

ساتویں مجلس

اسی سال ہفتے کے دن ماہ صفر اللہ اسے خیر و کامیابی کے ساتھ ختم کرائے، کی پانچویں تاریخ کو قدیم بوسی کی دولت میسر آئی۔ اصحاب ولایت کی نقل پذیری کا ذکر آیا کہ بعض اڑنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں قصہ سنایا کہ بداؤں میں ایک ذاکر تھے ان کا منبر ایک دیوار سے لگا ہوا تھا اور اس دیوار میں منبر سے کم و بیش قد آدم کی بلندی پر بہت سے طاق تھے۔ اور یہ طاق اس طرح ٹیڑھے میڑھے تھے کہ کوئی ان پر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ ان ذاکر پر وعظ کے دوران ایک کیفیت طاری ہوتی کہ اس کیفیت میں وہ جست کرتے اور ان طاقتوں میں جا بیٹھتے۔ اور اسی سلسلے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی جوگی اچھیں آیا اور بطور چیلنج شیخ صفی الدین گاررونی کے پاس آکر بحث کرنے لگا اور شیخ سے بولا کہ آؤ اڑ کر دکھائیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ دعوے دار تم ہو تم ہی اڑ کر دکھاؤ۔ جوگی زمین سے ہوا میں معلق ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کا سر چھت سے جا لگا۔ پھر اسی طرح سیدھانچے اتر آیا۔ پھر شیخ سے کہنے لگا کہ تم بھی اڑ کر دکھاؤ شیخ صفی الدین گاررونی نے آسمان کی طرف رخ کر کے کہا۔ خداوند! تو نے غیروں کو اڑنے کی یہ صلاحیت عطا کی ہے مجھے بھی یہ۔۔۔ عطا فرما۔ اس کے بعد شیخ اپنی جگہ سے اٹھے اور قبلے کی طرف اڑے۔ اس کے بعد شمال کی طرف گئے پھر جنوب کی طرف ہو کر اپنی جگہ پر آ بیٹھے۔ جوگی حیران رہ گیا۔ اور شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور بولا کہ ہم سے بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ زمین سے کسی قدر اونچے سیدھے اڑ جائیں اور اسی طرح پھر نیچے آجائیں اس کے علاوہ دائیں بائیں نہیں جاسکتے۔ لیکن آپ تو جس طرف چاہتے ہیں پرواز کرتے ہیں۔ یہ حق ہے اور اللہ کی طرف سے ہے۔ اور ہمارا جو کچھ ہے باطل ہے۔

اس طرح کی ارادی حرکت کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی فلسفی خلیفہ (وقت) کی خدمت میں اپنی کتابیں لے کر آیا اور چاہا کہ خلیفہ کو راہ حق سے برگشتہ کر دے۔ اور خلیفہ نے بھی اس کے علم سے دلچسپی دکھائی۔ یہ خبر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچی تو شیخ نے اس کی طرف توجہ کی اور فرمایا کہ جب خلیفہ ان فلسفیوں کی طرف مائل ہوگا تو ایک جہان میں اندھیر ہو جائے گا۔ یہ فرما کر کھڑے ہو گئے۔ اور خلیفہ کے محل میں تشریف لائے۔ اس وقت خلیفہ نے اسی بد بخت حکیم کے لیے تخیلہ کرار کھا تھا۔ اور اسی علم کی بحث میں مشغول تھا۔ خبر کی گئی کہ شیخ شہاب الدین تشریف لائے ہیں شیخ کو اندر بلایا گیا۔ شیخ اندر آئے تو خلیفہ اور فلسفی کو دیکھ کر پوچھا کہ تم لوگ اس وقت کیا بحث کر رہے تھے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ کچھ اور بات ہو رہی تھی فلسفے کی بحث کو انھوں نے چھپایا۔ شیخ نے بہت اصرار کیا کہ بتاؤ کیا بات کر رہے تھے؟ جب شیخ نے بہت تقاضا کیا تو وہ فلسفی بولا کہ ہم اس وقت یہ بحث کر رہے تھے کہ آسمان کی حرکت طبعی ہے۔ حرکتوں کی تین قسمیں ہیں۔ طبعی اور ارادی اور قسری۔ حرکت طبعی وہ ہے کہ خود اپنی خاصیت سے گردش ہو جیسے کہ پتھر کو ہاتھ سے چھوڑا جائے تو وہ زمین پر گرتا ہے۔ حرکت ارادی وہ ہے کہ اپنی مرضی سے جس طرف چاہے حرکت کرے۔ حرکت قسری وہ ہے کہ اسے کوئی اور حرکت میں لائے جیسے کہ کوئی فضا میں پتھر پھینکے۔ اس کو حرکت قسری کہیں گے۔ جب پھینکنے کی قوت کم ہوگی تو وہ اپنی خاصیت کے مطابق زمین پر گر پڑے گا۔ جس کو حرکت طبعی کہتے ہیں۔ اب ہم اس بحث میں ہیں کہ فلک کی حرکت طبعی ہے شیخ نے فرمایا کہ نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ اس کی حرکت قسری

حرکت ہے۔ وہ بولے کہ کیسے؟ شیخ نے ارشاد کیا کہ اس ہیئت اور صورت کا ایک فرشتہ ہے۔ وہ خدائے تعالیٰ عزوجل کے فرمان کے مطابق آسمان کو گردش میں رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے۔ فلسفی منسنے لگا۔ اس کے بعد شیخ خلیفہ اور حکیم کو اس چھت کے نیچے سے کہ جہاں بیٹھے ہوئے تھے باہر لائے۔ اور آسمان کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ خداوند اچھ تو اپنے خاص بندوں کو دکھاتا ہے وہ انہیں بھی دکھاوے پھر خلیفہ اور فلسفی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آسمان کی طرف دیکھو۔ ان دونوں نے آسمان کی طرف دیکھا تو وہ فرشتہ نظر آگیا جو فلک کو گردش دیتا ہے اس وقت خلیفہ اس عقیدے سے تاب ہوا اور دین اسلام پر پکا ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

آٹھویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الاول کی ستائیسویں تاریخ سیر کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کا ذکر خیر نکلا۔ فرمایا کہ ان کا افطار اکثر شربت سے ہوتا تھا۔ ایک پیالہ تھا جس میں شربت لایا جاتا۔ شربت میں تھوڑی سی منقہ بھی ڈالتے تھے۔ اس پیالے میں سے آدھا حصہ یا تہائی حصہ سب حاضرین میں تقسیم کر دیا جاتا اس طرح کہ شربت کا کچھ حصہ ایک برتن میں ڈالا جاتا اور پانی ملا کر حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیا جاتا۔ باقی تہائی جو بچتا وہ خود استعمال فرماتے اور اس میں سے بھی جس کو چاہتے عنایت فرمادیتے۔ یہ دولت پانے والا بھی کیا خوش نصیب ہوتا تھا۔ پہلے دو چپڑی ہوئی روٹیاں لائی جاتیں۔ اور یہ دو روٹیاں ایک سیڑ سے کم ہوتیں۔ ان دونوں روٹیوں میں سے ایک روٹی ٹکڑا ٹکڑا کر کے سب حاضرین کو عطا فرمادی جاتی

۱۔ یہ سیر آجکل کے تقریباً ایک پاؤ کے برابر ہوتا تھا۔

اور دوسری روٹی خود نوش فرماتے اور اس خاصے کی روٹی میں سے بھی کچھ پابھتے
 عنایت کر دیتے شاکی نماز ادا کرنے کے بعد مشغول بحق ہو جاتے اور
 پوری طرح مشغول رہتے۔ اس کے بعد دسترخوان لایا جاتا
 ہر طرح کا کھانا ہوتا۔ جب وہ کھانا ہو چکتا تو پھر دوسرے دن افطار کے وقت تک کچھ
 نہ کھاتے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان کو خلد کی بیماری ہوئی تھی۔ اسی مرض میں انتقال کیا خولجہ
 ذکرہ اللہ بالخیر نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ رات کو سوتے وقت میں حاضر خدمت تھا
 دیکھا کہ ایک چارپائی بچھائی گئی۔ وہی کبیل جس پر دن کو تشریف رکھتے تھے رات
 کو کھاٹ پر بچھایا گیا۔ یہ کبیل پائنتی تک نہیں پہنچتا تھا جس جگہ حضرت کے قدم مبارک
 رہتے تھے وہاں ایک اوڑھکڑ والا کر ڈالا جاتا تھا۔ اگر رات کو ٹیکڑا اوڑھ لیتے تھے تو
 بستر کی وہ جگہ خالی رہ جاتی تھی۔ ایک عصا تھا جو حضرت شیخ قطب الدین قدس اللہ
 سرہ العزیز کا عطا کردہ تھا۔ اسے لا کر چارپائی کے سرہانے رکھا جاتا۔ اور شیخ اس کا تکیہ
 بنا کر استراحت فرماتے۔ اور اس عصا پر بار بار ہاتھ پھیرتے اور اسے چومتے۔
 پھر فرمایا کہ ایک روز اسی بیماری میں مجھے اور چند اور مریدوں کو حکم دیا کہ جاؤ فلاں
 حظیرے (مقبرے) میں شب بیدار رہ کر میری صحت کے لیے دعا کرو۔ چنانچہ ہم نے ایسا
 ہی کیا کہ میں اور چند دوسرے مرید اس حظیرے میں گئے۔ اس حظیرے کی چھت تھی
 اس چھت پر چلے گئے اور کھانا بھی ساتھ رکھا۔ رات بھر وہاں رہے
 اور دعا مانگی۔ جب دن نکلا تو شیخ کی خدمت میں آئے
 اور کھڑے ہو کر عرض کی رات کو ہم لوگ حکم کے موافق بیدار رہے اور دعا مانگی۔ شیخ کچھ

دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ تمہاری دعا سے صحت کے آثار تو پیدا ہوئے نہیں۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دینے میں تامل کیا۔ ایک مرید تھے جنہیں علی بہاری کہتے تھے۔ وہ میرے پیچھے کھڑے تھے۔ انہوں نے وہیں سے کہا کہ ہم ناقص ہیں اور شیخ کی ذات مبارک کامل۔ پس ناقصوں کی دعا کاملوں کے حق میں کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ شاید یہ بات شیخ سن نہ سکے میں نے یہ بات جوں کی تواریخ کے گوش مبارک تک پہنچائی اس کے بعد حضرت نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ تو خدا سے جو مانگے پائے۔ اس کے بعد اپنا عصا مجھے عطا فرمایا۔ اس دوران بندہ حسن علامہ بجزی نے عرض کی کہ کیا آپ شیخ کے انتقال کے وقت موجود تھے؟ حضرت آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد کیا کہ نہیں مجھے شوال کے مہینے میں دہلی بھیج دیا تھا۔ حضرت کا انتقال محرم کے مہینے کی پانچویں شب کو ہوا۔ رحلت کے وقت مجھے یاد کیا اور فرمایا کہ فلاں دہلی میں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی وفات کے وقت میں حاضر نہیں تھا۔ ہانسی میں تھا۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر یہ حکایت بیان فرماتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ اس قدر روئے کہ سب حاضرین پر اس کا اثر ہوا۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب شیخ کی بیماری بڑھی اور رمضان کا مہینہ آیا تو حضرت افطار فرماتے تھے (روزہ نہ رکھتے تھے) ایک روز کوئی خربوزہ لایا تھا۔ اس کی تاشیں کر کے شیخ کے سامنے رکھی گئی تھیں اور شیخ انہیں تناول فرما رہے تھے۔ اس دوران خربوزے کی ایک تاش مجھے بھی مرحمت فرمائی۔ میں نے چاہا کہ اسے کھا لوں۔ دل میں یہ خیال تھا کہ دو مہینے تک متواتر روزے رکھ کر اس (روزہ توڑنے) کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ یہ دولت کہ خود اپنے ہاتھ سے کوئی چیز عنایت فرماتے ہیں پھر کہاں ملے گی چنانچہ قریب تھا کہ میں اسے کھا لیتا کہ حضرت نے (ٹو کا اور) کہا کہ نہیں۔ مت کھاؤ! مجھے تو شریعت کی طرف سے اجازت ہے تمہیں نہیں کھانا چاہیے شیخ کی عمر کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ فرمایا کہ تیرا نوے سال تھی

اس روز بھی ملتے ہوئے رہیں اور ان کے سننے سے اس قدر ذوق حاصل ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جب رات ہوئی تو عشاء کی نماز کے بعد غلام حسن علاء بحری کو خاص جانماز عطا فرمائی گئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

نویں مجلس

اس سال ماہ ربیع الثانی کی دستویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی دعا کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ دعا بلا نازل ہونے سے پہلے کرنی چاہیے عربی الفاظ میں فرمایا کہ جب بلا راو پر سے نازل ہوتی ہے تو دعائیچے سے اوپر جاتی ہے اور ہوا میں دونوں کا ایک دوسرے سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اگر دعا میں طاقت زیادہ ہوتی ہے تو وہ بلا کو پیچھے ہٹا دیتی ہے ورنہ بلا نیچے آجاتی ہے۔

اس بات کے مناسب حال یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب تاتاری کافروں کی یورش ہوئی اور مغلوں کی بلانیشا پور پہنچی تو وہاں کے بادشاہ نے کسی شیخ فرید الدین عطار قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس بھیجا کہ دعا کیجیے۔ انھوں نے جواب دیا کہ دعا کا وقت گزر چکا اب تو رضا کا وقت ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے بلا نازل ہو چکی۔ اب تو خود کو اس کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ نزول بلا کے بعد بھی دعا کرنی چاہیے اگرچہ (اس طرح) بلا دور نہیں ہوتی لیکن بلا کی صعوبت کم ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد صبر و رضا کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا صبر یہ ہے کہ جب بندہ کو کوئی ناگوار

بات پیش آئے تو اس پر صبر کرے اور شکایت نہ کرے۔ اور رضا یہ ہے کہ جب بندے کو کسی ناپسندیدہ چیز سے واسطہ پڑے تو اس سے اس کو ناگوار نہ ہو جیسے کہ اسے بلا سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔ پھر فرمایا کہ متکلمان اس مفہوم کو درجہ نہیں سمجھتے

وہ کہتے ہیں کہ یہ کس طرح سوچا جاسکتا ہے کہ کسی کو ناگوار بات سے سابقہ ہو اور وہ اس پر ناگوار نہ گزرے ارشاد ہوا کہ اس کے بہت سے جواب ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص راستہ چل رہا ہے اور اس کے پیر میں کانٹا چبھ گیا اور خون بہنے لگا۔ لیکن وہ اتنی جلدی میں جا رہا ہوتا ہے اور اس کا دھیان کسی اور طرف اس طرح لگا ہوا ہوتا ہے کہ کانٹا چھنے کی اسے مطلق خبر نہیں ہوتی۔ کچھ دیر بعد پتہ چلتا ہے۔ اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جنگ میں مشغول ہے۔ اور اس کے کوئی زخم لگا۔ لیکن وہ لڑائی میں ایسا مچو ہوتا ہے کہ زخم کو ذرا بھی محسوس نہیں کرتا۔ جب اپنی قیام گاہ پر واپس آتا ہے تو احساس ہوتا ہے۔ پس جب اس قسم کی محویت جس کو بیان کیا گیا تکلیف سے بے خبر رکھ سکتی ہے تو جو شخص قیام میں مشغول ہو اس کی محویت اور بھی زیادہ ہوگی۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی الزام میں پکڑا گیا۔ اس کو ہزار بید لگائے گئے۔ لیکن اس نے ذرا بھی آہ و زاری نہ کی اور اس پر چوٹ اور تکلیف کا اثر بھی نظر نہ آتا تھا۔ سزا ملنے کے بعد اس سے پوچھا گیا کہ تجھ کو اس مار سے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ جب مجھے مار رہے تھے تو میرے محبوب نے مجھے دیکھا اور اس کی نظر کے سامنے مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔

اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بانی خیر نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ جو مجازی معشوق کی نظر کے سامنے ہوتا ہے اس کو درد کی خبر نہیں ہوتی۔ حقیقی معشوق کے سامنے تو اور زیادہ کیفیت ہوگی۔ پھر توکل کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ توکل کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے دعوے کیلئے کسی کو اپنا وکیل کرے اور وہ وکیل عالم بھی ہو اور موکل کا دوست بھی پس اس موکل کو یہ اطمینان رہے گا کہ میرا وکیل اپنے کا اور مقدمہ بازی میں ہوشیار بھی ہے اور میرا دوست بھی ہے

اس صوف میں توکل بھی ہے اور سوال بھی کیونکہ کبھی کبھی وہ اپنے وکیل سے یہ بھی کہے گا کہ اس دعوے میں ان طرح جواب دینا اور اس کام کو اس طرح پورا کرنا گویا توکل کے پہلے درجے میں توکل بھی ہوتا ہے اور سوال بھی توکل کے دوسرے درجے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی دودھ پیتا پچہ ہو کہ اسکی ماں اس کو دودھ دھیلاتی ہے۔ اس کو محض توکل ہوتا ہے، سوال نہیں ہوتا۔ پچہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے فلاں وقت دودھ دینا پس رونے لگتا ہے اور تقاضا نہیں کرتا اور یہ نہیں کہتا کہ مجھے دودھ دو اپنی ماں کی شفقت پر اس کو بھروسہ ہوتا ہے لیکن توکل کے تیسرے مرتبے کی مثال غسل میت دینے والے کے سامنے مردے کی سی ہے۔ مردہ نہلانے والے سے کوئی سوال نہیں کرتا اور اس سے کوئی حرکت سرزد نہیں ہوتی نہلانے والا جس طرح بھی اسے ضرورت ہوتی ہے اسے پھیرتا اور نہلاتا ہے۔ توکل کا تیسرا مرتبہ یہی ہے اور یہ مرتبہ اعلیٰ ہے اور بلند ہے۔

اسی مجلس میں کھانا لایا گیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے ازراہ خوش طبعی کہا کہ میں فلاں جگہ تھا۔ اور میرا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ لیکن جب تناج (ایک قسم کی آتش) سامنے رکھی گئی تو میں اسے چھوڑ نہیں سکا۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری خوش طبعی کی باتیں اس نے کیں۔ خواجہ ذکریا اللہ بالخیر نے تبسم کیا اور اس موقع کی مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ میں ایک دفعہ شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ اشراق صبح سورج نکلنے کے بعد کا وقت تھا۔ اور سردی کا موسم شیخ جمال الدین نے مجھے مخاطب کر کے یہ دھڑکے پڑے۔

باروغن گاؤ اندریں روز خنک نیکو باشد ہریہ و نان تنک

آج کی سردی میں تو گھسی اور ہریہ اور پراٹھے ہوتے تو خوب ہوتا۔

میں نے کہا کہ ذکر الغائب غیبتہ۔ غائب کا ذکر کرنا غیبت ہے شیخ جمال الدین بولے کہ میں نے اسے حاضر کر لیا ہے تب کہتا ہوں پس اسی وقت جیسا کہ انھوں نے کہا تھا یہ چیزیں

عہد علم سے ملتا جلتا ایک عربی کھانا۔ عہد شاہ جہاں کے دسترخوان کے کھانوں کی ترکیب میں نان تنک تیار کرنے کا وہی طریقہ لکھا ہے جو پراٹھا تیار کرنے کا ہے۔ مترجم

لائی گئیں۔ مجھے ہوئے دسترخوان اور موجود کھانے کی نسبت حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص محمد نامی تھا۔ وہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ کھانا لایا گیا تو دسترخوان اور کھانا رکھنے کا کپڑا موجود نہ تھا۔ شیخ نے فرمایا کہ روٹی زمین پر رکھ دو حاضر الوقت کے دل میں خیال گزرا کہ اگر دسترخوان ہوتا تو اچھا تھا۔ شیخ نے دو انگلیوں سے ایک خط دائرے کی صورت میں کھینچ دیا اور اس شخص سے کہا کہ محمد بس سمجھو کہ یہی دسترخوان ہے! اس کے بعد ارشاد ہوا کہ یہ واقعہ ابتدائی زمانے کا ہے۔

دسویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی تیسویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ اس ہفتے راقم الحروف کو تنخواہ رک جانے کی وجہ سے پریشانی تھی۔ جب خدمت میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اب سے کچھ عرصے پہلے ایک شخص تھے بہت بزرگ۔ میری چند بار ان سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے بہت سی باتیں کیں۔ مجھے ان کی بزرگی کی وجہ سے ناک و لقب پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک دفعہ راستے میں مجھے ملے تو ایک حکایت سنائی پہلے تو میرے سامنے آتے ہی بولے کہ خدا نے چاہا تو تم ایسے ہی ہو جاؤ گے جیسا لوگوں کا اعتقاد تمہارے بارے میں ہے۔ خواجہ ذکوة اللہ بالآخر نے یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد اس بات کی بہت تعریف فرمائی اور ارشاد ہوا کہ سب کچھ گویا انھوں نے کہہ دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہی شخص ایک دفعہ اور مجھے ملے۔ اور قصہ سنایا کہ لاہور میں ایک آدمی تھے ان کو شیخ زندہ دل کہتے تھے۔ بہت بزرگ آدمی تھے ایک دفعہ عید کے دن لوگ نماز پڑھ کر واپس آئے تو شیخ نے آسمان کی طرف رخ کر کے کہا کہ آج عید ہے۔ ہر غلام کو اپنے آقا سے عیدی ملے

گی۔ مجھے بھی عیدی دے! جب یہ بات انھوں نے کہی تو ریشم کا ایک ٹکڑا آسمان سے گرا جس پر لکھا تھا کہ ہم نے تیری ذات کو دوزخ کی آگ سے نجات دی جب لوگوں نے اسے دیکھا تو ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور تبرکاً ان کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے۔ اسی درمیان شیخ کے دوستوں میں سے کوئی شخص آیا اور ان سے کہنے لگا کہ تم کو تو باری تعالیٰ سے عیدی مل گئی (اب تم مجھ کو عیدی دو) شیخ نے سنا تو ریشم کا مذکورہ بالا ٹکڑا اسے دیکر کہا کہ جاؤ یہ تمہاری عیدی ہے۔ کل میں جانوں اور دوزخ۔

اس کے بعد خواجہ ذکری اللہ بانیر نے فرمایا کہ ایک دفعہ اور ان مرد بزرگ سے میری ملاقات ہوئی مجھ سے بولے کہ ایک قصہ سنو! قصہ یہ تھا کہ کسی شہر میں کوئی بہت مالدار برہمن رہا کرتا تھا شاید اس شہر کے حاکم نے اس سے تاوان لیا اور سارا مال و اسباب ضبط کر کے اسے کنگال کر دیا۔ اس کے بعد وہ برہمن مفلس اور پریشان ہو گیا۔ ایک روز وہ کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں اس کا ایک دوست ملا۔ اور پوچھنے لگا کہ کھو کیا حال ہے؟ برہمن نے جواب دیا کہ بہت اچھا آئندہ ہے! دوست بولا کہ تیری سب چیزیں تو چھن گئیں آئندہ کہاں سے آیا۔ اس نے جواب دیا۔ میرا جینیو تو میرے پاس ہے!

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد خواجہ ذکری اللہ بانیر نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ

”میری تقریر سے کچھ سمجھے بھی؟“

میں نے عرض کی۔ جی ہاں بندے کے دل کو اس حکایت سے باطنی تسلی حاصل ہوئی۔ بیچارے کے دل کی تسکین کے لیے یہ ارشاد ہوا ہے۔ یعنی تنخواہ رکھنے اور اسباب دنیا میسر نہ آنے کا کچھ غم نہیں کرنا چاہیے۔ سارا جہان بھی چلا جائے تو پروا نہیں

کرنی چاہیے۔ بس محبت حق برقرار رہنی چاہیے۔ الحمد للہ بندے نے حضرت کے ارشاد سے یہی مطلب اخذ کیا۔

گیارہویں مجلس

اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ کی چودہویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ غلام نے اس جمعے کی رات کو ایک خواب دیکھا تھا۔ وہ عرض کیا: خواب یہ تھا کہ گویا امیر عالم والوالہی علیہ الرحمۃ والرضوان راقم الحروف کو کوئی مٹھائی عنایت کر رہے ہیں۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے پوچھا کہ کیا کبھی ان سے تمہارا کوئی تعلق رہا ہے؟ میں نے عرض کیا جی نہیں۔ ارشاد ہوا کہ کوئی چیز غیب سے ملے گی۔ دوسرے جمعے کو غیب سے ایک ایسی چیز ملی کہ بندے کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

بارہویں مجلس

اسی مہینے کی چوبیسویں تاریخ پیر کے دن کہ اس خواب کو دیکھے ہوئے گیا ہواں روز تھا۔ اس سے بہتر اور مبارک چیز ملی۔ الفرض اس روز امیر عالم والوالہی کی بزرگی کے بارے میں حضرت نے بہت کچھ فرمایا۔ ان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ ایک صاحب نعمت بزرگ جن کو خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل ہوا تھا ایک دفعہ یہ بزرگ منبر پر تشریف لائے۔ خلقت کا مجمع لگا ہوا تھا۔ جن میں امیر عالم والوالہی بھی تھے۔ ان بزرگ نے اس طرح بیان شروع کیا کہ اے مسلمانو! آگاہ ہو جاؤ۔ اور یہاں لو کہ مجھے خواجہ شیرازی سے نعمت ملی تھی۔۔۔ آج رات کو میرا یہ تھا کہ یہ نعمت اپنے لڑکے کو عطا کر دوں مگر حکم یہ ہوا کہ امیر عالم والوالہی کو دو۔ اس کے بعد امیر عالم

کو منبر پر بلایا اور اپنا آئینہ دہن ان کے منہ میں ڈالا۔

تیسرے مہینے کی مجلس

ماہِ جمادی الآخر کی انتیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی سعادت ہوتی۔
رجب کے مہینے کی فضیلت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ اس مہینے میں دعائیں بہت
قبول ہوتی ہیں۔ اور اس مہینے کی چار راتیں بہت مبارک ہیں
پہلی رات۔ دوسرے جمعے کی رات۔ تیسرے۔
چاند مہینے کی رات۔ چوتھے ستائیسویں رات جو شبِ معداج ہے۔

اس کے بعد نفل نماز کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ جو نفل پڑھے جاتے ہیں وہ قضا شدہ
فرض نمازوں میں محسوب ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ
علیہ کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی ہر قضا نماز کو پانچ بار ادا کرتے تھے۔

چوتھے مہینے کی مجلس

اسی سال ماہِ رجب کی تیسرے مہینے کی تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔
توبہ کے قائم رہنے کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ سالک اگر پیر کی بیعت پر جمار ہے تو اس سے
پہلے اس نے جو کچھ کیا تھا اس کا مواخذہ نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں یہ حکایت بیان
فرمائی کہ سراج الدین لقب ایک صاحب تھے قصبہ ابوہر کے رہنے والے۔ میں ایک دفعہ
وہاں گیا اور ان کے ہاں جا کر اترا۔ وہ اور ان کی بیوی دونوں شیخ فرید الدین
قدس اللہ سرہ العزیز کے مرید ہو چکے تھے۔ شاید اس روز اس قصبے کے رہنے والے ان
سراج الدین کی بیوی سے جھگڑ رہے تھے۔ دھجکڑے اور لڑائی کے دوران

بہت نامناسب باتیں کہہ رہے تھے۔ ایسی باتیں جن سے عیب لگتا تھا۔ بعد میں ان خاتون نے جواب دیا اور کہا کہ جو کچھ تم لوگ کہتے ہو ذرا میرے بارے میں سوچو کہ یہ باتیں بیعت سے پہلے کی ہیں یا بیعت کے بعد کی۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالی جب اس بات پر پہنچے تو ارشاد ہوا کہ اس عورت نے کیسی عمدہ بات کہی

۱۵۔ ہندو ہوں مجلس

اسی سال ماہِ رجب کی انتیسویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ ایک شخص حاضر ہوا اور اپنے حالات کے سدھار کے واسطے امداد چاہی ارشاد ہوا کہ روزگار کی تنگی دور کرنے کے لیے ہر رات کو سورہ جمعہ پڑھنی چاہئے۔ پھر فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کا ارشاد ہر جمعے کی رات کے لیے ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ہر رات کو پڑھنی چاہئے۔ مگر میں خود اپنے لیے کبھی نہیں پڑھتا کیونکہ وہ (اللہ) جس حال میں چاہتا ہے رکھتا ہے !

اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ میرا گزرا ایسے لوگوں میں ہوا جو صوفیوں کے لباس میں تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں نے ایسا (ایسا) خواب دیکھا ہے۔ اس نے تعبیر دی کہ اچھا خواب ہے۔ تیرا روزگار بن جائے گا اور اسباب مہیا ہو جائیں گے۔ اور معیشت کشادہ ہو جائے گی۔ میں نے چاہا کہ اس سے کہوں کہ اے خواجہ جس لباس میں تم ہو اس لباس والے ایسی تعبیریں نہیں کیا کرتے پھر مجھے خیال آیا کہ میں جواب دینے والا کون ؟ چنانچہ کچھ نہیں بولا اور ان کے پاس سے چلا آیا۔

جب خواجہ ذکریہ اللہ بالی یہ حکایت ختم کر چکے تو اس شخص نے جو دعا کرانے

آیا تھا عرض کی کہ اے مخدوم لوگوں کو اسباب کی فراہمی اور اچھے روزگار کے بغیر چارہ نہیں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر

نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ یہ حکایت میں نے تمہارے بارے میں تھوڑی کہی ہے میں تو خود اپنا حال بیان کرتا ہوں۔

سولہویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان (اس کی برکتیں عام ہوں) کی چھٹی تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔ اس روز بندے (حسن علاء سحری) نے بعض اور بزرگ مریدوں کے ساتھ تجدید بیعت کی تھی۔ اس سلسلے میں ارشاد ہوا کہ جب رسول علیہ السلام نے مکے کا ارادہ فرمایا تو فتح سے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کو مکے والوں کے پاس سیفر بنا کر بھیجا۔ اس دوران رسول علیہ السلام تک افواہیں پہنچیں کہ (حضرت عثمانؓ) کو شہید کر دیا گیا۔ رسول علیہ السلام نے یہ خبر سنی تو صحابہ کو بلایا۔ اور کہا کہ آؤ بیعت کرو مکے والوں سے لڑیں گے۔ صحابہ نے بیعت کی اس وقت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذرخت کے تنے سے ٹیک بگاڑ کھسکی تھی اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ اس بیعت کے دوران ابن اکوع نامی صحابی حاضر ہو کر بیعت ہوئے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے اس سے پہلے بیعت نہیں کی؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ کی ہے۔ اس وقت تجدید کے لیے بیعت کر رہا ہوں پیغمبر علیہ السلام نے ان کو بیعت کے لیے دست مبارک عطا فرمایا۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ تجدید کا سلسلہ یا اجازت دین سے ہے اس کے بعد فرمایا اگر

کوئی مرید تجدید بیعت کرنا چاہتا ہو۔ اور شیخ موجود نہ ہو تو شیخ کا لباس سامنے رکھ کر اس لباس سے بیعت کر لینی چاہئے۔ اس درمیان فرمایا عجب نہیں کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے بارہا ایسا کیا ہوا اور میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں۔

پھر حسن اعتقاد کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ میں نے اودھ کے شیخ الاسلام شیخ رفیع الدین سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میرا ایک عزیز خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ ایک دفعہ یہ مرید کسی تہمت میں گرفتار ہوا۔ اور قتل گاہ میں لایا گیا۔ جلاد نے جو اس کی گردن اڑانے والا تھا اسے اس طرح کھڑا کیا کہ چہرہ قبلے کی طرف ہو۔ مرید چاہتا تھا کہ اپنے قبلے کی طرف منہ کرے کیونکہ پہلی صورت میں) شاید اس کی پیٹھ اپنے پیر کی قبر کی طرف ہو جاتی تھی چنانچہ اس نے فوراً اپنے پیر کی قبر کی طرف منہ کر لیا۔ جلاد نے کہا کہ اس وقت تو چہرہ قبلے کی طرف رکھنا چاہیے۔ تو منہ کیوں پھیرتا ہے۔ مرید بولا کہ میں نے منہ اپنے قبلے کی طرف کر لیا ہے۔ تو اپنا کام کر۔

اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ میں سفر میں تھا بلبی منزل میں ایک روز بڑی تکلیف اٹھائی اگرچہ کہ میں سوار تھا۔ لیکن بڑی پیاس لگی۔ ایک تالاب کے کنارے پہنچا۔ گھوڑے سے نیچے اترا اور چاہتا تھا کہ تھوڑا سا پانی لیکر پیوں کہ اندر سے ابکائی سی آئی اور پت (صفیرے) کا غلبہ ہوا۔ جس وقت میں بے ہوش ہوا میری زبان پر یہی آیا کہ شیخ! شیخ! تھوڑی دیر بعد مجھے پھر ہوش آ گیا۔ الغرض اس کے بعد مجھے اپنے کام کے (نیک) انجام کا یقین ہو گیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آخری وقت میں بھی یہی امید ہے کہ ان کی یاد کے ساتھ جاؤں۔

سنہ ہجری ۱۰۷۱ بمطابق

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی تیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی سعادت

میتسر آئی۔ قبروں کی زیارت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ میری والد علیہا الرحمہ بیمار ہوئیں۔ اور اس بیماری میں بار بار مجھ سے فرمایا کہ فلاں شہید کی زیارت کے لیے جاؤ اور فلاں بزرگ کے مزار پر حاضر ہو چنانچہ میں ان کے صنم کے مطابق جاتا رہا۔ جب واپس آتا تو فرماتیں کہ بیماری میں افادہ ہے اور تکلیف میں کمی ہے۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ جب شیخ الاسلام فرید الدین فدا اللہ رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو مجھے چند مریدوں کے ساتھ وہاں کے شہیدوں کی زیارت کے لیے بھیجا جب ہم زیارت کے بعد خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ تمہاری دعا نے تو کچھ بھی اثر نہیں کیا۔ مجھے کوئی جواب نہ سوجھا ایک مرید تھے جنہیں علی بہاری کہتے تھے۔ وہ ذرا دور کھڑے تھے۔ روپں سے ہولے کہ ہم ناقص ہیں اور شیخ کی ذات مبارک کامل۔ پس ناقصوں کی دعا کا ملوں کے لیے کس طرح پر اثر ہو سکتی ہے؟ خواجہ ذکری اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ بات شیخ کے سمع (مبارک) تک نہیں پہنچی۔ چنانچہ میں نے اس کو جوں کا توں شیخ کے گوش گزار کر دیا۔ مجھ سے فرمایا کہ میں نے خدا سے درخواست کی ہے تو خدا سے جو چاہے پائے۔ اس کے بعد اسی روز مجھے عصا عطا ہوا اور حکم دیا کہ تم اور بدر الدین الحق علیہ الرحمۃ جاؤ اور اس حقیقہ (مقررے) میں مشغول رہو۔ ہم دونوں گئے اور رات کو مشغول رہے۔ جب خدمت میں آنے تو ارشاد ہوا کہ اچھا رہا! اس حکایت کے دوران ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ تم سب مریدوں کو ایک لاکھ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے اور یہ بات سب مریدوں سے کہہ دو اور (آپس میں) بانٹ لو۔ میں نے رفیقوں سے کہا اور ہر ایک کے لیے تعداد مقرر کر دی۔ شیخ شخص نے ایک خاص تعداد قبول کی ایک نے پانچ ہزار بار اور ایک نے چار ہزار بار اور کسی نے کم اور کسی نے زیادہ میں نے دس ہزار بار فاتحہ پڑھی۔ اور گنتی کے چند روز میں ایک ہفتہ یا کم زیادہ ختم پورا ہو گیا۔ اس کے بعد

بندے (حسن علاء سجزی) نے شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ کیا یہ بیماری کے زمانے کا ذکر ہے؟ ارشاد ہوا کہ نہیں۔ اس سے پہلے کا (واقعہ) ہے۔ معلوم نہیں حضرت کی خدائے تعالیٰ سے کیا درخواست تھی!

اٹھارویں مجلس

اسی سال ماہ ذی القعدہ کی ساتویں تاریخ یہ کو قدم بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ امام ناصری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سامنے تھی۔ اس مناسبت سے صاحب تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ ایک دفعہ یہ امام بیمار پڑے۔ اور اس بیماری میں انھیں سکتہ ہو گیا۔ اقرباء اور دوستوں نے جانا کہ انتقال کر گئے۔ چنانچہ انھیں قبر میں دفن کر دیا۔ جب رات ہوئی تو انھیں ہوش آگیا۔ اور پتہ چلا کہ انھیں قبر میں دفن کر دیا گیا ہے۔ اسی حیرت اور لاچارگی میں انھیں یاد آیا کہ جو شخص پریشانی میں چالیس بار سورۃ یسین پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس تنگی میں کشادگی عطا فرماتا ہے۔ اور راہ پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وقت یسین پڑھنی شروع کر دی۔ جب اُن تالیس مرتبہ پڑھ چکے تو کشادگی کے آثار پیدا ہوئے۔ اور ہوا یہ کہ کوئی کفن چور کفن کے لالچ میں آیا اور اس نے قبر کھولی۔ امام سمجھ گئے کہ یہ کفن چور ہے۔ چالیسویں مرتبہ یسین پڑھی تو آہستہ آہستہ پڑھی تاکہ وہ نہ سنے اور قبر کو مرضی کے موافق کھولے۔ قصہ مختصر جب چالیس بار یسین پوری ہو گئی تو امام ناصری آہستہ سے قبر کے باہر آئے کفن چور نے جب یہ دیکھا تو اس پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ اس کا پتہ پھٹ گیا اور اسی وقت مر گیا۔ امام کو اس کے مرنے کا بہت افسوس ہوا اور اپنے آپ سے کہا کہ مجھے چپ چاپ پڑے رہنا چاہئے تھا تاکہ وہ کفن اتار لیتا اور

پھر میں خاموشی سے باہر آجاتا۔ خیر باہر آکر اپنی جلد بازی پر پشیمان ہوئے اور قبر سے نکل کر سوچنے لگے کہ جب لوگ مجھے یکایک دیکھیں گے تو خوف کھائیں گے اور ہر ایک تعجب و حیرت میں پڑ جائے گا۔ پس رات ہی کو وہ آہستہ آہستہ شہر میں آئے اور پکارا کہ میں فلاں شخص ہوں اور مجھ کو سکتے کی وجہ سے غلط فہمی میں دفن کر آئے تھے یہ کہتے ہوئے آئے تاکہ مخلوق کو یکایک اچنبھا نہ ہو۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ تفسیر انھوں نے اس واقعے کے بعد لکھی تھی۔

پھر ان مردوں کا ذکر ہونے لگا جو ہمیشہ یاقوت میں مستغرق رہتے ہیں۔ اور انھیں اپنا کھانا سونا بھی یاد نہیں رہتا۔ جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے لیے کرتے ہیں ارشاد ہوا کہ ایک بہت بزرگ پیر تھے جو پانی کے کنارے سکونت رکھتے تھے۔ انھوں نے کچھ کھانا مہیا کیا اور اپنی بیوی سے بولے کہ یہ کھانا سر پر رکھو اور پانی پار کرو گھاٹ پر ایک درویش بیٹھے ہیں۔ یہ اطلاع ان کے سامنے رکھو تاکہ وہ کھالیں۔ عورت بولی کہ پانی بہت ہے۔ پار اترنا مشکل ہے شیخ نے فرمایا کہ پانی کے کنارے پر جاؤ اور پانی کو مخاطب کر کے کہو۔ اے پانی اس بات کی حرمت سے کہ میرے شوہر نے کبھی میرے ساتھ صحبت نہیں کی مجھے راہستہ دے۔ اس عورت کو بڑا تعجب ہوا اور اپنے آپ سے بولی کہ اس مرد سے میرے اتنے لڑکے ہیں میں یہ بات کیسے کہوں۔ بہر حال اس نے شوہر کے حکم کی تعمیل کی۔ پانی کے کنارے جا کر مندرہ فقرہ کہا۔ اسی وقت پانی میں شگاف پڑ گیا۔ اور پانی دو پھاٹ ہو گیا۔ اور بیچ میں سوکھا راستہ نکل آیا۔ عورت خیریت سے پار چلی گئی جب اس درویش کے پاس پہنچی تو اس کے سامنے کھانا رکھا۔ درویش نے کھانا کھا لیا اور عورت سے کہا کہ تم واپس جاؤ عورت نے کہا کہ میں آپ کے پاس اس طرح آئی تھی کہ میرے شوہر نے ایک بات

نہی تھی۔ میں نے وہ بات پانی سے کہی۔ پانی نے راستہ دے دیا۔ اب کس تدبیر سے واپس جاؤں درویش نے بوجھا کہ تمہارے شوہر نے کیا بات کہی تھی عورت نے وہ بات دہرائی درویش نے کہا کہ جاؤ۔ پانی کے کنارے جا کر پانی سے یہ بات کہو کہ اس درویش کی حرمت سے کہ جس نے تیس سال کی مدت میں کبھی بھی کھانا نہیں کھایا مجھے راستہ دے (اس بات سے) عورت کو اور بھی حیرت ہوئی۔ اپنے آپ سے بولی کہ ایک ناممکن بات۔ تو وہ تھی جو میرے شوہر نے کہی تھی۔ اور دوسری ناممکن بات ہے جو یہ شخص کہتا ہے اس نے ابھی ابھی میرے سامنے کھانا کھایا ہے۔ میں یہ بات کیسے کہوں؟ ہر حال ان درویش کے کہنے کے موافق پانی کے کنارے پہنچی اور کہا کہ اے پانی اس بات کی حرمت سے کہ اس درویش نے تیس سال کی مدت میں ایک دفعہ بھی کھانا نہیں کھایا۔ مجھے راستہ دے۔ اسی وقت پانی میں شگاف پڑ گیا اور دو پھاٹ ہو گیا۔ اور سوکھا راستہ بیچ میں نکل آیا۔ عورت غیر عافیت سے گزر گئی۔ جب اپنے شوہر کے پاس آئی تو ان کے پیروں پر گر کر بولی کہ مجھے ان دو باتوں کا بھید بتاؤ کہ کیا تھا تم نے بھی اتنی بار مجھ سے صحبت کی اور اس درویش نے بھی میرے سامنے کھانا کھایا۔ یہ دونوں جھوٹ میں نے پانی سے بولے اور پانی نے مجھے راستہ دے دیا۔ یہ کیا حکمت تھی؟ شمع نے کہا کہ سمجھ لو اور یاد رکھو کہ میں نے تمہارے ساتھ کبھی اپنے نفس کی خواہش پورا کرنے کے لیے صحبت نہیں کی جو صحبت بھی تم سے کی وہ تمہارا حق ادا کرنے کے لیے کی نہ کہ نفسانی خواہش اور اپنے نفس کے ذوق کے لیے کی۔ پس اس لحاظ سے میں نے گویا تمہارے ساتھ بھی صحبت کی ہی نہیں۔ اور اس شخص نے ان تیس سالوں میں کوئی کھانا نہ ذوق نفس کے لیے کھایا نہ حصول لذت کے لیے کھایا۔ جب بھی کھایا عبادت کی طاقت حاصل کرنے کے لیے کھایا۔ یہ تھی معنویت ان دونوں باتوں کی۔ یعنی مردانِ خدا جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ

خدا کے لیے کرتے ہیں ان کی نیت ہمیشہ اللہ کے لیے ہوتی ہے ۔

یہاں سے قدوة الاولیاء شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کا ذکر خیر آیا۔ ارشاد ہوا کہ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ جوڑواں۔ ان میں سے ایک کی وفات تو بچپن ہی میں ہو گئی تھی۔ دوسرے بڑے ہوئے۔ لیکن وہ ذرا بھی شیخ پر نہ تھے ان کے احوال اور شیخ کے احوال میں کوئی مناسبت نہیں تھی۔ اس حکایت کے دوران خواجہ ذکریہ اللہ بالی نے زبان گوہر بار سے فرمایا شیخ قطب الدین کے فرزند شیخ الاسلام فرید الدین نور اللہ مرقدہما تھے۔ القصہ حضرت نے فرمایا کہ جب شیخ کے چھوٹے بچے نے وفات پائی اور حضرت اس کو دفن کر کے واپس آئے اور گھر پہنچے تو شاید حضرت کی بی بی صاحبہ بیٹے کے مرنے پر بہت روئی دھوئیں جب ان کے بین کی آواز شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کو پہنچی تو حضرت ہاتھ ملنے لگے شیخ بدر الدین غزنوی علیہ الرحمۃ والرضوان حاضر تھے وہ آداب بجالائے۔ اور پوچھا کہ یہ افسوس کا ہے کا؟ شیخ نے ارشاد کیا کہ اس وقت مجھے یاد آیا کہ میں نے حق تعالیٰ سے بچے کی زندگی کیوں نہ مانگی۔ اگر میں مانگتا تو وہ عطا فرماتا۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالی نے فرمایا کہ دیکھو دوست کی یاد میں ان کی محویت دیکھو کہ کس درجے تھی کہ بیٹے کی موت زندگی بھی یاد نہیں آئی۔

پھر دعا کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ دعا کے وقت بندے کو چاہیے کہ نہ تو جو گناہ کر چکا ہو۔ ان کا خیال دل میں لائے اور کسی طاعت و عبادت کا۔ کیوں کہ اگر اس کا خیال دل میں لائے گا تو یہ غرور ہوگا۔ اور گھمنڈی کی دعا قبول نہیں ہو سکتی اور اگر گناہ کا دھیان دل کو ہوگا تو دعا کے یقین میں سستی آئے گی۔ پس دعا کے وقت نظر خاص رحمت حق (تعالیٰ) پر رکھنی چاہیے۔ اور یہ یقین ہونا چاہیے کہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ اگر خدا چاہے۔ مزید

فرمایا کہ دعا کے وقت دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور سینے کے سامنے ہوں۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے ملے ہوئے رکھنے چاہئیں۔ اور غاصے بلند رکھنے چاہئیں اور ایسی صورت بنانی چاہیے کہ گویا اسی وقت کوئی چیز اس کے ہاتھ میں ڈالی جاتے گی۔ اس درمیان میں یہ معنی بھی بیان فرمانے کہ دعا دل کی تسکین کے واسطے ہے۔ (ورنہ) خدائے عزوجل (خوب) جانتا ہے کہ کیا کرنا چاہیے۔

پھر مریدوں کے عقیدے کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ عرصہ گزرا۔ شہر میں محمد نامی میرے ایک پڑوسی تھے جو ہر سال نارو کے مرض میں مبتلا ہوتے اور بڑی تکلیف اٹھاتے۔ جب میں نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کا ارادہ کیا تو اس پڑوسی نے مجھ سے کہا کہ جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہو تو میرا حال کہنا اور میرے لیے تعویذ مانگنا اور لانا۔ القصہ جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس شخص کا حال کہا اور تعویذ کی درخواست کی۔ شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہی لکھو۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ میں نے تعویذ لکھا اور شیخ کے دست مبارک میں دیا۔ شیخ نے اس کو ملاحظہ فرمایا اور پھر مجھے دے دیا اور ارشاد ہوا کہ اسے پہنچا دینا۔ جب میں شہر آیا تو وہ تعویذ اس کو دیدیا باقی عمر اس کو نارو کبھی نہیں ہوا۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ حضور نے اس تعویذ میں کیا لکھا تھا؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا۔ اللہ الشافی۔ اللہ الکافی۔ اللہ العافی۔ ایک دو کلمے اس کے بعد اور فرمائے جو میرے ذہن سے اتر گئے۔

مریدوں کے اعتقاد کے ضمن ہی میں ارشاد ہوا کہ ایک روز میں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ ایک بال حضرت کی مبارک دائرہ سے جدا ہوا۔ اور شیخ کی گود میں گر گیا۔ میں نے عرض کی کہ میری ایک درخواست ہے اگر حضرت شیخ اسے

منظور فرمائیں۔ ارشاد ہوا کہ کیا (درخواست) ہے؟ میں نے عرض کی کہ ایک بال آپ کی مبارک وارٹھی سے جدا ہو گیا ہے۔ اگر حکم ہو جائے تو میں اسے بطور تعویذ اپنے پاس رکھوں۔ ارشاد ہوا کہ ایسا ہی کر لو۔ میں نے وہ بال بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ لیا اور کپڑے میں لپیٹا اور اپنے ساتھ شہر لے آیا۔ خواجہ ذکریہ الشہبانیؒ اس حکایت کے دوران آنکھوں میں آنسو بھرا لائے اور فرمایا کہ اس ایک بال میں کیا کیا اثر میں نے دیکھے جو بھی بیمار اور درد مند میرے پاس آتا اور مجھ سے تعویذ مانگتا میں وہ موئے مبارک دے دیتا وہ اسے لے جاتا اور کچھ عرصہ اپنے پاس رکھتا اور اس کے دکھ بیماری دور ہو جاتے تو صحت کے بعد پھر میرے پاس لے آتا۔ چنانچہ میرے ایک دوست تاج الدین مینائی نام کے تھے۔ ان کا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ وہ بیمار ہوا تو مینائی میرے پاس آئے اور مجھ سے تعویذ مانگا۔ میں نے تعویذ ایک طاق میں رکھ چھوڑا تھا۔ بہت ڈھونڈا لیکن نہیں ملا۔ اس طاق کے علاوہ دوسرے طاقتوں میں بھی تلاش کیا کہ شاید غلطی سے کہیں اور رکھ دیا ہو لیکن وہ نظر نہ آیا۔ اور میرے دوست مایوس واپس گئے۔ ان کا بچہ اسی بیماری میں گزر گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد کوئی اور آیا اور کسی ضرورت سے وہ تعویذ طلب کیا۔ جب میں نے دیکھا تو اسی طاق میں رکھا دکھائی دیا۔ جہاں میں ہمیشہ رکھتا تھا اس کے بعد خواجہ ذکریہؒ بالیئر نے فرمایا کہ چوں کہ ان دوست کا بچہ وفات پانے والا تھا۔ اسی سبب سے تعویذ غائب ہو گیا۔

انیسویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی سولہویں تاریخ بدھ کو دست بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ نظم و نثر کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ جو بھی اچھا شعر سنا جائے تو

اس سے لازماً ذوق حاصل ہوتا ہے اور ہر روز مفہوم جو نثر میں سنا جائے اگر نظم میں سنیں تو ذوق بڑھ جاتا ہے۔ اچھے ترنم کی بھی یہی کیفیت ہے کہ جیسے اچھے شعر کے سننے سے ذوق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ شعر ترنم کے ساتھ سنا جائے تو ذوق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس درمیان راقم نے عرض کی کہ بندے کو کسی چیز سے اتنی رشتہ نہیں ہوتی جتنی سماع سے ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اصحاب طریت اور مشتاقوں کا یہ ذوق ہی تو ہے جو آگ لگاتا ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو زندگی کیا ہوتی اور زندگی میں ہزا کیا ہوتا۔ ان معانی کے بیان میں حضور کی آنکھ بھر آئی اور سینہ مبارک سے ایک آہ کھینچ کر فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے خواب میں کچھ دکھایا گیا۔ میں نے یہ مصرع پڑھا اے دوست بدست انتظار کشتی۔ اے دوست تو نے اپنے انتظار کے ہاتھوں مجھے مار ڈالا اس کے بعد خواب ہی میں اس مصرع کی تکرار کی تو اس طرح پڑھا۔ اے دوست بزم انتظار کشتی! اے دوست تو نے مجھے اپنے انتظار کے گھاؤ سے مار ڈالا۔ جب آنکھ کھلی تو یاد آیا کہ یہ مصرع اس طرح ہے۔

اے دوست بہ تیغ انتظار کشتی

اے دوست تو نے انتظار کی تلوار سے مجھے مار ڈالا

بیسویں مجلس

اسی سال ماہ ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ سچی ارادت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک فوجی تھا۔ شیخ الاسلام فرید الدین

فہم من العزیز کے مریدوں میں۔ اس کو محمد شاہ کہتے تھے۔ وہ جو بھی ارادہ کرنا اسے بارے میں شیخ کو خواب میں دیکھ لیتا اور جس بہت میں شیخ کو دیکھتا اسی کے مطابق خواب کی تعبیر لیتا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس نے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا۔ اسی فکر میں تھا کہ ایک رات کو خواب میں حضرت شیخ کو دیکھا کہ جیسے اجودھن کی طرف جا رہے ہیں جب وہ بیدار ہوا تو اپنے آپ سے بولا کہ مجھے بھی اسی طرف جانا چاہیے۔ نہ اس نے شیخ سے کوئی بات سنی نہ اشارہ دیکھا۔ بس اتنا دیکھا کہ اجودھن جاتے ہیں۔ اس نے ہندوستان کا دورہ چھوڑ دیا اور اجودھن کی طرف روانہ ہو گیا۔ الغرض اس سفر میں اس نے بہت راحت اور آسائش دیکھی خواجہ ذکریہ اللہ باختر نے فرمایا کہ یہ محمد شاہ غوری کہلاتے تھے۔ اچھے آدمی تھے۔ آخر میں کہے کے سفر کو گئے تھے اس کے بعد ان کی کوئی خبر نہیں آئی۔

اکیسویں مجلس

پیر گیارہ ماہ مبارک محرم سنہ سات سو گیارہ ہجری قدم بوسی کی سعادت میں آئی۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک پیر تھے بڑے بزرگ ان کی خدمت میں کوئی شخص آیا اور مریدی کی درخواست کر کے بیعت ہو گیا اور اسے خرقہ مل گیا جیسا کہ اس کا کی رسم ہے۔ اس کے کچھ عرصے بعد شیخ کو خبر کی گئی کہ وہ مرید غلط کاموں میں مشغول ہے اور پیرانی گناہ گاری میں پھر مبتلا ہو گیا ہے۔ شیخ نے یہ سنا تو اس کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ آؤ میرے گھر میں آکر رہو جو کچھ کرو میرے گھر میں کرو۔ کیوں کہ درویشی اچھائیوں کی جمع کرنے والی ہے اور پردہ پوشی درویشی کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ غرض یہ ہے کہ تم جو کچھ میرے

گھر میں کرو گے۔ میں اس کی پردہ پوشی کروں گا۔ مرید نے یہ بات سنی تو پیر کے قدموں میں سر رکھ دیا اور پچی توبہ کمر کے دوبارہ مرید ہوا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

اس حکایت کے پورا ہونے کے بعد بندے نے عرض کی کہ قاعدہ ہے کہ پیر مرید کے احوال پر نظر رکھتا ہے۔ اگر مریدوں کے اعمال کو دیکھتا رہے تو کہاں تک دیکھے گا۔ لیکن ان کے اعتقاد کے حال کو دیکھے اور مرید کا اعتقاد درست پائے تو مرید کے لیے اچھی امید ہو سکتی ہے، فرمایا کہ ہاں اس کام میں اصل چیز اعتقاد ہی ہے۔ جس طرح عالم ظاہر میں ایمان ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ خدائے عزوجل کی نیت اور رسول علیہ السلام کی رسالت پر پورا ایمان رکھے۔ اور مرید کو بھی چاہیے کہ پیر کے بارے میں درست اعتقاد رکھے۔ جیسے مومن کا ایمان درست ہو تو وہ گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر مرید کا اعتقاد درست ہوگا تو لغزش ہو بھی جائے تو اسے مردود نہیں کہا جائے گا۔ امید رہے گی کہ اعتقاد کی برکت سے پھر اصلاح ہو جائے۔

پھر تلاوت قرآن اور حفظ کی برکتوں کا ذکر آیا بندے نے عرض کی کہ اگر یاد کرنے کا موقع نہ ملے تو ناظرہ پڑھنا کیسا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا ہے۔ اس میں آنکھ کے لیے بھی ایک حظ ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ بکیر قدس اللہ سرہ العزیز حضرت بابا فرید جس کسی سے قرآن یاد کرنے کے لیے کہتے۔ فرماتے کہ پہلے سورہ یوسف یاد کرو کہ جو سورہ یوسف یاد کر لیتا ہے۔ اس کی برکت سے حق تعالیٰ پورے قرآن کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

اسی مناسبت سے ارشاد فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن کو یاد کرنے کی نیت کرتا ہے۔ مگر یاد کرنے نہیں پاتا اور اسی نیت کے ساتھ اس جہان سے رخصت ہو جاتا ہے اس کو جب قبر میں لٹاتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور بہشت سے ایک تریخ

رہا یہ کہ اس کے ہاتھ میں دیتا ہے۔ وہ شخص اسے کھا لیتا ہے۔ اور تمام قرآن اسے حفظ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حشر کے دن اسے حافظ اٹھایا جاتا ہے۔

پھر ان مولویوں کا ذکر ہونے لگا جو درویشی صفات رکھتے ہیں اور نیک مردوں کے سے اخلاق ان میں ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ میں نے تین مولوی اس طرح کے دیکھے ہیں ایک مولانا شہاب الدین جو میرٹھ کے تھے دوسرے مولانا احمد حافظ اور تیسرے مولانا کیتھلی۔

مولانا احمد کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ حافظ تھے اور اللہ کے نیک بندے تھے۔ ایک دفعہ میں شیخ کبیر بابا صاحب کی وفات کے بعد ان کی زیارت کے ارادے سے نکلا تو سرسی کے قریب میں ان مولانا احمد سے ملا۔ مجھ سے کہنے لگے کہ جب شیخ کبیر کے ردھنے پر پہنچو تو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میں دنیا نہیں چاہتا۔ اس کے طلب گار اور بہت سے ہیں اور عقبنی کی خواہش بھی نہیں ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے مسلمان مارے اور صالحین سے ملائے۔ پھر مولانا کیتھلی کی بزرگی کا حال بیان فرمایا کہ بڑے برکت والے بزرگ تھے۔

اگرچہ مرید کسی کے نہ تھے۔ لیکن صحبت بہت سے لوگوں اور مردانِ خدا کی اٹھائی تھی جب میں نے انہیں پہلی ملاقات کے وقت دیکھا تو ان کے بیان اور ان کی ہنست سے معلوم ہو گیا کہ یہ مصلانِ حق میں سے ایک ہیں۔ میرے دل میں ایک سوال تھا۔ وہ ان سے پوچھا۔ جواب دیا کہ یہ بات اس طرح ہوگی اور وہ اس طرح۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے یہ حکایت بیان کی اور اب دیدہ ہو کر فرمایا کہ اگر یہ مشکل بات اگر سو مجتہد دانشمندوں سے پوچھی جاتی تو حل نہ ہوتی ان کے اخلاق کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ وہ میرے پاس آئے۔ مبشر جو میرا خدمت گار ہے۔ اس وقت بچہ سا تھا شاندا اس نے کوئی بے ادبی کی۔ ایک لکڑی اس کے ماری گئی۔ مولانا کیتھلی نے ایسی تکلیف کا اظہار کیا کہ گویا وہ لکڑی خود ان کے

ماری گئی ہو۔ رونے لگے اور بولے کہ یہ میری بد بختی تھی کہ اسے یہ تکلیف پہنچی خواجہ ذکرہ اللہ باجر نے فرمایا کہ مجھے ان کی رقت اور شفقت سے میرا دل بھی بھر آیا۔

ایک اور حکایت ان کی بزرگی کے بارے میں بیان فرمائی کہ میں نے ان سے سنا کہ ایک سال دہلی میں قحط پڑا جس زمانے میں ملک قطب الدین حسن کا واقعہ واقعہ ہے میں کپڑا مارکیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ بھوکا تھا۔ میں نے کھانا خریدنا اور اپنے آپ سے کہا کہ اس کو اکیلے نہیں کھانا چاہیے۔ کسی کو دعوت دینی چاہیے تاکہ اس کے ساتھ ہم لقمہ ہو جاؤں۔ ایک گدڑی پوش فقیر کو دیکھا کہ چیتھڑے لٹاے ہوئے میرے سامنے سے جا رہا ہے میں نے اس سے کہا کہ اے خواجہ میں بھی درویش ہوں اور تم بھی درویش ہو میں بھی مسافر ہوں اور تم بھی مسافر نظر آتے ہو۔ تھوڑا سا کھانا ہے۔ آؤ ہم لقمہ ہو جائیں۔ درویش نے منظور کر لیا۔ ایک باورچی کی دکان پر ہم چڑھے اور اس کھانے کو کھایا۔ اس دوران میں نے اس درویش سے مخاطب ہو کر کہا میاں مجھ پر بیس تنکے قرض ہیں آپ توجہ فرمائیں کہ یہ قرض ادا ہو جائے۔ وہ درویش کہنے لگا کہ تم اطمینان سے کھانا کھا لو میں تم کو بیس تنکے دے دوں گا۔ بولا نا کیتھلی کہتے تھے کہ میں نے دل میں سوچا کہ اس پھٹی ہوئی گدڑی والے کے پاس بیس تنکے کہاں سے آئیں گے جو مجھے دے گا۔ خیر جب کھانا کھا کر اٹھے تو وہ مجھے ساتھ لے کر چلا اور مسجد کی طرف گیا۔ مسجد کے پیچھے ایک قبر تھی اس کے پاس کھڑا ہو گیا اور کچھ پڑھنے لگا اور ایک چھوٹی سی چھڑی کو جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ ایک دو ذمہ آہستہ سے قبر پر مارا اور بولا اس درویش کو بیس تنکوں کی ضرورت ہے ان کو

۱۔ نماز گاہ ہے مراد مسجد کے علاوہ وہ جگہ بھی ہو سکتی ہے جسے نماز کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں اور صلیٰ کہتے ہیں۔ اس جگہ پر مسجد کے قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔

دے دو۔ یہ کہا اور میری طرف منہ کر کے مجھ سے کہنے لگا کہ مولانا جاؤ۔ بیس تنکے
تبس مل گئے۔ مولانا کیمتلی کہتے تھے کہ میں نے یہ بات سُن کر اس درویش کے
ہاتھ جو مے اور اُس سے رخصت ہو کر شہر کی طرف تعجب کرتا ہوا آ رہا تھا کہ وہ بیس
تکے مجھے کہاں سے ملیں گے۔ میرے پاس ایک خط تھا جو کسی کے گھر پہنچا نا تھا۔ اسی روز
وہ خط لے کر روانہ ہوا۔ دروازہ کمال کے پاس ایک ترک اپنے مکان کے چھتے پر بیٹھا تھا
مجھے دیکھ کر اس نے آواز دی اور غلاموں کو دوڑایا جو مجھے بڑے اصرار سے اوپر لے
گئے۔ مجھ سے وہ ترک بڑے تپاک سے ملا۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن
سہیجان نہ سکا وہ ترک لہا کہ کیا آپ وہ مولوی صاحب نہیں ہیں
جنہوں نے میرے ساتھ فلاں جگہ ایسی ایسی بھلائی کی تھی۔ میں نے جواب دیا کہ
میں آپ کو جانتا بھی نہیں۔ ترک نے جواب دیا کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ اپنے آپ
کو یوں چھپاتے ہو۔ غرض یہ کہ اسی طرح کی بہت باتیں کرتا رہا۔ اور اس کے بعد اس
نے بیس تنکے منگا کر بڑی عاجزی کے ساتھ میرے ہاتھ میں دیئے۔

خواجہ ذکرۃ اللہ بالیخ نے انہی مولانا کیمتلی کے بارے میں فرمایا کہ وہ کھانا اکیلے
نہیں کھایا کرتے تھے۔ (مرن) یہی اچھی عادت بہت تھی۔ دوسرے اخلاق کیسے کچھ
نہ ہوں گے۔ اس کے بعد ان کا ایک اور واقعہ سنایا کہ میں ایک دفعہ سفر کے دوران مری
کے قریب پہنچا تو سنا کہ کل اس علاقے میں راستہ اٹھا ہے۔ اور بہت سے مسلمان ڈاکوؤں
کے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔ انہیں میں ایک مولوی صاحب بھی تھے جن کو کیمتلی
کہتے تھے۔ وہ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ تلاوت کے دوران انہیں شہید کر دیا گیا۔
خواجہ ذکرۃ اللہ بالیخ نے فرمایا کہ میرے دل میں خطرہ گزرا کہ کہیں یہ وہی مولانا کیمتلی نہ

ہوں۔ دوسرے روز مرنے والوں کی لاشوں کے پاس جا کر فاتحہ پڑھی اور تحقیق کیا تو پتہ چلا کہ وہی مولانا کیتھلی تھے جو شہید ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بھرپور رحمت سے نوازے۔

بائیسویں مجلس

اسی سال ربیع الاول کے مبارک مہینے کی تیسری تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ اس بار ایک مہینے کے بعد جانا ہوا تھا۔ اور کبھی غیر حاضری کی مدت اتنی زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ قدم مبارک چومے گئے تو دو تین اور اشخاص بھی چہیتے مریدوں میں سے موجود تھے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم فاضلوں کا ذکر کر رہے تھے کہ تم آگئے۔ بندے نے دوبارہ جھک کر زمین چوم لی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ خواجہ جس مالک علیہ الرحمہ کا قاعدہ تھا کہ اگر کوئی شاگرد حاضری نافذ کرتا یا کوئی دوست مدت کے بعد آتا۔ تو کہتے کہ میں نے کیا کیا تھا جو تم نہیں آئے۔ اس کے بعد بستم کر کے فرمایا کہ اگر کسی سے مزاج کرتے تب بھی یہی بات کہتے کہ ذرا یہ تو بتاؤ کہ میں نے کیا کیا تھا جو تم نہیں آئے۔ تاکہ میں پھر وہی کروں! اس کے بعد فرمایا کہ اگر میری غیر حاضری ہوتی یا دیر میں پہنچتا تو خیال کرتا کہ مجھ سے بھی ایسا ہی کچھ فرمائیں گے۔ مگر مجھ سے کہتے کہ!

اتنا تو کرو کہ کبھی کبھی آؤ اور ہمیں دیکھ جاؤ۔ رہماری طرف ایک نگاہ کرو! خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر یہ شعر پڑھتے وقت اس طرح آنکھوں میں آنسو بھر لائے کہ حاضرین بھی رونے لگے۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ جس زمانے میں آپ شمس الملک کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ آپ کو تعظیم دیتے تھے۔ اور جھروکے میں جو خاص ان کے میچے کی جگہ تھی وہاں آپ کو بٹھاتے تھے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ

ہاں اس چھجڑے وہاں وہ بیٹھے تھے وہاں قاضی فخر الدین ناقلہ یا مولانا برہان الدین باقی کے سوا اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا تھا مجھ سے خاص اسی جگہ کے لیے فرماتے کہ بیٹھو میں کہتا کہ وہ تو آپ کی جگہ ہے مگر وہ کوئی غلہ نہ سننے اور لازماً اسی جگہ بیٹھاتے۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ کیا وہ کبھی کوئی مشغلہ بھی رکھتے تھے؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ہاں کسی وقت وہ مستوفی (اکاؤنٹنٹ) ہو گئے تھے۔ خواجہ تاج الدین ریزہ نے ان کے بارے میں یہ شعر کہا ہے۔

اے صدر اب تم دوستوں کی تمنا کے مطابق ہندستان کے مستوفی ممالک (آڈیٹر جنرل) ہو گئے ہو۔

ہندو نے عرض کی کہ خواجہ شمس الملک کی بزرگی اور علمی کہاں تو معلوم ہے لیکن خبر نہیں وہ درویشوں سے بھی کچھ تعلق اور محبت رکھتے تھے یا نہیں۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اچھا عقیدہ رکھتے تھے۔ میری جو تعظیم وہ کرتے تھے یہی ان کے اچھے اعتقاد کی دلیل ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

تیسویں مجلس

اسی سال مادہ ذبیح الاول کی چوبیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی اس روز چند مریدوں نے ایک ساتھ قدم بوسی کی دریافت فرمایا کہ کیا تم سب ایک ساتھ آئے ہو؟ عرض کی گئی کہ ہر شخص گھر سے تو الگ الگ آیا تھا۔ یہاں آکر جمع ہوئے ہیں فرمایا کہ الگ الگ آنا بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے یہی فرمایا ہے کہ الگ الگ آنا بہتر ہے کہ العین حق۔ (نظر لگنا برحق ہے)

پھر یہ ذکر آیا کہ نظر لگنا بھی برحق ہے اور جادو بھی برحق ہے۔ فرمایا کہ یہ وہ حق نہیں ہے باطل کی ضد ہے۔ نظر اور جادو کا اثر ہوتا ہے۔ معتزلہ اسے نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ جادو اور نظر کا اثر فوراً ظاہر نہیں ہوتا اس لیے یہ محض وہم ہے۔ لیکن ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے۔

جادو کے سلسلے میں معجزہ اور کرامت کا ذکر نکلا کہ اس کے چار درجے ہیں معجزہ اور کرامت اور معونت اور استدراج! معجزہ انبیاء کی چیز ہے جن کا علم بھی کامل ہوتا ہے اور عمل بھی کامل ہوتا ہے۔ اور وہ صاحب وحی ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ دکھاتے ہیں معجزہ ہوتا ہے۔ لیکن کرامت اولیاء سے متعلق ہوتی ہے علم عمل ان کا بھی مکمل ہوتا ہے فرق بس یہ ہے کہ وہ مغلوب ہوتے ہیں اور ان سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ کرامت کہلاتا ہے مگر معونت اسے کہتے ہیں کہ بعض دیوانے جو نہ علم رکھتے ہیں نہ عمل ان سے کبھی کبھی کوئی بات خلاف عادت سرزد ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ اسے معونت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح استدراج اسے کہتے ہیں کہ ایک گروہ جو قطعاً ایمان نہیں رکھتا جیسے جادوگر وغیرہ ان سے کوئی چیز نظر آ جاتی ہے۔ یہ استدراج کہلاتی ہے۔

پھر اطوار کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ یہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک حس کا طور۔ دوسرا عقل کا طور۔ اور تیسرا قدس کا طور یہ ہے کہ جیسے کھانے اور سونگھنے کی چیزیں حس سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد طور عقل ہے۔ اور اس کا تعلق دو قسموں سے ہوتا ہے۔ کبھی اور بدیہی۔ طور قدس کا انحصار بھی انہیں دو قسموں یعنی کبھی اور بدیہی پر ہوتا ہے لیکن جو شخص عالم قدس میں پہنچ جاتا ہے وہ عقل سے کسب کی ہوئی (حاصل کی ہوئی) چیزوں کو بھی بدیہی طور پر جاننے لگتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب

ع ۱ خلاف عادت سے مراد ہے وہ بات جو سائنسی نیک حقیقتوں کے خلاف ہو

ع ۲ جو کسی دلیل کی محتاج نہ ہو کھل ہوئی چیز آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ سورج اپنی دلیل خود ہوتا ہے۔ سورج نکلنے کے بعد اس کے وجود کو جاننے اور سمجھنے کے لیے کسی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ایک جاتی بوجھی چیز ہوتا ہے۔

عالم قدس کی بدیہی چیزیں ایسی ہیں تو کبھی کیسی کچھ نہ ہوں گی۔ یہ انبیاء اور اولیاء کا کام ہے پھر فرمایا کہ جس شخص پر عالم قدس کا دروازہ کھول دیا جائے اس کی شناخت کیا ہوگی؟ کیونکہ عالم عقل میں جب کوئی مسئلہ کسی شخص کے سامنے آتا ہے تو وہ بدیہی اور کبھی (علم) سے حاصل کر لیتا ہے اور اس کی خوشی میں ایسا مگن ہوتا ہے کہ اس کو عالم قدس کا راستہ ہی نہیں ملتا۔ اس دوران ایک بزرگ سے روایت فرمائی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ غیب سے کوئی چیز دل میں آئے گی تو انشاء اللہ اسے قلم بند کر لوں گا۔ اس کے بعد انھوں نے بہت کچھ تحریر کیا مگر آخر میں یہی بات کہنی پڑی کہ اتنا کچھ لکھنے کے باوجود جو مقصود تھا وہ قلم بند نہ ہو سکا۔

اس کے بعد معتزلہ کی باتوں کا ذکر چھڑ گیا کہ وہ حکم لگاتے ہیں کہ کافر اور کبیرہ گناہ کرنے والے ریکساں ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ارشاد ہوا کہ یہ بات غلط ہے مذہب تو یہ کہتا ہے کہ کافر مستقل عذاب میں رہیں گے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جن چیزوں کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ ان کے معبود ہیں۔ اور ان کا کفر کا یہ عقیدہ دائم ہے۔ چونکہ کفر پر ان کا اعتقاد دائم ہے۔ پس اس کا عذاب بھی دائم ہوگا۔ البتہ بڑے بڑے گناہ کرنے والے مستقل اور برابر گناہ میں نہیں رہتے۔ جب وہ گناہ کر چلتے ہیں تو اس وقت یہ بھی سوچتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا غلط کیا اور یہ جائز نہ تھا۔ پس چونکہ بڑے گناہوں میں ان کا اعتقاد یکا نہیں ہوتا، ان کا عذاب بھی ہمیشہ نہیں رہے گا۔

پھر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ گناہ گار گناہ کرتے وقت تین حیثیت سے (خدا کا) اطاعت گزار ہوتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں یہ جائز نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ وہ جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ واقف ہے اور دیکھ رہا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کو بخشش کی آس بھی لگی رہتی ہے۔ یہ تینوں عقیدے رکھنا اطاعت گزاروں کا کام ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اشعر یہ مذہب میں بھی اسی طرح آیا ہے کہ جو کافر اپنے خاتمے کے وقت ایمان پر ہو۔ اس کا حال مومنوں کا سا رہے گا۔ اور وہ مومن جس کا خاتمہ پناہ بخدا کفر پر ہو۔ اس کا حال کافر کا حال ہے۔ اس سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ حمید الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ناگور میں ایک ہندو کے بارے میں بار بار یہ بات کہی کہ یہ خدا کا ولی ہے۔ اسی ضمن میں ابو حنیفہ قدس اللہ سرہ العزیز کا قصہ سنایا کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا قیامت کے دن کافر دوزخ میں ہوں گے۔ بولے نہیں! لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا کہ قیامت کے دن جب کافر عذاب اور اپنے کثرت کے پھل کو دیکھیں گے تو ایمان لے آئیں گے۔ حضرت فرمایا ہاں۔ لیکن ان کا یہ ایمان کچھ مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ ایمان تو وہ ہوتا ہے جو غیب پر لایا جائے وہ (کافر) قیامت کے دن سب کے سب ایمان لے آئیں گے۔ اور اس سے انھیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ سب دوزخ میں جائیں گے۔ اگرچہ وہ ایمان لاپکے ہونگے۔ اسی کے مناسب حال ارشاد ہوا کہ اس آیت: ”نہیں پیدا کیا جنوں کو اور انساؤں کو مگر اس لیے کہ وہ عبادت کریں“ اس آیت میں ابن عباس کے قول کے مطابق ”الا لیوحدون ہے۔ یعنی انسان اور جن سب ایک خدا کو مانیں۔ اور جو یہاں موجد ہے (خدا کو ایک مانتا ہے)، وہ غیب کے ایمان کے ساتھ ہے۔ اور کل جب کافر قیامت کے عذاب کو دیکھیں گے تو خدا کی وحدانیت کا اقرار کریں گے پس لیوحدون درست ہوگا۔

پھر ارشاد ہوا کہ جس کو بھی دیکھے اپنے سے بہتر خیال کرے۔ چاہے یہ اطاعت گزار ہو اور وہ گناہ گار! کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس کی اطاعت، اطاعتوں میں آخری اطاعت اور اس کا گناہ، گناہ ہوں میں آخری گناہ ہو۔

اس کے بعد خواجہ حسن بھری نور اللہ مرقدہ کا قصہ بیان فرمایا

جو فرماتے تھے کہ میں نے جس کسی کو دیکھا اپنے سے بہتر خیال کیا۔ سوائے ایک دن کے کہ اس کی منزا میں نے بھلتی ہوئی کہ ایک روز میں نے کسی حبشی کو دیکھا کہ پانی کے کنارے بیٹھا ہے۔ اور پہلو میں قراہہ دہرائی دہری ہے وقتاً فوقتاً اس میں سے کسی چیز کے گھونٹ بھرتا ہے۔ اور ایک عورت اس کے پاس بیٹھی ہے۔ میرے دل خیال آیا کہ چلو اس سے تو میں اچھا ہی ہوں۔ اسی خیال میں تھا کہ ایک کشتی پانی میں ڈوبنے لگی۔ سات آدمی اس کشتی میں تھے۔ ساتوں کے ساتوں ڈوبنے لگے۔ حبشی نے فوراً پانی میں چھلانگ لگائی۔ اور چھ آدمیوں کو پانی میں سے نکال لایا۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا اے حسن اس ایک آدمی کو تم نکال لاؤ۔ خواجہ حسن فرماتے ہیں کہ میں حیران کھڑا رہ گیا۔ پھر مجھ سے بولا کہ اس صراحی میں پانی ہے اور یہ عورت جو میرے پہلو میں بیٹھی ہے یہ میری ماں ہے۔ میں تمہارے امتحان کے لیے یہاں بیٹھا تھا۔ جاؤ ابھی تم صرف ظاہر دیکھنے والے آدمی ہو !

پھر تلاوت قرآن کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ قرآن کو ترتیل اور تردید کے ساتھ پڑھنا چاہیے حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ تردید کا کیا مطلب ہے۔ ارشاد ہوا کہ جس آیت سے پڑھنے والے کو ذوق اور رقت حاصل ہو اس کی تکرار کرنی چاہیے۔ اس وقت فرمایا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام کچھ پڑھنا چاہتے تھے۔ جب بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا تو اس بسم اللہ ہی میں ان کے مبارک دل پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور بیس دفعہ اس کی تکرار فرمائی۔

اس کے بعد فرمایا کہ قرآن خوانی کے آٹھ آداب ہیں۔ ان میں سے پانچ بیان فرمائے۔ اول یہ کہ قرآن پڑھتے وقت پڑھنے والا اللہ سے لو لگائے رکھے اور اگر یہ چیز

میسر نہ ہو تو چاہئے کہ جو کچھ پڑھتا ہو اس کے معانی دل پر گزارے اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو چاہئے کہ قرآن خوانی کے وقت اللہ کے عظمت و جلال کو اپنے دل پر طاری رکھے۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ یہ بات بھی تو وہی تعلق بحق ہے جس کو پہلے ادب کے طور پر بیان فرمایا ہے ارشاد ہوا کہ نہیں وہ ذات حق سے متعلق ہے اور یہ صفات سے متعلق ہے۔ چوتھا ادب یہ بیان فرمایا کہ تلاوت کے وقت شرم غالب ہونی چاہیے کہ میں اس دولت کے لائق کہاں۔ میرے لیے اس سعادت کا موقعہ کیسے؟ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اتنا سمجھے کہ اس قرآن خوانی کا اجر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ مجھے ضرور ثواب عطا فرمائے گا۔ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ جب بھی بندہ قرآن مجید پڑھتا ہے۔ تو جو کچھ اس کے کھلے معانی معلوم ہوتے ہیں وہ دل پر گزرتا ہے۔ اور اگر تلاوت کے دوران بندے کا دھیان بھٹکتا ہے یا کسی اور فکر میں دل مشغول ہوتا ہے تو میں اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ یہ کیسا دھیان ہے اور یہ کیسے پاگل پن کے خیالات ہیں (اور پھر) اپنے دل کو ان کے معانی میں مشغول کر لیتا ہوں۔ اسی وقت کسی ایسی آیت پر پہنچ جاتا ہوں۔ جو مذکورہ بالا خطرات قلب اور بے دھیانی کو روکنے والی ہوتی ہے۔ یا ایسی (کوئی) آیت سامنے آتی ہے جس میں دل کی اس مشکل کا حل ہوتا ہے۔ خواجہ ذکرو اللہ بالجبر نے فرمایا کہ یہ بہت اچھی چیز ہے۔ اس کو بنائے رکھنا۔ والحمد للہ رب العالمین

جو بیستویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ربیع الثانی کی دوسری تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ ترک دنیا کا تذکرہ آیا۔ فرمایا کہ اعلیٰ دانشمندی یہ ہے کہ دنیا

سے پرہیز کیا جائے۔ اس بات کی مناسبت سے ارشاد ہوا کہ اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ میرے مال کا تنہائی میرے بعد اس آدمی کو دینا جو انسانوں میں سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس کا فیصلہ کس طرح ہوگا۔ فرمایا کہ اس کا فیصلہ یہ ہوگا کہ وہ مال ایسے شخص کو دیا جائے گا جو تارک دنیا ہو۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ جب وہ شخص تارک دنیا ہوگا تو اسے قبول کیوں کرے گا۔ فرمایا کہ بات تو اسی ترکے کے صرف کرنے کی ہے۔ اس کو کہاں دیا جائے۔ اس مقام پر حکم اس کے فرج کا ہے یعنی تارک دنیا کو وہ مال دیا جائیگا۔ اس بات کے مناسب حال ارشاد ہوا کہ دنیا یہ سونا چاندی اسباب وغیرہ ہی نہیں ہے کسی بزرگ سے روایت فرمائی کہ وہ فرماتے تھے بطنک دنیاٹ تمہارا پیٹ تمہاری دنیا ہے جتنا کم کھاؤ گے تارکان دنیا میں سے ہو گے اور جتنا پیٹ بھر کے کھاؤ گے اتنے ہی تارکان دنیا میں سے نہ ہو گے۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ شیطان کہتا ہے کہ میں اس پیٹ بھرے سے جو نماز پڑھ رہا ہو گلے ملتا ہوں پس اسی سے اندازہ کرو کہ جب یہ پیٹ بھرنا چلے ہوگا تو میں اس پر کس قدر غالب آجانا ہوں گا۔ اور اس بھوکے سے جو سو رہا ہو۔ میں ذرا دور دور ہی رہتا ہوں۔ پس جب یہ بھوکا نماز پڑھتا ہوگا تو ذرا اندازہ کرو کہ اس سے میری نفرت کس درجے ہوتی ہوگی۔

یہاں سے گفتگو شیطان اور اس کے دوسروں اور آدم آزاد پر اس کے غلبے کے بارے میں ہونے لگی۔ فرمایا کہ خناس ایک دیوبے جو فرزند آدم کے دل پر ہمیشہ رسوا رہتا ہے۔ البتہ جب آدمی ذکر حق میں مشغول ہوتا ہے تو وہ دفع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولانا غلام الدین ترمذی نے نوادرا اصول میں لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے دنیا میں آئے تو ایک روز حوّا بیٹھی تھیں کہ ابلیس آیا اور خناس کو ساتھ لایا۔ اور حوّا سے بولا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس کو اپنے پاس رکھنا یہ کہا اور چل دیا جب حضرت آدم علیہ السلام آئے تو خناس کو دیکھا اور پوچھا کہ یہ کون ہے۔ حوّا نے کہا کہ اسے ابلیس لایا تھا اور کہتا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ حضرت محبوب الہی نے کسی اور جگہ فرمایا ہے کہ تارک یعنی جھوٹے والا سے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ ہو اور وہ اسے ترک کر دے جیوٹا۔ جسے یاس چھ ہوگا ہی نہیں۔ وہ کیا ترک کرے گا۔

بیٹا ہے اس کو اپنے پاس رکھنا۔ آدم نے کہا کہ تم نے ہاں کیوں کر لی۔ وہ تو ہمارا دشمن ہے۔

پس آدم علیہ السلام نے خناس کے چار ٹکڑے کمر ڈالے۔ اور چار پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیے۔ جب آدم علیہ السلام چلے گئے تو ابلیس نے حوا سے آکر پوچھا کہ خناس کہاں ہے۔ حوا نے جواب دیا کہ آدم نے اس کے چار ٹکڑے کمر ڈالے اور چار پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیے۔ ابلیس نے جب یہ سنا تو آواز دی اے خناس! خناس اسی وقت اپنی اُسی پُرا نی شکل میں آن موجود ہوا۔ جب ابلیس واپس چلا گیا تو آدم علیہ السلام آئے اور پھر خناس کو کھڑے دیکھا۔ اور پوچھا کہ کیا حال ہے۔ سناؤ کیا مایہ ناز ہوا؟ حضرت آدم نے اس دفعہ خناس کو قتل کیا اور جلایا اور ذرہ ذرہ کمر ڈالا اور ان ذرات کو پانی میں بہا دیا۔ جب آدم رخصت ہو گئے تو ابلیس پھر آ گیا۔ اور خناس کا حال دریافت کیا۔ اور حوا نے صورتحال بیان کی۔ ابلیس نے آواز دی اے خناس! (وہ) فوراً حاضر ہو گیا۔ جب ابلیس چلا گیا تو حضرت آدم آئے اور خناس کو بھیڑ بنے موجود دیکھا اور سارا ماجرا معلوم کیا۔ اس دفعہ خناس کو جو بھیڑ کی صورت میں تھا کاٹا اور پکایا اور کھا گئے۔ اسی درمیان ابلیس آیا اور آواز دی اے خناس! خناس نے آدم کے دل میں سے جواب دیا لبتک لبتک حاضر ہوں حاضر ہوں۔ ابلیس بولا وہی رہ میرا مقصود بھی یہی تھا!

۲۵ پچیسویں مجلس

اسی سال جمادی الاول کے مہینے کی پندرھویں تاریخ کو قدم بوسی کی ولایت تک رسائی ہوئی۔ قرآن مجید کی فال کا ذکر نکلا۔ بندے نے عرض کی کہ قرآن مجید کی فال جو دیکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں کچھ آئیے؟ فرمایا کہ ہاں۔ اس بارے میں ایک حدیث بھی آئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب قرآن مجید کو فال کے لیے کھولیں تو چلے

کہ سیدھے ہاتھ سے کھولیں۔ اور الٹے ہاتھ سے مدد نہ لیں۔

اس کے بعد اسی سلسلے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے شیخ بدرالدین غزنوی سے سنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں جب غزنی سے لاہور آیا تو اس زمانے میں لاہور خوب آباد اور بارونق تھا۔ کچھ عرصے وہاں ٹھہرنے کے بعد میرا ارادہ پھر وہاں سے سفر کرنے کا ہوا۔ ایک دل کہتا تھا کہ دہلی چلو اور ایک دل کہتا تھا کہ دوبارہ غزنی واپس ہو جاؤ۔ اسی اندیشے میں دو دلا ہو رہا تھا۔ اور طبیعت کا زیادہ زحمان غزنی جانے کی طرف تھا۔ کیونکہ میرے ماں باپ اور اقربا اور دوست سب وہیں تھے۔ اور دہلی میں ایک داماد کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ الغرض میں نے ارادہ کیا کہ قرآن مجید میں فال دیکھوں۔ ایک بزرگ کی خدمت میں جا کر پہلے غزنی کے نیاں سے فال دیکھی تو عذاب کی آیت نکلی۔ پھر دہلی کی نیت سے دیکھا تو حنت اور اس کی خبروں اور بہشت کے بیان میں آیت آئی۔ اگرچہ کہ میرا جی غزنی رجحان کی طرف تھا۔ مگر فال کے حکم کے موافق میں دہلی آ گیا۔ جب شہر پہنچا تو سنا کہ میرا داماد قید میں ہے۔ میں بادشاہ کے محل کی طرف آیا تاکہ اس کا حال معلوم کروں۔ (مگر) میں نے دیکھا کہ وہ محل سے باہر آ رہا ہے۔ ایک چادر ہاتھ میں ہے اور اس چادرے میں چاندی کے سکے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی پٹ گیا خوش ہوا اور اپنے گھر لے گیا۔ اور وہ روپیہ میرے سامنے رکھ دیا۔ تم دیکھ کر مجھے خاطر جمع نہ رہا۔ آئی: انہی دنوں کچھ عرصے بعد سنا کہ غزنی سے خبر آئی ہے کہ محل اس علاقے میں پہنچے اور میرے ماں باپ اور سب رشتے داروں کو شہید کر دیا۔

اس کے بعد بندے نے عرضداشت کی کہ بدرالدین غزنوی جب یہاں آئے تو

اس وقت شیخ قطب الدین بختیار کی ارادت سے مشرف ہوئے؟ فرمایا کہ ہاں !
یہاں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ المبارک کا ذکر ذخیرہ آیا کہ ان کا کام کچھ
اور ہی تھا۔ انھوں نے خلق کو چھوڑ جنگل بیابان اختیار کیا۔ یعنی اجودھن میں جا کر
رہے اور فقیروں کی روٹی اور جو کچھ اس علاقے میں پیدا ہوتا ہے۔ جیسے پیلو وغیرہ۔
اس پر قناعت کی۔ لیکن اس کے باوجود خلقت کی آمدورفت کی کوئی حد نہ تھی
خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک یا کچھ کم زیادہ کھلا رہتا یعنی برابر کھلا ہی رہتا
اور روپیہ اور کھانا اور باری تعالیٰ کے کرم سے جو نعمت بھی موجود ہوتی۔ اس میں
سے آنے جانے والوں کو حصہ ملتا۔ کوئی شخص ان کی خدمت میں ایسا نہ آتا جسے
کچھ نہ کچھ عطا نہ کیا جاتا ہو عجیب قوت اور عجیب زندگانی تھی۔ بنی آدم میں سے کسی کو میسر
نہیں ہو سکتی اگر کبھی کوئی شخص ایسا آتا جو اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ اسی وقت کسی ایسے
کی بھی حاضری ہوتی جو برسوں کا واقف کار ہوتا تو دونوں کے ساتھ یکساں بات چیت ہوتی اور
توجہ اور مہربانی دونوں پر برابر کی جاتی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ میں نے بدر الدین
اسحق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں محرم (راز) خادم تھا۔ جو بات بھی
ہوتی مجھ سے فرماتے اور جس کا کہ یہ بھی مجھے متعین فرماتے تو سب کے سامنے اور
پیچھے ایک ہی بات فرماتے۔ کبھی بھی تخیلے میں مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی اور
کوئی کام ایسا نہیں بتایا کہ جسے سب کے سامنے جوں کا توں مجھ سے نہ کہا ہو۔ یعنی ظاہر
و باطن میں ان کی ایک روش تھی اور یہ بات عجائب روزگار میں سے ہے !

جھبیسویں مجلس

اسی سال جمادی الثانی کے مہینے کی بارہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت

فاتحہ آئی فاتحہ کا ذکر آیا کہ اسے مراد پوری ہونے کے لیے بہت پڑھا جاتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ جس کسی کو کوئی ہم اور شکل کام درپیش ہو وہ فاتحہ کو اس طرح پڑھے۔ پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے اور الرحیم کے میم کو الحمد للہ کے لا کے ساتھ ملا کر پڑھے یعنی اس طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ اور جب یہاں پہنچے الرحمن الرحیم تو الرحمن الرحیم کو تین مرتبہ پڑھے۔ اور جب سورۃ پوری ہو جائے تو تین دفعہ آمین کہے۔ حق تعالیٰ اس کی ہم کو پورا فرماتا ہے۔

فاتحہ کے ہی ذکر میں ارشاد ہوا کہ جو کچھ پورے قرآن میں موجود ہے وہ دس چیزیں ہیں۔ اور ان دس چیزوں میں سے آٹھ چیزیں فاتحہ میں موجود ہیں۔ وہ دس چیزیں جو قرآن میں ہیں کون سی ہیں؟ ذات و صفات اور افعال اور آخرت کا ذکر اور تزکیہ اور تخلیہ اور اولیاء کا ذکر دشمنوں کا ذکر اور کافروں سے معرکہ آرائی (جہاد) اور احکام شرع۔

پھر فرمایا کہ ان دس چیزوں میں سے آٹھ چیزیں سورہ فاتحہ میں موجود ہیں جیسے اللہ تعالیٰ تعز و تعالیٰ کے لیے ہیں ذات سبح رب العالمین اور جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا، افعال الرحمن الرحیم (جو رحمن ہے اور رحیم ہے) صفات۔ مالک یوم الدین (مالک ہے آخرت کے دن کا) ذکر آخرت ایسا کہ نعبہ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) تزکیہ و ایسا کہ نستعین (اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں) تخلیہ اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم (ہمیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرما۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا) اولیاء کا ذکر غیر المغضوب علیہم والا فضالین (ان کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا) دشمنوں کا ذکر پس ان دس چیزوں میں سے جو سارے قرآن میں ہیں آٹھ فاتحہ ہی میں مل جاتی ہیں بس کفار سے جہاد اور احکام شرع نہیں ہیں۔

پھر حجت الاسلام امام غزالی کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ انھوں نے جو کچھ بیان کیا ہے تحقیق سے بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں فرمایا کہ انھوں نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ روزہ نصف صبر ہے اور صبر نصف ایمان ہے۔ روزہ نصف صبر ہے اس کا کیا مطلب ہوا؟ پہلے صبر کی حقیقت کے بارے میں فرمایا کہ صبر کیا ہے؟ فرمایا کہ صبر خواہشات کو ابھارنے والے جذبہ کے مقابلے میں حق کو ابھارنے والا جذبہ ہے۔ پھر فرمایا خواہشات کو ابھارنے والی دو چیزیں ہیں غصہ اور شہوت اور روزہ شہوت کو مار رکھتا ہے اسی لیے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ روزہ نصف صبر ہے۔ اور دوسرے انھوں نے یہ جو کہا ہے صبر نصف ایمان ہے تو یہ اس وجہ سے کہا کہ ایمان کی صفات دو ہیں۔ عقائد اور اعمال صبر ایمان کا نصف یوں ہوا پھر شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز کی کتاب م عوارف کا ذکر آیا ارشاد ہوا کہ میں نے عوارف کے پانچ باب شیخ کبیر فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے سامنے پڑھے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ بھی کیا بیان ہوتا تھا جو حضرت فرماتے تھے ایسا بیان کسی اور سے ہرگز ممکن نہیں بابا ان کے ذوقِ بیان میں آدمی ایسا کھوجاتا تھا کہ جی چاہتا کیا ہی اچھا ہو کہ اسی وقت دم نکل جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب یہ کتاب شیخ کی خدمت میں پیش کی گئی تو اسی روز شیخ کے ہاں صاحبزادے پیدا ہوئے تھے ان کا لقب شہاب الدین رکھ دیا۔

پھر اس کا ذکر آیا جو بات کسی بزرگ اور صاحبِ نعمت سے سنی جائے اس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اگر وہی بات کسی اور سے سنی جائے تو کچھ مزا نہیں دیتی۔ گویا اس بات کا مرہمہ معرفت کے نور سے روشن ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک صالح اور صاحبِ نعمت بزرگ کسی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ اور نماز کے بعد شاخ کے ملفوظات اور احوال کے بارے میں کچھ بیان کرتے تھے۔ جس سے سننے والوں کو بڑا لطف آتا تھا۔ ان لوگوں میں ایک شخص نابینا بھی

تھا۔ وہ بھی ان کلمات سے نطف اندوز ہوتا تھا۔ ایک روز امّا صاحب موجود نہیں تھے موزن ان کو جگہ جا بیٹھا۔ اور حسب معمول شاخ کی حکایات اور ان کے حالات بیان کرنے لگا جو اس نے امّا صاحب سے سن رکھے تھے۔ جب اس موزن کی آواز ناہینا کے کان میں گئی تو پو پھنے لگا کہ یہ شاخ کی باینس اور ان کی حکایات کون بیان کر رہا ہے اسے بتایا گیا کہ آج امّا صاحب (غیر حاضر ہیں۔ موزن ان کو جگہ بیٹھا ہے اور یہ حکایتیں وہ بیان کر رہا ہے۔ ناہینا بولا کہ ہم یہ کلمات جرتروا من (گناہ گار) سے سننا پسند نہیں کرتے اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر آنکھوں میں آنسو بھر لئے۔ اور بولے کہ جس آدمی کے معاملات اچھے نہ ہوں اس کی بات ذوق نہیں دیتی۔ پھر شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھا۔

بہ زبان ہر کہ جز من ہرود و حدیث عشقت چو معاملہ ندارد سخن آشنا نباشد

میرے سوا جس کی زبان پر تیرے عشق کی بات آئے گی وہ دل کو نہ لگے گی
کیونکہ جو معاملہ نہیں رکھتا اس کی بات جی کو نہیں لگتی

ستائیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رجب کی اٹھارویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی اسی روز غلام نے رات کو ایک خواب دیکھا تھا وہ حضرت کو سنایا۔ خواب یہ تھا کہ جیسے صبح کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اور میں نماز کے لیے وضو کر رہا ہوں۔ نماز کا وقت تنگ ہوتا جاتا ہے۔ میں نے جلدی جلدی وضو کر کے سنتیں پڑھی ہیں اور میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ قریب ہی کہیں جماعت ہو رہی ہے۔ چنانچہ جلدی سے روانہ ہو گیا۔ تاکہ جماعت مل جائے۔ مگر میری اتنی بھاگ دوڑ کے باوجود محسوس یہ ہوا ہے کہ جیسے سورج نکل رہا ہے اور میں ڈر رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ نماز کا وقت چلا جائے۔ (پھر میں نے

ہاتھ اٹھا کر سورج کی طرف اشارہ کیا اور یہ کہا کہ شیخ کے اوقات پاک کی برکت سے
(ابھی) نہ نکلے۔ میں نے یہ کہا اور خواب ہی میں بہت خوش ہوا۔ اسی دوران آنکھ
کھل گئی (تو دیکھا کہ) رات کا کچھ حصہ باقی تھا۔

خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے جب یہ بات سنی تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے
اور یہ حکایت بیان فرمائی کہ نیشاپور کا رہنے والا ایک نقیب محمد نامی تھا بڑا اچھا
اور خوش اعتقاد آدمی تھا اس نے مجھے سنایا کہ ایک دفعہ میں گجرات میں سفر کر رہا تھا اس
زمانے میں یہ علاقہ ہندوؤں کے قبضے میں تھا۔ میں ایک راستے پر پہنچا ایک دو
آدمی اور بھی میرے ساتھ ہو گئے اور ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ یکایک ایک ہندو
کو دیکھا کہ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے نمودار ہوا ہم لوگ ڈرنے لگے۔ اس دوران وہ
ہندو اسی طرح ننگی تلوار لیے ہمارے مقابل آیا۔ جب قریب پہنچا تو میں نے کہا شیخ
حاضر باش! اے پیر آئیے (یا پیر مدد!) ہندو نے فوراً تلوار ہاتھ سے پھینک دی
اور مجھ سے بولا کہ مجھے امان دو۔ ہم حیران رہ گئے کہ یہ امان کیوں مانگتا ہے۔ وہ
پھر پکارا کہ مجھے امان دو! ہم نے جواب دیا کہ تجھے امان ہے! اس کے بعد اس کی
تلوار اسی کو دیدی۔ وہ اپنی راہ لگا اور ہم نے اپنی راہ لی۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے
یہ حکایت پوری کرنے کے بعد فرمایا کہ دیکھو کہ اس ہندو نے کیا دیکھا اور اسے کیا دکھایا
گیا!

اٹھائیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک شعبان کی دوسری تاریخ منگل کو قدم بوسی کی سعادت
میت آئی۔ کھانا کھلانے کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ درویشی یہ ہے کہ جو آنے والا بھی آئے سلام
کے بعد اس کے سامنے کھانا رکھا جائے۔ اور پھر حکایات اور باتوں میں مشغول ہوں۔ اس کے

بعد یہ بات زبان مبارک پر آئی کہ شروع کرو سلام سے پھر طعام اور پھر کلام:

انتیسویں مجلس

اسی سال اور اسی مہینے کی بانئیس تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی، کھانا سامنے رکھا گیا۔ اور لوگوں نے کھانا شروع کیا خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے ارشاد کیا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ جب لوگ بیرے سامنے کھانا کھاتے ہیں تو میں اس کے لقمے اپنے حلق میں پاتا ہوں۔ یعنی وہ کھانا جیسے میں خود کھا رہا ہوں۔ حاضرین میں سے کوئی شخص بولا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کھیل کے زور سے چابک مارا گیا تو شیخ ابوسعید کراہے اور ایسے آہ کی گویا چوٹ انھیں کے لگی ہو۔ ایک مخالف بھی موجود تھا۔ اسے اس کیفیت پر یقین نہ آیا۔ شیخ ابوسعید نے اپنی کمر کھول کر اسے دکھائی کہ اس چابک کا اثر شیخ کی پشت مبارک پر موجود تھا۔ اس کے بعد حکایت بیان کرنے والے نے خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر سے مخاطب ہو کر عرض کی کہ یہ حکایت بھی ایسی ہی ہے کہ ایک شخص کا حال دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ معلوم نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے؟ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ جب روح طاقت پکڑتی ہے اور کمال کو پہنچتی ہے تو قلب کو جذب کرتی ہے (کہینچتی ہے) اور قلب بھی جب قوی ہو جاتا ہے اور کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ قالب (جسم) کو جذب کرتا ہے۔ (کہینچتا ہے) پس اس اتحاد کی رو سے عین ممکن ہے کہ قلب پر جو گزرے۔ اس کا اثر قالب پر ظاہر ہو جائے۔ اس بات پر بندے نے عرض کی کہ یہ حال اوصاف معراج جیسا ہے۔ ارشاد ہوا ہاں! اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کسی بزرگ نے کہا ہے مجھے نہیں معلوم کہ معراج کی رات

رسول علیہ السلام کو وہاں لے گئے کہ جہاں عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ اور وہ چیزیں ہیں جو حضور نے دیکھیں۔ یا ان سب کو وہاں لایا گیا جہاں رسول علیہ السلام والنجیہ تھے دوسری صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور بڑھ جاتا ہے۔

پھر ان لوگوں کا ذکر ہونے لگا جو بیعت کا طریقہ نہیں جانتے اور بعض ایک پیر سے مُرید ہونے کے بعد پھر کسی اور پیر کے مُرید ہو جاتے ہیں۔ اور بعض مشائخ کے مزار سے مُرید ہوتے ہیں اس دوران بندے نے عرض کی کہ بعض لوگ مشائخ کی قبر کے پائنتی سرمنڈواتے ہیں اور مُرید ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ بیعت درست ہوتی ہے۔ فرمایا کہ نہیں اس وقت حضرت نے حکایت بیان فرمائی کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک صاحبزادے تھے۔ سب لڑکوں میں بڑے! وہ گئے اور شیخ الاسلام قطب الدین بخت یار قدس اللہ سرہ العزیز کی قبر کے پائنتی مخلوق ہوئے (مہمند آیا)۔ یہ شیخ فرید الدین نور اللہ مرقدہ تک پہنچا لی گئی ارشاد ہوا کہ شیخ قطب الدین فیب اللہ شراہ ہمارے خواجہ اور ہمارے مخدوم ہیں لیکن یہ بیعت درست نہیں۔ ارادت اور بیعت وہ ہوتی ہے کہ کسی شیخ کا ہاتھ تھاما جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

تین سو بیس مجلس

اسی سال شوال کی اکیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی خواب کا ذکر نکلا ارشاد ہوا کہ قدیم زمانے میں ایک ترک تھا جس کو نکلاش کہا کرتے تھے۔ اللہ والا آدمی تھا۔ ایک رات کو اس نے حضرت عزت (خدا) کو خواب میں دیکھا دوسرے دن صبح شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خواب سنایا پہلے ان کو بڑی سخت قسم دی کہ میں جو کچھ کہوں اس کا حال جب تک میں زندہ ہوں کسی سے نہ کہنا

شیخ نجیب الدین رحمت اللہ علیہ نے یہ بات مان لی تو نکلاش نے ان کو بتایا کہ میں نے آج رات کو خواب میں حضرت عزت کی زیارت کی ہے۔ پھر اس کے احوال اور انوار کی تفصیل سنانی۔ اس کے بعد شیخ نجیب الدین رحمت اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ خواب دیکھنے کے بعد نکلاش چالیس سال زندہ رہا اور میں نے اس مدت میں اپنے عہد کے موافق یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا جب نکلاش کے انتقال کا وقت قریب آیا تو میں اس کی رحلت کے وقت اس کے پاس پہنچا جب مجھے دیکھا تو بولا کہ وہ خواب یاد ہے جو میں نے دیکھا تھا اور آپ کو سنایا تھا میں نے کہا کہ ہاں یاد ہے مگر اس وقت (تمہارا) کیا حال ہے؟ بولا کہ اس وقت اسی کیفیت میں غرق جاتا ہوں۔

یہاں سے شیخ نجیب الدین کے احوال اور شیخ کبیر فرید الدین رحمت اللہ علیہما کے مناقب کے ذکر نکلا۔ فرمایا کہ دہلی میں ایک ترک تھا اس نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی اور اس مسجد کی امامت شیخ نجیب الدین کو دی تھی اور ان کے لیے گھر بھی ہیا کیا تھا۔ اس ترک نے اپنی ایک لڑکی کی شادی کی۔ ایک لاکھ جیتل بلکہ زیادہ اس کے لیے خرچ کیے۔ شیخ نجیب الدین رحمت اللہ علیہ نے ایک دفعہ گفتگو کے دوران اس سے کہا کہ کامل مومن وہ ہوتا ہے کہ اس کی اللہ تعالیٰ سے محبت اولاد کی محبت پر غالب رہے اب تم نے ایک لاکھ جیتل (سکہ) بلکہ زیادہ اپنی اولاد کے لیے خرچ کیے ہیں مگر اس کے دو گنے اللہ کی راہ میں خرچ کرو تب ویسے (کامل مومن) ہو گے۔ ترک اس بات سے خفا ہو گیا۔ شیخ نجیب الدین سے امامت بھی لے لی اور مکان بھی شیخ نجیب الدین یہاں سے اجودھن گئے اور شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کو صورت حال

کہ سنائی: شیخ نے ارشاد کیا کہ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ مانتسخ من آیت او منسلات
 بخیر منھا او منسلھا۔ یعنی ہر آیت (نشانی) جو ہم منسوخ کرتے ہیں اس کی جگہ
 دوسری آیت بھیجتے ہیں اس سے بہتر یا ویسی ہی لہذا اس کی کچھ پروا مت کرو
 شاید اس ترک کا نام ایتھر تھا۔ شیخ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ اگر ایک ایتھر گیا ہے
 تو خدائے عزوجل کوئی ایتھر پیدا کر دے گا۔ اسی زمانے میں ایک ملک رنواب
 ایتھر نامی اس علاقے میں آیا۔ جس نے شیخ الاسلام اور اس خانوادہ کریم کی
 بڑی خدمتیں کیں۔ اور اس خاندان کی خدمت گاری سے منسوب ہوا۔

پھر شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ نکلا کہ نظام الدین خریطہ دار
 نے ان کے لیے خانقاہ تعمیر کرائی۔ جب شیخ بدرالدین غزنوی اس خانقاہ میں تشریف
 فرما ہوئے تو ذرا بھی اطمینان خاطر نہ ملا۔ اور جلدی ہی اٹھ ہاں بے قاعدگی آگئی جس زمانے میں
 شیخ بدرالدین اس خانقاہ میں بیٹھے اسی کے لگ بھگ نظام الدین خریطہ دار کا محاسبہ
 ہوا اور ان کا کام خراب ہو گیا۔ شیخ بدرالدین نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز
 کے ہاں معروضہ کرایا اور یہ بات کہلائی کہ ایک شخص نے میرے لیے خانقاہ بنائی تھی اب
 اس کے کام میں بگاڑ ہو گیا ہے۔ میں بھی اس کی وجہ سے پریشان خاطر ہوں۔ شیخ نے
 جواب بھجوایا کہ جو بھی اپنے پیروں کی سیرت اور سنت پر نہیں چلتا اس کا یہی حشر ہوتا ہے
 یعنی ہمارے پیروں میں خانقاہ کی رسم نہیں تھی وہ الگ خانقاہ بنا کر بیٹھے اور اس کا نتیجہ دیکھ لیا
 پھر شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کی بزرگی کا ذکر آیا کہ انھوں نے عمر کے
 آخر میں قرآن یاد کیا جب پورا حفظ ہو گیا تو اس وقت رحلت فرمائی رحمۃ اللہ علیہ۔
 پھر ادویا کے انتقال کا ذکر نکلا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کسی بزرگ کے

انتقال کا قصہ بیان کیا کہ وہ انتقال فرما رہے تھے اور آہستہ آہستہ (خدا کے عزوجل کا
 ناکازبان مبارک سے لے رہے تھے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر آنکھوں میں آنسو بھرا لائے
 اور یہ رباعی زبان مبارک سے بیان فرمائی۔ رباعی

آہم بسر کئے تو پویاں پویاں رخسارہ آب دیدہ نشویاں نشویاں
 پیما رہو وصل تو جویاں جویاں جاں می و ہم و نام تو گویاں گویاں

بے چارگی میں تیرے وصل کی راہ ڈھونڈتا تیرے کوچے کی طرف دوڑا چلا آتا ہوں
 رخساروں کو اپنے آنسوؤں سے دھوتا جان دے رہا ہوں اور لب پر تیرے نام کی تکرار ہے۔

اکتیسویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی اٹھائیسویں تاریخ جمعے کو اس مکان میں جو جامع
 مسجد کیلو کہری کے سامنے ہے نماز سے قبل قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی عالم طریقت
 اور ان لوگوں کا ذکر نکلا جو یاد حق میں ڈوبے رہتے ہیں اور اس گمروہ کا (ذکر بھی)
 جو بحث و تکرار میں مشغول رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو ان (مردان خدا)
 کے برابر کر کے دکھائے۔ اس دوران حکایت بیان فرمائی کہ ایک طالب علم شرف الدین
 نامی تھے۔ ان میں بڑی اہلیت تھی۔ ایک روز شیخ کبیر شیخ فرید الدین
 قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بیٹھے تھے شیخ نے ان سے پوچھا کہ تمہاری پڑھائی
 کا کیا حال ہے؟ بولے کہ اب تو سب کچھ بھلا دیا ہے شیخ کو یہ بات پسند نہ آئی جب
 وہ باہر چلا گیا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر بولے کہ یہ صاحب بہت اونچے اڑ رہے
 ہیں (یعنی غرور اور گھمنڈ کی بات کہی)

الغرض خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے یہ حکایت بیان فرمائی اور آنکھوں میں آنسو

بھرنائے اور فرمایا کہ پیران طریقت میں سے ایک پیر تھے۔ ان کا لڑکا تھا۔ محمد نام اس نے بہت علم حاصل کیا اور بڑی لیاقت پیدا کی۔ اس کے بعد چاہا کہ عالم طریقت میں بھی قدم رکھے۔ باپ سے بولا کہ میں چاہتا ہوں کہ درویش بن جاؤں۔

باپ نے جواب دیا اچھا ایک چلہ کرو۔ بیٹا چلے میں بیٹھ گیا جب چلہ پورا ہو گیا تو باپ کی خدمت میں آیا (باپ نے چند مسئلے جو اس نے پڑھ رکھے تھے دوبارہ پوچھے لڑکے نے سب کا جواب دیا۔ اس کے بعد باپ بولا کہ محمد تجھے اس چلے سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ جا ایک چلہ اور کرو لڑکے نے ایک چلہ اور کیا جب چلہ پورا ہوا تو پھر باپ کی خدمت میں آیا۔ باپ نے اس سے کچھ مسئلے دریافت کیے اس دفعہ جواب دینے میں وہ جگہ جگہ اٹکا باپ نے کہا ایک چلہ اور کرو۔ لڑکے نے تیسرا چلہ کیا۔ جب چلہ پورا ہو گیا تو باپ کی خدمت میں آیا۔ باپ نے انہی مسائل میں سے کوئی بات اس سے پھر پوچھی۔ لڑکا ایسا مشغول بحق ہو چکا تھا کہ کچھ جواب نہ دے سکا۔

اس کے بعد خواب اور ان کی تعبیروں کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کل اپنے صحابیوں کو خواب میں دیکھا کہ ہر ایک پیرا ہن پہنے ہوئے ہے لیکن ایک کا پیرا ہن سینے سے آگے نہیں ہے۔ ایک کا ناف تک ہے۔ اور ایک کا گھٹنے تک مگر عمر کو دیکھا کہ ان کا پیرا ہن زمین تک گھسٹتا ہوا ہے۔ اصحاب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے اس خواب کی کوئی تعبیر فرمائی؟ ارشاد ہوا ہاں۔ میں نے تعبیر میں ہر ایک کے لباس کو اس کا دین قرار دیا ہے۔

پھر ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ ان کی تعبیریں بھی کس قدر

درست ہوتی تھیں۔ ارشاد ہوا ایک دفعہ کوئی شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے رات کو سفر جمل (بہی ایک میوہ) خواب میں دیکھا ہے۔ بولے تم سفر کرو گے۔ پوچھا گیا کہ آپ یہ کیسے کہتے ہیں؟ جواب دیا کہ سفر جمل کے شروع میں سفر ہے۔ کوئی اور آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے رات کو سوسن (ایک پھول)

خواب میں دیکھا ہے۔ بولے کہ تم پر کوئی بلا آئے گی پوچھا گیا کہ یہ آپ کس طرح کہتے ہیں؟ بولے کہ سوسن میں پہلے سود (برائی) ہے۔ اور ان کے یہ سارے حکم درست نکلے۔ اس دوران بندے نے عرض کی ابن سیرین کیسے آدمی تھے؟ ارشاد ہوا کہ عالم اور مرد بزرگ تھے۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں۔

اس کے بعد فرمایا کہ امام محمد غزالی طیب اللہ ثراہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ان دو خوابوں کی تعبیر جو ابن سیرین نے کی ہے عجائب روزگار سے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کوئی شخص رمضان کے پہینے میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ انگوٹھی میرے ہاتھ میں ہے جس سے مردوں کے منہ اور عورتوں کی شرمگاہ پر مہر میں لگا رہا ہوں۔ ابن سیرین بولے کہ شاید تو مؤذن ہے؟ وہ کہنے لگا کہ ہاں اس وقت انھوں نے کہا کہ نماز کی بانگ بے وقت کیوں دیتے ہو؟ ایک اور شخص آیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تلوں میں سے تیل نکال رہے ہیں اور میں تیل کو دوبارہ تلوں میں ڈال رہا ہوں۔ ابن سیرین بولے کہ جو عورت تمہارے گھر میں ہے۔ ذرا اچھی طرح چھان بین کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری ماں ہو! وہ شخص گھڑیا اور اپنی بیوی سے اچھی طرح پوچھا۔ جب خوب تحقیقات ہوئی تو رپتہ چلا کہ اس کی ماں تھی!

پھر دنیل اور نارو کی بیماری کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ جو شخص نماز عصر کی سنتوں میں سورہ بروج پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیل سے اس کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور چونکہ نارو بھی اسی قبیل کی چیز ہے اس لیے امید ہے کہ اس سے بھی حفاظت رہے گی اس کے بعد فرمایا کہ جو بھی نماز عصر کے بعد سورۃ نازعات پڑھتا ہے خدا نے عزوجل اسے قبر میں رہنے نہیں دیتا۔ وہ قبر میں ایک نماز کے وقت کی مقدار سے زائد نہیں رہتا۔ اس کے بعد آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد کیا کہ جو شخص قبر میں نہیں رہتا تو یہ کیسے ہوتا ہے ؟ فرمایا کہ ہوتا یہ ہے کہ روح کہاں کو پہنچتی ہے۔ اور جب روح کامل ہو جاتی ہے تو قالب کو جذب کر لیتی ہے۔

بتیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ذی الحجہ کی پانچویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ جمعے کی نماز سے پہلے اس گھر میں جو جامع مسجد کیلوکھری کے سامنے ہے۔ (تشریف فرما تھے) ترک دنیا کی حکایت آئی۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام نے اپنے صحابیوں سے فرمایا کہ ایک درویش کو اختیار دیا گیا کہ تم چاہے دنیا کو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو لے لو چاہے اس کو جو آخرت میں تمہارے لیے مہیا کیا گیا ہے۔ اس درویش نے کہا کہ جو کچھ آخرت میں میرے لیے مہیا کیا گیا ہے۔ میں اس کو پسند کرتا ہوں۔ جب یہ حکایت پوری ہو گئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے صحابہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے ؟ وہ بولے کہ یہ جو مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک درویش کو دنیا اور عقبیٰ میں مختار کیا گیا۔ یہ درویش خود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں جو یہ خبر دے رہے ہیں وہی مختار کیے گئے ہیں جب
خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر اس بات پر پہنچے تو فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ
سرفہ العزیز بھی اسی طرح اکثر کہا کرتے تھے کہ ایک دفعہ کسی درویش کا یہ حال تھا یا
کسی درویش نے یہ کیا اور میں سمجھ جاتا تھا کہ خود اپنا قصہ بیان فرما رہے ہیں اور
یہ حضرت شیخ ہی ہیں۔

پھر ترک دنیا کے سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ اگلے وقتوں میں ایک بزرگ
تھے ایک دفعہ وہ پانی پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ خداوندِ باخضر
سے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہوا ہے۔ ان کو اس سے توبہ عطا فرما! اتنے میں حضرت خضر
(علیہ السلام) بھی آگئے اور بولے کہ اے بزرگ میں نے کون سے کبیرہ کا ارتکاب کیا
ہے کہ اس سے توبہ کروں۔ ان بزرگ نے کہا کہ تم نے صحرا میں ایک درخت لگایا تھا اس
کے سائے میں خود بیٹھتے ہو اور آرام اٹھاتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ میں نے یہ کاغذ واسطے
کیا ہے۔ خضر علیہ السلام نے اسی وقت توبہ کی اس کے بعد ان بزرگ نے ترک دنیا
کی بابت خضر علیہ السلام سے کہا کہ ایسے رہو جیسے میں رہتا ہوں۔ خضر نے پوچھا آپ کس
طرح رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ میرا طرز عمل یہ ہے کہ
اگر ساری دنیا مجھے دی جائے اور کہا جائے کہ اسے قبول کرو تم سے اس کا کچھ حساب
نہیں لیا جائے گا۔ اس طرح مجھے (دنیا) دیں اور یہ بھی کہیں اگر تم نے قبول نہ کیا تو تمہیں
دوزخ میں لیجا یا جائے گا تو میں دوزخ کو قبول کر لوں گا۔ مگر دنیا داری کو قبول نہ کروں گا
خضر نے پوچھا کہ ایسا کیوں؟ بولے کہ اس وجہ سے کہ دنیا اللہ کی مبنغوض ہے (دنیا
اللہ کی ناپسندیدہ ہے) پس جس چیز کو خدا نے دشمن رکھا ہے۔ میں اس کی جگہ دوزخ
قبول کر لوں گا مگر اسے قبول نہیں کروں گا۔

تینتیسویں مجلس ۲۸۰

ماہِ محرم کی تینتیسویں تاریخ بدھ کے دن سنہ سات سو بارہ (ہجری) قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ اس روز کاتب (حسن علاء ہجری) کتاب مجمع المعانی حضرت کی خدمت میں لے گیا تھا۔ بہت تعریف و توصیف فرمائی۔ اسی روز (میری) بیعت کی تجدید بھی ہو گئی اور اپنے مبارک سر سے کلاہ (اتار کر) اس بے چارے غلام (حسن علاء ہجری) کے سر پر رکھی اور دو دفعہ یہ شعر زبان گوہر بیان پر آیا۔

(آپ کے عشق میں اپنے کام کو ہر روز نئے سرے سے شروع کرتا ہوں۔ اس تعلق کے کیا کہنے!)

میں جو کتاب لے گیا تھا۔ اس کی مناسبت سے فرمایا کہ کتابوں میں سے جو شاخ نے لکھی ہیں۔ روح الارواح بہت راحت بخش ہے اور بہت اچھی کتاب ہے۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ قاضی حمید الدین ناگوری کو یہ کتاب حفظ تھی برسر منبر اس میں سے بہت (کچھ) بیان فرماتے۔ اور ان کتابوں میں سے جو قدیم لوگوں نے لکھی ہیں قوت القلوب عربی ہیں اور روح الارواح فارسی میں اچھی کتابیں ہیں بندے نے عرض کی کہ مکتوبات عین القضاۃ بھی ایک اچھی کتاب ہے۔ البتہ اس پر پوری طرح عبور نہیں ہوتا ارشاد ہوا کہ ہاں وہ ایک حال کے عالم میں لکھی گئی ہے۔ وقت خاص جو انھیں کا حصہ تھا اس وقت لکھی ہے اسکے بعد زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ

وہ پچیس سال (ہی) کے تھے کہ انھیں سوختہ کیا گیا۔ (جلایا گیا) عجب کام تھا اس عمر میں کہ جوانی کے جوش کی انتہا ہوتی ہے۔ ان کا اس قدر حق میں مشغول ہونا اور تعلق رکھنا۔ یہ بہت ہی حیرت ناک کام تھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ انھوں نے اپنے باپ کو جو قاضی تھے۔ رشوت لینے والا اور حرام خورد لکھا ہے۔ یہ اور اسی طرح کی اور باتیں بہت لکھی ہیں۔ بندے نے عرض کی کہ ان کا اس طرح لکھنے سے مقصد کیا تھا؟ فرمایا کہ یہ بھی لکھا ہے کہ ان کو رقاضی صاحب کو کشف حاصل تھا چنانچہ ایک دفعہ کہیں توالی تھی۔ درویش اور اجاب جمع تھے۔ عین القضاۃ کے والد بھی وہاں موجود تھے۔ وہ بولے کہ میں نے شیخ احمد غزالی کو دیکھا کہ اس مجمعے میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔ اور اس روز اس مقام سے وہ مقام جہاں شیخ تھے بڑا فاصلہ تھا مثال کے طور پر یہ اجتماع ایک شہر میں تھا اور وہ کسی دوسرے شہر میں تھے۔ غرضیکہ جب تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ واقعی ایسا ہی تھا جیسا کہ انھوں نے بیان کیا تھا۔ اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالغیر نے فرمایا کہ عین القضاۃ کا مقصد اس حکایت سے یہ بتانا تھا کہ اس پروردگار کی نعمت نہ تو نماز کے واسطے سے ہے نہ وظیفے اور خیرات کے ذریعے جس کو حق تعالیٰ چاہتا ہے وہ کشف و کرامت والا ہو جاتا ہے۔ اس درمیان سوال کیا گیا کہ عین القضاۃ کے پیر کیا شیخ احمد غزالی تھے؟ فرمایا۔ نہیں۔ کیونکہ انھوں نے مکتوبات میں شیخ احمد غزالی کا ذکر کیا ہے اور اپنے پیر کا ذکر بھی کیا ہے اور اس طرح لکھا ہے کہ میں ایسا اور میرے شیخ ایسے مطلب یہ کہ اگر ان کے پیر شیخ احمد غزالی ہوتے تو جہاں ان کا ذکر کیا تھا وہاں انھیں اپنا پیر کہہ کر لکھتے اس کے بعد فرمایا کہ عین القضاۃ جھوٹے سے تھے اور بچوں میں کھیل رہے تھے کہ شیخ احمد غزالی نے انھیں دیکھا اور کچھ عرصے بعد ان کے ماں باپ کے پاس جا کر انھیں مانگا۔ والدین نے انھیں چھپا دیا اور کہا کہ وہ تو مر گیا شیخ احمد نے کہا کہ جھوٹ کہتے ہو جو نعمتیں اس کو ملنے والی ہیں جب تک وہ اسے مل نہ جائیں کیسے مر سکتا ہے۔ اس کے

بعد فرمایا کہ شیخ احمد پر اتہام لگایا گیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کے رعیین القضاۃ کے ماں باپ نے انہیں چھپا رکھا تھا۔ مولانا برہان الدین غریب سلمہ اللہ حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ شیخ احمد کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ابتلا راستحان تھا۔ فرمایا کہ نہیں۔ وہ خود چاہتے تھے کہ انہیں ملامت کی جائے اور ان پر اتہام لگایا جائے مگر وہ پاک تھے۔ ان کی حد درجے پاکی اور پارسائی کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ ایک قصائی بچے کے ساتھ اتہام لگایا گیا۔ اس حد تک کہ قصائی زادے کے باپ کو خبر ہو گئی۔ شائد اس نے ہر ایک کے سامنے شیخ کو برا کہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک رات کو یہ قصائی زادہ شیخ کے پاس تھا کہ اس کا باپ پہنچ گیا کہ ذرا پتہ تو چلائے شیخ کسی حجرے میں یا پردے کی جگہ ہے۔ اس قصائی بچے کا باپ آیا اور کسی سوراخ یا شرکاف میں سے جھانکنے لگا شیخ کو دیکھا کہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس قصائی بچے کو وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ اور پھر ایک اور دو گانہ ادا کیا۔ اور سلام پھیرنے کے بعد اس لڑکے سے دوبارہ نصیحت و موعظت کی باتیں کرنے لگے۔ ساری رات صبح تک ڈوڈو رکعت نماز ادا کرتے اور ہر دو گانے کے بعد جو کچھ اس لڑکے کی اصلاح حال کی بات ہوتی اس کو بتاتے۔ جب صبح ہوئی تو اس لڑکے کا باپ آیا اور شیخ کے قدموں میں گر گیا۔ وہ اور اس کا لڑکا دونوں شیخ کے مرید ہو گئے۔ اسکے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بانجیر نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ یہ بات ہر کسی کے بس کی نہیں ہے بڑی طاقتور پاک اور کامل شخصیت ہونی چاہیے کہ ایسا کر سکے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں ایک دفعہ شیخ کبیر حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں بمقام اچودھن (حال پاکپتن) حاضر تھا کہ ایک جوگی آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا طریقہ

کیا ہے۔ اور کام کی بنیاد تمہارے ہاں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارے علم میں اس طرح بتایا گیا ہے کہ آدمی کے نفس میں دو عالم ہوتے ہیں۔ ایک عالم علوی دوسری عالم سفلی۔ پیشانی سے ناف تک عالم علوی ہے۔ اور ناف سے پیروں تک عالم سفلی ہے کام اس طرح بنتا ہے کہ عالم علوی میں تو پوری طرح صدق و صفا اور اچھے اخلاق اور حسن معاملہ ہوں اور عالم سفلی میں نگاہ داشت اور پاکی اور پارسائی: خواجہ ذکری اللہ باغیر نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ مجھے اس کی یہ بات اچھی لگی۔

پھر ترک دنیا کا ذکر نکلا۔ اس باب میں بے حد غلو فرمایا۔ زبان مبارک پر یوں آیا کہ اگر کوئی اپنے دن روزے رکھ کر گزارے اور راتیں نماز پڑھتے بتائے اور حرمین کا زائر بھی ہو اصل بات جب ہوگی کہ دنیا کی محبت اس کے دل میں نہ ہو اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص خدا کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور دنیا کی محبت اس کے دل میں ہوتی ہے تو وہ اس دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے۔

چونتیسویں مجلس

اسی سال ربیع الاول کی بائیسویں تاریخ جمعے کو ہاتھ چومنے کی دولت ہاتھ آئی خواجہ عثمان حرب آبادی رحمت اللہ علیہ کی بزرگی کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ انھوں نے مدت تک خلق سے قطع تعلق رکھا اس کے بعد خلقت کے درمیان آئے ان کو عالم غیب سے فرمان پہنچا کہ خلق کو دعوت دو دین کی طرف بلاؤ تبلیغ کرو مگر شرط یہ ہے کہ ہزار ہلا کو برداشت کرنا۔ اس کے بعد وہ کسی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک شخص آیا اور اس نے ان کی گدی پر ہاتھ مارا اور دوسرا آیا اور اس نے بھی یہی حرکت کی یہ سب کو گنتے اور یاد رکھتے رہے۔ جب ہزار پورے ہو گئے تو ان کے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ منبر

پر آؤ اور خلق کو دعوت رو تبلیغ کرو۔ یہ بولے کہ الہی میں نے کوئی علم نہیں پڑھا اور مجھے کوئی کمال حاصل نہیں ہے۔ خلق کو دعوت کیسے دوں؟ حکم آیا کہ منبر پر پاؤں رکھنا تمہارا کام ہے۔ اور بخشش ہمارا۔

پھر بات خلق سے میل جول چھوڑنے کی نکلی فرمایا کہ شیخ احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کپڑا بننے والے تھے۔ ایک مدت خلق سے کٹے رہے۔ اس کے بعد خلقت کے درمیان آئے تو منہ بند کیے رہے۔ کسی سے بات نہ کرتے۔ جب اس کو بھی زمانہ گزر گیا تو ایک محرم راز ان کے پاس آیا اور کہا کہ جب خلق کے درمیان رہتے ہو تو بات کیوں نہیں کرتے؟ بولے کہ کیا بات کروں۔ یا تو تکون رکائیات کے پیدا ہونے کے بارے میں کہوں گا یا مکون رکائیات پیدا کرنے والے کے بارے میں کہوں گا۔ تکون بیان میں نہیں سہا سکتا۔ اور مکون کے بارے میں تو کچھ کہنا ہی مشکل ہے۔

یہ رباعی بھی انھیں سے سنی گئی ہے۔ دوست کے دوست کے پاس اکیلے آنے کی بابت رباعی میرے تمہارے درمیان صدا گر ہو تو یا تم ہو یا میں ہوں۔ سارے جہان سے الگ ہم تم تنہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ خورشید بھی تمہارے ساتھ نکلے۔ مجھ سے ملنے آؤ تو سایہ تک تمہارے ساتھ نہ ہو۔

پھر اس گروہ کا ذکر نکلا جو روزہ رکھتا ہے اور طے کرتا ہے یعنی طے کے روزے رکھتا ہے اور اس سے اس کا مقصد گھمنڈ اور دکھاوا ہوتا ہے۔ اس کے بعد موتی بکھیرنے والی زبان پر یہ شعر آیا۔

اگر بربت رکھنے سے تو موٹا ہو جائے تو تیرا پیٹ بھر کر کھانا بربت رکھنے سے بہتر ہے۔

پینتیسویں مجلس

اسی مہینے کی چھبیسویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ درویشوں کی باہمی تکرار اور اس حال میں بھی ان کی خوش کلامی کا ذکر نکلا۔ اول یہ فرمایا کہ شایخ نے کہا ہے کہ تین وقتوں میں رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ایک سماع کی حالت میں دوسرے اس کھانے کے وقت جو طاعت کی قوت حاصل کرنے کے لیے کھایا جائے۔ اور تیسرے درویشوں کی باہمی بخشش اور کدورت مٹانے وقت اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ میں اپنے خواجہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں تھا کہ چھ یا سات درویش آئے سب جوان اور کم عمر اور صاحب جمال شاید وہ خانوادہ خواجگان چشت رحمۃ اللہ علیہم جمعین کے مرید تھے انھوں نے شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارا آپس میں کچھ جھگڑا ہے مخدوم کسی مرید کو حکم دیں کہ ہمارے جھگڑے کو سن لے شیخ نے مجھے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ان کا قصہ سنو۔ اور بدرالدین اسحقؒ سے بھی فرمایا چنانچہ ان (درویشوں) میں سے ایک نے دوسرے سے شکایت بیان کرنی شروع کی اس نرمی اور لطافت کے ساتھ کہ اس روز آپ نے ایسی بات فرمائی اور میں نے یہ عرض کیا اس کے بعد آپ نے یہ ارشاد فرمایا جو میں جانتا نہ تھا۔ میں سمجھا نہیں یا غلط جواب دیا۔ اس کے جواب میں اس کے ساتھی نے بھی اسی نرمی سے کہا آپ نے تو یہی فرمایا تھا مگر غلطی مجھ سے ہوئی (واقعی) آپ حق پر تھے غرض یہ اور اس قسم کی گفتگو کرتے رہے۔ اور میں اور بدرالدین اسحقؒ ان کی تقریر کے اطفاف سے رونے لگے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ اور تم کو تعلیم دینے

آئے ہیں کہ شکوے اس طرح کرنے چاہئیں۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شکایت کے وقت بات اس طرح کرنی چاہیے کہ گردن کی رگ نہ ابھرے یعنی غصے اور تعصب کا اثر پیدا نہ ہو۔

پھر تحمل اور بردباری کے بارے میں بہت غلو فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جو بھی جفا کو سہ لیتا ہے۔ وہ سب سے اچھا ہے (غصہ کو) پی جانا چاہئے اور بدلے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے جو ہمارا دوست نہ بنے اللہ اس کا دوست رہے اور جو ہمیں تکلیف پہنچائے اس کو خوب راحت ملے۔

اس کے بعد یہ شعر پڑھا

جو بھی دشمنی سے ہمارے راستے میں کانٹا رکھے

اس کی زندگی کے چمن کا ہر پھول بے کانٹے کھلا رہے
پھر فرمایا کہ اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی (جواب میں) کانٹا رکھو تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ ان کلمات کے درمیان فرمایا کہ عوام میں یہ دستور ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھائی اور بُروں کے ساتھ برائی۔ لیکن درویشوں میں یہ طریقہ ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھے اور بُروں کے ساتھ بھی اچھے۔

چھینیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رجب کی ساتویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا دینی بھائیوں کی محبت کا ذکر آیا فرمایا کہ اخوت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اخوت نسبت (رشتے داری) کی ہے دوسری دین کی اخوت (رہے)۔ ان دو

اخوتوں میں سے دین کی اخوت زیادہ پکی ہوتی ہے۔ کیوں کہ اگر دو نسبتی بھائی ہوں ایک مومن اور ایک کافر تو مومن بھائی کی میراث کا فر بھائی کو نہیں ملے گی۔ پس اس اخوت کو کچا پاتا ہوں لیکن دین کی اخوت پکی ہوتی ہے۔ کیوں کہ جو رشتہ دو دینی بھائیوں میں ہوتا ہے وہ دنیا اور آخرت میں برقرار رہتا ہے۔

اس درمیان اس آیت کا ذکر آیا (ترجمہ) اس قیامت کے دن بعض دوست آپس میں دشمن نکلیں گے۔ سوائے متقیوں کے ارشاد ہوا کہ وہ یار جن کی یاری فتنی کے سبب رہی ہوگی کل ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ اس وقت یہ شعر زبان مبارک پر آیا۔ یہ شراب اور باغ کے ساتھی تیرے دوست نہیں دشمن ہیں۔

سینیسویں مجلس

اسی سال اور اسی مہینے کی پچیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت لائے آئی۔ نفل نماز کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نمازیں ادا کیں وہ تین طرح کی تھیں۔ ایک وہ جن کا تعلق وقت سے تھا۔ اور ایک وہ جن کا تعلق سبب سے تھا۔ اور ایک وہ جن کا تعلق نہ وقت سے تھا نہ سبب سے پہلے ہم ان نمازوں کو دیکھیں جن کا تعلق وقت سے ہے۔ امام غزالی طیب اللہ سرہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جس نماز کا تعلق وقت سے ہے وہ بار بار پڑھی جاتی ہے جیسے کہ وہ نماز جو ہر روز کی ہے اور ایک نماز ہے کہ وہ ہر ہفتہ میں پڑھی جاتی ہے اور ایک نماز ہے جو ہر ماہ کی ہے اور ایک نماز ہے جو ہر سال کی ہے۔

راب، ہم اس نماز پر آتے ہیں جو روزانہ کی ہے یہ آٹھ نمازیں ہیں۔ پانچ نمازیں تو وہ جو نوقتہ ادا کی جاتی ہیں۔ چھٹی نماز چاشت۔ ساتویں بیس رکعت بعد نماز مغرب۔ آٹھویں تہجد کی نماز۔ یہ نماز کی (وہ قسم) ہے جو ہر دن اور رات کی ہے لیکن وہ نماز جو ہر ہفتے کی ہے۔ وہ ہر روز کی ایک نماز آئی ہے۔ ہفتے کی اور اتوار کی اور اسی طرح آخر ہفتے تک۔ یہ وہ نماز ہے جو ہر ہفتے کی ہے اور وہ نماز جو ہر مہینے کی ہے وہ بیس رکعتیں ہیں جو ہر مہینے کی چاند رات کو حضور مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ادا فرمائی ہے۔ یہ ماہوار نماز ہوتی۔ لیکن جو نماز سالانہ ہے وہ چار نمازیں ہیں۔ دو عید کی نمازیں تیسری تراویح کی نماز چوتھی شبِ برات کی نماز یہ ساری نمازیں وہ ہوئیں جو وقت سے تعلق رکھتی ہیں لیکن وہ نماز جو سبب سے تعلق رکھتی ہے دو نمازیں ہیں۔ ایک نماز استسقاء یعنی یہ سبب سے تعلق رکھتی ہے جب سوکھ پڑتا ہے تب یہ نماز ادا کی جاتی ہے۔ دوسرے سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازیں یہ بھی سبب سے تعلق رکھتی ہیں جب بھی سورج اور چاند کو گہن لگتا ہے یہ نماز پڑھی جاتی ہے۔ یہ وہ نمازیں تھیں جو سبب سے تعلق رکھتی تھیں۔ مگر وہ نماز جو نہ وقت سے تعلق رکھتی ہے نہ سبب سے وہ صلوٰۃ تسبیح ہے اور سلامتی کی نماز ہے۔

پھر یہ ذکر آیا کہ کیا نفل نمازوں کا جماعت سے پڑھنا کہیں آیا ہے۔ فرمایا کہ ہاں آیا ہے۔ بعض مشائخ اور گزشتہ بزرگوں نے (نفل نماز باجماعت) پڑھی ہے۔ پھر فرمایا کہ شبِ برات کا موقع تھا شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھے حکم دیا کہ اس رات جو نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسے باجماعت پڑھو اور تم امامت کرو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

پھر ان نمازوں کا ذکر آیا جو محافظتِ نفس کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ آدمی جب بھی گھر سے باہر جائے اسے چاہیے کہ دو گانہ پڑھ کر باہر نکلے تاکہ حق تعالیٰ راستے کی ہر بلا سے محفوظ رکھے اس دو گانے میں بہت بھلائی ہے اور جب بھی گھر میں آئے تو اس وقت بھی دو گانہ ادا کرتے تاکہ ہر اس بلا سے

جو گھر میں پیدا ہو حق تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے۔ اور اس دو گانے میں بہت خیر و سلامتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی یہ دو گانے نہ پڑھ سکے تو باہر جاتے اور اندر آتے آیت الکرسی پڑھ لے اس سے بھی یہ غرض حاصل ہو جائے گی اور اگر آیت الکرسی نہ پڑھے تو چار دفعہ یہ کلمہ پڑھے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوت الا باللہ العلیٰ العظیم۔ یہ بھی کافی ہے۔ اور اگر کوئی شخص مکر وہ اوقات میں مسجد کے اندر پہنچے اور تحیت مسجد نہ پڑھ سکے تو یہی کلمہ چار دفعہ کہہ لے مقصد حاصل ہو جائے گا۔

اٹھیسویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی تیرہویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ خواجہ نوہ جو قرابت کے شرف سے شرف ہیں سامنے بیٹھے تھے اور مشارق پڑھ رہے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اس کی شریعت فرما رہے تھے (اور) اس حدیث کے بیان تک پہنچے تھے کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور تھوک یا بلغم اس کے منہ میں آئے اور (وہ) اس کو تھوکرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ اسے قبلے کی طرف نہ تھو کے اور دائیں جانب بھی جو ملک (فرشتے) کا رخ ہے نہ تھو کے۔ بائیں جانب تھو کے اور پیر کے پاس اس طرح تھو کے کہ ٹہل کثیر نہ ہو۔ صرف اتنا کرنے سے نماز خراب نہیں ہوتی۔

اسکے علاوہ یہ بیان فرمایا کہ مومن ہر گز نجس نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک روز رسول علیہ السلامؐ کسی راستے پر تشریف لیجا رہے تھے کہ ابو ہریرہؓ سامنے آگئے۔ مصطفیٰ علیہ السلامؐ ان سے خوش طبعی فرماتے تھے حضورؐ نے ہاتھ بڑھایا تاکہ ابو ہریرہؓ معافی کریں۔ ابو ہریرہؓ نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۔ اس معاملے دیکھ کر لوگ سمجھیں کہ جو شخص نماز نہیں پڑھ رہا ایسی صورت میں نماز نہیں ہوتی۔

رسول علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ ہاتھ کیوں سمیٹتے ہو۔ بولے یا رسول اللہ میں اس وقت اپنی بیوی سے مل کر آ رہا ہوں اور میں نے غسل نہیں کیا ہے۔ آپ جیسی پاک شخصیت کا ہاتھ کیسے تھاموں؟ مصطفیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن ہر گز نجس نہیں ہوتا۔ جنبی غسل کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ نجس نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کوئی جنبی کے جھوٹے کپڑے پانی کو بہنی لے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی بیان فرمایا کہ اگر کوئی عورت شیطان کی صورت میں کسی مرد کے سامنے آئے یعنی شیطان عورت کی صورت میں کسی مرد کے سامنے آئے اور اس مرد کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے تو اس شخص کو چاہیے کہ اسی وقت اپنی بیوی سے بھاگلے تاکہ یہ وسوسہ اس سے دفع ہو جائے شادی شدہ آدمی کی ایک خیریت یہ بھی ہے۔

خواجہ نوح یہ فوائد سننے کے بعد جانے کے لیے اٹھ گئے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے حاضرین سے نوح کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کو عزیز رکھو کہ یہ بہت نیک آدمی ہیں اس کے بعد جب وہ چلے گئے تو ان کی پرہیزگاری کا بہت ذکر فرمایا اور کہا کہ ان کو قرآن یاد ہے۔ اور ہر جمعہ کی رات کو ختم کرتے ہیں اور علم حاصل کرنے کا بے حد شوق ہے۔ اور علم خوب حاصل کر لیا ہے۔ بہت ہی نیک طبیعت ہے۔ کسی سے کوئی غرض نہیں۔ نہ دوستی سے مطلب نہ دشمنی سے اور بہت ہی صالح ہیں چنانچہ ایک روز میں نے ان سے پوچھا کہ (میاں!) تم جو اس قدر طاعت و عبادت کرتے ہو تو اس سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ بولے کہ میرا مقصد آپ کی زندگی ہے! خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا

یہ بات اس کو کس نے سکھا دی؟ یوں سمجھو کہ یہ بات اسکی سعادت مندی کی دلیل ہے! اس کے بعد ذکر آیا کہ اگر کسی سے کوئی بات پوچھی جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس کے گھر کی بات پوچھیں یعنی جس گوں کا وہ ہو اس درمیان فرمایا کہ ایک مولوی تھے ضیاء الدین لقب میٹھار کے نیچے درس دیا کرتے تھے۔ میں نے ان سے سنا ہے (وہ کہتے تھے کہ میں ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور مجھے فقہ اور نحو اور دوسرے علوم کی مطلق خبر نہیں تھی۔ صرف مناظر سے کا علم سیکھا تھا۔ اور بس چنانچہ مجھے خیال ہوا کہ اگر شیخ نے فقہ اور نحو اور دوسرے علوم کی بابت پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا۔ یہی اندیشہ دل میں لیے ہوئے ان کی خدمت میں پہنچا۔ جیسے ہی میں سلام کر کے بیٹھا۔ شیخ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تنقیح مناط ————— کیا ہے؟ میں خوش ہو گیا اور اس کا بیان شروع کیا اور نفی اور اثبات جو اس میں آئے ہیں انھیں جی بھر کے بیان کیا

خواجہ ذکرہ اللہ بالینے فرمایا کہ یہ شیخ کے کشف کا کہاں تھا کہ اس سے وہی بات پوچھی اس کے ڈب کی اور اس کے علم کی بات تھی۔ والحمد للہ رب العلمین ان صفحات میں تین سال کے فوائد درج ہیں۔ اور بھی جو کچھ سنا جائے گا اور معلوم ہوگا امید ہے کہ وہ بھی انشاء اللہ لکھ لیا جائے گا۔

۱۔ غالباً قطب مینار مراد ہے

۲۔ موافق اور مخالف دلیلیں

جلد سوم فوائد الفواد
شرعہ مجلسیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ان کے کلام کی برکتوں کو قائم رکھے۔ امرار الہی کے یہ اشارات اور بے انتہا انوار کی یہ بشارت، خواجہ راستین ختم المجتہدین ملک المشائخ فی الارضین نظام الحق والشرع والدین کے لفظ دُیّر بار اور زبان گوہر نثار سے سنی گئی ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

مجموعہ کہ بندہ حسن نو بنانہاد

ہم وقت پاک شمشیں جمعیتی دہاد

جس مجموعے کی نئی بنیاد حسن خاد نے رکھی ہے۔ اس کو حسن کے پیر کا وقت

پاک جمعیت بخشے (پورا کرائے کامیاب فرمائے)!

پہلی مجلس

پیر، ماہ ذی قعدہ کی سٹائیسویں (تاریخ) منہ سات سو بارہ (ہجری) قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ طبقات کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میرے بعد میری امت پانچ طبقوں میں ہوگی اور ہر طبقے کی مدد

۱۔ اشارات علم و حکمت کے موضوع پر بوعلی سینا کی ایک کتاب کا نام بھی ہے

۲۔ خوش خبریاں۔ ۳۔ موتی بکھیرنے والے

چالیس سال ہے پہلا طبقہ علم اور مشاہدے کا طبقہ۔ دوسرا طبقہ بزرگی اور تقویٰ کا۔ تیسرا طبقہ تو اصل اور تراحم کا۔ چوتھا طبقہ تقاطع اور تدابیر کا۔ پانچواں طبقہ ہرج اور مرج کا۔ فرمایا کہ پہلا طبقہ علم و مشاہدے کا ہوا وہ صحابہ کرامؓ تھے۔ اس کے بعد دوسرا طبقہ بزر اور تقویٰ کا ہوا وہ تابعین تھے۔ اس کے بعد تیسرا طبقہ تو اصل اور تراحم کا ہوا۔ تو اصل یہ ہوتا ہے کہ جب دنیا ان کے پاس آتی ہے تو اگر یہ دنیا ان کے اور دوسروں کے درمیان مشترک ہو تو یہ اسے (اپنے) شریعت داریوں کے پاس نرمی اور رعایت سے جانے دیتے ہیں۔ اس طرح کہ کوئی اسے اپنی طرف کھینچے تو یہ ڈھیل چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کو تو اصل کہا جاتا ہے۔ لیکن تراحم یہ ہے کہ اگر دنیا پوری کی پوری بلا شریعت غیرے ان کو مل جائے تو یہ اسے خرچ کر ڈالتے ہیں اور راہ حق میں صرف کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد چوتھا طبقہ تقاطع اور تدابیر کا۔ تقاطع یہ ہوتا ہے کہ اگر انہیں دنیا ملتی ہے تو اس کی حصے داری میں قطع تعلق اور دشمنی پر اثر آتے ہیں۔ اور تدابیر یہ ہوتا ہے کہ اگر دنیا خاص انہی کو مل جاتی ہے تو وہ اسے پورا کا پورا رکھ لیتے ہیں۔ اور مخلوق کو پیٹھ دکھا دیتے ہیں اور کسی کو کچھ نہیں دیتے۔ اس کے بعد پانچواں طبقہ ہرج اور مرج کا طبقہ ہے۔ ہرج مرج یہ ہوتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا گوشت پوست نوچیں اور ایک دوسرے کو قتل کریں۔ اور ان پانچوں طبقوں کی مدت دو سو سال ہوئی۔ پھر فرمایا کہ ان دو سو سال کے بعد آدمی کے بچے سے کتے کا بچہ پیدا ہونا بہتر ہوگا۔ جب خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں

۱۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت پانے والے صحابہ کرام کے فیض یافتگان

تابعین کہلاتے ہیں۔ ۲۔ یہاں دنیا سے مراد دھن دولت ہے

آنسو بھلائے اور بولے کہ یہ حکم رسول علیہ السلام کی رحلت کے بعد دو سو سال میں پورا ہو گیا۔ آج کل کے بارے میں آدمی کیا کہے!

پھر مشغولی حق کا ذکر آیا کہ کام اگر ہے تو یہ ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس دولت کو روکنے والا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اگر کبھی اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں تو مجھے وحشت ہونے لگتی ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ یہ کہاں جا پڑا۔ اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمت اللہ علیہ جب کمالِ حال کو پہنچے تو انھوں نے اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کو کونے میں رکھ دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ دھوڑ والا۔ اس کے بعد فرمایا کہ دھونے کی روایت درست نہیں ہے۔ بس اتنا ہے کہ کہیں سنگو اکر رکھ دیا۔ چنانچہ ایک روز ان کتابوں میں سے کوئی کتاب سامنے رکھ کر مطالعہ کرنے لگے۔ ہاتف نے آواز دی اور کہا کہ اے ابو سعید ہمارے عہد نامے کو واپس کر دو کیونکہ تم غیر چیز میں مشغول ہو گئے۔ خواجہ ذکرہ رحمۃ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو رونے لگے اور یہ دو مصرعے زبانِ مبارک پر جاری ہو گئے

تو سایہ دشمنی کجا در گنجی جائے کہ خیال دوست زحمت باشد
تم دشمن کا سایہ ہو تم کہاں سماؤ گے؟ اس جگہ جہاں خیال دوست تک
زحمت ہوتا ہے؟

یعنی جس جگہ مشائخ اور فقہ کی کتابیں اور احکام شریعت حجاب ہوں وہاں
اور چیزیں کیا ہوں گی!

دو ٹری مجلس

اسی سال ماہِ حج کی بارہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کا شرف ہاتھ آیا بہت

لوگ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض کو سایہ میں جگہ نہیں ملی تھی۔ دھوپ میں بیٹھ گئے۔ حضرت نے دوسرے لوگوں سے کہا کہ اور قریب قریب ہو کر بیٹھو تاکہ ان لوگوں کے لیے بھی جگہ نکل آئے کیوں کہ دھوپ میں تو وہ بیٹھے ہیں اور جلتا میں ہوں! اسی کے مناسب حال حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں ایک بزرگ تھے جن کو شیخ شاہی موٹے تاب رحمت اللہ علیہ کہا جاتا تھا۔ ایک دفعہ دوست انھیں پک ٹک کے لیے باہر لے گئے اور کھیر پکائی جب کھانا سامنے لگایا گیا تو خواجہ شاہی موٹے تاب بولے کہ اس کھانے میں خیانت ہوئی ہے۔ شاید دو آدمیوں نے اس میں سے کچھ دودھ دوستوں کے سامنے لانے سے پہلے پی لیا تھا اور یہ دیشوں میں بہت بڑی خرطا سمجھی جاتی ہے۔ الغرض جب خواجہ شاہی نے کہا کہ ایسا کیوں ہوا کہ دوستوں کے سامنے کھانا لانے سے پہلے کسی نے اس میں سے کچھ کھالیا تو وہ بولے کہ دیگ میں سے دودھ اہل کمر باہر گریا ہوا تھا۔ ہم نے تو باہر گرے والے دودھ کو لیا ہے اس کا کیا کرتے گرنے دینے؟ ناچار اسے پی لیا۔ خواجہ شاہی نے کہا نہیں اس طرح دودھ پینا غلط تھا۔ بہتا تھا تو بہنے دیتے۔ چنانچہ ان کا یہ عذر نہیں سنا گیا وہ پیچھے چلے گئے۔ وہاں دھوپ تھی۔ دھوپ میں کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کا پسینہ نہہ بہہ کمر گرنے لگا۔ اس وقت خواجہ شاہی نے کہا کہ حجام کو بلاؤ۔ پوچھا گیا آپ کیا کریں گے؟ جواب دیا کہ جس قدر پسینہ میرے دوستوں کا بہا ہے اس سے کہوں گا کہ اتنا خون میرا نکال دے خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر جب اس بات پر پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ شاباش محبت ہو تو ایسی ہو اور انصاف کا خیال رکھا جائے تو اس طرح رکھا جائے۔

ان کی بزرگی کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین ابوالمؤد
رحمت اللہ علیہ کو بیماری لاحق ہوئی تو انھیں شاہی موئے تاب کو بلوایا اور بولے کہ ذرا
دعا کرو تاکہ میری بیماری صحت سے بدل جائے۔ خواجہ شاہی نے عذر کیا کہ آپ
تو خود بزرگ ہیں مجھ سے یہ فرمائش کیا کرتے ہیں۔ میں تو ایک بازاری آدمی ہوں مجھ
سے اس بارے میں کچھ نہ کہیے۔ شیخ نظام الدین نے ان کی ایک نہ سنی اور کہا کہ تم دعا کرو
اور توجہ کرو تاکہ مجھے صحت ہو جائے (اس پر) وہ بولے کہ اچھا تو پھر میرے دو دوستوں کو
بھی بلا لیجیے۔ ان میں سے ایک کا لقب شرف تھا جو بڑا صالح مرد تھا۔ دوسرا ایک درزی
تھا۔ الغرض دونوں بلائے گئے۔ خواجہ شاہی نے ان سے کہا کہ شیخ نظام الدین نے مجھے اس
کام کا حکم دیا ہے۔ اب تم میرا ساتھ دو شیخ کے سر سے سینے تک میرے ذمے۔ اور نیچے کے اعضاء
سینے سے ایک پاؤں تک ایک کے ذمے اور دوسرے پیر تک دوسرے کے ذمے چنانچہ ان تینوں نے توجہ
دینی شروع کی شیخ نظام الدین کی بیماری صحت سے بدل گئی۔

ان بزرگ کی کرامت کا یہ قصہ بھی سنایا کہ وہ اکثر کہا کرتے کہ جس کسی کو میری وفات
کے بعد کوئی مہم پیش آئے تو اسے کہو کہ تین روز میری زیارت کے لیے آئے۔ اور اگر تین دن
گزر جائیں اور وہ کام نہ ہو تو چار روز آئے۔ اور اگر چار روز
گزرنے کے بعد بھی اس کی ضرورت پوری نہ ہو تو پانچویں روز
آئے اور میری قبر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے!

پھر انبیاء اور اولیاء کی عصمت کا کچھ ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ انبیاء معصوم ہیں
اور فقراء کے نزدیک اولیاء بھی (معصوم ہیں) لیکن انبیاء واجب العصمت ہیں (انبیاء
لازمی معصوم ہوتے ہیں) اور اولیاء جائز العصمت! (اولیاء معصوم بھی ہو سکتے ہیں)

۱۔ اس حکایت سے پکی قبروں کا جواز ثابت ہوتا ہے

۲۔ گناہ سے محفوظ رہنا

پھر باری تعالیٰ (عز و جلال) کی قدرت کا ذکر نکلا۔ اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام نے اصحاب کہف کو دیکھنے کی آرزو فرمائی تو اللہ تعالیٰ کا فرمان آیا کہ ہم نے یہ حکم دے دیا ہے کہ آپ انھیں دنیا میں نہیں دیکھیں گے۔ آپ لوگوں کی ملاقات قیامت میں ہوگی۔ البتہ اگر آپ چاہیں تو ہم انھیں آپ کے دین میں لے آئیں! اس کے بعد رسول علیہ السلام ایک گلیم رکبلی ہلائے اور چار آدمیوں سے فرمایا کہ ہر ایک اس کبلی کا ایک کونا پکڑے۔ ان چار میں ایک ابو بکر صدیق تھے دوسرے عمر خطاب تیسرے علی بن ابی طالب اور چوتھے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر رسول علیہ السلام نے اس ہوا کے آنے کی دعا فرمائی جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے بڑے کانٹے چکے تھے۔ وہ ہوا حاضر ہو گئی تو اس کو حکم دیا کہ اس کبلی کو چاروں اصحاب کے ساتھ لے جاؤ اور اس غار کے منہ پر جانا۔ ہوا اس گلیم اور ان چاروں اصحاب کو اڑا کر لے گئی اور اس غار کے دروازے پر جانا۔ صحابہ نے باہر سے اصحاب کہف کو سلام کیا حق تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمایا اور انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد صحابہ نے رسول علیہ السلام کا دین ان کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے قبول کیا۔ الحمد للہ رب العالمین خواجہ ذکرو اللہ بالخیر نے یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ کون سی چیز ہے جس پر خدا تعالیٰ کو قدرت نہیں؟

چوتھی مجلس

سنہ سات سو تیرہ ہجری ماہ صفر اللہ تعالیٰ سے خیر اور کامیابی سے اختتام تک پہنچائے، کی پہلی تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی نوافل اور

ادرا د کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ میں نے ایک رات شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ
العزیز کو خواب میں دیکھا۔ مجھ سے فرماتے تھے کہ یہ دعا ہر روز سو مرتبہ پڑھنی چاہیے
لا الہ الا انت وحدہ لا شریک لہ لا الملک ولہ الحمد ویو اعلیٰ کل شیء قدیر۔ کوئی
خدا نہیں اللہ کے سوا۔ وہ اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں اس کے لیے ملک ہے
اسی کے لیے تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو اس دعا کو اپنے
یہ لایا کر لیا اور اپنے آپ سے بولا کہ اس فرمان میں ضرور کوئی مصلحت ہوگی اس
کے بعد میں نے شاخ کی کتابوں میں لکھا دیکھا کہ جو شخص روزانہ سو مرتبہ اس دعا
کو پڑھتا ہے وہ بے اسباب خوش رہتا ہے اور اچھی
زندگی بسر کرتا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ شیخ بھی یہی چاہتے ہوں گے۔
اس دعا کی فضیلت میں یہ بھی فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد
دس مرتبہ اس دعا کو پڑھتا ہے وہ گویا ہزار غلام آزاد کرنے کا کام کرتا ہے۔
اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ اور مجھ سے خواب میں فرمایا تھا کہ عصر کی نماز کے
بعد پانچ مرتبہ سورہ انبار عم یسآلون (پڑھو جب میں بیدار ہوا تو اس فرمان کی تعمیل کی
پھر دل میں یہی خیال گزرا کہ اس فرمان میں بھی کوئی بشارت (خوش خبری) ہوگی۔
(چنانچہ) تفسیر میں دیکھا کہ لکھا ہے جو شخص عصر کے بعد روزانہ پانچ دفعہ سورہ بنا پڑھتا
ہے وہ اسیرِ حق ہو جاتا ہے اور اس کا نام اسیر اللہ رکھا جاتا ہے۔ یعنی جو شخص کسی کی
محبت میں گرفتار ہوتا ہے کہتے ہیں وہ فلاں کا اسیر ہو گیا یہاں بھی اس سے یہی بات
مراد ہے کہ محبت حق کا اسیر ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں فائدے بتیان فرمانے کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ بھی
ہمیشہ اس کی پابندی کریں۔

پانچویں مجلس

اسی سال ماہ صفر کی بائیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرضداشت کی کہ بعض لوگ کیا برسرِ مہر اور کب دوسرے مقامات رُسبِ جگہ آپ کی بدگوئی کے طور پر کچھ (نہ کچھ) کہتے رہتے ہیں اور ہم سے نہیں سنا جاتا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالجہ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کر دیا ہے۔ پھر کیا موقع ہے کہ لوگ عداوت اور کسی کی دشمنی میں مشغول ہوتے ہیں۔ جو بھی مجھے بُرا کہتا ہے میں نے اسے معاف کر دیا۔ تم کو بھی چاہئے کہ معاف کر دو اور اس شخص سے دشمنی نہ رکھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ چھتو اندر پت کارہنے والا تھا اور برابر مجھے بُرا کہتا اور (میرا) بُرا چاہتا۔ بُرا چاہنا بُرا کہنے سے بھی بُرا ہے۔ الغرض جب وہ مر گیا تو میں تیسرے روز اس کی قبر پر گیا اور میں نے دعا مانگی اور کہا کہ اہلی اس نے جو کچھ بھی مجھے بُرا کہا اور میرا بُرا چاہا میں نے اس کو معاف کر دیا۔ تو میری وجہ سے اسے عذاب نہ دیجیو! اسی سلسلے میں فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ ایک شخص اپنی طرف سے صفائی کر لے جب یہ شخص اپنے اندر سے عداوت کو نکال دے گا تو ضرور دوسری جانب سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ لوگ اس بُرا (بھلا) کہنے سے آخر کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں؟ کہا گیا ہے کہ صوفی کا مال سبیل ہے۔ اور اس کا خون مباح! جب معاملہ یہ ہو تو بُرا کہنے کی وجہ سے کسی سے دشمنی کیوں کی جائے۔

اس درمیان ایک شخص آیا اور ایک جماعت کا حال بیان کیا کہ اس وقت فلاں جگہ آپ کے مریدوں نے جلسہ کیا ہے۔ اور وہاں مزا میر (منہ کی پھونک سے بجائے جانے والے

باسے) بھی تھے۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں نے منع کیا ہے کہ مزا میر اور حرام چیزیں نہیں ہونی چاہئیں۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ اس بارے میں بہت غلو فرمایا۔ اس حد تک کہ ارشاد ہوا اگر کوئی اماں نمازیہ پڑھا رہا ہو۔ اور ایک جماعت اس کے پیچھے نعتی می ہو اور اس جماعت میں عورتیں بھی ہوں۔ پس اگر اماں سے غلطی ہو جائے تو نعتی مردوں میں سے کوئی تسبیح سے ٹوکتا ہے اور کہتا ہے سبحان اللہ۔ مگر کوئی عورت غلطی سے واقف ہوتی ہے تو وہ اماں کو کس طرح آگاہ کرتی ہے۔ وہ سبحان اللہ نہیں کہتی کہ اس کی آواز سنی جائے پس وہ کیا کرتی ہے؟ ہاتھ پر ہاتھ مارتی ہے لیکن بتھیلی بتھیلی نہیں مارتی تالی نہیں بجاتی کہ اس سے کھیل کی مشابہت ہوتی ہے بلکہ ہاتھ کی پشت بتھیلی پر مارتی ہے الغرض جب نماز میں اس درجے کھیل اور اس سے مشابہ چیزوں سے پرہیز آیا ہے تو سماع میں تو اور بھی ضروری ہے کہ یہ چیزیں نہ ہوں۔ یعنی تالی بجانے میں جب اس قدر احتیاط آتی ہے تو مزا میر کی تو اور بھی ممانعت ہونی چاہئے اس کے بعد فرمایا کہ اُنہوں نے کسی متنازع سے گھرے تو شرع میں تو گھرے۔ اگر کہیں شرع سے باہر گرا تو پھر کیا ہے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ سماع بڑے (بڑے) مشائخ نے سنا ہے۔ اور جو اس کام کے اہل ہیں اور جو صاحب ذوق ہے اور اس میں دروپایا جاتا ہے۔ وہ اگر گویے سے ایک شعر بھی سنتا ہے تو آبدیدہ ہو جاتا ہے۔ چاہے مزا میر ہوں یا نہ ہوں البتہ جس کو عالم

عز کسی اور جگہ اس مفہوم کا ارشاد ہوا ہے۔ رادی روحانی ترقی میں حقیقت تک پہنچ جانے اور وہاں اس سے کوئی خطا سرزد ہو اور نیچے گرایا جائے تو حقیقت سے نیچے کے مقام طریقت میں گرے گا۔ اور اگر طریقت میں کوئی غلطی ہو تو شریعت میں گرے گا۔ لیکن شریعت میں چوک ہو جائے تو نیچے کا درجہ دوزخ ہی ہے اگویا سب سے اہم حفاظت شریعت کی حفاظت ہے۔

ذوق کی خبر نہیں اگر اس کے سامنے (زمانے بھر کے) گویے ہوں اور ہر قسم کے ہزار (بابے) بھی آجائیں تو کیا فائدہ کیونکہ وہ اہل درد میں سے نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ کام درود سے تعلق رکھتا ہے مزار میر وغیرہ سے نہیں اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو ہر روز حضور کہاں میسر آتا ہے۔ اگر کسی دن کوئی اچھا وقت میسر آ جاتا ہے اس دن کے سارے متفرق اوقات اس (اچھے) وقت کی پناہ میں ہوتے ہیں اور اگر کسی مجمعے میں کوئی شخص ذوق والا اور نعمت والا ہوتا ہے تو سب لوگ اس شخص کی پناہ میں ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ گزشتہ زمانے میں ایک قاضی تھا جو دھن میں جو ہمیشہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی مخالفت کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ دشمنی کے جوش میں ملتان گیا اور وہاں کے عہدیداروں اور علماء سے کہا کہ یہ کہاں جائز ہے کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھے اور محفل سماع برپا کرے اور کبھی کبھی رقص بھی کرے؟ ان لوگوں نے کہا کہ تو جو کچھ کہتا ہے پہلے بتا کہ یہ کس کا واقعہ ہے اور ایسا کون کرتا ہے؟ بولا شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز انھوں نے جواب دیا کہ ان سے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے!

پھر خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے آج تک سب بھی سماع سنا اور تمام اوصاف جو گویے سے سماع میں سنیں خرقہ شیخ کی قسم اسکو شیخ کے اوصاف اور اخلاق پر محمول کیا ایک دفعہ شیخ قدس اللہ سرہ العزیز کی حیات کے زمانے میں ایک مجلس میں تھا۔ گویے نے یہ شعر پڑھا۔

مخرام بدیں صفت مبادا کمر چشم بدت رسد گزندے
تم اس انداز سے مت چلو کہ کسی کی بُری نظر لگے
لے دیکھو تو دل فریبی انداز نقش پا موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

اور مجھے اپنے پیار کے پسندیدہ اخلاق اور اوصاف اور بزرگی کا کمال اور ان کے بے انتہا فضل و لطافت یاد آگئے اور ایسا رونا آیا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ قوال چاہتا تھا کہ دوسرے شاعر بڑھے مگر میں اسی کی نگرانی کرتا رہا خواجہ ذکریہ اللہ بالجیر جب اس بات پر پہنچے تو رونے لگے اور فرمایا کہ اس کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ انھوں نے رحلت فرمائی۔

پھر شعر کے، معانی کو کسی پر محمول کرنے اور خاص معانی پہنانے کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ کل قیامت کے دن کسی نے لیے فرمان پہنچے گا کہ تو نے دنیا میں سماع سنا ہے؟ وہ کہے گا کہ سنا ہے۔ فرمان ہوگا کہ جو شعر بھی تو نے سنا اسے ہمارے اوصاف پر محمول کیا؟ کہے گا جی ہاں! ارشاد ہوگا کہ وہ اوصاف حادث ہیں اور ہماری ذات قدیم! اوصاف حادث قدیم کے لیے کس طرح جائز ہو سکتے ہیں۔ وہ کہے گا خداوند امیں تو محبت کے جوش میں ایسا کرتا تھا۔ فرمان ہوگا کہ چونکہ تو نے محبت میں ایسا کیا ہے ہم تجھ پر رحمت فرماتے ہیں۔ اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالجیر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور بولے کہ اس شخص کے لیے جو ان کی محبت میں غرق ہے یہ عتاب ہے دوسروں کے بارے میں کیا کہا جائے۔

پھر معجزات رسول علیہ السلام کا ذکر آیا کہ حیوانات اور جمادات ان کی فرماں برداری کرتے تھے اس بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب رسول علیہ السلام مبعوث ہوئے تو معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا اور ارشاد ہوا کہ اس علاقے میں ابک چشمہ ہے جس کو عین الزعاف کہتے ہیں اور عین الذعاف بھی کہتے ہیں اس چشمے کی خاصیت یہ ہے کہ جو بھی اس کا ذرا سا پانی پی لیتا ہے فوراً مر جاتا ہے سید عالم علیہ السلام والتخب نے معاذ سے فرمایا کہ جب وہاں پہنچو تو اس چشمے سے کہنا کہ میں مبعوث ہو گیا ہوں! جب معاذ اس چشمے پر پہنچے اور مصطفیٰ علیہ السلام کا فرمان پہنچا یا اور اظہار نبوت کا قصہ سنایا تو

عاشق نئی چیز جو پہلے نہ ہو۔ ذات باری تعالیٰ ہمیشہ سے ہے۔ قدیم ہے۔ کائنات اس نے پیدا کی اس لیے حادث ہے۔ پہلے سے نہ تھی۔

وہ چشمہ رسولؐ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لایا اور پھر اس چشمے کی وہ زہریلی خاصیت باقی نہ رہی۔
 پھر اسم اعظم کا ذکر دکلا۔ ارشاد ہوا کہ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا
 آپ کو اسم اعظم یاد ہے؟ بتائیے کون سا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں!
 معدے کو حرام لقمے سے پاک رکھو اور دل کو دنیا کی محبت سے خالی کر لو اس کے بعد جس نام
 سے بھی خدا کو پکارو گے وہی اسم اعظم ہے!

اس درمیان کھانا سامنے لایا گیا جب نمک رکھا گیا تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا
 کہ شروع نمک سے کرنا چاہیے۔ لیکن یہ جو انگلی منہ کے لعاب سے تر کر کے نمک اٹھاتے ہیں
 (یہ کہیں نہیں آیا۔ اور اگر انگلی کو تر کیے بغیر نمک پر رکھتے ہیں تو نمک انگلی پر لگتا نہیں۔ اس
 لیے شہادت کی انگلی کو انگوٹھے سے ملا کر دو انگلیوں سے نمک لیتے ہیں۔ بندے حسن علا بحریؒ)
 نے اس فائدے کے شکر میں کہا کہ الحمد للہ حق نمک تازہ ہو گیا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے
 تبسم فرمایا اور بولے تم نے اچھا کہا۔ مولانا محی الدین کاشانی دامت برکاتہ تشریف رکھتے
 تھے۔ انھوں نے بندے کے فقرے پر ایک اور فقرہ چست کیا اور خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر سے
 عرض کیا کہ (حسن نے) نکمیں بات کہی۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ ان باتوں میں بہت ماہر ہیں۔
 اس لطیفے کے سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ خواجہ شمس الملک علیہ الرحمۃ والغفران
 کی خدمت میں کوئی شخص آ یا۔ اور کسی چیز کا سوال کیا۔ شمس الملک نے اس کو ٹالنے کے لیے
 کوئی جواب دیا۔ وہ سائل اسی طرح کھڑا رہا۔ شمس الملک نے کہا کہ جانتے کیوں نہیں؟ وہ بولا
 کہ جواب دینا چاہئے۔ شمس الملک کہنے لگے میں نے جواب دے دیا سائل بولا جواب دینا
 چاہئے۔ شمس الملک نے کہا اس سے زیادہ صاف اور واضح جواب اور کیا ہو سکتا ہے جو میں
 نے دیا ہے۔

نمک کے مقابلے میں شکر اور شکر کے ساتھ شکر کا استعمال اس وجہ سے ہوا ہے کہ شکر اور شکر ایک
 جیسی صورت رکھتے ہیں یعنی ان میں تجنیس خفلی ہے۔

چھٹی مجلس

اسی سال ماہ صفر کی انیسویں تاریخ پیر کو ہاتھ چومنے کے شرف تک رسائی ہوئی۔
 بندے نے عرض کی کہ اب کے اس طرف رشتے داروں سے ملنے کے لیے آنا ہوا تھا۔ بعض پیر
 بھائی یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی کسی اور کا اسے اس طرف آئے اور یہ نیت نہ ہو کہ مخدوم کی
 زیارت کروں گا تو اس کو مخدوم کے سامنے نہیں آنا چاہئے میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اگرچہ رسم یہی ہے
 لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ حضرت مخدوم کے دیدار کے بغیر ان حدود سے واپس چلا جاؤں۔ مجھے
 ایک بے رسمی کر لینی چاہیے دل میں یہ سوچا اور مخدوم کی غلامی میں حاضر ہو گیا۔ خواجہ
 ذکرہ اللہ بالجبر نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا۔ اس وقت یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے۔

در کوئے خرابات و سرائے اوباش منعی نمود بیا و بنشیں و بباش

خرابات کے کوچے اور محفل زنداں میں کوئی روک ٹوک نہیں آؤ بیٹھو۔ رہو!

اس کے بعد فرمایا کہ مشائخ کی ایک رسم ہے کہ کوئی اشراق سے پہلے اور عصر کی
 نماز کے بعد ان کے پاس نہیں جاتا لیکن میرے ہاں ایسا نہیں ہے۔ جس وقت بھی کوئی
 آنا چاہے کہہ دئے!

پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں اور جب واپس آتے
 ہیں تو روزانہ بس اسی کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور ہر جگہ اسی کے قصے سناتے ہیں
 یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں فلاں فلاں جگہ پیرا اور
 ایک بزرگ کو دیکھا ایک دوست نے اس سے کہا کہ اجی حضرت جہاں تم تھے وہاں سے تو نہیں
 پھرے؟ پھر کیا فائدہ؟ یعنی پہلے کی طرح اب بھی اسی غرور و تکبر میں مبتلا ہو۔

پھر خدمت اور رضا کا خیال رکھنے کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ جو خدمت کرتا ہے۔ مخدوم

ہو جاتا ہے۔ کوئی خدمت کئے بغیر مخدوم کیسے بن سکتا ہے؟ اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے۔ من خدمت خدم جس نے خدمت کی اس کی خدمت کی گئی۔

پھر حسن معاملہ کا ذکر نکلا ارشاد ہوا کہ کسی نے دس سنتوں (سنون چیزوں) کو تین میں سے پانچ سرے متعلق ہیں اور پانچ جسم سے نظم کیا ہے آخر میں یہ شعر کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

دہ سخن درد و بیت آوردی کارکن کار کیں ہمہ سخت
دو دس سخن دو شعروں میں لے آیا! عمل کر عمل کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔

سانویش مجلس

چہار شنبہ اسی سال ماہ جمادی الاول کی انیسویں تاریخ کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ شاید انہی دنوں کسی ملک (نواب شاہی وقتوں میں بڑے مرتبے کا امیر) نے دو باغوں اور بہت سی زمین اور اس سے متعلق اسباب و آلات کا قبالہ (ملکیت کا کاغذ) حضرت کی خدمت میں بھجوایا تھا اور اپنے اخلاص کا اظہار کیا تھا۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور اس بارے میں ارشاد ہوا کہ کیا میں باغ اور کھیتی اور زمین کا مالک بن کر رہ جاؤں؟ مسکرا کر فرمایا کہ اگر میں اس طرح کی چیزیں قبول کر لوں تو لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہ شیخ باغ میں جاتے ہیں اور شیخ کھیتی اور زمین کی سیر کو جاتے ہیں بھلا میرے کا کو ان چیزوں سے کیا مناسبت؟ (پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور بولے کہ ہمارے خواجگان اور ہمارے شاخچے اس سے کسی نے اس طرح نہیں کیا ہے (جائدادیں قبول نہیں فرمائیں)۔

لاہور ایڈیشن میں چہار شنبہ کا لفظ چھوٹ گیا ہے نو لکھو۔ ایڈیشن میں موجود ہے۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ جب سلطان ناصر الدین اتا اللہ برہانہ ملتان کی طرف گئے تو اچھوس
 ایک پٹن شریف) سے گزرے سلطان غیاث الدین (ملین ماس وقت الغ خاں کہلاتا تھا (وہ)
 شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ کچھ نقدی اور چار فرمان چارگانوں
 کی نذر کے، سامنے رکھے شیخ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے، الغ خاں نے کہا کہ یہ نقدی اور یہ چارگانوں کے فرمان
 حضور کی خدمت میں لایا ہوں۔ نقدی تو، حضور سے متعلق، درویشوں کے لیے ہے اور چارگانوں کے کاغذ
 حضور کے نام پر۔ شیخ الاسلام نے قسم فرمایا اور بولے کہ یہ نقدانہ تو مجھے دیدہ ہیں درویشوں کے ساتھ مل کر
 فریج کر لوں گا۔ مگر ان کاغذات و اٹھالو اور بے ہاؤ کر ان کے طلب کار بہت ہیں ان کو دے دو۔

اس حکایت کے دو ان ایک حدیث بیان فرمائی کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے نہیں داخل ہوتیں
 کسی گھر میں مکرزوت داخل ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث ایک خاص موقع پر بیان ہوئی ہے اور
 اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور اس گھر میں دو لکڑیاں پڑی ہوئی دیکھیں جن
 سے کھیت کرتے ہیں اور جوڑی بند کلتے ہیں جب ان کو دیکھا تو ارشاد ہوا کہ یہ گھر میں داخل نہیں ہوتیں بلکہ دولت داخل
 ہوتی ہے یعنی یہ لکڑیاں گھر میں لیا آتی ہیں خواری اس گھر میں آجاتی ہے،
 یہاں سے شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ انھوں
 نے ایک خط عربی میں شیخ بہار الدین ذکر یا رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر بھیجا تھا۔ میں نے اس کا ایک
 نسخہ دیکھا ہے اس میں ذکر کیا گیا ہے جو عورتوں کی سُرین کا دلدادہ ہوا۔ وہ کبھی فلاح نہیں
 پاسکتا۔ اور ضیوع کا ذکر بھی کیا ہے ضیوع کہتے ہیں زمین اور کھیتی اور دیہات اور اسی طرح کی

عربستان زراعت اور کھیتی کا ملک نہیں ہے۔ اور جو تھوڑی بہت کھیتی ہوتی تھی وہ بڑے بڑے زمینداروں اور
 سرداروں کے قبضے میں تھی۔ بل جلائے والا کسان بیچارہ دلیل تواریہ رہتا تھا۔ یہی بات حضور نے بیان فرمائی ہے کہ دوسرے
 پیشوں کی نسبت بل جلائے والا حیثیت دار رہتا ہے نہ سوسائٹی میں متا پاتا ہے ورنہ شریعت محمدی صلوٰۃ
 والسلام میں کھیتی باڑی ناجائز واپسندیدہ نہیں ہے (ترجمہ)

چیزوں کو الغرض عربی کا لفظ تو مجھے یاد نہیں رہا معنی یہ تھے کہ جس نے ضیعہ سے دل لگالیا وہ دنیا کا غلام ہو گیا یا اہل دنیا کا غلام ہو گیا۔ بندے نے شیخ جلال الدین نور اللہ مرقدہ کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کس کے مرید تھے؟ فرمایا کہ وہ شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھر اوراد کا ذکر نکلا حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ یہ حدیث کس طرح ہے۔ کہ صاحب الورد ملعون و تارک الورد ملعون۔ ورد کرنے والا ملعون ہے اور ورد چھوڑنے والا ملعون ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ حدیث ایک خواص شخص سے متعلق ہے جو اہل کتاب میں سے تھا۔ ہوا یہ کہ رسول علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی گئی فلاں یہودی یا مجوسی ورد بہت کرتا ہے اس (جاپ) کو ان کے ہاں تمخشا کہتے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ ایسا ورد کرنے والا ملعون ہے۔ یہ خبر اس اہل کتاب کو بھی پہنچ گئی۔ اس نے اوراد چھوڑ دیئے۔ پیغمبر علیہ السلام نے سنا تو فرمایا ورد چھوڑنے والا ملعون ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ حدیث عام ہے تاویل اس کی یہ کی جاتی ہے کہ اگر ایک شخص جان بوجھ کر ورد کرتا ہے اور بغیر کسی عذر کے وظیفہ چھوڑتا ہے تو ایسا کرنے والے کے بارے میں کہا جائے گا کہ ورد کو چھوڑنے والا ملعون ہے۔ اور اگر کوئی شخص بوشال کے طور پر قوم کا سردار کہ

یہاں سے شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ انہوں نے ایک خط عربی میں شیخ بہار الدین ذکر یا رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر بھیجا تھا۔ میں نے اس کا ایک نسخہ دیکھا ہے اس میں ذکر کیا گیا ہے جو عورتوں کی سُرین کا دلدادہ ہوا۔ وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتا۔ اور ضیعہ کا ذکر بھی کیا ہے ضیعہ کہتے ہیں زمین اور کھیتی اور دیہات اور اسی طرح کی چیزوں کو الغرض عربی کا لفظ تو مجھے یاد نہیں رہا معنی یہ تھے کہ جس نے ضیعہ سے دل لگالیا

وہ دنیا کا غلام ہو گیا یا اہل دنیا کا غلام ہو گیا۔ بندے نے شیخ جلال الدین نور اللہ رحمہ اللہ کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کس کے مرید تھے؟ فرمایا کہ وہ شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھر اوراد کا ذکر نکلا حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ یہ حدیث کس طرح ہے کہ صاحب الورد ملعون و تارک الورد ملعون۔ ورد کرنے والا ملعون ہے اور ورد چھوڑنے والا ملعون ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ حدیث ایک خواص شخص سے متعلق ہے جو اہل کتاب میں سے تھا۔ ہوا یہ کہ رسول علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی گئی فلاں یہودی یا مجوسی ورد بہت کرتا ہے اس (جاپ) کو ان کے ہاں تمہیں شاکت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ ایسا ورد کرنے والا ملعون ہے۔ یہ خبر اس اہل کتاب کو بھی پہنچ گئی۔ اس نے اوراد چھوڑ دیئے۔ پیغمبر علیہ السلام نے سنا تو فرمایا ورد چھوڑنے والا ملعون ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ حدیث عام ہے تاویل اس کی یہ کی جاتی ہے کہ اگر ایک شخص جان بوجھ کر ورد کو ترک کرتا ہے اور بغیر کسی عذر کے وظیفہ چھوڑ تلے تو ایسا کرنے والے کے بارے میں کہا جائے گا کہ ورد کو چھوڑنے والا ملعون ہے۔ اور اگر کوئی شخص ہوشاں کے طور پر قوم کا سردار کہ اس کے پاس لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہو اور مسلمانوں کے کام اس کے احکام کے تحت ہوں (اور) وہ بیٹھا وظیفہ پڑھتا رہے تو ایسے شخص کے بارے میں کہیں گے کہ ورد کرنے والا ملعون ہے۔ اس بارے میں بندے نے عرضداشت کی کہ اگر کسی کو بہت مصروفیت ہو جائے یا ایسا عذر پیش آئے کہ مقررہ ورد نہ کر سکے (وہ) رات کو اپنا وظیفہ پڑھ لے تو کیسا ہے؟ ارشاد ہوا کہ اچھا ہے اگر دن کا ورد ناغہ ہو جائے تو اسے رات کو پڑھ لینا چاہئے اور اگر رات کا ورد نہ ہو جائے

اس کو دن کے وقت بڑھ لینا چاہیے۔ رات دن کی خلیفہ رقام مقام ہے اور دن رات کا اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جو بھی ورد کو بے عذر چھوڑ دے گا وہ تین حال سے خالی نہیں رہے گا۔ یا تو اس کا رجحان حرام شہوت کی طرف ہوگا۔ یا بے موقع غصے کی طرف یا کسی بلا میں مبتلا ہوگا۔ اس معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ مولانا عزیز زاهد رحمۃ اللہ علیہ ایک روز گھوڑے پر سے گر گئے اور ان کا بازو اتر گیا۔ ان سے پوچھا گیا کیا حال ہے؟ بولے میں روزانہ سورہ یسین پڑھا کرتا ہوں۔ آج نہیں پڑھی تھی ماسی وجہ سے بھگت پڑا۔

آٹھویں مجلس

اسی سال، ماہ جمادی الآخر کی چوتھی تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی نظم اور غزل وغیرہ کو قبول کرنے کی کسی خاص بات سے متعلق سمجھنے کا ذکر آیا ارشاد ہوا کہ ہر ایک اس کو کسی خاص چیز پر محمول کرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز یہ شعر زبان مبارک پر لائے۔

نظامی ایہ کیا اصرار ہیں جو تم اپنے نہاں خانہ فکر سے ظاہر کر رہے ہو اس کو بھلا یہاں کون سمجھے گا، زبان بند رکھو زبان بند رکھو۔

قرآن مجید کی آیت ہے

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ۝ اَللّٰهُ وَہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا قائم مقام کیا

ہے، اُس کے لیے جو اللہ کو یاد کرے یا اُس کا شکر ادا کرے [الہ تبارک ۶۲]

ہر شخص اپنی ذاتی کیفیات اور موقع و محل کی مناسبت سے شعر و ایک خاص معنی دیتا ہے مثلاً یہ لوگ سناہد حق کا ذکر بارہ اساتذہ کے الفاظ میں کرتے ہیں اور کچھ حقیقت کے بیان کو بھی مجاز کا رنگ دے کر دیکھتے ہیں (مترجم)

اس دن کے زیادہ حصے میں یہ شعر پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا
افطار کے وقت بھی یہی شعر زبان مبارک پر تھا کہتے ہیں سحر کے وقت بھی یہی شعر پڑھتے
تھے۔ اور جب بھی پڑھتے تھے حالت متغیر ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد خواجہ ذکری اللہ
بالخیر نے فرمایا کہ معلوم نہیں خاطر مبارک میں کیا بات تھی اور کیا چیز یہ شعر پڑھوا
رہی تھی۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ بہار الدین زکریا جنت اللہ علیہ اپنے گھر کے اندر
ایک دروازے پر کھڑے تھے۔ ایک ہاتھ ایک کواڑ پر تھا۔ دوسرا ہاتھ دوسرے کواڑ پر
اور بار بار یہ دوسرے زبان مبارک پر لاتے تھے۔

اے منم تو ہمارے ہوتے کسی اور کا ہو گیا لیکن خدا جانتا ہے ہم نے کسی اور سے دل نہیں نکالا۔
اسکے بعد خواجہ ذکری اللہ بالخیر نے اپنی زبان گوہر بار سے فرمایا کہ معلوم نہیں ان کے خیال
میں کیا بات تھی اور وہ اس شعر کو کس پر محمول کر رہے تھے اور مقصد کیا تھا۔

پھر توکل کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ حق تعالیٰ پر اعتماد رکھنا چاہیے اور کسی اور کی طرف نظر
رامید نہیں لگانی چاہیے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ سی کا ایمان اس
وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ ساری مخلوق کو اونٹ کی مینگنی جیسا (بیچ) نہ سمجھے
اس کے بعد اسی ضمن میں یہ حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک دفعہ ابراہیم خواص
کعبے کے سفر کو نکلے تو ایک لڑکا بھی ساتھ لگ گیا۔ ابراہیم نے اس سے مخاطب ہو کر پوچھا
کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ بولا کعبے کی زیارت کے لیے! ابراہیم نے کہا (سفر خرچ) تو شہ اور
سواری کہاں ہے؟ بولا خدا عزوجل بندے کو بے اسباب زندہ (و قائم رکھتا ہے۔ تو زاد سفر
اور سواری کے بغیر مجھے کبے تک پہنچا بھی سکتا ہے۔ قصہ مختصر جب ابراہیم خواص کعبے پہنچے تو اس

لڑکے کو دیکھا کہ ان سے پہلے پہنچا ہوا ہے اور کعبے کا طواف کر رہا ہے جب اس کی نظر ابراہیم پر پڑی تو کہنے لگا اے کمزور یقین رکھنے والے تو نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا اس سے توبہ کی؟ اسی سلسلے میں ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی کفن چور خواجہ بایزید بٹائی کی خدمت میں آیا اور اس کام سے توبہ کی۔ خواجہ بایزید نے اس سے پوچھا کہ تو نے کتنے مُردوں کے کفن کھسوٹے؟ اس شخص نے کہا کہ ایک ہزار آدمیوں کے! بایزید نے پوچھا کہ ان میں سے کتنوں کو ایسا پایا کہ جن کے چہرے قبلے کی طرف تھے؟ بولا کہ (صرف) دو شخصوں کے چہرے قبلے کی طرف پائے باقی سب کے چہرے قبلے سے پھرے ہوئے دیکھے۔ حاضرین نے خواجہ بایزید سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ (صرف) دو کا رخ قبلے کی طرف تھا اور اتنے لوگوں کا (سنا پھرا ہوا؟ فرمایا کہ ان دو اشخاص کا اعتماد حق (تعالیٰ) پر تھا دوسروں کا نہیں تھا!

اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالجبر نے ارشاد کیا کہ مشائخ نے رزق کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ رزق مضمون اور رزق مقسوم اور رزق مملوک اور رزق موعود۔ رزق مضمون تو وہ ہے جو آدمی کو کھانے اور پینے کی چیزوں کی صورت میں جو اس کے لیے کافی ہوں ملتا ہے اس کو رزق مضمون کہتے ہیں۔ یعنی ران کا (خدا صفا من ہے۔ ترجمہ آیت) اور زمین میں کوئی رینگنے والا ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔ رزق مقسوم وہ ہے جو ازل میں مقدر کر دیا گیا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا۔ رزق مملوک وہ ہے جس کا ذخیرہ ہوتا ہے روپے (پیسے) پکڑے اور دوسرے سامان کی صورت میں۔ رزق موعود وہ ہے جس کا وعدہ حق تعالیٰ نے عبادت گزاروں اور اپنے صالح بندوں سے کر رکھا ہے (ترجمہ آیت) اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے (دینے کے) ذریعے بناتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کو خیال بھی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ توکل

رزق مضمون میں ہوتا ہے دوسری قسم کے رزق میں نہیں ہوتا۔ کیوں کہ جو کچھ مقسوم ہے اس میں توکل کیا کرے گا اور جو مملوک (ملکیت) ہے اس میں بھی توکل کا دخل نہیں اور جو موعود جس کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں بھی توکل نہیں ہے۔ کیوں کہ جس کا وعدہ کر لیا گیا وہ تو سنبھلے ہی گا۔ توکل رزق مضمون میں ہے۔ یعنی یہ یقین رکھے کہ جو کچھ میرے لیے کافی ہو پہنچ کر رہے گا اس پر توکل کرے۔

نوبین مجلس

اسی سال ماہ جمادی الاول کی انیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی نماز جماعت کی فضیلت کا ذکر نکلا بندے کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور پوچھا کہ پابندی سے باجماعت نماز پڑھتے ہو؟ بندے نے عرض کی کہ میرے گھر کے قریب مسجد موجود ہے۔ لیکن جس جگہ ہم لوگ رہتے ہیں اگر وہاں سے غیر حاضر ہو جائیں تو کوئی نہیں ہوتا جو وہاں رکھے ہوئے کاغذ کتاب کی نگرانی رکھے۔ گھر ہی میں جماعت سے ادا کر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ جماعت سے ادا کرنا تو ٹھیک ہے۔ لیکن افضل یہی ہے کہ مسجد میں پڑھیں۔

۱۰ اس کے بعد فرمایا کہ اس سے پہلے سابق انبیاء کے زمانے میں مسجد کے سوا اور کہیں نماز بہائز نہیں تھی۔ ہمارے رسول علیہ السلام کے عہد میں یہ میسر آیا کہ ہر جگہ ادا کر سکتے ہیں۔ نیز اگلے لوگوں کے لیے زکوٰۃ مال کا چوتھائی حصہ ہوتی تھی۔ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے عہد میں دوسو درہم پر پانچ درہم ہوئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دوسو درہم میں سے جو پانچ درہم دیتے ہیں تو بس یہ ہوتا ہے کہ

ع۔ حضرت امیر حسن فوج میں ملازم تھے۔ غالباً اپنا دفتر کا گھر پر کرتے ہوں گے اور راز کے فوجی کاغذات اور رجسٹر وغیرہ ان کی تحویل میں رہتے ہوں گے جن کو اتنی اہمیت دی گئی۔ ورنہ اسباب خانہ کا ذکر کرنے کا کوئی محاذ نہیں ہے۔ (مترجم)

دینے والے کو بخیل نہیں کہتے۔ لفظ بخیل سے اسے نجات مل جاتی ہے۔ لیکن سخی بھی نہیں کہتے۔ سخی اسے کہتے ہیں جو مقررہ زکوٰۃ سے کچھ زیادہ دے۔ بندے نے اس درمیان عرض کی کہ یہ حدیث کیسی ہے کہ (ترجمہ) سخی اللہ کا دوست ہوتا ہے چاہے فاسق ہی کیوں نہ ہو؟ فرمایا کہ کہتے تو ہیں حاضرین میں کسی نے کہا کہ چالیس حدیثوں (کے مجموعے) میں یہ حدیث بھی درج کی گئی ہے۔ خواجہ ذکریا اللہ البزنی نے فرمایا کہ جو کچھ صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے اس کے بعد سخی اور جواد کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ سخی وہ ہوتا ہے جو زکوٰۃ سے کچھ زیادہ دیتا ہے۔ لیکن جواد وہ ہے جو بہت دے۔ مثلاً دو سو درم میں سے پانچ درم پاس رکھے اور باقی دے ڈالے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ تین طرح کی ہے زکوٰۃ شریعت ہے۔ اور زکوٰۃ طریقت ہے۔ اور زکوٰۃ حقیقت ہے۔ زکوٰۃ شریعت تو یہ ہے کہ دو سو درم میں سے پانچ درم دیدیں اور زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو درم میں پانچ درم رکھیں باقی دیدیں اور زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ سب دے ڈالیں اور کچھ پاس نہ رکھیں !

زکوٰۃ کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے علماء سے کہا کرتے تھے یا علماء السوء! دو زکوٰۃ العلم! اے بُرے عالمو! اپنے علم کی زکوٰۃ دیا کرو۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ بولے کہ جو دو سو سئلے (تم نے) یاد کئے ہیں ان میں سے پانچ مسئلوں پر عمل (بھی) کرو۔ اور جو دو سو حدیثیں آتی ہیں ان میں سے پانچ کو معمول (بھی) بناؤ !

۲۔ حدیثوں کو جمع کرنے اور ان کی تحقیق ترتیب اور ترویج کا کام بہت سے بزرگوں نے کیا ہے۔ ان میں سے چھ بزرگوں کی کتابیں بہت معتبر سمجھی جاتی ہیں اور انہیں صحاح ستہ یعنی چھ صحیح کتابیں کہا جاتا ہے ان چھ میں سے بھی بخاری اور مسلم کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور زیادہ مستند سمجھا جاتا ہے اور انہیں صحیحین یعنی دو صحیح ترین کتابیں کہتے ہیں اور جو حدیث ان دونوں کتابوں میں یکساں آئے وہ متفق علیہ کہلاتی ہے (مترجم)

اس کے بعد حدیث کی مناسبت سے مولانا رضی اللہ عنہ صفائی رحمۃ اللہ علیہ صاحب
 مشارق اور ان کی فضیلت اور اس بات کا ذکر نکلا جو انھوں نے اپنی کتاب میں لکھی
 ہے کہ یہ کتاب میرے اور خدا کے درمیان حجت ہے جب ان کو کسی حدیث کے بارے
 میں شک پیش آتی تو ہوں علیہ السلام کو خواب میں دیکھ لیتے اور تصحیح کر لیتے اس کے بعد
 فرمایا کہ وہ بدایوں کے تھے اس کے بعد کول (موجودہ علی گڑھ) میں آ گئے اور مشرف کے
 نائب ہو گئے جس مشرف سے وہ متعلق تھے وہ بھی قابل آدمی تھا لڑا ایک روز اس مشرف
 نے کوئی ایسی بات کہی کہ مولانا رضی اللہ عنہ مسکرا دیے۔ مشرف نے دوات ان کی طرف
 پہنچ ماری مگر وہ بچ گئے اور ان کے نہیں لگی جب انھوں نے یہ معاملہ دیکھا تو اپنی جگہ
 سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے کہ مجھے پہلے ہی سے چاہئے تھا کہ جاہلوں کے ساتھ اٹھنا
 بیٹھنا نہ رکھوں۔ اس کے بعد پھر مزید علم حاصل کرنے میں لگ گئے۔ کول کے حاکم کے لڑکے
 کو تعلیم دیتے اور سوتک (ایک سکہ) پاتے۔ اسی پر قناعت کرتے وہاں سے تاج کو
 گئے اور بغداد آئے اور پھر راجدھانی دہلی پہنچے۔ اس زمانے میں راجدھانی دہلی میں بڑے
 بڑے علماء تھے ان سب سے وہ علمی برابری رکھتے تھے لیکن علم حدیث میں سب سے
 ممتاز تھے اور کوئی ان کے مد مقابل نہ تھا۔ اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالجیر نے زبان
 مبارک سے ارشاد فرمایا کہ ان کا اکام صرف ایک حدیث ہی سے بن گیا اور ہوا یہ کہ جب
 انھوں نے کول (علی گڑھ) سے حج کا ارادہ کیا تو جوتیاں خرید کر پیر میں پہنیں۔ جب ایک
 منزل طے ہوئی تو تھک گئے اور خیال کیا کہ پیدل نہیں جاسکیں گے اسی تردد میں فحہ کہ
 والی کول کا لڑکا دگھوڑے پر سوار دوڑتا ہوا آیا تاکہ انھیں واپس لے جائے۔ جب

ع مشارق الانوار احادیث کا مجموعہ ہے۔

ع مشرف ایک عہدے دار ہوتا تھا۔ صدر محرر ایچیف رپورٹر۔

وہاں پہنچا تو مولانا کی نظر اس پر پڑی کہ عمدہ گھوڑے پر سوار چلا آتا ہے۔ دل میں خیال کیا کہ اگر یہ گھوڑا مجھے دیدے تو میں آرام سے جاسکتا ہوں۔ اسی فکر میں تھے کہ والی کا لڑکا آگیا اور مولانا کو واپس لے جانے کے لیے بڑی منت سماجت کی۔ مولانا واپس نہیں گئے۔ جب والی کے لڑکے نے دیکھا کہ مولانا واپس جانے والے نہیں ہیں تو بولا کہ اچھا یہ گھوڑا جس پر سوار ہو کر میں آیا ہوں قبول فرمائیے مولانا نے گھوڑا لے لیا اور روانہ ہو گئے۔

الغرض جب حج کو گئے اور وہاں سے بغداد آئے تو بغداد میں ایک محدث عالم بڑے بزرگ تھے ان کو ابن زہری کہتے تھے۔ ان کے لیے ایک منبر تیار کیا گیا تھا جس پر بیٹھ کر وہ حدیث بیان کرتے اور علماء ان کی مجلس میں حاضر ہوتے اور ان کے اطراف حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اس طرح کے کئی حلقے بن جاتے۔ جو علماء زیادہ اہل ہوتے وہ ان کے سامنے بیٹھتے اور جوان سے کم تر ہوتے وہ دوسرے حلقے میں بیٹھتے اور باقی لوگ پیچھے کے حلقوں میں اسی طرح آگے پیچھے قطاروں میں نشست ہوتی۔ وہ حدیث شریف لکھواتے اور یہ علماء لوگ اسے لکھتے ایک روز مولانا رضی الدین بھی اس مجمع میں پہنچ گئے اور اس حلقہ میں جو سب سے دور تھا بیٹھ گئے ابن زہری نے ایک حدیث بیان کی مؤذن کے ساتھ (اذان میں) موافقت کرنے کے سلسلے میں یعنی جب مؤذن (اذان) پکارے تو سننے والے کو چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح کہے (اذان کے کلمے کو دہرائے) انھوں نے حدیث کا آغاز اس لفظ سے کیا کہ اذا سکت مؤذن۔ سکوب پانی بہانے کو کہتے ہیں۔ یعنی جب مؤذن کا کلمہ تم سنو تو تم بھی وہی کہو جو اس نے کہا ہے جب ابن زہری نے یہ حدیث بیان کی تو مولانا رضی الدین نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے آہستہ سے لوگوں کو بتایا کہ اِنِّ اَسْكُتُ مؤذن (جب مؤذن خاموش ہو جائے) یعنی جب مؤذن کوئی کلمہ کہے چلے اور خاموش ہو جائے تو اس نے جو کچھ کہا ہے۔ اس کی موافقت کرو۔ اس کو دہراؤ شاید

یہ بات کسی نے سن کر دوسرے سے کہی اس نے کسی اور کو بتائی اس نے کسی اور سے کہا یہاں تک کہ یہ بات ابن زہری کے کان تک بھی پہنچ گئی۔ انھوں نے آواز دی کہ یہ بات پہننے والا کون تھا؟ مولانا رضی الدین بولے کہ میں نے کہی ہے اس کے بعد ابن زہری نے کہا کہ دونوں باتیں بامعنی ہیں اب میں کتاب میں دیکھوں گا جب اس مجلس سے اٹھے تو کتابوں میں وہ بارہ دیکھا گیا۔ دونوں باتیں ساتھ ساتھ لکھی ہوئی تھیں۔ اور ان اسکت کو زیادہ صحیح (لکھا تھا) یہ غمہ خلیفہ کو بھیجی مولانا رضی الدین کو سامنے لے گئے خلیفہ نے ان کا اعزاز کیا اور ان کے سامنے کچھ پڑھا۔

القصد: ہاں سے دہلی آئے۔ شاید جس وقت وہ بدایوں میں تھے۔ وہاں ان کے ایک استاد تھے بڑے بزرگ اور صاحب ولایت۔ ان کے پاس ایک کتاب حدیث ترمذی کی تھی جس کا نام ملخص تھا۔ اور مولانا رضی الدین نے ان سے وہ نسخہ مانگا تھا اور انھوں نے دینے میں تامل کیا تھا جب مولانا علوم و معانی سے مالا مال ہو کر دہلی آئے تو شاید کسی سے کہا کہ ایک وہ وقت تھا کہ میرے استاد نے ملخص دینے سے دریغ کیا تھا اور اب اس کتاب کے مؤلف جیسے سو آدمی میرے سامنے کچھ پڑھ سکتے ہیں کسی نے یہ بات ان کے استاد تک بھی پہنچا دی۔ وہ بولے کہ معلوم ہوتا اس کا حج قبول نہیں ہوا اگر اس کا حج قبول ہو جاتا تو ایسی بات نہ کہتا خواجہ ذکرہ اللہ بالجہرنے یہ بات بیان فرمائی اور ابن بزرگ کے صدق اعتقاد پر آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

کسی بڑے محدث کو حدیث شریف شاگردی کی صحت اور اپنی شاگردی کی گویا سند حاصل کی جاتی ہے مثلاً حضرت خواجہ حسن نظامی حضرت مولانا ندیم حسین محدث دہلوی کے باقاعدہ شاگرد نہیں تھے۔ لیکن فرم کرتے تھے کہ میں نے ان کو ایک حدیث شاگردی کا سند حاصل کی ہے۔ (مترجم)

اس کے بعد کھانا سامنے لایا گیا۔ فرمایا سرید بنا لو روٹی غور بے میں چوروں اس وقت یہ حکایت بیان فرمائی ایک دفعہ درویشوں کی ایک جماعت شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہم کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ کھایا لایا گیا تو شیخ ہر ایک کے ساتھ ہم پیالہ ہوئے اس درمیان دیکھا کہ ایک شخص روٹی شور بے میں چور کر کھا رہا ہے۔ بولے سبحان اللہ ان درویشوں میں ہی درویش کھانا کھانا جانتا ہے اس کے بعد خواجہ ذکیرہ اللہ بالجبر نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سرید کو دو سرے کھانوں پر ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جو مجھے تمام پیغمبروں پر اور عائشہؓ کو تمام عورتوں پر واللہ اعلم۔

دسویں مجلس

اسی سال رجب کی چودھویں تاریخ اتوار کو ہاتھ چومنے کی سعادت تک رسائی ہوئی جماعت کی نماز کا ذکر نکلا۔ اس بارے میں بہت غلو فرمایا کہ اگر دو آدمی ہوں تو ان کو بھی جماعت کرنی چاہیے۔ اگرچہ دو آدمیوں سے جماعت نہیں بنتی لیکن ثواب جماعت کامل جانتا ہے ان دونوں آدمیوں کو چاہیے کہ برابر برابر کھڑے ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام چاہتے تھے کہ نماز ادا فرمائیں اور عبد اللہ ابن عباسؓ کے علاوہ اور کوئی شخص موجود نہ تھا۔ انہی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ جب رسول علیہ السلام نے (اول تکبیر کہہ کر) نیت باندھی تو عبد اللہ اپنی جگہ سے کسی قدر پیچھے ہٹ گئے۔ مصطفیٰ علیہ السلام نے نماز توڑی اور ان کا ہاتھ پکڑا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا اور نماز شروع فرمائی۔ عبد اللہؓ پھر اپنی جگہ سے تھوڑے سے پیچھے چلے گئے۔ چنانچہ ایک دو بار انہوں نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد حضرت رسالتؐ نے فرمایا کہ پیچھے کیوں چلے جاتے ہو؟ عبد اللہ ابن عباسؓ بولے کہ (بھلا) میری کیا مجال کہ رب العالمین کے رسولؐ کی برابر

کھڑا ہوں۔ رسول علیہ السلام کو ان کا حسن ادب پسند آیا۔ ان کے بارے میں دعا کی اور فرمایا اَللّٰہُمَّ
 فَقَدْ فِی الدِّیْنِ اِلَیْہِ اللّٰہِ دِیْنٌ کِی تَعْبُدُ عَطَا فَرَمَا اِس کے بعد خواجہ ذکرة اللہ بالجہز نے زبان
 مبارک سے ارشاد فرمایا کہ صحابہ میں امیر المؤمنین علیؑ کے بعد رب سے بڑے افضیہ وہی تھے رضی اللہ عنہما۔
 اس کے بعد ان عہد کی مناسبت سے فرمایا کہ یمن عبد اللہ دناہی حضرات ؑ، باب اللہ
 ثلثہ کہلاتے ہیں عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عمرؓ اس کے بعد عبد اللہ
 بن مسعود کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ ابتدائی زمانے میں گلہ بانی کرتے تھے۔ ایک دفعہ
 رسول علیہ السلام اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے جہاں یہ
 بھیڑیں چہرے تھے جب رسول علیہ السلام ان کے پاس پہنچے تو ان سے تھوڑا سا دودھ طلب
 فرمایا یہ بولے کہ میں تو امین ہوں دودھ کیسے دوں؟ ابو بکر صدیق بولے یہ حضرت
 رسالت میں اور میں ان کا صحابی ہوں اگر کسی بھیڑ کا تھوڑا سا دودھ دودھ کر دے دودھ بیا
 ہو جائے گا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں تو امانت دار ہوں مجھے دودھ دینے کی اہمیت
 نہیں ہے۔ میں کیا کروں؟ اس کے بعد رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک ایسی بھیڑ لاؤ جس پر نہ
 نہ بیٹھا ہو عبد اللہ نے یہی کیا کہ ایک ایسی بھیڑ لے آئے جس پر نہ بیٹھا ہو (نہیں بیٹھا ہوا)
 رسول علیہ السلام نے دست مبارک اس کی پشت پر رکھا اور اس بھیڑ میں دودھ پیا،
 ہو گیا اور دودھ دودھ لیا گیا۔ اس کے بعد حضرت رسالتؐ نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ آؤ
 ہماری صحبت میں رہو خواجہ ذکرة اللہ بالجہز نے زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ عبد اللہ بن مسعودؓ چوٹے قد کے تھے
 چنانچہ پیغمبر علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا کہ (یہ) کِنِیْفَةُ الْعِلْمِ یعنی خریطہ علم، علم کی
 تعبیل ہے اس سے پتہ چلا کہ وہ چھوٹے قد کے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ چھوٹی تعبیل جو
 درویش سا کرتے ہیں اور اُسے کِنِفَ کہتے ہیں یہ غلط ہے یہ لفظ کِنِفَ نہیں ہے کِنِیْفَ
 ہے۔ اسی لیے حضرت رسالتؐ نے عبد اللہ بن مسعودؓ کو کِنِیْفَةُ الْعِلْمِ فرمایا تھا۔

اسی بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص رئیس نامی تھے وہ شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت تھے۔ ان رئیس (صاحب) نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک قبہ (گنبد) ہے اور اس کے اطراف لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور ایک چھوٹے قد کے آدمی کو دیکھا کہ بار بار قبہ کے اندر جاتا ہے۔ یہ باہر آتا ہے اور خلقت اسے پیغامات دیتی ہے اور وہ جواب لے کر باہر آتا ہے۔ یہ رئیس صاحب کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اس قبہ میں کون ہے؟ اور یہ چھوٹے قد کا آدمی جو اس کے اندر آتا جاتا ہے کون ہے؟ بتایا گیا کہ قبہ کے اندر رسول ﷺ ہیں اور یہ صاحب عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو رکبھی باہر آتے ہیں اور (کئی) خلقت کے پیغام اندر لے جا کر جواب لاتے ہیں رئیس کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے قریب گیا اور گزارش کی کہ رسولؐ علیہ وسلم سے عرض فرمائیے کہ مجھے آپ کے دیدار کی تمنا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اندر گئے اور باہر آ کر مجھ سے کہا کہ رسول خدا فرماتے ہیں تجھ میں ابھی تک وہ اہلیت پیدا نہیں ہوئی ہے کہ مجھے دیکھ سکے۔ البتہ جاؤ اور میرا سلام بختیار کا کیٹھ کو پہنچاؤ اور کہو کہ ہر رات کو جو درد کا تحفہ مجھے بھیجا کرتے تھے وہ پہنچتا تھا (لیکن تین رات سے نہیں پہنچا ہے۔ کیا رکاوٹ ہوئی خیر تو ہے؟ یہ رئیس کہتے ہیں کہ میں بیدار ہوا اور شیخ الاسلام قطب الدین نور اللہ مصلحہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضرت رسالتؐ نے آپ کو سلام کہلویا ہے شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے جب سلام سنا تو تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور پوچھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ میں نے عرض کی کہ یہ فرمایا ہے کہ وہ تحفہ جو آپ ہر رات کو مجھے بھیجا کرتے تھے۔ وہ پہنچتا تھا۔ مگر تین راتیں ہو گئیں کہ نہیں آیا۔ کیا روکاٹ ہوئی خیریت تو ہے؟ شیخ قطب الدین نے اسی وقت ان خاتون کو جنہیں زوجیت میں لیا تھا سامنے بلوایا اور ان کا مہرا بھین پیش کر کے رخصت

فرمایا اور واقعہ یہ ہوا تھا کہ شیخ نے مین راتیں حق زوجیت کی ادائیگی میں گزاری تھیں اور وہ درود کا تحفہ حضرت رسالت کی خدمت میں پیش نہ کیا تھا۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ شیخ قطب الدین طاب ثراہ ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھتے پھر سوتے۔

شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کی بزرگی کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ بہار الدین اور شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ملتان میں تھے۔ کافروں کا ایک لشکر منارہ ملتان کے نیچے تک پہنچ گیا۔ قباچہ ملتان کا حاکم تھا۔ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک رات کو ایک تیر قباچہ کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ تیر آنکھ بند کر کے کافروں کے لشکر کی طرف چلا دو۔ قباچہ نے ایسا ہی کیا۔ جب دن نکلا تو ایک بھی کافر موجود نہ تھا۔ سب چلے گئے تھے !

گیارہویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی چوبیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کے شرف ایک رسائی ہوئی۔ تفسیر کشاف کا ذکر کلا فرمایا کہ الحمد کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حسن بصری کی قرأت الحمد للہ ہے۔ وال کے زیر سے۔ اور وال کے زیر کی وجہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا لام متصل ہے اور اس لام کی حرکت مبنی ہے۔ لیکن ابراہیم کی قرأت الحمد للہ ہے وال پر پیش اور لام پر بھی پیش۔ یہ ابراہیم نخعی کی قرأت ہے یا کسی اور کی۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ بہر حال کشاف لکھنے والے کا کہنا یہ ہے۔ حسن بصری کی قرأت سے ابراہیم کی قرأت

۱۔ کافروں سے منگولوں کا شکر مراد ہے۔ (متروک)

بہتر ہے۔ کیوں کہ حسن بصریؒ کے لام کی وجہ سے دال کی زیر رکھتے ہیں یعنی اللہ کے لام کی زیر مبنی ہے۔ الحمد کی دال پر بھی زیر ہونا چاہیے۔ لیکن ابراہیم الحمد للہ کے دال پر پیش ہونے اور اللہ کے لام کے اس سے متصل ہونے کی وجہ سے لام پر بھی پیش لگاتے ہیں۔ کیونکہ الحمد کی دال کی حرکت ایک عامل کی وجہ سے ہے اور وہ اعراب جسے کوئی عامل بدل دے وہ مبنی کے اعراب سے قوی ہوتا ہے خواجہ ذکریہ اللہ بالجہ نے یہ تشریح بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ میں نے اس سے ایک نتیجہ نکالا ہے اور وہ یہ ہے کہ الحمد کی دال ایسے شخص کی مانند ہے جس کا کوئی پیر ہو اور وہ اس سے کہے کہ اس طرح رہو اور اس طرح رہو اور اللہ کا لام اسی شخص کی مانند ہے کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو اور وہ جیسا ہے ویسا ہی رہے۔

اس تفسیر کے سلسلے میں صاحب تفسیر کا اور ان کے عقیدے کا ذکر نکلا خواجہ ذکریہ اللہ بالجہ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ افسوس کہ اتنے علوم رکھنے کے باوجود وہ باطل عقیدہ رکھتا تھا۔ اس موقع پر فرمایا کہ کفر ہے اور بدعت ہے اور معصیت ہے لیکن بدعت معصیت (گناہ) سے بڑی ہوتی ہے۔ اور کفر بدعت سے بڑا ہوتا ہے اور بدعت کفر کے نزدیک ہوتی ہے۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ میں نے مولانا صدر الدین قونیوی سے سنا ہے وہ کہتے تھے ایک دفعہ میں مولانا نجم الدین سنائی کے پاس تھا۔ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کس شغل میں رہے ہو؟ میں نے کہا مطالعہ تفسیر میں۔ پوچھا کونسی تفسیر میں نے کہا کشاف اور ایجاز اور عمدہ۔ مولانا نجم الدین نے کہا کہ کشاف اور ایجاز کو تو جلا دو بس عمدہ کو پڑھو۔ مولانا صدر الدین کہتے تھے کہ مجھے یہ بات ناگوار ہوئی اور میں نے ان سے کہا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ بولے شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے مولانا صدر الدین کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات بھی ناگوار گزری رات کو یہ تینوں کتابیں چراغ

کے سامنے پڑھ رہا تھا۔ ایجاز اور کشف کو میں نے نیچے رکھ دیا تھا اور عمدہ ان دونوں کتابوں کے اوپر تھی۔

اسی درمیان میں سو گیا یکا یک شعلہ بھڑکا۔ میں بیدا ہو گیا کشف اور ایجاز دونوں جو نیچے رکھی تھیں جل گئیں تھیں اور عمدہ سلامت رہ گئی تھی

دوسری حکایت بیان فرمائی کہ شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ چاہا کہ نحو مفصل پڑھیں۔ اپنے والد کے سامنے عرضداشت کی۔ شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج کی رات صبر کرو اور ذرا رات گزر جانے دو جب رات ہوئی تو خواب میں دیکھا کہ کسی کوز بخیر میں جکڑے کھینچ کر لے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہے؟ کہا یہ زعفرانی مفصل لکھنے والا ہے۔ اس کو دوزخ میں لے جا رہے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے

بارہویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک شعبان (اللہ تعالیٰ اس کی برکتوں کو عطا کرے) کی ساتویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ حاضرین میں سے کسی شخص نے بیان کیا کہ میں ایک دفعہ سفر کرتا ہوا اس سرزمین میں پہنچا جہاں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے یہ قبر بہت اونچی اور بڑی اور لمبی ہے۔ اور اس علاقے میں ایسی قوم آباد ہے جو ہماری زبان نہیں سمجھتی اور نہ ہم ان کی زبان سمجھتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہم کسی روز کے بھوکے وہاں پہنچے ان لوگوں نے کاجی کی طرح جوار کی کوئی چیز پکائی اور اس پر دودھ ڈالا۔ ہم بھوکے تو تھے (میں) بڑی رغبت سے کھایا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالغیر

۱۔ کاجی دیسے یا حریرے کی طرح کا کھانا۔

نے فرمایا کہ ایسے علاقے میں اس طرح کی قوم سے ایسی انسانیت رکا برتاؤ، بڑی بات ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے والا تھوڑا سا گاجر کا حلوہ بھی لایا تھا اس کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے مولانا عزیز زاہد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں اور مولانا برہان الدین کابلی جو راجدھانی دہلی کے قاضی کے نائب تھے ابتدائی زمانے میں ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا برہان الدین کو دوسو روپے کے سکے ہاتھ آئے۔ ان دو سکوں میں سے ایک سکے کا قرآن مجید لے لوں گا اس نیت سے کہ میں صاحب نصاب یعنی مالدار ہو جاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا (اور) ایک سکے کا قرآن مجید لے لیا شاید اسی روز ان کا سپہ سالار جمال الدین نیشاپوری کے پاس جانا ہوا جو راجدھانی دہلی کے کو توال تھے کھانا سامنے رکھا گیا تو اس میں گاجر کا حلوہ بھی تھا۔ کو توال نے یہ حلوہ مولانا برہان الدین کے سامنے رکھا اور پوچھا کہ اس کو کس طرح کھاتے ہیں؟ مولانا برہان الدین نے کہا کہ طالب علم سوکھی روٹی اس طرح کھاتے ہیں جیسے گاجر کا حلوہ (ہو) پس اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ گاجر کے حلوے کو کس طرح کھائیں گے۔ کو توال کو یہ بات بہت اچھی لگی اور وہ بہت متاثر ہوا۔ کسی کو اشارہ کیا اور بیس یا تیس تینکے (سکے) لائے گئے اور مولانا برہان الدین کو دے دیئے۔ عرض یہ کہ مولانا کے پاس اس کے بعد مال اور نعمت خوب ہو گئے اور راجدھانی دہلی کے قاضی (جج) کی نیابت مل گئی اور بڑا فائدہ ہوا۔ یعنی ان کی نیت صادق تھی اس لیے پھل بھی پائے

نیرھوین مجلس

اسی سال ماہ رمضان کی آخری تاریخ (چاند رات) جمعے کو قدم بوسی کی دولت

لے بارھوین مجلس کی تاریخ ۷ شعبان تھی۔ شعبان کا چاند ۳۰ کا مانا جائے تو رمضان کی پہلی جمعرات

کی ہوئی اور رمضان کی ۳۰ جمعے کو۔ مترجم

حاصل ہوئی۔ عدل اور ظلم کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ حق (تعالیٰ) کا معاملہ مخلوق کے ساتھ دو طرح کا ہے اور مخلوق کا معاملہ آپس میں تین طرح کا ہے۔ اور حق تعالیٰ کا برتاؤ مخلوق کے ساتھ یا عدل کا ہوتا ہے یا فضل کا۔ لیکن مخلوق آپس میں یا عدل برتتی ہے یا فضل یا ظلم۔ اگر مخلوق ایک دوسرے کے ساتھ عدل یا فضل کرتی ہے تو حق تعالیٰ ان پر فضل فرماتا ہے اور اگر مخلوق ایک دوسرے پر ظلم کرتی ہے تو حق تعالیٰ ان سے عدل فرماتا ہے اور جس سے خدا تعالیٰ عدل فرماتا ہے اس کو عذاب میں ماخوذ کرتا ہے چاہے وہ پیغمبر وقت ہی (کیوں) نہ ہو۔ اس بات پر بندے نے عرض کی کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کل قیامت کے دن حق تعالیٰ مجھے اور بھائی عیسیٰ کو دوزخ میں لیجائے تو یہ (عین) عدل ہوگا۔ فرمایا کہ ہاں! سارا عالم اس کی ملکیت ہے۔ اگر کوئی اپنی ملکیت میں تصرف کرتا ہے تو اس کو ظلم نہیں کہہ سکتے۔ ظلم تو وہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی ملکیت میں تصرف کیا جائے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اشعریہ مذہب میں بھی یہی ہے کہ اگر حق تعالیٰ مومن کو دوزخ میں لیجائے اور ہمیشہ وہاں رکھے اور کسی کافر کو جنت میں لیجائے اور وہاں ہمیشہ رکھے۔ تو وہ اس اصول کے مطابق (درست) ہوگا کہ اپنی ملکیت میں تصرف کیا مگر ہمارے مذہب میں ایسا نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ کہو کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں (جانتے ہیں) دانائیں، اور وہ لوگ جو نادان نا سمجھ ہیں، علم نہیں رکھتے کہو کیا برابر ہو سکتے ہیں اندھے اور آنکھوں والے۔ وہ غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟ کیوں کہ نادان دانائے کے برابر نہیں ہو سکتے اور نابینا آنکھوں والے جیسے نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح کی چند مثالیں دی گئی ہیں۔ لہذا اس کی حکمت کا

تقاضا یہی ہے کہ مومن کو بہشت میں لیجا کر رکھے اور کافر کو دوزخ میں کیونکہ وہ حکیم ہے اور تمام اکا حکمت کے مطابق کرتا ہے جیسے کسی کے پاس مال ہو وہ جس طرح چاہتا ہے اسے خرچ کرتا ہے۔ لیکن وہ اپنے مال کو اگر کنویں میں لیجا کر ڈال دے تو یہ حکمت نہ ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر مومن بے توبہ دنیا سے چلا جائے تو تین طرح کا احتمال ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اسے ایمان کی برکت سے بخش دے یا اپنے فضل سے بخش دے یا کسی کی شفاعت سے بخش دے اور اگر دوزخ میں لیجائے تو اس کے گناہ کی مقدار کے موافق اس کو عذاب دے اور پھر جنت میں لیجائے۔ لیکن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھے گا کیوں کہ وہ ایمان کے ساتھ گیا ہوگا۔

۱۴۔ جو دھوپیں مجلس

اسی سال ماہ مبارک شوال کی بارہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی اس دن بندہ بشیر نامی غلام کو خدمت میں لے گیا اور عرض کی کہ یہ غلام نماز پڑھتا ہے اور بہت مدت سے بندے کے سر پہ کے اسے مخدوم کے قدموں میں ڈالا جائے اور بیعت کی دولت تک پہنچایا جائے کیوں کہ خواجہ ذکرہ اللہ بالجیر کا کرم عا ہے حضرت نے یہ درخواست قبول فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد کیا کہ (کیا) اسے اجازت دیتے ہو کہ بیعت کرے؟ بندے نے عرض کی جی ہاں اس کے بعد دست بیعت اسے عطا فرمایا اور کلاہ عنایت کی اور حکم دیا کہ جاؤ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کر کے آؤ۔ جب وہ غلام سامنے سے چلا گیا تو خواجہ ذکرہ اللہ بالجیر نے حکایت بیان فرمائی کہ کچھ عرصے پہلے بہار سے ایک درویش بڑے مکلف خرقے میں رطبوس آیا اور شیخ علی سجنری علیہ الرحمۃ والغفران کی خانقاہ میں جا کر انرا شاید یہ درویش

ہرگز دوزخ کھانٹنا پھر مانتا تھا۔ اور شیخ علی نے اس سے کہا تھا کہ جب اس لباس میں ہو تو بھیک مانگتے مت پھر وہ میں تمہیں کچھ دوں گا اس کو کافی سمجھنا اور اس سے تجارت کرنا اس شرط کے ساتھ کہ جب تمہیں اطمینان میسر آئے تو درویشوں کو بھی اس میں سے حصہ دینا یہ کہا اور پانچ سو جیتل اس کو عطا کئے۔ اس درویش نے ان پانچ سو جیتلوں سے بار بار کیا کچھ دن بعد تیس تنکے کے قریب ہو گئے پھر ان تیس تنکوں کو تجارت میں لگایا تو سو تنکے ہو گئے۔ ان تنکوں سے غلام خریدے شیخ علی نے کہا کہ ان غلاموں کو غزنی لیجاؤ تاکہ اچھا منافع ہو۔ درویش نے ایسا ہی کیا اور اس درویش کے پاس ایک اعتماد کا غلام تھا اس غلام سے کہا کہ تو میرا مرید ہو جا! غلام اس کا مرید ہو گیا درویش نے اس کے سر کے بال تراشے اور ایک کلاہ اس کے سر پر رکھی اور کہا یہ کلاہ سیدی احمد کی ہے۔ شاید اس درویش کا تعلق اس خاندان سے تھا۔ الغرض جب غزنی پہنچ کر غلاموں کو فروخت کیا تو بڑا منافع ہوا بعض لوگ اس غلام کے خریدار بھی ہوئے۔ درویش بولا کہ میں اس کو کس طرح بیچ سکتا ہوں۔ یہ تو میرا مرید ہو گیا ہے۔ مگر اس کو خریدنے کے لیے بڑا اصرار ہوا یہاں تک کہ اس کی چوکنی قیمت لگادی گئی۔ درویش کی نیت بھی بدلنے لگی اور بیچنے کی اجازت دیدی جیسے ہی سوداگر لوگ جمع ہوئے کہ غلام کی بولی لگائیں۔ غلام آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اس درویش سے بولا کہ خواجہ! جس روز میں آپ کا مرید ہوا تو آپ نے ایک کلاہ میرے سر پر رکھی تھی اور کہا تھا کہ کلاہ سیدی احمد کی ہے اب آپ مجھ کو بیچتے ہیں کس قیامت کے دن سیدی احمد کے سامنے میرا آپ سے جھگڑا ہوگا۔ جب غلام نے یہ بات کہی تو آقا کا دل بھی پسیم گیا۔ حاضرین سے بولے کہ آپ لوگ گواہ رہتے ہیں کہ اس غلام کو آزاد کیا۔ جب خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر اس بات پر پہنچے تو بندے نے عرض کی کہ میں نے

بھی اس غلام کو آزاد کیا! خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر بہت خوش ہوئے۔ ارشاد ہوا تم نے بہت اچھا کیا۔ یہی واجب بھی تھا جو تم نے کیا۔ اس کے بعد بڑی شفقت اور رحمت کے ساتھ اپنے مبارک سر پر سے کلاہ اتار کر بندے کے سر پر رکھ دی۔ والہ للہ رب العالمین۔

بندرھویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی ستائیسویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ خرچ کرنے کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ جب کسی کو دولت میسر آئے تو اسے خرچ کرنا چاہیے کہ اس سے کمی نہیں آتی۔ اور جب دولت کسی سے منہ پھیرے تو اس وقت بھی خرچ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ جب اس کو جانا ہی ٹھہرا تو پھر بہتر یہ ہے کہ آدمی خود اپنے ہاتھ سے دے ڈالے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو اس عبارت میں بیان کیا ہے کہ جب آئے تو دو کہ کم نہ ہوگی اور جب جائے تو نہ روکو کہ ٹھہرے گی نہیں!۔

سولہویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ ذکر یہ نکلا کہ مردان حق جو کھانا بھی کھاتے ہیں ان کی نیت میں للہیت ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ شہاب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے عوارف میں لکھا ہے کہ ایک درویش تھا جو کھانا کھاتے وقت جو نوالہ اٹھاتا کہتا میں یہ نوالہ اللہ کے ناک پر لیتا ہوں!۔

ستر صویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ذی الحجہ کی اکیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ دریافت فرمایا کہ چھاوٹی سے آرہے ہو یا شہر سے؟ بندے نے عرض کی کہ چھاوٹی سے حاضر ہوا ہوں اور گھرو میں لے لیا ہے۔ ارشاد ہوا شہر کی طرف بھی جاتے ہو؟ بندے نے عرض کی بہت کم۔ دس بارہ دن بعد جانا ہوتا ہے زیادہ تر چھاوٹی ہی میں رہتا ہوں اور نماز جمعہ بھی کیلو کبریٰ کی مسجد میں پڑھتا ہوں۔ فرمایا کہ اچھا کرتے ہو کیوں کہ چھاوٹی کی ہوا شہر سے بہتر ہوتی ہے۔ اور شہر میں عفونت دگندگی آلودگی زہریلی خاصیت بھی ہوتی ہے۔

اس بات کی مناسبت سے زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ جس طرح کوئی زمانہ دوسرے زمانے سے ممتاز ہوتا ہے جیسے عید کا دن دوسرے سب دنوں کے مقابلے میں عاک خوشی کے لیے مخصوص ہے۔ اسی طرح بعض جگہ بھی ہوتی ہے جہاں ایسی راحت ملتی ہے جو دوسرے مقام پر نہیں ملتی۔ لیکن درویش وہ ہوتا ہے جو زمان و مکان کی قید سے باہر نکل جاتا ہے۔ نہ تو کسی خوشی سے شادمان ہوتا ہے نہ کسی غم سے غمگین اور ایسا وہی شخص ہوتا ہے جو دنیا اور دنیا داری سے آزاد ہو جائے اور درویش ہو تو ایسا ہو کہ بات کرے تو دل اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہو اور اس کی زبان دل سے امداد چاہے اور دل حق (تعالیٰ) سے !

اس کے بعد موتی بکھیرنے والی زبان (مبارک) سے ارشاد ہوا کہ شروع میں یہ کلمات میں نے مولانا عماد الدین ستامی سے سنے تھے۔ ایک دفعہ میں توحض سلطان رشمی نالاب کی طرف گیا ہوا تھا کہ وہ بھی آگئے اور ہم ساتھ بیٹھ گئے

اسی بارے میں باتیں کرتے رہے۔ بہت اچھا وقت گزرا لیکن کم و بیش تین چار سال بعد ہم دونوں پھر ایک جگہ جمع ہوئے تو یہ کیفیات ان میں ذرا بھی باقی نہ رہی تھی۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ وہ دنیا والوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز جب دہلی آئے اور کچھ عرصہ ٹھہر کر روانہ ہوئے تو بولے کہ میں اس شہر میں آیا تھا تو خالص سونا تھا۔ اب چاندی ہوں زیادہ لٹکا تو (خبر نہیں) کیا بن جاؤں گا؟

پھر سماع کا ذکر آیا۔ بندے نے عرضداشت کی کہ ٹیکستہ (حال) اپنے معاملے میں بڑا جبران پریشان ہے۔ اس وجہ سے کہ جو طاعت و عبادت ہونی چاہیے وہ پتے نہیں درویشوں کی سی مشغولی اور اوراد بھی نہیں ہیں۔ البتہ جب سماع سنتا ہے تو بڑی رقت اور راحت حاصل ہوتی ہے اور مخدوم کی خدمت میں حاضری کے وقت بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ نفسانی خواہشات اور دنیا اور اہل دنیا کسی کا دھیان نہیں آتا دریافت فرمایا کہ کیا اس وقت دل دنیا کے تعلقات سے غالی ہوتا ہے۔ عرض کی جی ہاں! ارشاد ہوا سماع دو طرح کا ہوتا ہے۔ پہلے ہاجم ہوتا ہے اس کے بعد غیر ہاجم ہاجم اس کو کہتے کہ اول سماع، ہجوم لاتا ہے، مغلوب کر لیتا ہے، مثلاً جب کوئی آواز یا شعر سنا جاتا ہے تو وہ آدمی کو حرکت اور جنبش میں لاتا ہے اس حال کو ہاجم کہتے ہیں۔ اس کی شرح نہیں کی جاسکتی۔ لیکن غیر ہاجم وہ ہوتا ہے کہ سماع کا شعر متاثر کرتا ہے اور (سننے والا) اس کو کسی پر معمول کرتا ہے۔ حضرت حق پیر یا اپنے پیر پر یا کسی اور چیز پر جس کا خیال اس کے دل میں آئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

جو تھی جلد فوائد الفوائد
سیرۃ مجلیس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواجہ بندہ نواز سلطان دارالملک راز ملک المشائخ علی الاطلاق
قطب الاقطاب عالم بالاتفاق نظام الحق والہدی والدین اللہ تعالیٰ ان کی درازی
عمر سے مسلمانوں کو استفید فرمائے، کے کلمات کاملہ اور ارشادات شاملہ سے اوراق
نور کی یہ سطور اور الواح سرور کے یہ حروف ایک دفعہ پھر جمع کئے جاتے ہیں
ان کی ابتداء محرم سات سو چودہ ہجری سے ہوتی ہے۔

میں نے خواجہ کے لفظ متین کو جبل المتین کی طرح تمام لیا ہے، کیونکہ غم کے کنویں سے
اس رتی کے سہارے بغیر کوئی باہر نہیں نکل سکتا۔ میں نے شیخ کے ارشادات کو اس امید کے ساتھ جمع
کیا ہے کہ حق (تعالیٰ) اپنے کرم سے حسن کے قول و فعل سے درگزر فرمائے گا۔

پہلی مجلس

ماہ مبارک محرم کی چوبیسویں تاریخ سنہ سات سو چودہ (۷۱۴) ہجری بدھ کو
پیر چوبیس منے کی سعادت ہاتھ آئی۔ اس روز بندہ حکم کے موافق اسی فوائد الفوائد سے جمع
کی ہوئی پہلی جلد خدمت میں لے گیا۔ مطالعہ فرمانے کے بعد پسندیدگی کا شرف عطا فرمایا۔ اور ارشاد دیا
کہ اچھا لکھا ہے اور درویشانہ لکھا ہے اور نام (فوائد الفوائد دونوں کے فائدے) بھی اچھا

رکھا ہے۔

اس کے بعد مناسب حال یہ حکایت بیان فرمائی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے وقت ایمان لائے اور فتح خیبر کے بعد پیغمبر علیہ السلام تین برس سے زیادہ حیات (ظاہر) میں نہ رہے۔ مگر حضرت ابو ہریرہؓ نے ان تین سالوں میں اتنی حدیثوں کی روایت کی ہے کہ اگر تمام صحابہ کی روایت کردہ حدیثوں کو جمع کیا جائے تب بھی ان حدیثوں کا (تعداد میں) مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ آپ کو اتنی حدیثیں اتنی کم مدت میں یاد رہیں اور وہ صحابہ جو آپ سے برسوں زیادہ (خدمت میں) رہے ان کو یاد نہ رہیں؟ بولے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر صحابی کو کسی خاص کام میں لگا رکھا تھا۔ لیکن میں ہر وقت خدمت میں رہتا تھا اس لیے یاد رکھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک روز (حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول علیہ الصلوٰۃ والتیمۃ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ میں آپ کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا ہوں یاد کر لیتا ہوں۔ (لیکن) بعض حدیثیں یاد نہیں رہتیں۔ رسول علیہ السلام نے ارشاد کیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ جو کچھ مجھ سے سنو یاد رہے تو جب میں کچھ بیان کروں تم اپنے پیرا ہن کا دامن پھیلا لیا کرو چادر ہو تو اسے سامنے پھیلا لیا کرو (اور) جب میں بیان پورا کروں تو آہستہ سے دامن سمیٹ کر ہاتھ سینے پر رکھ لیا کرو۔

اس کے بعد فرمایا کہ امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری عمر میں یمن یا چار حدیثوں کی روایت کی ہے۔ اور عبداللہ بن عباسؓ نے دس سے کم لیکن عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسا (زبردست) فقیہ ہونے کے باوجود اپنی ساری عمر میں (صرف) ایک حدیث کی روایت فرمائی اور جس روز اس حدیث کی روایت فرمائی ان کا چہرہ ہبیت کے مارے بالکل پیدا پڑ گیا اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دونوں

مونڈھوں کے درمیان کی فربہی جو خوف کی حالت میں کانپنے لگتی ہے وہ کانپنے لگی اور اس کے بعد انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے: اور حدیث بیان کرنے کے بعد فرمانے لگے: یہ الفاظ تھے۔ یا اس مفہوم کے الفاظ تھے: ”یہاں سے رسول عید الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کا ذکر نکلا فرمایا کہ صحابہ میں سے چار خلیفہ تھے اور تین عبد اللہ۔“

اس کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں لڑا یا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام والتجیہ نے حضرت علیؑ کا ذکر صحابہ سے ان الفاظ میں فرمایا کہ تم سب میں سب سے بہتر جج علیؑ ہیں! قضی وہ ہوتا ہے جو سب سے اچھا فیصلہ کرتا ہو۔ یعنی اقصیٰ وہی ہو سکتا ہے جو سب سے بڑا عالم ہو۔

اس کے بعد صحابہ کی یگانگت کے بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک صحابی کسی مجمع میں تشریف رکھتے تھے اور کوئی شخص ان کی پشت پر بیٹھا ہوا تھا اور یہ پشت کی طرف بیٹھنے والا شخص بار بار کہتا تھا کہ میں نے رسول علیہ السلام کو فرماتے سنا ہے کہ ایک روز میں نداں جگہ تھا اور میرے ساتھ ابو بکرؓ اور عمرؓ تھے۔ اور پھر میں فلاں جگہ گیا اور میرے ساتھ ابو بکرؓ اور عمرؓ تھے اسی طرح کئی بار ذکر فرمایا کہ پیغمبرؐ نے ارشاد کیا کہ فلاں جگہ میں تھا اور ابو بکرؓ اور عمرؓ ان صحابی سے سر پھیر کر دیکھنا چاہا کہ یہ حکایت بیان کرنے والا کون ہے تو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس حکایت کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کی موافقت اور انصاف کو بیان کیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ صحابہ کی موافقت اور انصاف ایسا تھا۔ پھر اس حکایت کی مناسبت سے فرمایا کہ ایک دفعہ عمرؓ نے فرمایا کہ اے کاش میں ابو بکرؓ کے سینے کا ایک بال ہوتا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دوسری مجلس

اسی سال ماہ محرم کی اٹھائیسویں تاریخ اتوار کو ہاتھ چومنے کی دولت ہاتھ آئی۔ ایک درویش کا ذکر نکلا کہ وہ مرد عزیز ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو بھی دنیا کی لگاؤ سے دور رہے گا۔ معزز ہوگا۔ اور اگر کوئی دنیا کی لگاؤ کے باوجود معزز ہو تو اس کی عزت عارضی ہوگی۔ اس کے بعد یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے۔

جب تک تو پاک نہ ہو جائے تجھے آگ (سوز و آگ) نہ دیں گے

جب تک تو خاک نہ ہو جائے پانی نہیں دیں گے

اس کے بعد اس بات کا ذکر نکلا کہ آج مہینے کی اٹھائیسویں تاریخ ہے یا انتیسویں۔ اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ لاہور میں رمضان کی ستائیسویں یا اٹھائیسویں

ہی کو چاند دیکھا گیا۔ ہوا یہ کہ اس سال تین مہینے تک جب بھی انتیسویں تاریخ آئی ابر اور غبار کی وجہ سے چاند دکھائی نہ دیتا اور شہر والے ہر مہینہ تیس دن کا شمار کرتے رہے جب تین مہینے گزر گئے تو یہ قصہ ہوا کہ چاند دیکھا گیا اور پتا چلا کہ اب تک غلطی پر تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ لاہور کی بربادی ایک تو اس نحوست سے ہوئی۔ دوسری نحوست یہ کہ اسی زمانے میں لاہور سے کچھ سوداگر گجرات کی طرف گئے۔ اس زمانے میں گجرات ہندوؤں کے پاس تھا غرضیکہ جب ہندو آئے اور ان لوگوں کے لائے ہوئے سامان

یہاں مراد سوکھ جانے سے ہے۔ تیسری محاورے میں ناپاکی کو کہا جاتا ہے۔ اردو کا مشہور شعر ہے۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جانیو دامن پھوڑیں تو فرشتے وضو کریں

کی خریداری کرنے لگے تو لاہور والوں نے سب سامان کی قیمت زیادہ بتائی مثلاً جس چیز کے دام دس درم تھے اس کے بیس بتائے اور جس کے دام بیس درم تھے اس کے چالیس بنائے۔ اسی طرح ہر چیز کے دام دو گنے کر دیئے اس کے بعد بچتے وقت اصل قیمت پر بیچا بلکہ جو دام کمہ رہے تھے اس سے آدھے داموں فروخت کیا۔ اس علاقے کے ہندوؤں میں اس طرح کا دستور نہیں تھا۔ وہ تو جو سامان فروخت کرتے اس کی قیمت ٹھیک ٹھیک بتاتے اور ایک ہی بات کہتے۔ الغرض جب انھوں نے یہ معاملہ دیکھا تو ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ آپ لوگ کس شہر کے ہیں؟ بولے ہم لاہور کے ہیں۔ اس ہندو نے پوچھا کہ کیا آپ کے شہر میں سودا اسی طرح کیا جاتا ہے؟ جواب دیا ہاں! اس کے بعد وہ ہندو کہنے لگا کہ کیا وہ شہر آباد ہے؟ بولے ہاں! ہندو نے کہا تعجب ہے کہ جس شہر میں معاملہ اس طرح ہو وہ آباد کیسے ہے؟ الغرض جب اہل تجارت واپس چلے تو ابھی راستے ہی میں تھے کہ مغل آئے اور لاہور کو برباد کر دیا۔

تیسری مجلس

اسی سال ماہ صفر اللہ اس کو خیر اور کامیابی کے ساتھ اختتام تک پہنچائے کی بارہویں تاریخ منگل کو ہاتھ جوئے کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ اس گروہ کا تذکرہ آیا جو کرامت کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے آپ کو کرامت کے ذریعے مشہور کرتا ہے۔ فرمایا کہ یہ کچھ بات نہیں! اس کے بعد زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء پر کرامت کا چھپانا اسی طرح فرمیں کیا ہے جس طرح اپنے انبیاء

پر سب سے بڑے کا دکھانا فرض کیا ہے۔ پس اگر کوئی اپنی کرامت کا اظہار کرتا ہے تو کیا کارنامہ انجام دیتا ہے۔ ایک فرض کو ترک کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ سلوک کے سو مقام مقرر کیے گئے ہیں۔ ان میں شریحوں مقام کشف و کرامت کا ہے۔ اگر سالک اسی مقام پر (اتک کر) رہ جائے تو رہا باقی کے، تراسی مقامات تک کیسے پہنچے گا۔

پھر خدمت کرنے کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ حدیث رسولؐ ہے کہ جو قوم کا ساتھی ہو وہ پینے والوں میں آخری ہو۔ یعنی جو شخص قوم کو پانی پلاتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ سب سے آخر میں پانی پیئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ طعام میں بھی یہی واجب ہے کہ دوسروں سے پہلے (کھانا کھلانے والے کو) کھانا تناول نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میزبان پر واجب ہے کہ مہمان کے ہاتھ خود دھلائے اور جب دوسروں کے ہاتھ دھلانے لگے تو پہلے خود اپنے ہاتھ دھوئے چائیس کیوں کہ جو دوسروں کے ہاتھ دھلانا چاہے پہلے خود اسکے ہاتھ پاک ہونے چاہئیں (گویا) ہاتھ دھلانے کا حکم پانی پلانے کے حکم کے برعکس ہے۔ یہاں تو پہلے خود اپنے ہاتھ دھوئے پھر دوسروں کے ہاتھ دھلائے اور پانی پلانے میں پہلے دوسروں کو پلائے آخر میں خود پیئے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس بارے میں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ ہاتھ دھلانے والا کھڑے ہو کر (ہاتھ دھلائے) یا بیٹھ کر فرمایا کہ کھڑے ہو کر ہاتھ دھلائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص شیخ بنید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ہاتھ دھلانے کے لیے پانی لایا تو بیٹھ گیا جب وہ بیٹھ گیا تو شیخ جنید کھڑے ہو گئے۔ کہا گیا کہ (حضرت) آپ یہ کیا کرتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ اسے چاہیے تھا کہ کھڑا ہو کر ہاتھ دھلا تا جب یہ بیٹھ گیا تو مجھے کھڑا ہونا پڑا۔

ما لا ہو ایڈیشن میں ذیل کی عبارت نہیں ہے جو نو کثیر لکھنؤ ایڈیشن میں موجود ہے

بعد ازاں فرمودہ وقتی امام شافعی ہمان امام مالک آمد اسکے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ امام شافعی امام مالک کے ہاں مہمان
رحمۃ اللہ علیہا۔ مالک شافعی راست شویا بند آئے رحمۃ اللہ علیہا امام مالک نے امام شافعی کے ہاتھ دھلائے (مترجم)

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ اماں شافعی رحمۃ اللہ علیہ کسی دوست کے مہمان ہوئے اس دوست نے کھانے کی اقسام میں سے جو کچھ چاہا پہلے ایک کاغذ پر لکھ لیا اور اپنی کینیز کو (یہ کاغذ) دیا اور کہا کہ اس (فہرست) میں جو جو کھانا میں نے لکھا ہے اس کو تیار کر دے یہ کہا اور خود کسی کاک سے باہر چلا گیا۔ اماں شافعی نے وہ کاغذ کینیز سے مانگا اور چنہ کھانے جو انھیں بھاتے تھے بڑھا کر اس کاغذ میں لکھ دیئے جب کینیز نے یہ کاغذ پڑھا تو جن کھانوں کو اماں شافعی نے بڑھایا تھا وہ بھی پکائے اور ان میں مزید اضافہ بھی کیا جب صاحبِ خانہ واپس آئے اور کھانا سامنے چنا گیا تو بہت سے کھانے دیکھے اور جو کچھ انھوں نے لکھا تھا اس سے زیادہ نظر آئے وہ اٹھ اور کینیز کے پاس آکر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ کینیز نے انھیں کاغذ دکھایا جب ان صاحب نے اماں شافعی کی بڑھائی ہوئی فہرست دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور اس کینیز کو باقی سب غلاموں کے ساتھ آزاد کر دیا۔

پھر ضیافت کا اور کھانا کھلانے اور مہمانوں کی خاطر داری کا ذکر نکلا تو فرمایا کہ بغداد میں ایک درویش تھے جن کے دسترخوان پر روزانہ بارہ سو پیالے خرچ ہوتے تھے اور ان کے اٹھارہ باورچی خانے تھے۔ غرضیکہ ایک روز انھوں نے اپنے خدمت گاروں سے پوچھا کہ ایسا تو نہیں ہوتا کہ کھانا کھلاتے وقت تم کسی کو بھول جاتے ہو وہ بولے نہیں ہم سب کو یاد کر کے کھانا دیتے ہیں شیخ نے پھر کہا کہ اچھی طرح دھیان کر لو! انھوں نے جواب دیا کہ تم کسی کو بھی نہیں بھولتے۔ سب کو کھانے کے وقت بلا لیتے ہیں۔ اور آنے والوں کو جو کچھ دینا ہوتا ہے دے دیتے ہیں شیخ نے پھر کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوتا کہ اس کام میں چوک ہو جاتی ہو۔ خدمت گار بولے حضور آپ کیسی بات فرماتے ہیں! شیخ نے کہا کہ آج تین روز ہو گئے کہ مجھے کھانا نہیں بھجوا یا گیا۔ جس طرح تم نے مجھے فراموش کر دیا دوسروں کو فراموش کیوں

نہ کرتے ہوں گے۔ اور قصہ یہ ہوا تھا کہ ان تین روز میں متواتر افطار کے وقت شیخ کے سامنے کھانے کے کچھ بھی نہ لایا گیا تھا۔ چونکہ باورچی خانے بہت سے تھے۔ اور پکانے والوں میں سے بعض یہ خیال کرتے رہے کہ دوسرے باورچی خانے سے چلا گیا ہوگا اور دوسرے باورچی خانے والے پہلے کی بابت یہ سوچتے رہے۔ ہر ایک نے یہی خیال کیا کہ دوسری جگہ سے دکھانا چلا گیا ہوگا۔ ان تین روز میں کوئی کھانا شیخ کو نہیں پہنچا جب تین روز ہو گئے تو اس وقت شیخ نے یہ بات کھولی۔

پھر سلطان کے تالاب کے پانی اور اس کی شیرینی اور برکت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ کہتے ہیں سلطان شمس الدین کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ خدائے عزوجل نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ بولے مجھے اس تالاب کی وجہ سے بخش دیا۔ واللہ اعلم۔

جو خوش مجلس

اسی سال ماہ صفر کی ستائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی اس سے ایک روز پہلے بندے نے محترم نصیر الدین محمود سلمہ اللہ تعالیٰ سے جو خوش اعتقاد مریدوں میں سے ہیں مشورہ کیا تھا کہ کل آخری بدھ ہے اور لوگ اس روز کو منجوس سمجھتے ہیں آئیے (اپنے) خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر کی خدمت میں چلیں کیوں کہ وہاں ساری نحوستیں سعادت سے بدل جاتی ہیں۔ غرضیکہ مشورے کے مطابق جب یہ بدھ آیا تو بندہ اور وہ دونوں کے دونوں خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر کی خدمت میں پہنچے اور لوگوں کے اس وہم کے بارے میں عرض کیا۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور بولے کہ ہاں لوگ اس دن کو منجوس سمجھتے ہیں اور نہیں

ملہ حضرت چراغ دہلیؒ

جانتے کہ یہ دن تو بڑا بھاگوں ہے۔ آج کا دن بہت ہی مبارک ہے چنانچہ
اگر اس دن فرزند پیدا ہوتا ہے تو وہ بزرگ بنتا ہے!
پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ بعض لوگوں کا مزاج جلدی بدل جاتا ہے۔ زبان مبارک سے
ارشاد ہوا کہ طبع لطیف رکھنے والے جلدی برہم بھی ہو جاتے ہیں اس مناسبت سے یہ رباعی
زبان گوہر بیان پر آئی اور فرمایا کہ یہ مولانا خزالدین رازی کی ہے

(ترجمہ) میں وہ ہوں کہ آدھے ذرے سے ناخوش ہو جاتا ہوں اور پھر آدھے کے آدھے
ذرے سے خوش (بھی) ہو جاتا ہوں۔ میرا مزاج پانی سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ مجھے سمجھ
لو ورنہ آگ ہو جاؤں گا۔

پھر بادشاہوں کے مزاج کے تغیر کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ احادیث قدسی میں سے ایک
یہ حدیث ہے کہ قلوب الملوک بیدی (بادشاہوں کے دل میری مٹھی میں ہیں)۔
رسول اللہ علیہ وسلم روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ
میں ہیں یعنی جب تک خلق خدا تعالیٰ کے ساتھ ٹھیک رہتی ہے میں ان بادشاہوں کے
دلوں کو خلق پر مہربان رکھتا ہوں۔ اور جب خلق اللہ کے ساتھ ٹھیک نہیں رہتی ہے تو میں
ان کے دلوں کو خلق پر نا مہربان کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ
اس چیز پر نگاہ رکھنی چاہئے اور اسی سے سب چیزوں کا اندازہ کرنا چاہیے۔

اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ جس زمانے میں اوچھ اور ملتان
قباچہ کے قبضے میں تھا اور سلطان شمس الدین دہلی میں تھا۔ ان کے درمیان دشمنی پیدا
ہو چلی۔ بات یہ ہے کہ صفر کا آخری چار شنبہ حضرت خواجہ نظام الدین اویا کا یوگا پیدائش ہے مگر
وہ حدیثیں جن میں قرآنی وحی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حضرت رسالت آج صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی آیا ہے۔ اور

حضرت رسالت نے اللہ تعالیٰ سے رعایت کی ہے۔

سلطان ناصر الدین قباچہ

ہو گئی۔ شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ملتان کے قاضی ان دونوں نے سلطان شمس الدین کو خط لکھے اور یہ دونوں خط قباچہ کے ہاتھ پڑ گئے۔ قباچہ کو غصہ آیا۔ قاضی کو قتل کر دیا اور شیخ کو محل میں طلب کیا (چنانچہ شیخ بہار الدین رحمۃ اللہ علیہ محل میں تشریف لے گئے اور جس طرح ہمیشہ بے خوف جاتے تھے اندر گئے اور قباچہ کی داہنی جانب حکم کے موافق مقررہ جگہ پر بیٹھ گئے۔ قباچہ نے ان کا خط ہاتھ میں دیا۔ شیخ نے اسے پڑھا اور فرمایا کہ ہاں یہ خط میں نے لکھا ہے اور میری ہی تحریر ہے۔ قباچہ نے پوچھا کہ کیوں لکھا؟ شیخ نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اشارہ ربانی سے لکھا ہے جو تیرا جی چاہے کہ اور تو کہہ ہی کیا سکتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں ہے ہی کیا؟ قباچہ نے یہ گفتگو سنی تو شش و پنج میں پڑ گیا اور کھانا لانے کا اشارہ کیا۔ شیخ کا معمول تھا کہ وہ کسی کے گھر میں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ قباچہ کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ (شیخ) کھانا نہیں کھائیں گے اس لئے اسی بہانے ان کو ایذا پہنچاؤں گا۔ الغرض جب کھانا سامنے گیا اور شخص نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شیخ نے بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا اور کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کھانا کھانے لگے۔ قباچہ نے جب یہ دیکھا تو اس کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ شیخ سلامتی کے ساتھ اپنے گھر واپس آ گئے۔

اس ادنیٰ غلامِ حسنِ علاءِ بھڑی کے دل میں کچھ عرصے سے ایک بات تھی اس روز اس کو عرض کیا۔ اور بات یہ تھی کہ اگر کوئی مرید ایسا ہو جو صرف پانچ وقت نماز ادا کرتا ہو اور تھوڑا سا وظیفہ پڑھتا ہو۔ لیکن پیر کی محبت اس کے دل میں بہت ہو۔ اور پیر کے بارے میں اس کا اعتقاد بے حد پکا ہو۔ اور کوئی دوسرا مرید ہو جو بڑی عبادت کرتا ہو اور تسبیح اور اوراد اس کے بے اندازہ ہوں اور

جج بھی کیا ہو۔ لیکن پیر کی محبت میں کمی ہو اور اعتقاد میں فتور ہو۔ ان دونوں میں سے کس کا مرتبہ بڑا ہو گا؟ ارشاد ہوا کہ وہ جو شیخ کا محب اور معتقد ہے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ جو شیخ کا محب اور معتقد ہے اس کا ایک وقت (نام نہاد) عبادت گزار کے سارے اوقات کے برابر ہے۔ اعتقاد کی وجہ سے وہ فضیلت رکھتا ہے۔

اس کے فرمایا کہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اولیا انبیاء پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء کا اکثر وقت خلقت کے ساتھ مشغولی میں گزرتا ہے۔ یہ عقیدہ غلط ہے۔ کیونکہ انبیاء اگرچہ خلق میں مشغول رہتے ہیں لیکن جس وقت حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں۔ وہ ایک وقت اولیا کے سارے اوقات پر شرف رکھتا ہے۔

اسی کے مناسب حال دوسری حکایت بھی بیان فرمائی کہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا جس نے ستر سال فدائے عز و جل کی طاعت کی۔ ستر سال کے بعد اللہ سے اس کو ایک کام پڑا۔ اور اس کا آگے لئے خدا سے دعا کی۔ مگر اس کا کام نہیں ہوا۔ اس کے بعد وہ ایک گوشے میں گیا اور اپنے آپ سے جھگڑنے لگا کہ اے نفس! ستر سال تو نے خدائے عز و جل کی طاعت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیرے خلوص میں کچھ فرق تھا۔ اگر پورے خلوص کے ساتھ طاعت کرتا تو یقیناً میرا یہ کام ہو جاتا۔ جب اس نے اپنے نفس کو یہ ملامت کی تو اس عہد کے پیغمبر کے پاس فرمان پہنچا کہ اس زاہد سے کہہ دو کہ تیرا ایک لمحے کے لیے اپنے نفس پر عتاب کرنا ہمارے نزدیک قیری ستر سالہ عبادت سے بہتر تھا

پانچویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ربیع الاول کی سترھویں تاریخ منگل کو دست بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرس کے معنی پوچھے فرمایا عرس عروسی (شادی) کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ عرس کے معنی رات کو قافلے کے پڑاؤ کرنے کے (بھی) ہیں۔

پھر شام کی بزرگی اور ان کے صدق اور باطن کی نگاہداشت اور طلب حق کا ذکر نکلا۔ اس موقع پر یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے سوال کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب آپ نماز ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد کہتے ہیں یا رب! تو یہ آواز سنتے ہیں بلکہ عبدی (میرے بندے میں موجود ہوں) فرمایا: نہیں! اس کے بعد فرمایا کہ الارجاف مقدمۃ الکونین (افواہیں کسی واقعے کا پیش خیمہ ہوتی ہیں) اس کے بعد شیخ نجیب الدین متوکل نے سوال کیا کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ناصر علیہ السلام آپ کے پاس آتے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں۔ اس کے بعد شیخ نجیب الدین نے کہا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مردان غیب آپ کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اس بات کی (حضرت نے) تردید نہیں فرمائی بس یہ کہا کہ ہو سکتا ہے۔ تم بھی ابدالوں میں سے ہو۔

.. یہاں سے (حضرت) شیخ فرید الدین نور اللہ مرقدہ کی بزرگی اور ان کی والدہ ماجدہ علیہما رحمۃ الرحمن کی بزرگی کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ ماں باپ کی صلاحیت کا اولاد پہ بڑا اثر پڑتا ہے۔

ع۔ اردو کی کہادت ہے زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ کبیر کی والدہ بہت بزرگ ستھیں - چنانچہ ایک دفعہ کوئی چوران کے گھر میں آیا سب سو رہے تھے بس شیخ کی والدہ بیدار اور مشغول بحق تھیں جب چوران در آیا تو اندھا ہو گیا۔ اور باہر جانے کے قابل نہ رہا پکار کر بولا کہ اس گھر میں اگر کوئی مرد ہے تو وہ میرا باپ اور بھائی ہے اور اگر عورت ہے تو وہ میری ماں اور بہن ہے جو بھی ہو میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ہیبت نے مجھے اندھا کر دیا ہے اس کو چاہئے کہ میرے لیے دعا کرے تاکہ مجھے پھر بینائی مل جائے۔ میں تو بہ کڑتا ہوں کہ آئندہ ساری عمر چوری نہیں کروں گا شیخ کی والدہ نے دعا فرمائی۔ اور اس کی بینائی واپس آ گئی اور وہ چلا گیا جب دن نکلا تو شیخ کی والدہ نے یہ واقعہ کسی کو نہیں بتایا کچھ دیر بعد ایک شخص کو چچا چھ کا گھڑا سر پر رکھے اور گھر والوں کو ساتھ لئے دیکھا اس سے پوچھا گیا کہ تو کون ہے؟ بولا کہ میں رات کو اس گھر میں چوری کرنے آیا تھا۔ ایک بزرگ خاتون یہاں بیدار تھیں میں ان کی ہیبت سے اندھا ہو گیا۔ پھر انھوں نے میرے لیے دعا فرمائی اور مجھے دوبارہ آنکھیں مل گئیں۔ میں نے عہد کیا تھا کہ اگر میری آنکھیں واپس آ گئیں تو میں چوری سے تو بہ کر لوں گا۔ اب میں خود بھی آیا ہوں اور گھر والوں کو بھی لایا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں اور چوری سے پوری تو بہ کر لوں۔ الغرض ان خاتون کی برکت سے سب مسلمان ہو گئے اور چوری سے تو بہ کر لی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اس کے بعد شیخ کی والدہ ماجدہ کی بزرگی کے بارے ہی میں حکایت بیان فرمائی کہ جس زمانے میں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے اجودھن میں رہائش اختیار کی تو شیخ نجیب الدین دبا صاحب کے چھوٹے بھائی کو بھیجا کہ وہ والدہ کو وہاں سے جہاں وہ مقیم تھیں آئیں شیخ نجیب الدین گئے اور والدہ کو اس مقام سے جہاں وہ مقیم فرمائے تھیں

لے کر روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک درخت کے نیچے اترے اور پانی کی ضرورت ہوئی تو شیخ نجیب الدین پانی کی تلاش میں نکلے۔ جب واپس آئے تو والدہ کو نہ دیکھا۔ بڑے حیران ہوئے دائیں بائیں دیکھا اور بہت ڈھونڈا لیکن والدہ کا رپہ، نشان کہیں نہ پایا۔ ہاتھ لکڑی کر شیخ کبیر قدس سرہ العزیز بابا صاحب کی خدمت میں آئے سارا قصہ کہ سنایا۔ شیخ نے فرمایا کہ کھانا تیار کرایا جائے اور صدقے کا جو حکم آیا ہے وہ دیا جائے۔ اس کے ایک عرصے بعد شیخ نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا اس علاقے میں پھر گزر ہوا۔ جب اس درخت کے نیچے پہنچے تو ان کے دل میں خیال آیا کہ اس جگہ کے دائیں بائیں گھومنا پھرنا چاہئے شاید والدہ کا کچھ نشان مل جائے چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور اس درخت کے اطراف گھومنے لگے تو چند انسانی ہڈیاں بڑی ہوئی ملیں۔ اور انھوں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہی میری ماں کی ہڈیاں ہیں کسی شیر نے یا دوسرے جانور نے ان کو ہلاک کر دیا ہو گا۔ چنانچہ انھوں نے ساری ہڈیاں جمع کیں اور ایک تھیلے میں ڈال کر شیخ فرید الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں آئے اور سارا قصہ سنایا۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ تھیلہ میرے پاس لاؤ جب تھیلہ شیخ کے سامنے لایا گیا اور اسے مہٹکا گیا تو ایک ہڈی بھی نہ نکلی۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور بولے کہ یہ چیز عجائب روزگار میں سے ہے۔

پھر مردان غیب کا ذکر نکلا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ابتداء میں کبھی کبھی میرے دل میں مردان غیب سے ملاقات اور ہم نشینی کا خیال آتا تھا۔ پھر خود ہی خیال آیا کہ یہ کیسی تمنا ہے۔ کسی بہتہ کام کے چھپے پڑنا چاہئے اس ضمن میں شیخ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ کی حکایت بیان فرمائی ابتدائی زمانے میں جبکہ وہ اوش نین تھے شہر کے کنارے ایک ویران مسجد تھی اور اسے مسجد کا ایک مینارہ تھا جس

کوسات مینارہ کہتے تھے۔ مینار ایک ہی تھا لیکن کہلاتا سات مینارہ تھا۔ حضرت کو شاید ایک دعا پہنچی تھی کہ جو اس دعا کو اس مینار کے اوپر پڑھے۔ اس کی حضرت خضرؑ سے ملاقات ہو جائے یہ دعا بھی اگرچہ کہ ایک ہی دعا تھی لیکن اس کو بھی ہفت دعا کہتے تھے۔ دو رکعتیں بھی بیان کی جاتی تھیں کہ جو یہ رکعتیں اس مسجد میں پڑھے وہ حضرت خضرؑ کو دیکھ لے۔ الغرض شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کو اشتیاق ہوا کہ حضرت خضرؑ کو دیکھیں چنانچہ رمضان کی راتوں میں سے ایک رات کو اس مسجد میں گئے اور وہ دو رکعتیں ادا کیں۔ اور اس مینارے پر چڑھ کر وہ دعا بھی پڑھی اور نیچے اتر کر کچھ دیر انتظار کیا۔ مگر کوئی شخص ظاہر نہیں ہوا۔ کچھ ناامید سے ہو کر مسجد سے باہر آئے۔ جیسے ہی مسجد سے باہر قدم رکھا ایک شخص کو کھڑے دیکھا۔ اس شخص نے شیخ قطب الدین کو آواز دی اور کہا کہ اس ناوقت تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ شیخ نے فرمایا کہ میں یہاں حضرت خضرؑ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تھا دو رکعت نماز بھی ادا کی اور جو دعا آئی ہے۔ وہ بھی پڑھی۔ مگر یہ دولت حاصل نہ ہوئی۔ اب واپس گھر جاتا ہوں۔ وہ شخص بولا کہ خضرؑ کا کیا کرو گے وہ تو خود تمہاری طرح مارا مارا پھرتا ہے۔ اس کے دیکھنے سے کیا ہوگا۔ اس درمیان اس نے پوچھا کہ کیا دنیا کی خواہش ہے؟ شیخ نے کہا نہیں۔ بولا کیا کچھ رقم قرضے کی ادا کرنی ہے؟ شیخ نے جواب دیا نہیں۔ اس کے بعد یہ شخص بولا کہ پھر کس لیے خضرؑ کے طلب گار ہو؟ پھر کہنے لگا کہ اس شہر میں ایک ایسا آدمی ہے کہ خضرؑ بارہ دفعہ اس کے دروازے پر گیا ہے۔ مگر داخلے کی اجازت نہیں ملی۔ یہ دونوں اس گفتگو میں مصروف تھے کہ ایک نورانی بزرگ پاکیزہ لباس پہنے نمودار ہوئے۔ یہ شخص بڑے احترام کے ساتھ ان کے سامنے گیا اور ان کے قدموں میں گھر پڑا۔ شیخ قطب الدین طیب اللہ ثناء فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ

جب میرے پاس پہنچے تو اس پہلے شخص کی طرف رخ کر کے بولے کہ اس درویش کو نہ قرض چکانا ہے۔ نہ دنیا کا طلب گار ہے۔ (بس) تم سے ملاقات کی آرزو ہے! اسی دوران اذان کی آواز آئی اور ہر طرف سے صوفی اور درویش ظاہر ہونے لگے جماعت تیار ہو گئی۔ تکبیر کہی گئی۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر نماز ادا کرائی اور تراویح میں بارہ سی پارے پڑھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر اور زیادہ پڑھتے تو اچھا ہوتا۔ الغرض جب نماز ہو چکی تو ہر شخص کسی طرف چل دیا۔ شیخ کہتے ہیں کہ میں بھی اپنے گھر آ گیا جب دوسری رات ہوئی تو اور سویرے سے وضو کیا اور اس سجد میں گیا۔ صبح تک وہاں رہا مگر کوئی مخلوق ظاہر نہ ہوئی۔

چھٹی مجلس

اسی سال ماہ جمادی الاول کی دسویں تاریخ جمعے کو دست بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ گفتگو تحمل اور دشمنی سے احتراز کرنے کی ٹکلی فرمایا کہ ایک نفس ہے اور قلب۔ اگر کوئی نفس سے پیش آئے تو دوسرے فریق کو چاہیے کہ قلب سے جواب دے۔ یعنی نفس میں تو دشمنی اور ہنگامہ اور فتنہ ہوتا ہے۔ اور قلب میں سکون اور رضا اور مہربانی۔ پس جب کوئی نفس سے پیش آئے اور مقابل قلب سے جواب دے تو نفس مغلوب ہو جائے گا۔ البتہ اگر کوئی نفس کے مقابل میں نفس ہی سے پیش آئے تو جھگڑے اور فتنے کی کیا حد رہے گی۔ پھر تحمل اور حلم کی فضیلت میں یہ شعر زبان مبارک پر لائے۔

زہر بادی چو کا ہی گز بلہ زہی اگر کو ہی بکا ہی ہم نہ زہی

ترجمہ: زہر بادی چو کا ہی گز بلہ زہی اس طرت ہے ع اگر کو ہی شو ی گا ہی تلہ زہی یعنی پہاڑ جس جاؤ تو ذرا بھی نہ ہلو!

(اگر تم تنکے کی طرح ہوا کے بر جھونکے سے لرزے گے تو بہارِ یو کو بھی تنکے کے مول نہ ہو گے)

ساتویں مجلس

اسی سال ماہ جمادی الآخر کی چودھویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ نذر قبول کرنے کے بارے میں ذکر نکلا۔ بندے نے عرض داشت کی کہ میں کبھی کسی سے کوئی چیز نہیں مانگتا اور ساری عمر کبھی تو قلع کا دروازہ کھول کر نہیں بیٹھا۔ اگر کوئی بے مانگے کچھ عنایت کرے اور کوئی چیز دے تو کیا کرنا چاہئے۔ ارشاد ہوا کہ لے لینا چاہیے۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ حضرت رسالت علیہ السلام نے کوئی چیز عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی۔ امیر المومنین عمرؓ بولے یا رسول اللہ میرے پاس تو یہ چیز موجود ہے۔ اہل صفہ وغیرہ میں سے کسی دوسرے فقیر کو عنایت فرمائیے۔ مصطفیٰ علیہ السجۃ والسلام نے فرمایا کہ جو کوئی بھی تمہیں بغیر مانگے کچھ دے اسے لو اور کھاؤ اور صدقہ کرو۔ والحمد للہ رب العالمین۔

آٹھویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک جب کی اسیویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اسی ہفتے بندہ کینہ حسن علا سبزی کے واجبات جو مدت سے رے ہوئے تھے بندے کو مل گئے تھے۔ اور خواجہ ذکرة اللہ بالجیر کو بندے کے بزرگوار ہونے اور واجبات مل جانے کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ الغرض جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ہر کام میں ثابت قدمی دکھانے اور پابندی کرنے کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شیخ الاسلام کے نواسے (یا پوتے) کبیر کا کچھ عرصے تک ملک نظام الدین کے ہاں آنا جانا رہا اور انھوں نے ایسی پابندی دکھائی کہ نظام الدین ان سے تنگ آ گئے۔ یہاں تک کہ ان سے کہہ دیا کہ تم دوبارہ اس گھر میں نہ آنا (مگر وہ اسی طرح جاتے رہے اور کسی طرح بھی نہ رکے۔ انہی دنوں نظام الدین نے چھ سوئے کے تنگے (ایک سکہ) میرے پاس بھیجے۔ میں نے انھیں قبول نہیں کیا اور ان کے پاس واپس بھیج دیئے۔ جب (وہ سکہ) ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے یہ چھ سوئے کے تنگے ان کبیر صاحب کو دے دیئے اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ پابندی ہر کام میں پھل دیتی ہے۔ اس کے بعد مجھ کو رقم ملنے کے سلسلے میں جو اگرچہ کہ دیر میں ملی تھی حکایت بیان فرمائی اس مفہوم کی کہ کم از کم یاد تو کیا گیا۔ حکایت یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھے جنھوں نے برسوں خدا کی طاعت کی تھی۔ چنانچہ اس زمانے کے پیغمبر کے پاس وحی آئی کہ ان زاہد سے کہو کہ تم ہماری طاعت میں اتنی تکلیفیں کیوں اٹھاتے ہو۔ ہم نے تو تمہیں عذاب دینے ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان پیغمبر نے جب یہ پیغام ان زاہد کو پہنچایا تو وہ کھڑے ہوئے اور ناچنے لگے۔ ان پیغمبر نے کہا کہ اس بات میں تمہارے لیے کون سی خوشی کی چیز تھی کہ ناچنے لگے؟ زاہد بولے کہ غنیمت ہے۔ ہمیں یاد تو کیا گیا اور ہم بھی کسی حساب میں تو آئے۔

اوسخن از کشتن من می کند من بہمین خوشی کہ سخن می کند

(وہ ہمارے قتل کی بات کرتے ہیں اور ہم اسی سے خوش ہیں کہ بات تو کی!)

اس کے بعد تحمل کا ذکر نکلا اور اس سلسلے میں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی حکایت بیان فرمائی اور ان کے تحمل (برداشت) اور موزیوں کے قلع رقع میں ان کے

تھل کے اشتر کا حال (سنایا) اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ جو جھیلتا ہے وہ مارتا ہے اور برداشت کرنے والا مار ڈالنے والا ہوتا ہے۔

اس کے بعد بندے نے عرضداشت کی کہ یہ دعا کس طرح ہے جو لوگ مانگا کرتے ہیں کہ اے عینونی عباد اللہ رحمکم اللہ۔ اے اللہ کے بند و میری مدد کرو خدا تم پر رحم کرے۔ بندے کا مقصد اس سے یہ تھا غیر خدا سے مدد مانگنا کیسا ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ دعا مانگی جاتی ہے اور اس میں عباد اللہ المسلمین والمخلصین (اللہ کے مسلمان اور مخلص بندے) مضمون ہے (پہاں ہے مراد ہے) اور جائز ہے کہ (یہ دعا) پڑھیں اور بزرگوں نے بھی پڑھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ دعا پڑھتے تھے۔

یہاں سے شیخ نجیب الدین متوکل کی بزرگی کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ مجھے اس شہر میں ان کے پایہ کا اور کوئی آدمی نہیں ملا۔ ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ کونسا دن ہے اور کونسا مہینہ ہے اور یا غلہ کس بھاؤ بیچتے ہیں اور گوشت کس طرح دیتے ہیں اس طرح کی کسی بات کا ان کے پاس گزر ہی نہ تھا۔ وہ زبردست شاغل تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ اس کے بعد اس دعا کی مناسبت سے فرمایا کہ حاجت پوری ہونے کے لئے مستعاتِ عشر کا پڑھنا بھی آیا ہے۔ بندے نے عرض کی کہ (کیا) ہر روز مقررہ وقت پر پڑھنا چاہئے۔ فرمایا کہ اگر کوئی مہم درپیش ہو۔ دینی یا دنیوی۔ اس کی نیت سے علیحدہ بھی پڑھتے ہیں وہ مہم خوبی سے سر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے۔

نوبت مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی چوتھی تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت

تک رسائی ہوئی۔ تراویح کا اور ختم قرآن کرنے والے گروہ کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ کوئی درویش شیخ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز کی خانقاہ میں آیا شاید ماہ رمضان کی چاند رات تھی۔ اس درویش نے درخواست کی کہ نماز تراویح میں امامت میں کروں گا۔ شیخ نے ہاں کر دی۔ الغرض ہر رات کو ایک قرآن ختم کرتا تھا شیخ ہر رات کو فرماتے کہ ایک ٹکیہ روٹی اور ایک پیالہ پانی اس کے حجرے میں بھیج دیا جائے۔ شیخ کے حکم کے مطابق ہر رات کو ایک ٹکیہ روٹی اور ایک پیالہ پانی کا اسکے حجرے میں رکھتے رہے۔ الغرض جب تراویح کی تیس راتیں گزر گئیں اور عید ہوئی تو عید کے روز شیخ نے اسے وداع کیا جب وہ واپس چلے گئے تو ان کے حجرے کی چھان بین ہوئی اور وہ روٹی کی تیس رکی تیس ٹکیاں موجود پائی گئیں۔ ہر رات کو بس پانی کا وہ ایک کوزہ ہی پیتے رہے!

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ امام اعظم ابو حنیفہ کو فی رحمۃ اللہ علیہ رمضان کے مہینے میں ایک قرآن تو تیس راتوں میں تراویح کے اندر ختم کرتے اور ایک ختم ہر روز اور ایک ختم ہر رات۔ مجموعی طور پر رمضان کے مہینے میں اکٹھ ختم فرماتے ایک ختم تراویح میں اور تیس ختم دن کے وقت اور تیس ختم رات کو!

دستویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ ہنگل کو ایام تشریق ہونے کی وجہ سے مخدوم جہانیاں کے آسمان جیسے آستان پر حاضری ہوئی تاکہ ملاقات کی نعمت حاصل ہو۔ جب قدم بوسی کی دولت میسر آ گئی تو بندے سے مخاطب

عزیز بقریب کے بعد کے تین روز

ہو کر فرمایا جمعہ کو عید کا دن تھا۔ تم نے کوئی چیز موسم کی تہنیت کی کہی ہوگی بند
نے عرض کی کہ آج سے چار پانچ دن پہلے نور روز تھا۔ بندے نے شعر کہہ کر اس
میں عید اور نور روز کا ایک ساتھ تذکرہ کیا تھا۔ وہ اشعار پیش کیے۔

اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شمس دبیر نے شیخ الاسلام افرید الدین
قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں اشعار پیش کئے جس میں شیخ کی مدح بھی بہت طویل تھی۔ انھوں
نے پڑھنے کی اجازت چاہی شیخ طیب اللہ شراہ نے اجازت دی کہ پڑھو شمس دبیر نے کھڑے ہو کر
شعر پڑھے جب پڑھ چکے تو شیخ نور اللہ مرقدہ نے حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ جب بیٹھ گئے تو حکم ہوا کہ پھر

پڑھو شمس نے پھر پڑھا۔ اس کے بعد شیخ قدس اللہ سرہ العزیز نے ہر شعر کے محاسن بیان فرمائے اور
بعض جگہ اصلاح دی اور داد بھی دی چنانچہ شمس کا دل خوش ہو گیا اس درمیان خواجہ
ذکرہ اللہ بالآخر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ شائع شعر کم ہی سنا کرتے ہیں خاص کر وہ
شعر جو ان کی تعریف میں ہوں شیخ کے احوال کا کمال دیکھو کہ شعر سننے بھی اور داد بھی دی !
الغرض شعر سننے کے بعد پوچھا کہ چاہتے کیا ہو؟ شمس نے کہا کہ غربت ہے۔ بوڑھی ماں ہیں
ان کی دیکھ بھال میں لگا رہتا ہوں شیخ نے فرمایا جاؤ شکرانہ لے آؤ اس درمیان خواجہ
ذکرہ اللہ بالآخر نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ جس کا امیر شیخ الاسلام کسی سے یہ فرما دیتے
کہ جاؤ شکرانہ لے آؤ وہ کا ضرور ہو جایا کرتا تھا۔ الغرض شمس گیا اور چند جیتل لے آئے
اس زمانے میں یگانہ جیتل چلتا تھا۔ لگ بھگ پچاس عدد جیتل لائے تھے شیخ الاسلام قدس
اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ ان کو تقسیم کرو۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ تقسیم ہوئی اور

عڈ ایران اور وسط ایشیا کے بعض دوسرے ملکوں میں موسم بہار کا پہلا دن عید نور روز کی حیثیت سے

منایا جاتا ہے لوگ کہہ دیتے کہ وہیں سے بائرن لگتے ہیں مغل دور میں ہندوستانیوں نے بھی نور روز کے سلسلے میں بہت سی رسمیں ایجاد
کر لی تھیں۔

ایک سکہ

مجھے چار درم ملے پھر شیخ نے دعا فرمائی تو شمس کو کشادگی میسر آئی اور وسائل پیدا ہو گئے (چنانچہ وہ سلطان غیاث الدین کے شہزادے کے ہاں دبیر (میر منشی یا چیف سکریٹری) ہو گیا۔ لیکن جب اس کا کام بن گیا تو اگرچہ حضرت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز انتقال فرما چکے تھے شیخ کے فرزندوں اور گھر والوں کی خدمت کی توفیق اس کو نہ ہوئی۔ یا تو اسے خود خیال نہیں آیا یا کسی نے سمجھا یا نہیں۔

اس کے بعد اس کے اخلاق اور خوش طبعی کا ذکر نکلا۔ بندے نے عرض کی کہ غلام کو ان سے قربت کی نسبت حاصل ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے پوچھا کیا کبھی تمہارا باہم ساتھ بھی رہا ہے بندے نے عرض کی کہ جی ہاں۔ جس سال سلطان غیاث الدین لکھنؤ گیا تھا۔ اس شکر میں وہ اور میں کیا کشتی اور کیا خشکی راستے بھر ساتھ رہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے پوچھا کہ کیا تمہارے درمیان تصوف کے معاملات میں بھی باہم تعاون رہا؟ بندے نے عرض کی جی ہاں! اس کے بعد فرمایا کہ شمس نے قاضی حمید الدین ناگوری کی کتاب "لوائح" شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز حضرت بابا فرید سے پڑھی تھی۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی میں اور شمس دبیر اور شیخ جمال الدین ہانسوی علیہم الرحمت ایک دفعہ ساتھ ساتھ شیخ کے پاس سے واپس آ رہے تھے۔ اور کچھ منزلوں میں ساتھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ایسے راستے پر پہنچے جہاں سے دو سڑکیں پھٹی تھیں وہ سناک کی جانب جانا چاہتے تھے اور میں مسری کی طرف۔ جب ہم نے وداع کر دیا تو شیخ جمال الدین شمس دبیر سے مخاطب ہوئے اور یہ مصرع پڑھا

اے یار قدیم راست میرو

اے پرانے دوست سیدھے جاؤ اس وقت اس مصرعے نے بڑا مزہ دیا۔ ان کو بھی اور شیخ جمال الدین کو بھی اور مجھے بھی۔

گبارِ تہو میں مجلس

اسی سال ماہ ذی الحجہ کی انتیسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ اس روز بندے کو کسی قدر تشویش تھی (اور یہ گمان تھا کہ کسی نے مجھ بچارے کی بُرائی شیخ سے کی ہے۔ جب خدمت میں بیٹھنے کی دولت ملیسر آئی تو پہلی بات جو زبان مبارک سے ادا ہوئی یہ تھی کہ) اگر کوئی کسی کے سامنے کسی کی بدی بیان کرتا ہے تو اس سننے والے کو اتنی عقل و تمیز ہے اور اتنا (ضرور) جانتا ہے کہ یہ بات سچی ہے یا جھوٹی ہے۔ یا اس میں کوئی غرض ہے بندے نے جب یہ بات سنی تو بہت خوش ہوا اور غرض کی کہ خدمت گاروں کا اطمینان اسی بات پر تو ہے کہ مخدوم کا باطن حاکم ہے رفیصلہ کرنے والا ہے اس پر سب روشن ہے۔

پھر اولیہ کے کشف و کرامات کا ذکر چھڑ گیا۔ اس ضمن میں شیخ سعد الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ بہت بڑے پیر تھے۔ شاہ ان کے شہر کا فرمانروا ان سے اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔ ایک روز (یہ ہوا کہ) وہ بادشاہ شیخ کی خانقاہ کے دروازے سے گزرا اور ایک حاجب (اے ڈی سی) کو اندر بھیجا اور یہ لفظ کہا کہ اس صوفی بچہ کو باہر بلاؤ۔ (دراں میں رہی تو) دیکھوں حاجب اندر آیا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ شیخ نے اس کی بات کی طرف ذرا توجہ نہ کی اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ حاجب نے باہر آ کر ساری کیفیت کہہ سنائی۔ بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور وہ شیخ کی خدمت میں آیا۔ شیخ نے اسے آتے دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور خوشی ظاہر کی

۱۔ یہ حضرت شیخ غم الدین کبرنی کے خلیفہ تھے۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۱۰ ذی الحجہ ۶۵۵ھ کو وفات پائی۔ لطائف اشرفی جلد اول صفحہ ۲۷۶۔

دونوں ساتھ بیٹھ گئے۔ وہاں قریب ہی ایک باغیچہ تھا۔ شیخ سعد الدین نے کچھ سیب لانے کا اشارہ کیا۔ جب سیب آگئے تو شیخ نے سیب کے ٹکڑے کیے اور بادشاہ اور وہ خود کھانے لگے۔ شاید اس طباق میں ایک بڑا سیب بھی تھا۔ بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ اگر ان شیخ میں کرامت اور باطن کی صفائی ہے تو یہ سیب اٹھائیں گے اور مجھے عطا فرمائیں گے جیسے ہی یہ خیال بادشاہ کے دل میں آیا۔ شیخ نے ہاتھ بڑھایا اور اس سیب کو اٹھالیا۔ اور بادشاہ سے مخاطب ہو کر بولے کہ ایک دفعہ میں سفر میں تھا ایک شہر میں پہنچا تو شہر کے دروازے پر جمع دیکھا ایک مداری تماشا دکھا رہا تھا۔ اس مداری کے پاس ایک گدھا تھا اور اس گدھے کی آنکھیں پیر سے باندھ رکھی تھیں۔ ہاتھ میں انگوٹھی لے رکھی تھی۔ انگوٹھی اس نے تماشا دیکھنے والوں میں سے کسی کو دیدی پھر مجمع کی طرف رخ کر کے بولا کہ انگوٹھی جس کسی کے پاس ہے یہ گدھا بتائے گا۔ پھر یہ گدھا اسی طرح آنکھیں بندھے بندھے ان لوگوں کے حلقے میں گشت کرنے لگا۔ اور ہر ایک کو سونگھتا جاتا تھا یہاں تک کہ اس آدمی کے سامنے پہنچا جس کے پاس انگوٹھی تھی وہاں کھڑا ہو گیا اور ٹھہرا۔ مداری آیا اور اس شخص سے انگوٹھی لے لی۔ الغرض شیخ سعد الدین حمویہ نے اس تقریر کے بعد بادشاہ سے کہا اگر آدمی کشف و کرامت سے کچھ بیان کرتا ہے تو اپنے آپ کو اس گدھے کے برابر ٹھہرتا ہے۔ اور اگر کچھ نہیں کہتا اور کرامت نہیں دکھاتا تو تمہارے دل میں خیال گزرتا ہے کہ اس شخص کے (باطن) میں صفائی نہیں ہے یہ کہا اور سیب اس کی طرف پھینک دیا۔

اسکے بعد شیخ سعد الدین کے انتقال اور شیخ سیف الدین باخزری رحمۃ اللہ علیہما کی بزرگی کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ شیخ سعد الدین حمویہ کو ایک رات خواب میں دکھایا گیا کہ جاؤ شیخ سیف الدین باخزری کو دیکھو۔ جب شیخ سعد الدین

بیدار ہوئے تو اپنے مقام سے روانہ ہو گئے جس مقام پر وہ تھے وہاں سے شیخ
سیف الدین باخرزی کی قیام گاہ کا فاصلہ تین مہینے کے سفر کی دوری کا تھا شیخ
سیف الدین کو بھی خواب میں دکھایا گیا کہ شیخ سعد الدین حمویہ کو بم تہوارے پاس
بھیجتے ہیں۔ الغرض جب شیخ سعد الدین نے تین مہینے کی مسافت طے کر لی
اور شیخ سیف الدین تک پہنچنے کے لئے تین منزلیں رہ گئیں تو کسی کو شیخ سیف الدین
کے پاس بھیجا اور کہلوا یا کہ میں نے آپ کی زیارت کے لئے تین مہینے کی راہ طے کر لی
ہے۔ آپ تین منزل میرا استقبال کرنے آئیے جب یہ پیغام شیخ سیف الدین باخرزی
کو ملا تو بولے (وہ شخص) بیکار ہے۔ مجھے نہ دیکھے۔ اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالجیر نے فرمایا کہ شیخ
سعد الدین جس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے وہیں رحمت حق سے جا ملے اور شیخ سیف الدین
باخرزی تک نہیں پہنچ سکے۔

اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالجیر نے حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بہار الدین زکریا
رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے۔ میں نے ان سے سنا کہ ایک روز شیخ بہار الدین اپنے
گھر سے باہر نکلے اور بولے اِنَّ لِلّٰہِ دَانَ اِلَیْہِ مَا جَعَلَ رِہِمَ اللّٰہِ کے لئے ہیں اور اسی کی
طرف لوٹنے والے ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا بات ہے؟ بولے کہ ابھی شیخ سعد الدین حمویہ نے
انتقال فرمایا ہے۔ اس کے کچھ عرصے بعد تصدیق ہو گئی کہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کے بعد
خواجہ ذکریہ اللہ بالجیر نے فرمایا کہ پہلے شیخ سعد الدین حمویہ نے انتقال کیا ان کے تین
سال بعد شیخ فرید الدین نے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

۱۔ یہ بھی شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ تھے۔ انھیں بخارا کی طرف بھیجا تھا۔ وہیں ۶۵۸ھ میں وفات پائی۔

مطالعہ اشرفی جلد اول صفحہ ۷۶ - ۳ -

بارہویں مجلس

محرم کے مہینے کی گیارہویں تاریخ ۱۵۷۱ء سات سو پندرہ ہجری جمعات کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ ذکر یہ آیا کہ دنیا کی تعریف DEFINATION کیا ہے یعنی کون سی چیز دنیا ہے۔ اور کون سی چیز دنیا نہیں ہے ارشاد ہوا کہ ایک ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی دنیا ہے۔ اور ایک ظاہر میں اور باطن میں دنیا نہیں ہے۔ اور ایک ظاہر میں دنیا نہیں ہے لیکن باطن میں دنیا ہے۔ اور ایک ظاہر میں دنیا ہے اور باطن میں دنیا نہیں ہے۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ جو صورت اور معنی میں دنیا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہر وہ چیز جو ضرورت سے زیادہ ہو دنیا ہے۔ اور جو صورت اور معنی میں دنیا نہیں ہے۔ وہ خلوص کے ساتھ طاعت ہے۔ اور جو صورت میں دنیا نہیں ہے۔ اور معنی کے اعتبار سے دنیا ہے وہ ایسی طاعت ہے جو ریاکاری سے ہو (کوئی فائدہ اٹھانے کے لیے اور جو صورت میں دنیا ہے مگر معنی میں دنیا نہیں ہے۔ وہ اپنی بیوی کا حق زوجیت ادا کرنا ہے یعنی اپنی بیوی سے اس نیت سے صحبت کرنا کہ اس کا حق ادا ہو۔ یہ فعل اگرچہ صورت کے اعتبار سے دنیا ہے۔ لیکن معنی کے اعتبار سے دنیا نہیں ہے۔

تیرہویں مجلس

اسی سال ماہ صفر اللہ اسے کامیابی اور خیر کے ساتھ اختتام تک پہنچائے، کی پانچویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ وظیفوں اور دعاؤں کا ذکر نکلا بندے سے پوچھا کہ اوراد میں کیا کیا پڑھ رہے ہو؟ بندے نے عرض کی کہ جو کچھ مخدوم کی زبان مبارک سے سُن رکھا ہے۔ وہ پڑھتا ہوں۔ پانچویں وقت نماز کے بعد جو سورت

آئی ہے وہ بھی پڑھتا ہوں نماز عصر کے بعد پانچ مرتبہ سورہ نبا (عم یسألون) اور وہ مقررہ سورتیں جو سنتوں کے لئے ارشاد ہوئی ہیں اور دونوں وقت سبعتا عشر اور سو دفعہ کل لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك لہ کوئی خدا نہیں ہے سوائے ایک خدا کے۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے ولما الحمد دھو علی کل شئی قدیس (اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) اس کے بعد فرمایا کہ دس تسبیحات اور بھی ہیں جن میں سے ہر ایک کو سو سو بار پڑھیں تاکہ ہزار دفعہ ہو جائے اور اگر سو مرتبہ نہ پڑھ سکیں تو دس دس (تیر پڑھیں تاکہ مجموعی طور پر سو بار ہو جائے الغرض ان دس تسبیحوں میں سے آٹھ بندے کو یاد رہ گئیں اور وہ تسبیحات یہ ہیں اول لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك ولہ الحمد بحمیی ویمیت وھو حی لا یموت ذوالجلال والاکرام بیحد الخیر دھو علی کل شئی قدیر کوئی خدا نہیں سوائے ایک خدا کے۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لئے ملک ہے اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں وہی جلالا ہے وہی موت دیتا ہے۔ وہ ایسا زندہ ہے جس کو موت نہیں صاحب جلال اور صاحب اکرام ہے اس کے ہاتھ ساری خیر و برکت ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے دوسری سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (پاکی ہے اللہ کے لئے اور سب تعریفیں ہیں اللہ کے لئے کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے اللہ سب سے بڑا ہے اللہ کے سوا نہ کسی کو قدرت نہ قوت ہے۔ وہ اعلیٰ ہے وہ بڑا ہے) تیسری سبحان اللہ والحمد للہ سبحان اللہ العلی العظیم و الحمد استغفر اللہ من کل ذنب والتوب الیہ (پاکی ہے اللہ کے لئے سب تعریفیں ہیں اللہ کے لئے جو اعلیٰ ہے جو بڑا ہے جس کے لئے تعریفیں ہیں میں اللہ کی بخشش چاہتا ہوں سب گناہوں سے اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں)۔ چوتھی: استغفر اللہ الذی لا الہ الا الہ العلی القیوم والالتوبۃ استغفر اللہ من کل ذنب اذنبتہ عمدًا او خطاء مبرئاً او علانیۃ والتوب الیہ (میں بخشش مانگتا ہوں اللہ سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں جو حی ہے جو قیوم ہے اس کے آگے توبہ کرتا ہوں اللہ سے معافی مانگتا ہوں سب گناہوں کی چاہے وہ جان بوجھ کر ہوئے ہوں چاہے انجانے میں ظاہر ہوئے ہوں یا چھپ کر اللہ کے آگے توبہ کرتا ہوں) یا بخیر سبحان

اللہ الملک القدوس سبحو حقداد میں رہنا و رب الملائکۃ والروح (پاک ہے وہ بادشاہ وہ قدوس وہ سبح جو ہمارا بھی رب ہے اور فرشتوں اور روح کا بھی رب ہے) چھٹی: اللہم لا تمنع لما اعطیت ولا تعطی لما منعت ولا تضر ما قضیت ولا یمنع ذالحد منک الحمد (یا اللہ جسکو تو دے اس کے لیے کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو تو نہ دے اسکو کوئی دینے والا نہیں۔ اور جو قبضہ تو فرما دے اسکو رد کرنے والا کوئی نہیں اور کسی کی کوشش تیرے مقابلے میں کامیاب نہیں۔) ساتویں: اللہم اغفر لی ولوالدی ولجميع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات (یا اللہ مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور سب مومن مردوں کو اور سب مومن عورتوں کو اور سب مسلم مردوں کو اور سب مسلم عورتوں کو)

الاحیاء منهم والاموات (چاہے وہ زندہ ہوں یا مردہ) آٹھویں: اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین (یا اللہ درود بھیج محمد پر اور آل محمد پر یا اللہ ان کو برکت دے اور درود بھیج سب انبیاء اور رسولوں پر) دوسری دو تسبیحات جو یاد نہیں رہیں تھیں یہ ہیں۔ نویں: اعوذ باللہ السميع العليم من شیطان الرجیم واعوذ بک من همزات الشیاطین واعوذ بک صاب ان بحضرت ریناہ چاہتا ہوں اللہ کی جو سننے والا جاننے والا ہے۔ شیطان رجیم سے تیری پناہ چاہتا ہوں شیطانوں کے دوسووں سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں دسویں: (بسم اللہ خیر الاسماء بسم اللہ صاب الارض والسماء بسم اللہ الذی لا یضریع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء وهو السميع العليم) اس اللہ کے نام سے شروع جو ناموں میں بہترین نام ہے اس اللہ کے نام سے شروع جو آسمانوں اور زمین کا پالنے والا ہے اس اللہ کے نام سے شروع جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی چاہے وہ زمین میں ہو۔ چاہے آسمان میں اور جو سننے والا جاننے والا ہے) نماز کے بعد فرمایا کہ جس روز شیخ الاسلام فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے ان دس تسبیحات کے پڑھنے کا حکم فرمایا حضرت بہت خوش تھے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں خزانے بخش دیے ہیں۔ ان اعلیٰ تسبیحات کو پابندی سے پڑھتے رہنا۔

جو دہویں مجلس

اسی سال ماہ صفر کی ستائیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی عشق و عقل کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ان کے درمیان تضاد ہے۔ علماء اہل عقل ہیں۔ درویش لوگ اہل عشق علماء کی عقل عشق پر غالب ہے اور اس قوم کا عشق عقل پر غالب ہے مگر انبیاء میں دونوں کیفیات ہوتی ہیں۔ اس کے بعد غلبہ عشق کی صفت میں یہ شعر زبان مبارک سے پڑھا۔

عقل کے ہاں عشق کی کوئی سنوائی نہیں جلدی سے (اس کے کان میں) روئی ٹھونس دو اس اونٹ نے جولا ہے کے دل کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتا تھا۔

اسی معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ علی کھوکھری نامی ایک شخص ملتان میں تھے وہ ایسے کسی آدمی سے اعتقاد نہیں رکھتے جس کے پاس عشق و درد نہ ہوتا چلا ہے وہ کتنا ہی زاہد اور عبادت گزار کیوں نہ ہو۔ اور کہتے کہ فلاں آدمی کچھ نہیں ہے۔ اس کے پاس اشک تو ہے نہیں۔ اس کی زبان سے صحیح لفظ تک نہ نکلتا تھا عشق کو اشک کہتا تھا۔ اسی بات کی مناسبت سے (یہ بھی) فرمایا کہ بھٹی معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ محبت کا ایک درہ تمام انسانوں اور پریوں کی طاقت سے افضل ہے۔ اسی کے مناسب حال یہ بات فرمائی کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز بارہا کسی کو دعا دیتے کہ خدائے عزوجل تجھے درد عطا فرمائے وہ شخص حیران ہوتا کہ یہ کیا دعا ہے۔ اب پتہ چلا ہے کہ وہ کیا دعا تھی۔

پھر شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت نکلی۔ ارشاد ہوا کہ جس زمانے کے یہاں شخص سے مراد خود اپنی ذات پاک ہے۔

میں وہ بدایوں پہنچے۔ ایک روز گھر کی دہلیز پر بیٹھے تھے کہ ایک دہی فروش دہی کی مشکی سرو پر رکھے اس گھر کے سامنے سے گزرا اور یہ دہی بیچنے والا مواسی کارہنے والا تھا جو بدایوں کے قریب ہے اس علاقے کو کٹھن کہتے تھے۔ اور وہاں راہزن بہت ہوتے تھے اور یہ دہی فروش بھی ان دراستہ لوٹنے والوں میں سے ایک تھا الغرض جب اسکی نظر شیخ جلال الدین کے چہرہ مبارک پر پڑی تو اس پہلی ملاقات ہی نے اس کے اندر کی کایا پلٹ دی جب اس نے غور سے شیخ کا چہرہ دیکھا تو بولا کہ دین محمد علیہ السلام میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں!

دپھر فوراً ایمان لے آیا۔ شیخ نے اس کا نام علی رکھا۔ جب وہ مسلمان ہو گیا تو گھر گیا اور اسی وقت ایک لاکھ جیتل شیخ کی خدمت میں لے کر آیا۔ شیخ نے انھیں قبول فرمایا اور بولے کہ اس ساری نقدی کی نگرانی تو ہی کر۔ جہاں میں کہوں وہاں خرچ کر دیجو پھر علی الحساب اس نقدی میں سے ہر ایک کو عطا کرنا شروع کیا۔ کسی کے لئے سو درہم کا حکم فرماتے کسی کے لئے بیس پاس درہم کا۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ اور کسی کو کم بھی دلواتے تو پانچ جیتل دلواتے۔ شیخ کا کم سے کم عطیہ پانچ جیتل ہوتا۔ پانچ جیتل سے کم کسی کے لئے حکم نہ فرماتے۔ آخر کار کچھ مدت میں یہ ساری رقم خرچ ہو گئی۔ صرف ایک درہم بچا یہ علی کہتے تھے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس ایک درہم سے زیادہ نہیں بچا ہے اور شیخ کی کم سے کم بخشش پانچ درہم ہے۔ اگر کسی کو کچھ دینا چاہیں گے تو میں کیا کروں گا؟ اسی فکر میں تھا کہ کوئی مانگنے والا آیا اور سوال کیا۔ شیخ نے مجھ سے کہا اس کو ایک درہم دیدو!

شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں حکایت بیان فرمائی کہ جب انھوں نے بدایوں سے لکھنؤ (بنگال) کا ارادہ فرمایا تو یہ علی بھی ان کے پیچھے روانہ ہوا

شیخ نے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ! علی بولے کہ میں کس کے پاس واپس جاؤں میں کس کو جانوں میرا آپ کے سوا اور ہے کون؟ کچھ دور چلنے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ اور علی نے دوبارہ عرض کی کہ میرے پیر اور مخدوم تو آپ ہیں آپ کے بغیر میں یہاں کیا کروں گا! شیخ بولے کہ واپس جاؤ یہ شہر تمہاری حمایت میں ہے! پھر ایسے عبادت گزاروں کا ذکر آیا جو بڑی طاعت کرتے ہیں اور ان کے پاس باطن کا شغل اتنا نہیں ہوتا۔ ارشاد ہوا کہ لوگوں کی چار قسمیں ہیں بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کا ظاہر آراستہ ہے اور باطن خراب ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان کا باطن آراستہ ہے اور ظاہر خراب ہے۔ اور بعض کا ظاہر باطن (دونوں) خراب ہے اور بعض کا ظاہر باطن (دونوں) آراستہ ہیں۔ وہ گروہ کہ جس کا ظاہر آراستہ ہے اور باطن خراب وہ ایسے عبادت گزاروں کی قوم سے ہیں جو طاعت بہت کرتے ہیں۔ لیکن ان کا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے۔ اور وہ گروہ جن کا باطن آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر خراب۔ ایسے دیوانے (مجذوب) ہیں کہ جو اندر سے مشغول بحق ہوتے ہیں اور ظاہر میں کوئی سرو سامان نہیں رکھتے اور جس گروہ کا ظاہر باطن خراب ہوتا ہے وہ عوام ہیں اور وہ گروہ کہ جس کا ظاہر بھی آراستہ ہوتا ہے اور باطن بھی وہ مشائخ ہیں!

بندر ہوئیں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الاول کی بائیسویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ ارشاد ہوا کہ راہ حق میں جس لباس میں بھی ہوں داخل ہو جانا چاہئے امید ہے کہ انجام درست ہو جائے گا۔ اس معنی کی مناسبت سے حکایت بیان

فرمائی کہ ایک دفعہ کسی درویش کی نظر بادشاہ کی لڑکی پر پڑی۔ بادشاہ کی لڑکی بھی اس کی طرف مائل ہوئی اور دونوں کے درمیان معاشقہ پیدا ہو گیا بادشاہ کی لڑکی نے کسی سے درویش کے پاس کہلوا بھیجا کہ تم درویش آدمی ہو مجھ سے تمہارا ملنا سخت دشوار نظر آتا ہے۔ البتہ ایک طریقہ ہے۔ اگر یہ کر لو تو امید ہے کہ میں تم تک پہنچ جاؤں۔ اور وہ طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو ایک عبادت گزار آدمی بنا لو اور کسی مسجد کو ٹھکانہ بنا کر طاعت و عبادت میں لگ جاؤ۔ جب تمہاری شہرت زہد اور پارسائی سے ہو جائے گی تو میں اپنے باپ سے اجازت لے کر برکت حاصل کرنے کی رسم کے طور پر تمہاری زیارت کے لئے آ جاؤں گی اس درویش نے اس اشارے کی بموجب ایسا ہی کیا۔ ایک مسجد کا پابند ہو گیا اور طاعت و خلوت میں لگا رہا۔ جب ذوق طاعت اس کو حاصل ہوا تو اس نے پوری طرح اپنا دل حق تعالیٰ سے جوڑ لیا۔ اس کا چہرہ چالوگوں کی زبانوں پر عام ہو گیا اور بادشاہ کی بیٹی باپ سے اجازت لے کر اس کی زیارت کو آئی۔ جب وہ پہنچی تو اگرچہ کہ درویش بھی وہی تھا اور اس کا حسن و جمال بھی وہی تھا لیکن اس لڑکی نے اس میں کسی قسم کی تحریک اور اپنی طرف جھکاؤ نہیں دیکھا تو بولی کہ میں نے ہی تو تجھے یہ ترکیب سکھائی تھی اب تجھے کیا ہو گیا ہے کہ میری طرف ذرا التفات نہیں کرتا ہر چند اس بارے میں زور ڈال کر کہا۔ مگر درویش یہی کہتا رہا کہ تو ہے کون؟ میں تجھے کیا جانوں میری تجھ سے کیا شناسائی؟ اسی طرح اس نے بے رخی برتتا رہا اور مشغول بحق ہو گیا۔ خواجہ ذکرة اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد فرمایا کہ جس کو یہ ذوق میسر آ جائے وہ غیر سے الفت کس طرح ظاہر کر سکتا ہے۔

اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ عبداللہ مبارک کو جوانی کے زمانے

میں ایک عورت سے محبت تھی۔ ایک رات اس کی دیوار کے نیچے آئے ہوئے تھے اور اس عورت نے بھی کھڑکی سے سر باہر نکال رکھا تھا اور دونوں بات چیت اندر راز و نیاز میں مشغول تھے شروع رات سے آخر رات تک اسی طرح بات گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان کی آواز آئی۔ عبد اللہ سمجھے کہ یہ نماز عشا کی اذان ہے۔ جب غور سے دیکھا تو صبح ہو چکی تھی۔ اسی درمیان ایک اتف لے آواز دی کہ اے عبد اللہ ایک عورت کے عشق میں شروع رات سے آخر رات تک جاگتے رہے کسی رات حق تعالیٰ کے لئے بھی اس طرح رہا ہو؟ عبد اللہ نے یہ بات سنی تو اپنے اس کا افسوس تو بہ کی اور پوری طرح مشغول بحق ہو گئے ان کی تو بہ کا سبب یہ بنا اسی درمیان کھانا سامنے لگایا گیا۔ ایک شخص آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اس مناسبت سے خواجہ ذکریہ اللہ بالجبر نے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ ابوالقاسم نسر آبادی جو ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے پیر تھے اپنے مریدوں کے ساتھ بیٹھے کھانا کھانے میں مشغول تھے۔ امام الحرمین جو امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے تشریف لائے اور سلام کیا شیخ ابوالقاسم اور ان کے مریدوں نے ان کی طرف کوئی التفات نہیں فرمایا جب کھانا کھا چکے تو امام الحرمین نے کہا کہ کیا بات ہے کہ میں نے اندر آ کر سلام کیا اور آپ نے کوئی جواب نہیں دیا شیخ ابوالقاسم بولے کہ قاعدہ یہی ہے کہ اگر کوئی ایسے مجمعے میں پہنچے جو کھانا کھانے میں مشغول ہو تو آنے والے کو چاہئے کہ سلام نہ کرے بس آ کر بیٹھ جائے اور جب کھانے سے فارغ ہو جائیں اور ہاتھ دھولیں اس وقت وہ کھڑا ہو اور سلام کرے۔ امام الحرمین نے کہا کہ یہ بات تم کس حوالے سے کہتے ہو عقل سے یا نقل ربیع قرآن و حدیث اور کسی کتابی حوالے سے؟ ابوالقاسم نے جواب دیا کہ از روئے عقل کہتا ہوں۔ کیوں کہ جو بھی کھانا کھایا جاتا ہے۔ و طاعت کی طاقت حاصل کرنے

کے لیے ہوتا ہے۔ پس جو شخص اس نیت سے کھانے میں مشغول ہو وہ گویا عین طاعت کے عمل میں ہوتا ہے۔ لہذا ایسا شخص جو طاعت میں مشغول ہو۔ مثلاً نماز پڑھ رہا ہو۔ علیک (سلیک) کس طرح کر سکتا ہے حاضرین میں سے کسی شخص نے پوچھا کہ ایک ہندو بے جو کلمہ پڑھتا ہے اور خدا کی نیت کا قائل ہے اور رسول کی رسالت کا بھی۔ لیکن جب مسلمان لوگ آتے ہیں تو پوچھ رہا ہے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتا اس کی عاقبت کیسی ہوگی؟ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے فرمایا اس کا یہ معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ حق تعالیٰ اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ فرمائے۔ چاہے تو فیض فرمادے چاہے عذاب دے اس بات کی مناسبت سے فرمایا کہ بعض ہندو صاحبان جانتے ہیں کہ اسلام حق ہے مگر مسلمان نہیں ہوتے۔

یہاں سے حضرت ابوطالب کی حکایت نکلی۔ ارشاد فرمایا کہ جب وہ بیمار ہوئے تو مصطفیٰ علیہ السلام ان کے قریب تشریف لے گئے اور فرمایا کہ آپ ایک دفعہ حق تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر لیں چاہے زبان سے چاہے صدقہ دل سے تاکہ میں خدا کے سامنے دلیل کے طور پر عرض کروں کہ الہی وہ ایمان لے آئے تھے۔ ہر چند رسول علیہ السلام نے یہ بات کہی۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوا اسی طرح کفر کی حالت میں انتقال کیا۔ چنانچہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کے انتقال کی خبر رسول علیہ السلام کو ان الفاظ میں سنائی عمک الفل مات۔ یعنی آپ کے گمراہ چچا نے وفات پائی! اس کے بعد رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ انھیں غسل دیں اور کفن میں لپیٹیں اور بے لحد کی قبر کھودیں اور ان کو اوپر سے قبر میں ڈال دیں یعنی رواجی تدفین نہ ہو۔

سولہویں مجلس

اسی سال ماہ جماد الاول کی نویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی

اس گمروہ کی حکایت بیان فرمائی جو خراج اور جزیہ اور کھیتی کا لگان وصول کرنے میں خلقت پر زیادتی کرتا ہے۔

اس درمیان فرمایا کہ اب سے پہلے لاہور کی حدود میں ایک گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں کوئی درویش رہتا تھا وہ کھیتی کرتا اور اس روزگار کے ذریعے گذر بسر کرتا۔ کوئی شخص بھی اس سے کچھ نہ مانگتا پھر ایک دفعہ کوئی نیا شخصہ (تحصیلدار یا تھا بیدار) مقرر ہوا۔ اس نے اس درویش سے حصہ مانگنا شروع کیا اور کہا کہ تجھے کھیتی کرتے اتنے سال ہو گئے مگر ذرا بھی حصہ نہیں دیتا اور غلہ اٹھا کر لیجاتا ہے یا تو گزشتہ سالوں کا جزیہ دے یا کوئی کرامت دکھا درویش بولا کہ کرامت کیا ہوتی ہے؟ میں تو ایک مسکین آدمی ہوں۔ شخصہ نے ضد پکڑ لی کہ تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ یا تو اتنے سال کا لگان دے یا کوئی کرامت دکھا اس وقت تجھے چھوڑوں گا۔ درویش زچ ہو گیا۔ آپ ہی آپ کچھ سوچا پھر شخصہ کی طرف رخ کر کے بولا کہ تم جو کرامت چاہتے ہو بتاؤ۔ شاید اس گاؤں کے پاس ندی بہتی تھی۔ شخصہ بولا کہ اگر تمہارے پاس کرامت ہے تو پانی پر چلو۔ درویش نے پانی پر قدم رکھا اور جس طرح زمین پر سے گزرتے ہیں گزر گیا۔ جب پارا تر گیا تو ملاح سے واپس آنے کے لئے کشتی مانگی۔ اس سے کہا گیا کہ جس طرح گئے تھے اسی طرح واپس کیوں نہیں آجائے بولا نہیں۔ اس طرح نفس موٹا ہو جائے گا اور یہ گھمنڈ کرے گا کہ میں بھی کچھ ہو گیا ہوں! پھر کھانا کھلانے اور جو کچھ میسر ہو اس سے مہمانوں کی خاطر تواضع کا ذکر آیا ارشاد فرمایا کہ حدیث ہے من مزار حیات ولم یزق منه شیئا فکان مزار صیئاً جس نے کسی زندہ کی زیارت کی اور اس کے ہاں کی کوئی چیز نہیں چکھی تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے کسی مردہ کی زیارت کی۔ یہاں شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت نکلی کہ

ان کے یہاں یہ معاملہ نہیں تھا۔ مخلوق ان کے ہاں آتی جاتی رہتی کھانے کی کوئی چیز وہاں نہ ہوتی۔ ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ یہ حدیث رسولؐ ہے کہ من ذرا حیاء لکم یزق منہ شیئاً فکانما نزار میتاً شیخ بولے کہ ہاں! اس سوال کرنے والے نے کہا کہ پھر آپ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ شیخ نے جواب دیا کہ لوگ اس حدیث کے معنی نہیں جانتے۔ خلق کی دو قسمیں ہیں۔ عوام ہیں اور خواص ہیں۔ مجھے عوام سے کچھ کام نہیں۔ البتہ خواص جب آتے ہیں تو میں خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے سلوک کی باتیں اور اس طرح کی دوسری چیزیں ان کو بتاتا ہوں اور ان کو فائدہ ہوتا ہے۔

اس بات کی مناسبت سے خواجہ ذکری اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ رسول علیہ السلام کے اصحاب جب حضرت رسالت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ضرور کچھ (نہ کچھ) کھاتے پھر واپس جاتے۔ روٹی یا کھجور یا دوسری کوئی چیز جب تک کھانہ لیتے واپس نہ جاتے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا قاعدہ تھا کہ اگر ان کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو کہتے کہ پانی ہی پیش کر دیں!

یہاں شیخ بہار الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نکلا۔ حکایت بیان فرمائی کہ ایک صاحب تھے جنہیں عبداللہ رومی کہتے تھے وہ شیخ بہار الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے اور بولے کہ میں ایک دفعہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں تھا۔ اور میں نے سماع کیا تھا۔ شیخ بہار الدین نے کہا کہ جب شیخ شہاب الدین نے سماع سنا ہے تو ذکر یا کو بھی سنا چاہئے۔ پھر ان عبداللہ صاحب کو رات تک روک لیا جب رات ہوئی تو کسی سے کہا کہ عبداللہ کو حجرے میں لے جاؤ اور ان کے ایک سنگتی کو بھی اس طرح کہ تیسرا کوئی نہ ہو۔ بس انہی دو کو حجرے میں لیجانا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ ایسا

ہی کیا گید مجھ کو اور میرے ایک ساتھی کو حجرے میں لیجا یا گیا جب رات ہو گئی اور عشا کی نماز پڑھی جا چکی اور شیخ اور اد سے فارغ ہو کر حجرے میں تشریف لے آئے تو بس اکیلے ہم دونوں تھے اور شیخ اور کوئی نہیں تھا شیخ بیٹھ گئے اور پھر اوراد میں مشغول ہو گئے آدھے پارے کے قریب تلاوت کی اس کے بعد حجرے کے دروازے میں کٹدی لگا دی اور مجھ سے کہا کہ کچھ کہو میں نے سماع شروع کیا۔ کچھ دیر بعد شیخ میں جنبش اور حرکت پیدا ہوئی شیخ کھڑے ہو گئے اور چراغ بجھا دیا۔ حجرے میں اندھیرا ہو گیا۔ ہم اسی طرح گاتے رہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ شیخ رقص کر رہے ہیں اور جب میرے پاس آتے ہیں تو ان کا دامن نظر آتا ہے اور بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ شیخ جنبش اور حرکت میں ہیں۔ لیکن حجرہ چونکہ تاریک تھا اس لیے یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ تال پر (یہ جنبش اور حرکت) ہے یا بے تال الغرض جب سماع ہو چکا تو شیخ نے دروازہ کھول دیا اور اپنی جگہ تشریف لے گئے میں اور میرا سنگت کمرے والا ساتھی وہیں بیٹھے رہے۔ نہ ہمیں کھانا دیا گیا نہ شربت! یہاں تک کہ رات گزر گئی اور دن نکل آیا جب دن نکلا تو کوئی خادم آیا اور ایک مہین کپڑا اور پیش تنکے (سکہ) لے کر آیا جو مجھے دیے اور کہا کہ شیخ نے بھجوائے ہیں یہ لو اور واپس سدھارو! یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد خواجہ ذکرو اللہ بالجیز نے فرمایا کہ یہی عبد اللہ ، شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آئے اور یہ قصہ سنایا۔ کچھ عرصے بعد ان عبد اللہ نے پھر ملتان جانے کا ارادہ کیا شیخ الاسلام فرید الدین نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں آکر عرض گزار ہوئے کہ میرا ارادہ ملتان جانے کا ہے۔ اور راستے میں بڑا خطرہ ہے۔ دعا فرمائیے کہ میں سلامتی سے ملتان پہنچوں شیخ نے فرمایا کہ یہاں سے فلاں جگہ تک جواتے کوں ہے اور جہاں تالاب واقع ہے میری حد ہے۔ وہاں تک سلامتی سے پہنچو گے اور وہاں سے ملتان تک شیخ

بہار الدین رحمۃ اللہ علیہ کا علاقہ (مملداری) ہے۔ یہ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات شیخ سے سنی اور روانہ ہوا اور مذکورہ تالاب کے قریب پہنچ گیا۔ بتایا گیا کہ وہاں ایک دھاڑ لوٹ مار کرنے والے حملہ آور آ رہی ہے یعنی رہنروں نے حملے کے لیے تیاری کر رکھی ہے۔ مجھے شیخ کی بات یاد آگئی بے کھٹکے چلتا چلا گیا حق تعالیٰ نے ان رہنروں کو اس رات سے دور جا ڈالا اور وہ راستہ بھول گئے۔ میں سلامتی سے اس تالاب تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت شیخ بہار الدین کو یاد کیا اور کہا کہ جہاں تک شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی حد تھی سلامتی سے آگیا ہوں یہاں سے ملتان تک آپ کی حد ہے اب آپ جا بیٹے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں اس تالاب سے روانہ ہو گیا مجھے کچھ گزند نہیں پہنچا اور سلامتی کے ساتھ ملتان آگیا۔ جب شیخ بہار الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا تو میں ایک گلیم (کسی) اوڑھے ہوئے تھا جب شیخ نے مجھے گلیم اوڑھے دیکھا تو ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا اوڑھے رکھا ہے۔ یہ شیطان کا لباس ہے۔ اس طرح کی باتیں کرتے رہے مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے کہا کہ اگر میں نے گلیم اوڑھ لی تو کیا غضب ہو گیا۔ لوگوں کے پاس جو اس قدر سونا چاندی دولت اور ذخیرہ ہے میں تو اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتا اگر میرے پاس گلیم ہے تو اس پر اتنا کہنا (سننا) کیوں؟ شیخ نے جب دیکھا کہ میں یکایک آپ سے باہر ہو گیا ہوں تو مجھ سے مخاطب ہو کر بولے اتنی زبان کیوں چلاتے ہو! وہ تالاب کے کنارے والی بات تو یاد کرو۔ زکریا نے تمہارے بارے میں آخر کیا کہی کی؟

(یعنی حفاظت سے پہنچا دیا)

سترہویں جناس

اسی سال ماہ جمادی الآخر کی سولہویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت

حاصل ہوتی۔ غصے اور شہوت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ جس طرح شہوت بے موقع حرام ہے غصہ بھی بے موقع حرام ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک آدمی دوسرے پر غصہ کرتا ہے اور وہ برداشت کر لیتا ہے تو خوبی اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کر لیتا ہے۔ اس شخص کو نہیں جو غصہ کرتا ہے۔

پھر اس بات کا ذکر آیا کہ اگر کوئی شخص کسی کو نصیحت کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ سب کے سامنے نہ کرے کہ یہ نصیحت (رسوائی) ہو جاتی ہے ملامت اور نصیحت جو بھی کرنی ہو وہ اکیلے میں کرے۔ سب کے سامنے نہیں۔

اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ ابو یوسف قاضی رحمۃ اللہ علیہ بیٹے تھے اور مریدوں کو سبق املا کر رہے تھے۔ سر پر صوفیانہ کلاہ تھی اور وہ کلاہ سفید نہیں تھی سیاہ تھی اور لاطیہ نہیں تھی ناشترہ تھی۔ لاطیہ وہ ہوتی ہے جو سر سے چسپی ہوئی ہوتی ہے۔ اور ناشترہ وہ ہوتی ہے جو سر سے کسی قدر بلند اٹھی ہوتی ہے۔ الغرض اس دوران ایک شخص آیا اور ابو یوسف قاضی سے

سوال کیا کہ کیا پیغمبر علیہ السلام نے اس قسم کی کلاہ سر پر رکھی ہے؟ ابو یوسف بولے کہ ہاں! پھر اس سائل نے پوچھا کہ سفید ٹوپی پہنی ہے یا کالی؟ ابو یوسف نے جواب دیا کہ سفید! اس سوال کرنے والے نے پھر پوچھا کہ پیغمبر علیہ السلام نے سر پر لاطیہ کلاہ پہنی ہے یا ناشترہ؟ ابو یوسف نے کہا کہ لاطیہ۔ سائل نے کہا کہ تم نے سیاہ اور ناشترہ کلاہ سر پر رکھی ہے اس صورت میں تم نے دو طرح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل کیا ہے اور امالی

جو ان کی حدیثیں ہیں ان کو کس طرح املا کر رہے ہو؟ ابو یوسف قاضی کو بڑی اذیت ہوئی۔ اس سوال کرنے والے سے کہنے لگے کہ جو بات تم نے مجھ سے کہی ہے وہ دو

حال سے خالی نہیں ہے یا تو تم نے برائے حق کہی ہے یا مجھے ایذا پہنچانے کے لئے کہی ہے۔ اگر برائے حق کہی ہے تو چونکہ تم نے سب کے سامنے اسے کہا ہے۔ اس لئے تمہیں اس سے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ اور اگر مجھے ایذا دینے کے لئے کہی ہے تو تم پر افسوس ہے۔ تم پر افسوس ہے۔ تم پر افسوس ہے۔

اٹھارویں مجلس

اسی سال ماہ رجب کی ساتویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ توبہ کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں۔ حال۔ ماضی اور مستقبل۔ حال تو یہ ہے کہ پشیمان ہو یعنی جو گناہ کیا ہے۔ اس پر ندامت ظاہر کرے۔ ماضی یہ کہ دشمنوں کو خوش کرے اور اگر کسی نے کسی کے دس درہم غصب کئے ہیں اور صرف اتنا کہتا ہے کہ توبہ توبہ توبہ تو یہ توبہ نہیں ہوگی۔ توبہ تو یہ ہوگی کہ دس درہم اس کو واپس دے دے اور اس کو خوش کر دے اس وقت اس کی توبہ، توبہ ہوگی۔ اور اگر کسی کو ہمارا کہا ہے تو اس کے پاس جاتے اور معذرت کرے اور اس سے معافی چاہے اور اس کو راضی کرے اور اگر جس شخص کو بُرا کہا ہے اور وہ مرچکا ہے تو کیا کرے؟ (یہ کہ جس قدر اس کو اس کی زندگی میں برا کہا تھا۔ اُس کے مرنے کے بعد اس کو اتنا ہی اچھا کہے اور اس کو بھلائی کے ساتھ یاد کرے اور اگر کسی کو قتل کر دیا ہو اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے تو پھر کیا کرے؟ غلام آزاد کرے یعنی مردے کو زندہ تو کر نہیں سکتے۔ (اس لیے) غلام آزاد کرے جو

شخص غلام کو آزاد کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے مردہ کو زندہ کیا۔ اور اگر کسی نے غیر کی

منکوحہ یا مملوکہ کے ساتھ زنا کیا تھا وہ کیا کرے؟ اس کے بارے میں کسی جگہ یہ حکم نہیں ہے کہ دشوہرا اور مالک کے پاس جا کر معذرت کرے؟ پھر کیا کرے؟ خدا کی طرف رجوع ہو۔ اسی معنی کی مناسبت سے فرمایا کہ شراب پینے والا شراب سے توبہ کرے تو پھر کیا کرے! لطیف شربت اور ٹھنڈا پانی خدا کی مخلوق کو پلائے اس بات کا مقصد یہ ہے کہ توبہ کے بارے میں معذرت کرنا ہر گناہ کی مناسبت ہی سے آیا ہے دوسری توبہ کی کیفیت جو ماضی کی قسم سے نفی و ہی نفی جس کو لکھا جا چکا۔ توبہ کی تیسری قسم جو مستقبل کی صفت رکھتی ہے یہ ہے کہ نیت کرے کہ جو گناہ لیا تھا آئندہ نہیں کرے گا۔ پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب میں شیخ الاسلام فرید الدین خدس اللہ سرہ العزیز سے وابستہ ہوا اور توبہ کی توجہ باز بان مبارک سے یہی فرمایا کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہئے اور حق دار لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے سلسلے میں ملو فرمایا۔ مجھے یاد آیا کہ مجھے کسی کے بیس جیتل ادھار دینے ہیں اور ایک کتاب کسی سے عارضی طور پر مانگ کر لی تھی۔ اور وہ کتاب میرے پاس سے گم ہو گئی تھی جس وقت شیخ کبیر نور اللہ مرقدہ نے دشمنوں کو خوش کرنے کے سلسلے میں تاکید سے ذکر فرمایا۔ میں سمجھ گیا کہ مخدوم چھپی ہوئی باتوں سے واقفیت رکھنے والے ہیں۔ دل میں ٹھان لی کہ اب کے دہلی جاؤنگا تو ان لوگوں کو خوش کروں گا۔ جب اجودھن سے دہلی آیا تو جس شخص کے بیس جیتل دینے تھے وہ بزاز (کپڑے والا) تھا اس سے میں نے کپڑا لیا تھا۔ مگر کسی وقت بھی بیس جیتل اکٹھے جمع نہیں ہوتے تھے کہ اس کو پہنچاؤں۔ تنگ دستی کا عالم تھا کبھی پانچ جیتل ہاتھ آتے کبھی دس۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ دس جیتل ہاتھ آئے میں نے اس بزاز کے گھر پر آکر آواز دی۔ وہ گھر سے باہر آیا میں نے اس سے کہا تمہارے بیس جیتل میرے ذمے ہیں۔ اس کا موقع ہی نہیں ہوتا کہ یک مشت ادا کروں یہ دس

جیتل لایا ہوں یہ لے لو۔ باقی بھی انشاء اللہ تعالیٰ پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے جب یہ بات سنی تو بولا کہ اچھا! شیخ کے پاس سے آرہے ہو! پھر وہ دس جیتل مجھ سے لے لئے اور کہنے لگا کہ باقی کے دس جیتل میں نے تمہیں بخشے! اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا جس سے کتاب لایا تھا جب اس سے ملا تو پوچھنے لگا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا اے خواجہ میں ایک کتاب تم سے عاریتاً لے گیا تھا۔ وہ میرے پاس سے گم ہو گئی ہے اب میں اس کی ایسی ہی کاپی حاصل کروں گا جیسی تمہاری کتاب تھی۔ دوسری کتاب نقل کرا کر تمہیں پہنچا دوں گا جب اس شخص نے یہ بات سنی تو بولا کہ جی ہاں! جہاں سے آپ آرہے ہیں یہ اسی کا پھل ہے! اس کے بعد کہنے لگا کہ میں نے وہ کتاب آپ کو بخشی!

توبہ کی مناسبت ہی سے یہ فوائد بیان فرمائے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کا چہرہ نافرمانی کی طرف ہوتا ہے اور پشت حق کی طرف جب توبہ کرتا ہے اور خدا سے رجوع ہوتا ہے تو چاہئے کہ اس کی پشت نافرمانی کی طرف ہو اور منہ حق کی جانب۔ پھر فرمایا جو تائب ہو گیا ہے اس کو طاعت میں پورا ذوق حاصل ہونا چاہئے۔ اور جو نافرمانی کی طرف لوٹ جاتا ہے تو اس سے اللہ کی پناہ کہ وہ طاعت میں ذوق ہی نہیں پاتا۔

پھر خرچ کرنے کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک درہم اپنے ساتھیوں پہ خرچ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ دس درہم فقیروں کو دے دے اسی طرح اگر دس درہم اپنے رفیقوں کے لئے خرچ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ سو درہم فقیروں کو دے اور اگر سو درہم اپنے رفیقوں کے ساتھ خرچ کرے تو یہ ایسا ہوگا جیسے ایک غلام آزاد کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب

انیسویں مجلس

اسی سال ماہ شعبان کی ستائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ خلق کے معاملے کا ذکر آیا۔ نیک کیسے ہوتے ہیں اور بد کیسے؟ ارشاد ہوا کہ اس عہد میں جس میں کہ ہم ہیں اگر کسی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ بد نہیں ہے۔ تو اسی قدر اس کو نیک کہا جاسکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی لوگوں کی عیب جوئی نہیں کرتا اور کسی کو برا نہیں کہتا تو چاہے وہ (خود) برا ہو تو اس کو نیک ہی سمجھا جائے گا۔ بد نہیں کہیں گے۔ اس کے بعد یہ دو مصرعے زبان مبارک پر لائے۔

گر با عیبی و عیب نہ جوئی نیکی در بد باشی و بدنگوئی نیکی !

راگرم تم میں کوئی عیب ہو اور دوسروں کے عیب نہ چنتے پھرو تو تم نیک ہو۔ اور اگر تم برے ہو مگر کسی کو برا نہیں کہتے تو نیک ہو !

پھر فرمایا کہ اگر کوئی بد ہو اور خلق خدا کو بد کہتا ہو تو اس بدی کی کیا حد ہوگی ! اس درمیان میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ کیا تم چچاؤنی میں رہتے ہو؟ بندے نے عرض کی جی ہاں ! اس کے بعد فرمایا کہ شہر میں راحت نہیں رہی ہے اور بھتی بھی نہیں۔ اس معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ قدیم زمانے میں میرادل بھی اس شہر میں رہنے کو نہ چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز میں تالاب قلعہ خاں پر تھا۔ اس زمانے میں میں قرآن حفظ کر رہا تھا۔ وہاں ایک درویش کو مشغول بحق دیکھا۔ میں نے ان کے پاس جا کر پوچھا کہ کیا آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں؟ بولے ہاں۔ میں نے کہا کہ کیا آپ اپنی خوشی سے یہاں مقیم ہیں؟ کہنے لگے نہیں۔ اس کے بعد ان درویش نے قصہ سنایا کہ میں نے ایک دفعہ کسی بڑے اچھے درویش کو دروازہ کال سے (آتے) دیکھا اس غمیرے (قبرستان) کے دروازے سے باہر جو خندق کے کنارے واقع ہے اور جہاں کی زمین اونچی

یعنی بدنہ ہونا بھی غنیمت ہے۔

اس عظیمیہ (قبرستان) میں شہدار (مدفون) ہیں۔ الغرض یہ درویش مجھ سے کہنے لگے کہ اگر چاہتے ہو کہ اپنا ایمان سلامت لیجاؤ تو اس شہر سے رخصت ہو جاؤ۔ میں نے اسی وقت ٹھان لی کہ اس شہر سے چلا جاؤں گا لیکن بعض رکاوٹوں کی وجہ سے یہیں ٹھہرا رہا۔ اب پچیس سال کا عرصہ ہو گیا ہے کہ میرا ارادہ بدستور قائم ہے۔ لیکن جانا نہیں ہوتا خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ جب میں نے یہ بات ان درویش سے سنی تو خود بھی طے کر لیا کہ اس شہر میں نہیں رہوں گا۔ کچھ جگہیں میرے خیال میں تھیں جہاں جانا چاہتا تھا۔ ایک دفعہ سوچا کہ قصبہ پیالی چلا جاؤں۔ اس زمانے میں ترک وہاں تھا ان ترک سے مراد امیر خسرو رحمہ اللہ تھے۔ پھر فرمایا کہ ایک دل یہ چاہتا تھا کہ بسنا چلا جاؤں جو صاف ستھری جگہ ہے بسنا چلا بھی گیا۔ تین روز وہاں رہا۔ ان تین دن میں نہ تو کوئی مکان کرایے پر ملا نہ گروہی نہ قیمتاً۔ تینوں دن کسی نہ کسی کا ہمان ہوتا رہا۔ جب وہاں واپس آیا تو یہی خیال میرے دل میں سایا ہوا تھا۔ ایک دفعہ حوض رانی کی طرف اس باغ میں جسے جسرت کا باغ کہتے ہیں گیا ہوا تھا۔ خدائے عزوجل سے میں نے دعائیں مانگیں بڑا اچھا وقت تھا۔ میں نے کہا کہ خداوند! میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں لیکن اپنے اختیار سے کسی جگہ نہیں جاؤں گا جہاں تیری مرضی ہو وہاں رہوں گا۔ اس درمیان غیاث پور کی آواز آئی۔ میں نے غیاث پور کو کبھی نہیں دیکھا تھا اور مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ غیاث پور کہاں ہے؟ جب میں نے یہ آواز سنی تو (اپنے) ایک دوست کے پاس گیا ان دوست کا لقب نیشا پوری تھا۔ جب میں ان کے گھر گیا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ وہ غیاث پور گئے ہوئے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ وہی غیاث پور ہے! الغرض غیاث پور آیا۔ اس زمانے میں یہ مقام کچھ زیادہ

لے موجودہ بستی حضرت نظام الدین کا نام قدیم زمانے میں غیاث پور تھا لیکن حضرت کے نام نامی کی شہرت نے غیاث پور کو بھل دیا۔ اب اسے سب بستی حضرت نظام الدین کہتے ہیں۔

آباد نہیں تھا۔ تھوڑی سی آبادی کا گم نام سا گاؤں تھا۔ میں نے یہاں آکر ریاض
اختیار کر لی۔ لیکن جب کیتباد بادشاہ کھلوکبری میں مقیم ہوا تو اس زمانے میں یہاں
لوگوں کا بڑا ہجوم ہو گیا ملک اور امرار کی آمد و رفت یہاں بہت ہو گئی۔ میں نے اپنے آپ
سے کہا کہ یہاں سے بھی چل دینا چاہئے۔ اسی خیال میں تھا کہ ایک بزرگ جو میرے
استاد تھے شہر میں وفات پا گئے۔ میں نے اپنے دل میں یہ ٹھہرائی کہ کل جبکہ ان کی وفات
پر تیسرا دن ہو گا میں ان کی زیارت (تیجے) میں جاؤں گا اور شہر میں بھی نہیں رہوں گا
یہ عزم اپنے دل میں کر لیا۔ اسی روز عصر کی نماز میں ایک خوبصورت مگر نحیف و
نزار جوان آیا جو اللہ جانے مردان غیب میں سے تھا یا کون تھا۔ الغرض اس نے آتے
ہی پہلی بات جو مجھ سے کہی وہ یہ تھی۔

آں روز کہ مرشدی نمی داستی کانگشت نمائے عالمی خواہی شد

امروز کہ زلفت دے خلقے بر بود در گوشت نشنت نمی دارد سود

رجس روز تم چاند بنے تھے تمہیں یہ خبر نہیں تھی کہ ایک زمانے کی انگلیاں تمہاری طرف
اٹھیں گی؟ اب جبکہ تمہاری زلف نے دنیا کے دل اسیر کر لئے ہیں۔ کونے میں بیٹھنے سے
کوئی فائدہ نہیں! خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ اس نے کچھ اور باتیں کہیں جنکو
میں نے کسی جگہ لکھا ہے القصہ اس کے بعد اس نے یہ کہا کہ اول تو مشہور نہیں ہونا
چاہئے اور جب کوئی شخص مشہور ہو جائے تو پھر ایسا ہونا چاہئے کہ کل قیامت
کے دن رسول علیہ السلام کے سامنے شرمندہ نہ ہو! پھر یہ کہا کہ یہ بھی کوئی قوت ہے
اور کوئی حوصلہ ہے کہ لوگوں سے کنارہ کر کے مشغول بحق ہو جائیں یعنی قوت اور حوصلہ تو
یہ ہوتا ہے کہ خلق کی موجودگی میں بھی مشغول بحق رہیں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ جب
لے حضرت امین الدین محدث تبریزی کے تیجے کا ذکر ہے۔ درر نظامی صفحہ ۱۸۸۔ اردو ترجمہ اور سیر العارفین صفحہ ۱۲۵۔

وہ یہ باتیں کہہ چکا تو اس نے کچھ کھانا سامنے رکھا اس نے نہیں کھایا۔ میں نے اسی وقت یہ نیت کر لی کہ یہیں مقیم رہوں گا۔ جب میں نے یہ نیت کر لی تو اس نے نھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔ اس کے بعد اسے کبھی نہیں دیکھا۔

بیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی دسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ سورہ اخلاص کی فضیلت کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سورہ اخلاص تنہائی قرآن ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ جو ختم قرآن کے بعد تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے ہیں تو اس میں یہی حدت ہے کہ اگر ختم کے دوران میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو سورہ اخلاص کے تین مرتبہ پڑھنے سے ختم مکمل ہو جائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ختم قرآن کے بعد سورہ الحمد اور سورہ بقرہ کی چند آیتیں پڑھتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسالت علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ مصطفیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ الحال والمآل حال اسے کہتے ہیں جو کسی پڑاؤ پر آکر اترے۔ اور سر تحمل اسے کہتے ہیں جو روانہ ہو جائے اور یہ اشارہ اس طرف ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھتا ہے اور ختم کرتا ہے تو گویا ایک منزل آکر اترتا ہے اور جب دوبارہ شروع کرتا ہے تو گویا دوبارہ روانہ ہو جاتا ہے۔ پس انسانوں میں سے بہترین وہ شخص ہوتا ہے جو قرآن ختم کرتے ہی فوراً شروع بھی کر دیتا ہے ایسے شخص کو رسول علیہ السلام نے الحال والمآل

کی صفت سے یاد فرمایا ہے۔

پھر اس بات کا ذکر آیا کہ بعض لوگ غیر موجود جنازے کی نماز پڑھتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟ خواجہ ذکریہ اللہ بالجبر نے فرمایا کہ یہ جائز ہے۔ مصطفیٰ علیہ السلام نے نجاشی کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی تھی۔ ان کا انتقال کہیں اور ہوا تھا اور امام شافعی اس بات کو جائز رکھتے ہیں۔ اور اگر میت کے جسم کا کوئی عضو لاپس جیسے ہاتھ یا پاؤں یا انگلی جو بھی ہو اس پر بھی نماز پڑھتے ہیں۔

اس بات کی سنا بات سے شیخ جلال الدین تہ پیزی قدس اللہ سرہ العزیز کی حکایت بیان فرمائی کہ جب شیخ نجم الدین معری نوید دہلی کے شیخ الاسلام تھے ان سے دشمنی ہو گئی اور ایسے بھڑکے کہ انہیں ہندوستان کی طرف (مراد یوپی کی طرف) روانہ کر دیا۔ الغرض جب شیخ جلال الدین نور اللہ مرقدہ بدایوں پہنچے تو ایک روضہ ندی کے کنارے بیٹھے تھے (کہ یکایک) اٹھے اور وضو تازہ کیا اور حاضرین سے بولے کہ آئیے شیخ الاسلام دہلی کے جنازے پر نماز پڑھیں کیوں کہ ان کا اسی وقت انتقال ہوا ہے۔ اور واقعہ اسی طرح ہوا تھا جیسا کہ شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعتہ نے زبان مبارک سے بیان فرمایا تھا۔ اس کے بعد جب نماز ادا کر چکے تو حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا اگر شیخ الاسلام دہلی نے ہمیں دہلی شہر سے باہر نکالا تو ہمارے شیخ نے انہیں دنیا ہی سے نکال دیا۔

جماعت متحیران کا ذکر نکلا کہ حق تعالیٰ میں ایسے مشغول ہوتے ہیں کہ انہیں کسی مخلوق کی خبر نہیں ہوتی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے خطابت بیان کی کہ میں

سال ۱۹۵۳ء کے بعد شیخ جمال بتائی کی جگہ دہلی کے شیخ الاسلام ہوتے تھے۔ ان کا مزار دہلی میں حضرت برہان الدین بلخی کے جوار میں ہے۔ روضۃ الاقطاب صفحہ ۷۔

ایک دفعہ کہیں کیا تو اسی طرح کے لوگوں میں سات آٹھ آدمیوں کو دیکھا کہ ٹکٹلی لگائے آسمان کو تک رہے ہیں اور رات دن متحیر ہیں۔ مگر جس وقت نماز کا وقت آتا ہے تو نماز پڑھ لیتے ہیں اور پھر متحیر ہو جاتے ہیں۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ہاں انبیاء معصوم ہیں اور اولیاء محفوظ یہ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ تم نے بیان کیا۔ اگرچہ کہ شب و روز متحیر رہتے ہیں لیکن ان کی نماز فوت نہیں ہوتی !

اس تحیر کی مناسبت سے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کی حکایت بیان فرمائی کہ ان کو انتقال کے وقت اسی طرح چار دن رات تحیر رہا اور ہوا یہ تھا کہ شیخ علی سجزی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں قوالی غنی اور شیخ قطب الدین نور اللہ قدس تشریف فرما تھے گانے والا قصیدہ گا رہا تھا جب اس شعر پر پہنچا۔

کشتگانِ غنیمتِ سلیم را ہرزماں از غیب جانی دیگر است

غنیمتِ سلیم کے کشتگان کے لیے ہرزمانے میں غیب سے ایک نئی زندگی ہے۔

شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کو اس شعر پر کیفیت ہو گئی جب وہاں سے گھر آئے تو مدہوش اور متحیر تھے۔ فرماتے تھے کہ یہی شعر پڑھے جاؤ (چنانچہ یہی شعر ان کے سامنے پڑھا جاتا رہا اور وہ اسی طرح متحیر رہے۔ سوائے اس کے کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو نماز ادا فرماتے تھے اور پھر یہی شعر پڑھواتے اور حال آجاتا اور حیرت پیدا ہو جاتی چار دن تک یہی حالت رہی۔ پانچویں رات کو حلت فرمائی شیخ بدر الدین غزنوی فرماتے ہیں کہ میں اس رات کو حاضر تھا جب شیخ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو مجھے کسی قدر غنودگی ممتی خواب میں دیکھا کہ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز جیسے اپنی جگہ سے اٹھ رہے ہیں اور اوپر کی طرف جا رہے ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں کہ دیکھو بدر الدین!

اللہ کے دوستوں کے لئے موت نہیں ہے! جب میں بیدار ہوا تو شیخ دار بقا کو رحلت فرما چکے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اکیسویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی پندرہویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی، مشائخ سے مخلوق کی رغبت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ جس زمانے میں کیلی کی جنگ ہوئی ہے میں چند روز شہر میں رہا تھا جمعہ کے روز میں مسجد جانا تو خلق میری مزاحمت کرتی چنانچہ ایک روز میں مسجد سے نکل کر گلی میں جا رہا تھا ایک شخص پیچھے سے آیا اور بولا کہ آپ تنگ آ جاتے ہیں؟ میں نے کہا، ہاں! اس کے بعد وہ شخص کہنے لگا کہ میرے خسر شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مرید تھے جس زمانے میں شیخ دہلی میں تھے جب جمعے کی نماز کو نکلتے تو وقت سے پہلے روانہ ہوتے تاکہ خلق کی مزاحمت کم سے کم ہو۔ مگر لوگ اسی طرح ماننے آ کر ہاتھ چوستے تھے۔ چنانچہ لوگوں کا ایک حلقہ بن جاتا شیخ اس حلقے میں سے نکلتے تو دوسرے لوگ سامنے آ جاتے اور پھر اسی طرح حلقہ بن جاتا۔ چنانچہ حضرت تنگ آئے۔ اس کے بعد میرے خسر نے عرض کی کہ یہ خدا کی نعمت ہے آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں؟

اسی بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ جس وقت سلطان ناصر الدین اوجھ اور ملتان کی جانب روانہ ہوا تو اجودھن سے گزرا سارے شکر نے شیخ کی زیارت کے لیے اُس جگہ کا رخ کیا جہاں وہ تھے۔

۱۔ عوام و خواص حضرت سے اظہار عقیدت کرتے تھے اور ہاتھ پیر جومتے تھے اس کا تذکرہ حضرت نے مزاحمت کے لفظ سے کیا ہے۔ کیونکہ حضرت اس سے بچتے تھے۔

شیخ اس بھڑ سے جو جمع ہو گئی تھی پریشان ہو گئے اور کسی اور جگہ چلے گئے۔ اس وقت شیخ کے جتے یا کرتے کی آستین چھت پر سے گلی کی طرف لٹکادی گئی۔ لوگ آتے تھے اس کو بوسہ دیتے تھے اور آگے بڑھ جاتے تھے یہاں تک کہ وہ ساری بھیر بھیر ہو گئی۔ اس وقت حضرت مسجد میں تشریف لے آئے اور مریدوں سے کہا کہ تم لوگ میرے اطراف حلقے بنا لو تاکہ جمع اندر نہ آئے باہر ہی سے سلام کرے اور چلا جائے مریدوں نے ایسا ہی کیا مگر ایک بوڑھا فراش آیا اور اطراف کھڑے ہوئے مریدوں کے حلقے کو توڑ کر شیخ کے پیروں میں گر پڑا اور شیخ کے قدم پکڑ کر چومنے کے لئے کھینچے شیخ کو تکلیف ہوئی وہ فراش بولا شیخ پریشان ہوتے ہوئے خدا کی نعمت کا اور بھی شکر ادا کرو جب فراش نے یہ بات کہی تو شیخ نے ایک نعرہ مارا پھر اس فراش کو نوازا اور بہت معذرت کی۔

پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ آدمی کو نرم دل ہونا چاہئے اور مخلوق کے ساتھ شفقت سے زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اس موقع پر فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان ابابکر اسیف یعنی ابو بکر اسیف ہیں اور اسیف اس کو کہتے ہیں جو سر ریع البکا ہو یعنی جس کو رونا بہت جلدی آتا ہو۔

خوش خلقی اور تواضع کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ عمر عاصؓ نے زمانہ جاہلیت میں رسول علیہ السلام کی ہجو کی تھی جب حضرت رسالت علیہ السلام نے سنا تو عرض کی اے اللہ عاص کے بیٹے نے میری ہجو کی ہے اور میں شاعر نہیں ہوں۔ وَلَسْتُ بِشَاعِرٍ میں شاعر نہیں ہوں تو میری طرف سے اس کی ہجو فرما! خواجہ ذکرة اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبریر کے لفظ سے عمر عاص کی ہجو فرمائی

اور جبر بڑا سے کہتے ہیں جو کرپز جو یعنی عمرو عاص مکاری اور کرپزی سے مشہور ہوئے اگرچہ کہ وہ ایمان لے آئے تھے لیکن مکاری اور کرپزی (کے الفاظ) سے جو ان کی بھو ہوئی وہ قیامت تک رہے گی۔ پس چونکہ یہ صفت مکر اور کرپزی بھو ہوئی تو صفت نر می اور خوش مزاجی اور تواضع مدح (ستایش) ہوگی۔

بایسویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی ستالیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کا شرف میسر آیا ایک عزیز کسی کی طرف سے معذرت کرنے آئے تھے شاید حضرت خواجہ ذکریہ اللہ بالجیر نے کسی کی سفارش میں کچھ فرمایا تھا اور اس شخص نے ٹال مٹول سے کالبا تھا۔ جب ان صاحب نے جو بھیجے ہوئے آئے تھے۔ اسی شخص کی طرف سے معذرت کی اور معافی مانگی تو خواجہ ذکریہ اللہ بالجیر نے معاف فرمادیا! اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ رنجیدہ ہونے کی بات ہے لیکن میں رنجیدہ نہیں ہوا اور معاف کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب کوئی شخص پیر سے وابستہ ہوتا ہے اور مرید بنتا ہے تو اس کو حکیم کہتے ہیں۔ یعنی اپنے پیر کو اپنے اوپر حاکم بنالیتا ہے پس پیر جس بات کو بھی کہے اور مرید نہ سنے تو حکیم نہ ہوگی۔ پھر دوبارہ فرمایا کہ اگرچہ کہ تکلیف کی بات تھی لیکن میں نے معاف کر دیا اس درمیان بندے نے عرض کیا کہ پیر اگر اپنے انتہائی کرم سے مرید کی خطا معاف بھی کر دے مگر اللہ تعالیٰ اس خطا کو کس طرح پسند فرما سکتا ہے۔ اور کس طرح معاف کر سکتا ہے؟ اس پر فرمایا کہ پیر کا معاف کرنا اللہ کے حکم سے ہوتا ہے (حق تعالیٰ بھی) معاف فرمادیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ پیر جس بات کا بھی حکم دے مرید کو چاہئے کہ وہی کرے اس کے بعد فرمایا کہ

یہ بھی آیا ہے کہ پیراگر کوئی ایسا حکم دیتا ہے جو غیر شرعی ہو تب دیکھیے گنجائش ہے کہ وہ کام کسے یا نہ کرے اس نکتے کو یوں بیان فرمایا کہ پیر ہونا ہی ایسا چاہئے جو احکام شریعت اور طریقت اور حقیقت کا عالم ہو۔ اور جب پیر ایسا ہوتا ہے تو وہ خود ہی کوئی غیر شرعی حکم نہیں دیتا اور اگر مختلف فیہ حکم دیتا ہے یعنی بعض کے نزدیک وہ جائز ہو اور بعض کے نزدیک ناجائز تو ایسی صورت میں (مرید کو چاہئے کہ وہ کام کرے جس کے لئے پیر نے کہا ہے کیونکہ پیر نے کسی کے قول کی بنا ہی پر وہ حکم دیا ہو گا اگرچہ کہ بعض کو اس میں اختلاف ہو لیکن مرید کو تو پیر کے اشارے کے مطابق ہی کام کرنا چاہئے۔

پھر انہی نکات میں یہ فرمایا کہ ایک شخص کسی سے کچھ بات کہتا ہے یا سفارش کرتا ہے اور وہ آدمی اس کو قبول نہیں کرتا تو اس بات کو بھی اس روشنی میں دیکھنا ہے چاہئے کہ موقع نہیں تھا۔ یا اس کو خبر نہیں تھی۔ فرمایا کہ اپنی غلطی کا خیال بھی رکھنا چاہئے کہ شاید ایسا ہوا ہو۔

اس موقع پر فرمایا کہ اب جو دھن میں ایک عامل سرکاری کارپرداز افسر تھا شاید اس جگہ کے والی رہا حکم رہے اس عامل کو کوئی تکلیف پہنچائی۔ یہ عامل شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور سفارش چاہی شیخ نے کسی کو حاکم کے پاس بھیجا اور عامل کی بات کہلوائی۔ مگر حاکم اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس کے بعد شیخ نے اس عامل سے کہا کہ میں نے سفارش کی اور اس نے نہیں سنی شاید موقع نہیں تھا اور ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو تم سے بھی کسی نے کسی کی سفارش کی ہو اور تم نے اسے نہ سنا ہو! اس کے بعد وہ حاکم آیا اور معذرت چاہی شیخ نے معاف فرما دیا۔

اسی معاف کر دینے اور ہونے جرم کو نہ ہوا سمجھ لینے کے مناسب حال حکایت بیان فرمائی شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک بیٹے (پوتے یا نواسے) مجرمی تھے۔ ان کو من کہہ کر پکارتے تھے

شیخ کو اطلاع دی گئی کہ وہ شراب پیتے ہیں قصہ مختصر وہ شیخ کی خدمت میں آئے
تو شیخ نے ان سے پوچھا کہ محمد مجھے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ تم شراب پیتے ہو۔ بولے نہیں
میں نہیں پیتا یہ جھوٹی خبر پہنچائی گئی ہے شیخ نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تم کہتے ہو۔
ان لوگوں نے جھوٹی اطلاع دی ہوگی غرضیکہ ان سے اچھی طرح خوش ہو کر بات کی اور
ان کے عذر کو قبول فرمایا۔

اس کے بعد مشائخ کے علم دینے اور مرید کے تعمیل کرنے کے بارے میں
حکایت بیان فرمائی کہ ایک بڑھیا تھی جو اکثر شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی
خانقاہ میں آتی اور خانقاہ کے صحن میں جھاڑو دیتی چند بار اس نے ایسا کیا
شیخ نے اس سے پوچھا کہ بتا اس خدمت سے تیرا مقصد کیا ہے تاکہ تیری غرض پوری
کروں۔ بڑھیا بولی کہ میری ایک غرض ہے۔ جب وقت آئے گا تو عرض کروں گی
القصہ وہ بڑھیا اسی طرح اپنی خدمت انجام دیتی رہی یہاں تک کہ ایک روز کوئی خوبصورت
جوان شیخ کی خدمت میں آیا وہ بڑھیا بھی شیخ کے سامنے آئی بھڑکی ہوئی اور بولی کہ
اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اپنا مقصد ظاہر کروں شیخ نے کہا کہو کیا کہنی ہو بڑھیا
نے کہا کہ اس جوان کو حکم دیجئے کہ مجھے اپنے نکاح میں لے آئے شیخ شش و پنج میں
پڑ گئے اور سوچا کہ یہ عورت بڑھیا ہے اور بد صورت اور یہ مرد جوان ہے اور خوبصورت یہ
بات کیسے بنے گی؟ اسی درمیان شیخ خلوت نشین ہو گئے تین رات دن نہ کھانا کھایا اور
نہ پانی پیاتین رات دن کے بعد اس جوان کو اور اس بڑھیا کو اپنے سامنے طلب فرمایا
اور جوان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس بڑھیا کو اپنے نکاح میں لے آؤ۔ جوان نے
خوشی اور رغبت کے ساتھ اسے قبول کر لیا۔ اس کے بعد اس بڑھیا نے درخواست

کی کہ شیخ حکم دیں کہ دلوہنوں کی رسم کے موافق میرا جلوہ ہو شیخ نے فرمایا کہ ایسا ہی کیا جائے اور دعوت کی رسم بھی ادا ہو اور جو کھانا پکتا ہے وہ بہت زیادہ پکا بیس بس وقت اس بڑھیا نے التماس کیا کہ شیخ اس جوان کے لئے فرمان کریں کہ مجھے زمین پر سے اٹھائے اور اپنے ہاتھ سے تخت کے اوپر بٹھائے شیخ نے جوان کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ جوان نے بڑھیا کو زمین پر سے اٹھالیا۔ اس درمیان بڑھیا شیخ سے بولی کہ جب اس جوان نے مجھے آپ کے سامنے خاک پر سے اٹھایا ہے تو اسے شیخ حکم دیں کہ مجھے پھر زمین پر نہ پھینکے یعنی اس کام کو پورا کرے۔ اور پیٹھ نہ دکھائے! القصہ شیخ نے اسی طرح حکم دے دیا اور اس جوان نے قبول کر لیا یہ سارا قصہ مریدوں کے پیر کا فرمان قبول کرنے کے نکتے کے سلسلے میں بیان فرمایا گیا۔

پھر شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی حکایت بیان فرمائی کہ میں کم و بیش بارہ سال کا ہوں گا۔ لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص تھا جسے ابو بکر خراط کہتے تھے اور ابو بکر قول بھی۔ وہ میرے استاد کی خدمت میں آیا شاید وہ ملتان کی طرف سے آیا تھا۔ اس نے قصہ سنایا کہ میں نے شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سماع (توالی) کیا ہے ایک دفعہ یہ قول ان کے سامنے گا رہا تھا

بکل یُبحر و کُلُّ اشراق
قد لُصِفَتْ حَیۃُ الحَیِّ کَیۡدِی
تَبِکَکَ عَیۡنِی بَدَنُ مِشۡتَاق
فَلَا طَیِّبَ فُحَا وَلَا رَاق

ہر صبح اور ہر سویرے میری آنکھیں اشتیاق میں خون کے آنسو روتی ہیں۔
نیری آنسو نے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے اب اس کے لئے نہ کوئی طبیب

ہے نہ کوئی منتر پڑھنے والا، دوسرے دوسرے یاد نہیں رہے تھے شیخ نے یاد دلائے

الاحبيب الذي شفت به فعند رقتي و تراقي

رسولے اس محبوب کے جس کا میں فریفتہ ہوں کیونکہ اس کے پاس میرے لئے

منتر ہے اور تریاق ہے ! ان اشعار کا منظوم ترجمہ یہ ہے ۔

از مار غمش گزیدہ دارم جگہی کوراکند یچ فسو نی اثری

جز دوست کہ من شیفته عشق ویم افسون علاج من چہ داند دگری

میرا جگر اس کے غم کے سانپ کا ڈسا ہوا ہے۔ کوئی (منتر اور) افسوں اس پر اثر

نہیں کرتا۔ سوائے اس دوست کے جس کا میں شیفٹہ ہوں میرے علاج کا افسون

اور کوئی جان بھی کیا سکتا ہے !

اس کے بعد شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب بیان کرنے شروع

کئے کہ ان کے ہاں ذکر ایسا ہوتا ہے اور عبادت ایسی ہوتی ہے اور اوراد اتنے پڑھے

جانے ہیں ان کے ہاں کی لونڈیاں جو چکی پیستی ہیں وہ بھی ذکر کرتی ہیں یہ اور اسی طرح

کی بہت سی باتیں اس نے کیں۔ مگر میرے دل پر اس کا ذرا اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد

اس نے سنایا کہ وہاں سے اجود مہن آیا اور ایسے ایسے ایک بادشاہ کو دیکھا الغرض جب شیخ

فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مناقب میں نے سنے تو میرے دل میں ان کی سچی محبت

اور ارادت بیٹھ گئی۔ یہاں تک ہوا کہ ہر زمانہ کے بعد میں دس دفعہ کہتا شیخ فرید الدین اور

دس دفعہ کہتا مولانا فرید الدین۔ پھر یہ محبت ایسی بڑھی کہ میرے سارے دوستوں کو خبر

ہو گئی اور یہ ہونے لگا کہ اگر مجھ سے کچھ پوچھتے اور چاہتے کہ مجھے قسم دیں تو کہتے شیخ فرید کی قسم کھاؤ

قصہ مختصر اس کے بعد دہلی کا عزم کیا تو عوض نامی ایک بوڑھے بزرگ ساتھ ہوئے راستے

میں کہیں شیر کا یا ڈاکوؤں کا خوف ہوتا تو وہ کہتے اے پیر آئیے ! اے پیر ہم آپ

کی پناہ میں ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم یہ پیر کے کہتے ہو؟ بولے شیخ فرید الدین (نور اللہ مرقدہ) کو۔ خواجہ ذکریا اللہ بالجبر فرماتے ہیں کہ ایک نیا شوق پیدا ہوا اور ایک نئی کسب کم گئی۔ اس سفر میں ایک اور صاحب ساتھ ہوئے جن کو مولانا حسین خنداں کہتے تھے۔ بڑے اچھے آدمی تھے۔ پھر جب دہلی آگیا تو اتفاق سے شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں اترنا ہوا۔ اس حکایت کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ نے یہ دولت قسمت میں لکھی تھی۔ اسلئے اس طرح کے اسباب پیدا ہو گئے۔

پھر شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کا اور سماع سے ان کے ذوق حاصل کرنے کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ وہ چاہتے تھے کہ سماع (قوالی) سنیں۔ گانے والا (قوال) موجود نہیں تھا۔ بدرالدین اسحاق علیہ الرحمۃ والرضوان سے فرمایا کہ جو خط قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھیجا ہے لے آؤ۔ بدرالدین نے آکر وہ تحصیل سامنے رکھی جس میں خطوط اور رقعے جمع تھے (اندر) اتھ ڈالا تو سب سے پہلے وہی خط ہاتھ لگا جسے شیخ کے سامنے پیش کر دیا۔ شیخ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پڑھو! بدرالدین کھڑے ہو کر وہ خط پڑھنے لگے۔ اس

خط میں اس طرح لکھا گیا تھا کہ فقیر فقیر ضعیف نحیف محمد عطار جو درویشوں کا غلام ہے اور سر آنکھوں سے ان کے قدموں کی خاک پئے شیخ نے اتنا ہی سنا تھا کہ ایک حال اور ذوق طاری ہو گیا۔ اسکے بعد یہ رباعی بھی پڑھی گئی جو اس خط میں تھی رباعی۔

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد داں روح کجا کہ در جلال تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگزینی ز جمال آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

روح عقل کہاں جو تیرے کمال تک پہنچ سکے۔ اور وہ روح کہاں جس کی رسائی تیرے جلال تک ہو۔ میں نے مانا کہ تو نے اپنے جمال پر سے پردہ ہٹا دیا ہے۔ مگر وہ آنکھ کہاں جس کی پہنچ تیرے جمال تک ہو۔

خواجہ ذکرة اللہ بالجبر نے اس خط کی مناسبت سے ارشاد کیا کہ ایک دفعہ شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیخ کی خدمت میں ایک خط لکھا تھا اور ایک نظم بھی تحریر کی تھی خواجہ ذکرة اللہ بالجبر نے تین چار شعر اس میں سے پڑھے۔ بندہ کو یہ دو شعر یاد رہے۔

فرید دین و ملت یار مہتر کہ باوش در کرامت زندگانی

درینا خاطر مگر جمع بودی بدش کردی شکر نشانی

دین و ملت میں یگانہ روزگار (فرید) میرے بزرگ دوست کو امت میں زندگانی بسر کریں افسوس اگر مجھے اطمینان میسر ہوتا تو انکی تعریف میں شکر نشانی کتنا اچھے شعر کہتا۔ پھر اس بات کا ذکر آیا کہ شیخ قطب الدین بختیار اوشی اور شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے باہم کس طرح ملاقات کی تھی ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ شیخ جلال الدین تبریزی نے شیخ قطب الدین کے گھر مہمان ہونا چاہا شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے گھر سے باہر تشریف لا کر ان کا استقبال کیا شیخ کا گھر حدود کترہ کیلو کبری پر تھا وہاں سے باہر نکلے اور عام بڑے راستے سے نہیں گئے تیلی گلیوں میں سے تشریف لے گئے شیخ جلال الدین قدس اللہ سرہ العزیز بھی آئے تو شارع عام سے نہیں آئے۔ اسی طرح چھوٹی گلیوں میں سے آئے اور دونوں میں باہم ملاقات

اور ایک اور طرح بھی ان کے ملاقات کرنے کی حکایت بیان کی کہ ایک دفعہ ملک عزالدین بختیار کی مسجد میں جو اس کے حاکم کے سامنے ہے یہ دونوں بزرگ یکجا ہوئے تھے رحمۃ اللہ علیہما رحمۃ واسعہ۔

لے لاہور ایڈیشن میں غائبہ جہاں چھوٹی گلی ہے۔ باہر گر چوں ملاقات کردند فرمود وقتے شیخ جلال الدین تبریزی ترجمہ میں کو شامل کیا گیا ہے۔ مترجم

تیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی سعادت
 ہاتھ آئی۔ ایام تشریق (بقرعید کے بعد کے تین دن) کی وجہ سے مخدوم جہانیاں کی خدمت میں
 سلام کو حاضر ہوا تھا کہ مصافحے کا شرف حاصل ہو جائے۔ جب مخدوم کی خدمت میں
 پہنچا تو نماز کا حال پوچھا اس عید پر بڑی سخت بارش ہوئی تھی اور کچھ اولے
 بھی پڑے تھے۔ لوگوں کی اکثریت نماز کو نہ جاسکی تھی۔ بندہ بھی نہ جاسکا تھا۔ القصہ
 جب خواجہ ذکریہ اللہ بالجیر نے یہ بات دریافت فرمائی تو عرض کیا گیا کہ میں نماز کو نہیں جاسکا
 تھا۔ ارشاد ہوا کہ ہاں اکثر لوگ نہیں پہنچے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک رکعت پڑھی تھی
 دوسری رکعت میں بارش ہونے لگی۔ اس کے بعد جب نماز ہو چکی تو خطیب
 (صاحب) رہ گئے تھے اور یہ دعا گو (مراد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء) اور مخلوق سب
 واپس چلی گئی تھی۔ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ اگر اس عید کے موقع پر
 کسی رُکاوٹ کی وجہ سے نماز میسر نہ آئے تو کیا یہ جائز ہے کہ دوسرے روز پڑھ
 لیں؟ ارشاد ہوا ہاں۔ اس عید پر اگر نماز میسر نہ ہو تو دوسرے روز پڑھ لیں۔ اور تیسرے روز بھی
 جائز ہے لیکن عید الفطر میں اگر نماز نہ ہو سکے تو دوسرے روز نہ پڑھیں۔ پھر زبان مبارک
 سے ارشاد ہوا کہ مجھے اس عید کے موقع پر خیال آیا تھا کہ اگر بارش اتنی زیادہ
 ہو کہ نماز نہ پڑھ سکیں تو دوسرے روز پڑھ لیں گے۔ لیکن چونکہ سب لوگ اور
 خطیب آگئے تھے اس لیے نماز پڑھ لی گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ نماز استغاثہ جو ہر روز پڑھتے
 ہیں اس روز کی خیریت کے لئے اور ہر جمعہ کو بھی پڑھتے ہیں اس ہفتے کی خیریت
 کے لئے اور عید کے روز بھی پڑھتے ہیں پورے سال کی خیریت کے لئے بندے

نے عرض کی اس عید کے موقع پر یا اس عید پر؟ فرمایا کہ جو بھی عید ہو پڑھ لیتے ہیں۔

چوبیسویں مجلس

سند سات سو سولہ ہجری ماہ محرم کی گیارہویں تاریخ ہفتے کو ہاتھ جوڑنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بندہ اس روز اپنے عزیزوں میں سے ایک بچہ خدمت میں لے گیا تھا اور عرض کی تھی کہ اس کو قرآن پڑھنے کے لئے بھیج رہا ہوں۔ پہلے مخدوم کی خدمت میں لایا ہوں تاکہ مخدوم کی نظر اور دعا کی برکت سے خدا تعالیٰ اسے قرآن نصیب کرے۔ (حضرت نے) دعائے خیر فرمائی اس کے بعد تختی اپنے مبارک ہاتھ میں لی اور لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم سات یسّر ولا تعسر (بسم اللہ الرحمن الرحیم رب آسان فرما اور مشکل نہ فرما) ا۔ ب۔ ت۔ ث۔ ج۔ پھر یہ حروف خود اپنی زبان مبارک سے تلقین فرمائے۔

اس وقت اس بات کے مناسب حال حکایت بیان فرمائی کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک قوم ہو گی جس کو زنجیر سے باندھ کر بہشت میں لیجا دیں گے۔ اسکے بعد فرمایا کہ اس حدیث کے بارے میں تین قول ہیں ایک قول یہی ہے کہ وہ تو کہیں نہیں ہیں کہ جنہیں زبردستی استاد کے پاس لے جاتے ہیں اگرچہ کہ انہیں بہت ہی مشکل لگتا ہے لیکن پکڑ کر مسجد میں لے ہی جاتے ہیں پھر بتدریج حروف سے معنی تک پہنچتے ہیں۔ اور معنی سے معنی کی گہرائی تک اور پھر اس سے بھی آگے۔ اور ایک اور قول یہ ہے کہ وہ لونڈی غلاموں کا گروہ ہے جسے زنجیر سے باندھ کر دار حرب (وہ ملک یا علاقہ جس سے مسلمان برہمہ جنگ ہوں یا جہاں اسلام مخالف حکومت ہو) سے

دارِ اسلام (اسلامی حکومت) امن کے علاقے میں لاتے ہیں۔ پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ تیسرا قول یہ ہے کہ کل قیامت کے دن اٹنا صدقنا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو بہشت میں جانے کا حکم ہوگا۔ وہ کہیں گے ہم نے تیری پرستش جنت دوزخ کے لئے نہیں کی۔ ہم نے تو تیری محبت کی وجہ سے یہ پرستش کی ہے علم آئے گا ٹھیک ہے۔ مگر دیدار کا وعدہ اور وصال کا وعدہ بہشت ہی میں ہے، وہاں جاؤ تاکہ یہ وعدہ پورا ہو۔ وہ لوگ پھر بھی نہیں جائیں گے۔ اس کے بعد مقرب فرشتوں کو حکم ہوگا کہ نوری زنجیریں ان کے گلوں میں ڈالیں اور کھینچ کر جنت میں لیجائیں واللہ رب العالمین۔

پچیسویں مجلس

اسی سال ماہ صفر اللہ اسے کامیابی اور خیر کے ساتھ اختتام تک پہنچائے گی تیسری تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ قناعت اور طلب دنیا میں غلو نہ کرنے کا ذکر آیا ارشاد ہوا کہ مولانا حافظ الدین کی جو کتابیں رہنمائی ہیں جیسے کافی اور شافی۔ ان میں ذکر کیا گیا ہے کہ کتنے سکو شکار کرنا سکھاتے ہیں۔ جب وہ تین مرتبہ شکار کو پکڑ لیتا ہے اور مالک کے پاس پہنچا دیتا ہے تو اس کو معلم (سدھا ہوا) کہتے ہیں۔ اور چیتے کو بھی شکار سکھاتے ہیں۔ لیکن چیتے کو شکار کے راستے پر چھپا دیتے ہیں تاکہ شکار قریب آجائے تو چیتے کو اس پر چھوڑ دیں چیتا کتنے کے برخلاف جھپٹتا ہے اور شکار کو پکڑ لیتا ہے

کتا دوڑ لگاتا ہی رہتا ہے اور دور دراز تک شکار کا پیچھا کرتا ہے فصد مختصر ان بزرگ نے لکھا ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ کچھ خصلتیں چیتے سے سیکھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رزق کے پیچھے کتنے کی طرح نہیں دوڑتا۔ اس کے سامنے کوئی چیز آجاتی ہے تو قبضہ کر لیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ چیتا جب شکار کا ارادہ کرتا ہے تو شکار ہاتھ آجائے تو بیٹھ جاتا ہے اور اگر نہیں تو اس کا پیچھا نہیں کرتا اور زیادہ نہیں دوڑتا انسان کو بھی چاہئے کہ اگر طلب میں لگے تو حد کے اندر لگے زیادہ نہ لگے اور بہت زیادہ بھاگ دوڑ نہ کرے اور ایک اور بات یہ کہ چیتا سستی دکھاتا ہے تو اس کے سامنے کتنے کولا کر لکڑی سے پیٹتے ہیں تاکہ چیتا ڈر جائے۔ آدمی کو بھی چاہئے کہ اسی طرح دوسروں سے سبق حاصل کرے۔ دیکھے کہ دوسروں پر کیا گزر رہی ہے اس سے اس کو آگاہی حاصل کر کے نامناسب باتوں سے متنبہ ہو جانا چاہئے۔

چھبیسویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الاول کی بیسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ اس روز ایک شخص کو جئات خانے میں چھری کے ساتھ پکڑا گیا تھا واللہ اعلم وہ کون تھا اور کیوں آیا تھا جب خدمت گاروں نے اسے پکڑ لیا اور خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر کو اس کی خبر ہوئی تو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ جیں لے جائیں اور اسے تکلیف پہنچائیں۔ اس کو سامنے بلوایا اور فرمایا کہ خدا کے سامنے عہد کرو کہ کسی مسلمان کو دھوکا نہیں دو گے۔ اس نے عہد کر لیا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے اسے چھوڑ دیا۔ اور خرچ بھی عطا فرمایا جب بندہ اس روز خدمت میں آیا تو اس بات کا ذکر ہوا۔ ان احوال کی مناسبت سے

حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز صبح کی نماز پڑھ چکے تھے اور شغل میں تھے۔ سرزمین پر رکھ کر شغل میں مستغرق تھے اور یہ مدت اکثر رہتی۔ الغرض اسی شکل سے زمین پر سر رکھے مشغول تھے۔ شاید جاڑوں کی ہوا چل رہی تھی۔ اور ایک پوستین لاکر حضرت کے جسم مبارک پر ڈال دی گئی۔ اس وقت وہاں کوئی خدمت گار نہیں تھا۔ بس اکیلا میں تھا۔ اس درمیان ایک شخص آیا اور ایسے زود سے سلام کیا کہ شیخ کی یکسوئی میں خلل پڑا۔ شیخ اسی طرح سرزمین پر رکھے رہے اور پوستین اوڑھے اوڑھے فرمایا کہ یہاں کوئی ہے؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر فرماتے ہیں کہ میں نے آواز دی اور عرض کیا کہ میں ہوں اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ یہ شخص جو آیا ہے کیا ترک ہے؟ درمیانہ قد اور زرد رنگ کا؟ میں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو اس کی یہی ہیئت پائی جواب عرض کیا کہ جی ہاں ایسا ہی ہے اس کے بعد فرمایا کہ اس کی کمر میں ایک زنجیر ہے؟ میں نے اس کو دیکھا کہ زنجیر تھی عرض کی۔ جی ہاں ہے۔ پھر فرمایا کہ اس نے کان میں بھی کچھ پہن رکھا ہے؟ میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ جی ہاں بالابہن رکھا ہے۔ اور جب جب میں اس کی طرف دیکھتا تھا اور جواب دیتا تھا اس کی حالت متغیر ہوتی تھی۔ اس دفعہ جو کہا کہ جی ہاں بالا کان میں ہے تو شیخ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ چلا جائے اس سے پہلے کہ کہ رسوائی نہ ہو۔ اب کی دفعہ جو میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ خود ہی جا چکا تھا۔

اسی مجلس میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ غزنی میں ایک صاحب تھے جنہیں مولانا حسام الدین کہتے تھے۔ وہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے پیسے دپوتے یا لڑا سے

عل فارسی میں جیسے کالفاظ پڑنے اور نوا سے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تھے۔ اور خواجہ اجل شیرازی قدس الشہرہ المبارک کے مرید تھے ایک روز یہ مولانا حسام الدین اور ایک دوسرے مرید خواجہ اجل کے سامنے کھڑے تھے کہ خواجہ نے ان کی طرف دیکھا اور پھر آسمان کی طرف نگاہ کی اس کے بعد پھر ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ اس وقت تم دونوں میں سے ایک کے جسم پر خلعت شہادت سیا جا رہا ہے جب دونوں خواجہ کی خدمت میں سے باہر آئے تو ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھو ہم دونوں میں سے کس کے لئے یہ سعادت (لکھی) ہے یہ مولانا حسام الدین واعظ تھے۔ اسی زمانے میں ایک روز وعظ کہہ کر منبر سے نیچے اترے اور لوگوں نے ان کو گھیر رکھا تھا اور ہاتھ چوم رہے تھے کہ ایک شخص ان میں سے بڑھا اور

چھری نکال کر مولانا کو شہید کر دیا۔ اور جس وقت انھیں گھر لیجا رہے تھے ذرا سی جان باقی تھی انھوں نے کسی کو اپنے ان پیر بھائی کے پاس بھیجا اور کہلوا یا کہ وہ خلعت مجھے مل گیا ہے۔

ستائیسویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الاول کی ستائیسویں تاریخ ہفتے کو ہاتھ چومنے کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ قرآن اور اس کے حفظ کی برکت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ بایں میں ایک صاحب تھے جن کو قرآن سات قراتوں کے ساتھ یاد تھا اور بڑی صلاحیت والے اور صاحب کرامت تھے۔ ایک ہندو غلام تھے ان کو شادی مقررہ زفاری شادی کہتے تھے۔ ان کی ایک کرامت یہ تھی کہ جو بھی ان سے ایک صفحہ قرآن کا پڑھ لیتا خدا تعالیٰ اسے پورا قرآن پڑھنا میسر فرماتا۔ میں نے بھی ان سے ایک سی پارہ پڑھا اور اس کی برکت سے قرآن یاد ہو گیا۔ الغرض ان قاری

شادی کے ایک پیر تھے جو لاہور میں رہتے تھے ان کو خواجگی مفری کہتے تھے۔
 بڑے بزرگ (آدمی) تھے۔ القصہ ایک دفعہ کوئی شخص لاہور سے بدایوں آیا۔
 قاری شادی نے ان سے پوچھا کہ میرے خواجہ خیریت سے ہیں؟ اور ان کے
 خواجہ کی وفات ہو چکی تھی۔ اس آنے والے نے ان کی وفات کی خبر نہیں سنائی
 بولا، ہاں آپ کے خواجہ سلامت ہیں! اس کے بعد لاہور کے احوال سنانے
 لگا کہ بارش بہت ہوئی اور بڑے مکان تباہ ہوئے اور ایک دفعہ آگ
 لگی اور بہت سے مکان جل گئے اور بڑی بربادی ہوئی۔ جب اس آنے والے
 نے یہ حکایت پوری کر لی تو شادی مفری بولے کہ شاید میرے خواجہ نہیں رہے!
 اس نے کہا کہ ہاں اس سے پہلے وہ رحمت حق سے جا ملے تھے۔ واللہ اعلم۔

اٹھائیسویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی بیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی سعادت حاصل
 ہوئی۔ کمزور عقیدے والوں اور ان لوگوں کا ذکر نکلا جو کبے کی زیارت کو جاتے ہیں
 اور جب واپس آتے ہیں تو دنیا کے دھندے میں لگ جاتے ہیں۔ بندے نے
 عرضداشت کی کہ مجھے تو تعجب ان لوگوں پر ہوتا ہے جو مخدوم سے تعلق جوڑنے
 ہیں اور پھر ادھر ادھر بھٹکتے ہیں جس وقت میں نے یہ بات عرض کی ملیح
 جو میرے پیر بھائی تھے موجود تھے۔ میں نے عرض کی کہ اس شکستہ نے ان
 ملیح سے جو میرے پیر بھائی ہیں ایک دفعہ ایک بات سنی تھی اور اس کا میرے
 دل پر بڑا اثر ہوا تھا اور وہ بات یہ تھی کہ انھوں نے کہا کہ حج کو وہ جائے

جس کا پیر نہ ہو ! خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے جب یہ بات سنی تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور یہ مصرع زبان مبارک پر آیا۔

آں رہ بسو کے کعبہ برد وایں بسوی دوست

(وہ راستہ کعبے لیجاتا ہے اور یہ محبوب کی طرف !)

اسکے بعد فرمایا شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے انتقال کے بعد مجھ پر حج کے اشتیاق نے بہت ہی غلبہ کیا اپنے آپ سے کہا کہ پہلے اجودھن شیخ کی زیارت کو جاؤں۔ القصہ جب شیخ الاسلام کی زیارت میسر آئی مجھے میرا وہ مقصود حاصل ہو گیا۔ (بلکہ) کچھ اور بھی ملا۔ دوبارہ پھر یہ آرزو ہوئی اور پھر شیخ کی زیارت کو گیا اور یہ آرزو پوری ہو گئی۔

انٹیسوئیں مجلس

اسی سال ماہ جماد الاولیٰ کی گیارہویں تاریخ التوار کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ حضرت رسالتؐ کی حکایت بیان فرمائی کہ ایک رات رسول علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنواں ہے۔ اور اس کے اوپر ڈول رکھا ہے اور وہ کنواں قلیب ہے یعنی بس زمین (کھود لی اور پانی نکل آیا۔ لچا کنواں تھا) اس پر عمارت نہیں تھی جیسا کہ کنویں کے چاروں طرف اینٹ پتھر سے عمارت بناتے ہیں وہ نہیں تھی اور ایسے کنویں کو قلیب کہتے ہیں اور جس کنویں کی باقاعدہ چٹائی کے ساتھ تعمیر ہوتی ہے اور جس میں خاص انتظام ہوتا ہے اور احتیاط رکھی جاتی ہے اس کو طوی کہتے ہیں۔ القصہ رسول علیہ السلام نے

اس طرح کا قلب کمنواں دیکھا اور اس کے اوپر ڈول دیکھا وہ ڈول لے کر تھوڑا سا پانی نکالا اور پھر ہاتھ روک لیا۔ اس کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ آئے اور انھوں نے دو تین ڈول کھینچے اور پھر ان میں کمزوری دیکھی اس کے بعد خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ آئے اور دس بارہ ڈول کھینچے اور وہ ڈول بڑا ہو کر غرب بن گیا بڑے ڈول (جبرس) کو غرب کہتے ہیں اس سے بہت پانی کھینچا اور کافی زمین کو پانی دیا۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ اس حکایت سے مقصود یہ ہے کہ کنوئیں کا مقصد پانی ہوتا ہے۔ چاہے اس پر عمارت بنائیں یا نہ بنائیں اور اس کو تکلف سے بنائیں یا نہ بنائیں غرض اس سے یہی ہوتی ہے کہ پانی ملے یعنی ہر کام میں پیش نظر مقصد کا حصول رہنا چاہئے۔

اس درمیان حاضرین میں سے کسی نے ایک مرید کا سلام پہنچایا جن کو محمد گوالیوری کہتے ہیں۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ ہاں میں جانتا ہوں۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں ایک دفعہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ کنوارہ رہنا بہتر ہے یا شادی شدہ ہونا۔ میں نے کہا کہ عزیمت (ہمت کا کام) تو تجرید (کنوارا رہنا) ہے اور رخصت شادی شدہ ہونا اگر کوئی شخص حق میں اس طرح مشغول ہو کہ اس کو ان باتوں کا کبھی خیال ہی نہ آتا ہو اور اس کو کچھ خبر نہ ہو کہ اس کا کیا مطلب ہے تو پھر اس کی آنکھیں اور زبان اور جسم کے اعضاء محفوظ رہتے ہیں۔ اس کو مجرور رہنا چاہئے اور کسی سے یہ ممکن نہ ہو کہ اس طرح مشغول رہے اور اس کے دل میں ان باتوں کے دوسے آتے رہتے ہوں اس کو شادی کر لینی چاہئے۔ اصل چیز اس میں نیت ہے۔ جب اس کی نیت حق میں لگی ہوگی تو اس کے اعضاء پر بھی یہی اثر ہوگا۔ اور اگر اس کے دل کا معاملہ ڈانوا ڈیل ہوگا تو اس کے اعضاء پر اس کا اثر ظاہر ہوگا ان محمد گوالیوری

کے اس ذکر سے ان کی عمر کی بات آئی کہ کتنے سال ہے اور اس بات سے سلطان شمس الدین کے انتقال کی تاریخ کا ذکر فرمایا خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے یہ شعر بیان مبارک پڑھے

سال شش صدوی و چہار از ہجرت نماند شاہ جہاں شمس دین عالمگیر

ہجرت کے چوسو چونتیس سال بعد شاہ جہاں عالمگیر شمس دین (دنیا) میں نہ رہے پھر مریدوں کے آداب کا ذکر آیا کہ جب وہ اپنے پیر کی خدمت سے بخصت ہوتے ہیں تو دوبارہ سامنے نہیں جاتے جب تک کہ اس مہم اور اس سفر سے واپس نہ آجائیں اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص کو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے رخصت فرمایا ان کو علی مکی کہتے تھے جب رخصت کر دیا تو وہ قصبہ اجودھن کے قریب ٹھہر گئے دوسرے روز شاید ان کے ساتھیوں نے وہاں قیام کیا وہ دوبارہ شیخ کی خدمت میں آگئے شیخ نے فرمایا کہ تم تو توکل رخت ہو کر چلے گئے تھے۔ آج واپس کیوں آگئے؟ بولے آج ہمراہی ٹھہر گئے ہیں اس لئے میں دوبارہ آگیا۔ شیخ نے فرمایا مرحبا! راجھا کیا تمہارا آنا مبارک ہو، جب رات ہوئی تو وہ باہر جا کر قافلے میں رہے۔ دوسرے روز بھی ان لوگوں کا بیڑا ڈرہا۔ یہ علی (صاحب) پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے شیخ نے پوچھا کہ آج کیسے واپس آئے؟ علی نے صورت حال کہہ سنائی تیسرے روز بھی ان لوگوں کو قیام کرنا پڑا۔ اور وہ (علی) پھر شیخ کے پاس آگئے تیسرے روز شیخ نے ایک شخص سے کہا کہ دو روٹیاں لاؤ جب دو روٹیاں لائے۔

تو یہ دونوں روٹیاں علی کو دیں اور ان کو روانہ کر دیا۔ اس دفعہ جانے کے بعد وہ شیخ کے پاس نہیں آئے۔

لے فوائد الفوائد کے نسخہ برٹش میوزیم میں یہ مصرعہ اسی طرح ہے (ورق ۸۲) اور یہی صحیح ہے۔

پھر ان علی مکی کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ وہ بڑے نیک اور برکت والے آدمی تھے بہت کہا کرتے کہ خدایا مجھے ایسی جگہ موت دیجیو کہ میں نہ تو اپنے شہر میں ہوں۔ نہ وہاں جہاں جانے کی میری نیت ہو۔ بس راستے میں جہاں کوئی مجھے جانتا پہچانتا نہ ہو بس ایسی ہی جگہ مجھے موت دیجیو! اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ وہ بدایوں کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بیمار ہو گئے۔ جب وہ قصبہ بجلانا سے باہر آئے تو ان کی بیماری بہت تکلیف دہ ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ بدایوں پہنچتے انہی حدود میں رحمتِ حق سے جا ملے۔ اور اسی زمین میں دفن ہوئے۔

ان علی مکی کا حال بیان کرتے ہوئے یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے ان کو فرماتے سنا کہ ایک دفعہ میں کرمان میں مسافر تھا اور کرمان میں ایک قاضی تھا انھوں نے ایک روز دعوت کی شہر کے بڑے لوگوں اور افسران اور شاہیر کو بلوایا۔ ایک بوڑھے زرد رُو درویش بھی اس دعوت میں موجود تھے۔ اگرچہ ان کا بلاوا نہیں تھا لیکن انھوں نے سنا تھا کہ قاضی کے گھر میں عورت ہے اس لئے آکر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ جب سماع (قوالی) شروع کرایا گیا تو اس درویش میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ حال کھیلنے کے لئے رکھڑا ہوا۔ قاضی کو یہ پہل بری لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ صاحبِ صدر یا کوئی بزرگ پہلے اٹھے۔ اس درویش کو کیا حق تھا کہ پہلے کھڑا ہوا اس نے ان درویشوں سے پکار کر کہا۔

اے درویش بیٹھ جا۔ درویش کو اندر ہی اندر بڑا غصہ آیا۔ فوراً بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد سماع زیادہ گرم ہوا تو قاضی کھڑا ہوا۔ جیسے ہی قاضی اٹھا درویش نے قاضی سے پکار کر کہا کہ قاضی بیٹھ جا! یہ بات کچھ اس طرح کہی کہ قاضی اور حاضرین

کے دلوں پر ہیبت چھا گئی۔ قاضی اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ القصہ جب وہ سماع ہو چکا تو لوگ واپس چلے گئے۔ وہ درویش بھی چلا گیا۔ قاضی اپنی جگہ ہی پر بیٹھا رہا۔ ہر چند اٹھنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن اٹھ نہیں سکتا تھا۔ سات برس تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ سات سال کے بعد وہ درویش پھر آیا۔ وہ جانتا تھا کہ میں نے کچھ کام کیا ہے۔ اس لئے قاضی کو آکر دیکھا کہ ضعیف اور خستہ حال اسی بیت سے بیٹھا ہے درویش آیا اور قاضی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا قاضی اٹھ جا! قاضی ذرا نہ ہلا۔ دوسری دفعہ پھر کھا قاضی اٹھ! قاضی اسی طرح بیٹھا رہا۔ تیسری دفعہ درویش بولا۔ اچھا تو پھر اسی طرح بیٹھا رہا اور اسی طرح مرجھا یہ کہا اور باہر چلا گیا۔ اس کے بعد قاضی نے اس کو پہچانا اور اپنے آدمیوں کو دوڑایا کہ اسے واپس لے آئیے مگر وہ کہیں نہ ملا۔ قاضی اسی حال میں مر گیا۔

تیسویں مجلس

اسی سال ماہ جماد الاول کی اٹھائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت باتھ آئی۔ بندے سے پوچھا کہ جمعہ کی نماز نماں پڑھتے ہو؟ بندے نے عرض کی کہ جامع مسجد کیلوی کھری ہی میں پڑھتا ہوں۔ مگر میں مخدوم کو زحمت اس لئے نہیں دیتا کہ اس روز عوام کا ہنگامہ بہت ہوتا ہے ارشاد ہوا کہ میں نے کہہ رکھا ہے کہ میرے خاص مرید جو میرے پاس گھر آتے رہتے ہیں ان کو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ ہجوموں میں میرے مزاحم ہوں۔

اس بات کی مناسبت سے کہ ایسی جگہوں پر زحمت نہیں دینی چاہئے۔ حکایت

بیان فرمائی کہ مولانا بہان الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ بڑے کامل حال مولوی تھے۔ اگر کوئی شاگرد ان کی خدمت میں کچھ پڑھنے آتا تو اس سے کہتے پہلے مجھ سے تین شرطیں طے کرو۔ پھر میں تمہیں کچھ سکھاؤں گا۔ ان تین شرطوں میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ کھانا ایک وقت کھانا۔ جو کھانا بھی تمہیں اچھا لگے اور جو تمہارا من بھاتا ہو اس کو ایک دفعہ کھاؤ اور (دن میں) ایک وقت کھاؤ۔ تاکہ علم کا برتن خالی رہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ناغہ نہ کرنا۔ اگر تم نے ایک روز بھی ناغہ کیا تو دوسرے روز میں تمہیں سبق نہیں دوں گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جب راستے میں مجھ سے ملنا تو بس سلام کرنا اور گزر جانا۔ ہاتھ پیر پڑنا اور تعظیم کا اظہار راستے میں نہ کرنا۔

جب یہ حکایت پوری ہو چکی تو اس کے بعد فرمایا کہ میرے پاس لوگ آنے ہیں اور اپنا چہرہ زمین پر رکھتے ہیں۔ چوں کہ شیخ الاسلام فرید الدین اور شیخ قطب الدین قدس اللہ روحہما العزیز کے سامنے منع نہیں تھا۔ میں بھی منع نہیں کرتا۔ اس درمیان بندے نے عرضداشت کی کہ

اگر کوئی مخدوم کے سامنے آتا ہے اور چہرہ زمین پر رکھتا ہے۔ اس سے اس کو کچھ حاصل ہی ہوتا ہے اور اس کی نفس شکنی ہوتی ہے۔ اور مخدوم تو خدائے عزوجل کی طرف سے بزرگ بنائے گئے ہیں۔ آپ کی بزرگی مریدوں کی خدمت کرنے سے تھوڑی ہے! اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالجبر نے اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ انہی گزشتہ دنوں میں ایک شخص آئے بزرگ زادے تھے سیاحت کئے ہوئے اور شام دروم دیکھے ہوئے۔ جب وہ آکر بیٹھے تو اسی دوران وحید الدین قریشی آئے اور جیسا کہ خدمت گاروں کی رسم ہے۔ آداب بجالائے اور سرزمین پر رکھا۔ یہ صاحب جو بیٹھے

تھے پکار کر بولے کہ ایسا نہ کرو۔ سجدے کی اجازت کہیں نہیں آئی ہے اس بارے میں جھگڑا کرنے لگے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں جواب دوں۔ (لیکن جب بات بہت بڑھ گئی اور وہ اس بارے میں بہت غلو کرنے لگے تو میں نے ان سے اتنا کہا کہ سنو اور صدمہ مت پھاؤ۔ جو بات بھی کبھی فرض رہی ہو جب اس کی فرضیت چلی جاتی ہے تو استحباب باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ ایام بیض اور ایام عاشورہ کے روزے ماضی کی امتوں پر فرض تھے۔ رسول علیہ السلام کے زمانے میں چوں کہ ماہ رمضان کا روزہ فرض ہوا تو وہ ایام بیض اور ایام عاشورہ کے روزہ کی فرضیت اٹھ گئی لیکن استحباب باقی رہا۔ اب سجدے پر آتا ہوں۔ ماضی کی امتوں میں یہ مستحب تھا۔ چنانچہ رعیت بادشاہ کو اور شاگرد استاد کو اور امت پیغمبر کو سجدہ کیا کرتی تھی۔ جب عہد رسول علیہ السلام آیا تو یہ سجدہ نہ رہا۔ البتہ اگر استحباب چلا گیا تو اباحت تو رہی۔ اگر مستحب نہیں تو مباح ہوگا۔ مباح سے انکار اور ممانعت کہاں سے آئی ہے ؟

کوئی ایک ہی مجھے بتا دو۔ خالی خولی انکار سے کیا ہوتا ہے ؟ جب میں نے یہ کہا تو وہ چپکے ہوئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر یہ حکایت پوری فرما چکے تو ارشاد کیا کہ میں پشیمان ہوا کہ میں نے اتنی بات بھی ان سے کیوں کہی جس سے وہ دل شکستہ ہو گئے ہوں مجھے ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ دو چیزوں سے میں پشیمان ہوا ایک تو اس چیز سے کہ ان سے ایسی بات کیوں کہی جس سے ان کی گرفت ہوئی دوسرے یہ کہ وہ مسافر تھے اس لئے مجھے انہیں کچھ دینا چاہئے تھا۔ اگر کپڑا یا نقدی یا اور کوئی چیز ان کو دیتا تو اچھا ہوتا انہی دو چیزوں سے مجھے پشیمانی ہوئی۔ اس کے بعد کسی کو

کچھ پیش کرنے کے بارے میں فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز نے فرمایا تھا جو بھی تمہارے پاس آئے تمہیں چاہئے کہ اس کو کچھ دو۔

اس مباحثے کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی بوڑھا شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں شیخ قطب الدین بختیار طیب اللہ شراہ کی خدمت میں رہا ہوں اور آپ کو وہاں دیکھا ہے۔ شیخ نے اسے نہیں پہچانا جب اس نے مزید تعارف کرایا تو پہچاننا الغرض یہ بوڑھا ایک جوان کو بھی ساتھ لایا تھا اور وہ اس کا لڑکا تھا۔ اس درمیان بات میں سے بات نکلی تو اس لڑکے نے بے ادبی سے حجت کی اور گستاخی کے انداز میں شیخ سے بحث کرنی شروع کی اس طرح کہ اونچا بولا۔ شیخ نے بھی آواز بلند فرمائی۔ خواجہ ذکریہ اللہ بلیغ فرماتے ہیں کہ میں اور مولانا شہاب الدین جو شیخ کے صاحبزادے تھے ہم دونوں دروازے سے باہر بیٹھے تھے جب زیادہ شور ہوا تو اندر آئے وہ لڑکا ہے ادبی سے گفتگو کر رہا تھا مولانا شہاب نے اندر آکر اس لڑکے کے طمانچہ مارا۔ لڑکے نے غصے ہو کر چاہا کہ مولانا سے

کھینچ پین کرے۔ میں نے اس لڑکے کے ہاتھ پکڑ لئے۔ اس درمیان شیخ کبیر قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ صفا کرو (باہم صفائی کرلو) مولانا شہاب الدین ایک عمدہ کپڑے کا ٹکڑا لائے اور کچھ نقدی ان باپ بیٹوں کو دی۔ دونوں خوش ہو کر واپس چلے گئے اور بڑے پیر (بابا صاحب) کا قاعدہ تھا ہر رات کو افطار کے بعد مجھے اور مولانا رکن الدین کو سامنے بلاتے اور مولانا شہاب الدین کبھی سوتے کبھی نہ سوتے۔ الغرض ہمیں طلب فرماتے اور اس روز کی کیفیت اور حال پوچھتے کہ آج کیا ہوا اور کیا حال رہا۔ چنانچہ اس روز افطار کے بعد مجھے اور مولانا رکن الدین کو طلب فرمایا اور اس روز کا ماجرا پوچھا بوڑھے کی آمد اور اس کے بیٹے کے بحث کرنے اور مولانا شہاب الدین

کی تادیب کا ذکر آیا شیخ کبیر مینتے رہے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے عرضداشت کی جس وقت اس لڑکے نے مولانا شہاب الدین سے گتھن چاہا میں نے صرف اتنا کیا کہ اس کے ہاتھ پکڑ لئے شیخ ہنسے اور فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا!

اکتیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رجب کی چوبیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی پہلے دنوں بندے کے پیر کی انگلی پاک گئی تھی اور دیکھنے لگی تھی اس لئے آستانہ بوسی کی سعادت حاصل نہ ہو سکی تھی۔ آج آیا تو اس تکلیف کا ذکر آیا پوچھا کہ نارو تھا یا اور کوئی بیماری تھی؟ بندے نے عرض کی نارو نہیں تھا۔ یکا یک پیر کی انگلی پر ورم آگیا اور سخت درد ہونے لگا۔ ارشاد ہوا کہ کیا کبھی نارو ہوا ہے؟ بندے نے عرض کی کہ ۱۲ سے پہلے ہوا تھا مگر اب پانچ سال سے نہیں ہوا اور ایک دفعہ بندے کو نارو کی بیماری تھی اور اس بیماری کا حال خدمت میں عرض کیا تھا۔ اور زبان مبارک سے یہ ارشاد ہوا تھا کہ ڈنبل کو دور کرنے کے لئے آیا ہے کہ نماز عصر کی سنتوں میں سورہ بروج پڑھنی چاہئے ڈنبل نہیں ہوگا۔ اور چونکہ نارو بھی اسی قبیل کی چیز ہے۔ اس لئے ابید ہے کہ وہ بھی نہ ہوگا بندہ اسی روز سے سورہ بروج عصر کی نماز کی سنتوں میں پڑھتا ہے جب سے یہ بیماری نہیں ہوئی ہے۔ اس کے بعد عرض کیا کہ زبان مبارک سے یہ بھی سنا گیا تھا کہ نماز عصر کی سنتوں میں چار سورتیں پڑھنی

چاہئیں ایک اذالزلزلت الارض اور زمین سورتیں جو اس سے متصل ہیں بندہ ان کو پڑھتا ہے۔ اور چوں کہ زبان مبارک پر آچکا ہے اس لئے بندہ پہلی رکعت میں سورہ بروج پڑھتا ہے اس کے بعد اذالزلزلت الارض ارشاد ہوا کہ اچھا ہے اس وقت یہ نکتہ بھی بیان فرمایا کہ نماز عصر کی سنتوں میں دس بار سورہ والعمر کا پڑھنا بھی آیا ہے۔ پہلی رکعت میں چار بار دوسری رکعت میں تین بار تیسری رکعت میں دو بار اور چوتھی رکعت میں ایک بار اس کے بعد فرمایا کہ نماز برابر جماعت سے پڑھتے ہو؟ بندے نے عرض کی جی ہاں ایک مخلص امام مل گئے ہیں جو مخدوم کے مرید ہیں اور جو ان صالح ہیں پوچھا کہ وہ مخلوق (سرمندے) ہیں؟ بندے نے عرض کی نہیں فرمایا کہ مخلوق بہتر ہوتا ہے کیونکہ غسل جنابت میں جس کے بال ہوں اس کے لئے احتیاط مشکل ہوتی ہے اگر ایک بال بھی بھینکنے سے رہ جائے تو جنابت باقی رہتی ہے البتہ مخلوق اچھا ہے کہ وہ غسل بے شبہ کر لیتا ہے۔

اس کے بعد مخلوق ہونے کی افادیت کے سلسلے میں فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تین چیزیں ہیں جو خود کرنی چاہئیں اور دوسروں کو ان کا سبق نہیں دینا چاہئے ان میں سے ایک یہی سرمندانا ہے کہ آدمی خود سرمندالے دوسروں کو اس کی تاکید نہ کرے یعنی اس کا فائدہ اس سرمندانے والے ہی کے لئے ہوتا ہے دوسرے کھانے سے پہلے شوربا پینا۔ تیسرے پیر کے تلوؤں کو چکنائی لگانا۔ اس کے بعد فرمایا یہ ایک بات ہے جو لوگ کہتے ہیں لیکن ایسا ہونا نہیں چاہئے آدمی کو تو ایسا ہونا چاہئے کہ جس طرح وہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ دوسرے بھی فائدہ اٹھائیں۔

اسی معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک بدو تھا جو مسلسل اس عبارت میں دعا کرتا۔ اے اللہ مجھ پر رحم فرما اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحم فرما اور ہم دونوں کے ساتھ اور کسی پر رحم نہ فرما۔ یہ خبر حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو اس بدو سے فرمایا قد تجرت واسعاً۔ تو نے یہ ابھی حد بندی کی۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالجہر نے اس کی تشریح فرمائی کہ اگر کوئی شخص صحرا میں اپنے لئے گھر بناتا ہے تو تجھر کرتا ہے یعنی کچھ پتھر حد بندی کے طور پر رکھ دیتا ہے کہ یہاں تک میرے گھر کی حد ہوگی۔ رسول علیہ السلام نے اس کو اس مثال سے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت عاک ہے۔ اس طرح دعا کیوں کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے بخش دے اور محمد کو اور ہمارے ساتھ اور کسی کو نہ بخش! گویا تجھر حد بندی کرتا ہے اور تنگ بناتا ہے۔ یہ الفاظ زبان مبارک پر آئے کہ قد تجرت واسعاً تو نے ایک وسیع چیز کو محدود کر دیا۔

۳۲ بتیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی دسویں تاریخ ہفتے کو قیم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ اس وقت خواجہ ذکرہ اللہ بالجہر دھوپ میں سے سایے میں تشریف لائے تھے۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ رسول علیہ السلام نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ سورج کے سامنے مت بیٹھو کہ اس سے چہرے کی طراوت جاتی رہتی ہے۔ پھر شمس دبیر کی حکایت آئی بندے سے پوچھا کہ تم نے شمس دبیر کو دیکھا تھا! بندے نے عرض کی جی ہاں! بندے کی ان کے ساتھ قرابت داری بھی تھی۔ فرمایا کہ انھوں نے قاضی حمید الدین کی کتاب لوائح شیخ الاسلام فرید الدین قدس

اللہ سرۃ العزیز سے پڑھی تھی۔ اچھے آدمی تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ کبیر (بابا صاحب) افطار کر لیتے تو اس کے بعد مشغول ہو جاتے۔ مشغولی بڑی زبردست ہوتی۔ یہاں تک کہ عشاء کی نماز کا وقت ہو جاتا افطار کے وقت سے عشاء کی نماز کے وقت تک کافی فاصلہ ہے۔ اس درمیان شمس دبیر تھوڑا سا کھانا تیار کرتے اور دو تین پیر بھائیوں کو بلا کر افطار کراتے۔ اتنے میں شیخ کا وقت ہو جاتا۔ میں بھی اس وقت ساتھ ہوتا۔ پھر فرمایا کہ یہ ابتدائی زمانے کا قصہ ہے جبکہ وہ مفلس تھے جب ان کا کام لگ گیا تو یہ (اچھی) کیفیت نہ رہی اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ دنیا کا اقبال ان باتوں کی وجہ سے تھا۔

پھر نماز تراویح کا ذکر آیا۔ بندے سے پوچھا کہ نماز مسجد میں پڑھتے ہو یا گھر میں؟ بندے نے عرض کی کہ گھر میں پڑھتا ہوں۔ لیکن اماں صالح ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس سے پہلے جامع مسجد میں تراویح کے اندر ختم ہوتا تھا۔ بندے نے عرض کی مولانا شہب الدین امام ہرات کو ایک سی پارہ پڑھتے تھے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ ہاں، میں نے بھی ایک رات کو ان کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ اگرچہ کہ اس رات کو بارش تھی اور کھلیاں کیچڑ سے بھری ہوئی تھیں۔ لیکن میں گیا اور نماز پڑھی بہت اچھا اور پیہر کیف پڑھتے تھے۔ حروف کے مخارج ادا کرنے کا جو حق ہے۔ اس کا پورا خیال رکھتے تھے۔ اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ سنّا کے رہنے والے ایک مولوی صاحب تھے جنہیں مولانا دولت یار کہتے تھے، وہ بھی بہت اچھا اور خوب پڑھتے تھے ان سے زیادہ اچھا اور کوئی نہیں پڑھ سکتا تھا۔

پھر فرمایا کہ میں نے چھ سی پارے شیخ کبیر قدس اللہ سرۃ العزیز حضرت بابا فرید

سے پڑھے ہیں اور تین کتا ہیں اور بھی پڑھی ہیں۔ ایک دکناب کو سنا ہے اور دو پڑھی ہیں جس روز میں نے یہ گزارش کی کہ میں آپ سے قرآن پڑھنا چاہتا ہوں تو فرمایا کہ پڑھو۔ اس کے بعد جمعے کے روز عصر کے وقت تک جبکہ فرست رہتی تھی میں کچھ پڑھا کرتا۔ الغرض چھ سپارے شیخ سے پڑھ لئے جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو مجھ سے فرمایا کہ الحمد للہ پڑھو۔ جب میں نے پڑھنا شروع کیا اور ولا ضالیین پڑھنا پہنچا تو ارشاد ہوا کہ ضاد کو اس طرح پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں۔ ہر چہ میں نے چاہا کہ اسی طرح پڑھوں جیسے شیخ پڑھ رہے ہیں۔ لیکن نہ ہو سکا۔ پھر فرمایا کہ کیسی فصاحت اور بلاغت تھی حضرت شیخ ضاد کو اس طرح پڑھتے تھے کہ کوئی اور نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس وقت فرمایا کہ ضاد خاص رسول علیہ السلام پر اتر رہا ہے۔ دوسروں کے لئے نہیں تھا۔ پھر فرمایا کہ رسول علیہ السلام کو رسول الضاد کہتے ہیں۔ پھر ان الفاظ میں ذکر فرمایا کہ رسول الضاد یعنی وہ جن پر ضاد اترتا۔ واللہ اعلم۔

تینیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی پندرھویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی تراویح کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ تراویح سنت ہے اور تراویح میں ایک (قرآن) ختم کرنا بھی سنت ہے چاہے ایک رات میں پڑھیں چاہے تیس راتوں میں۔ ایک ختم تراویح میں سن لینا چاہئے۔ پھر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ تراویح سنت ہے اور جماعت سنت ہے اور تراویح میں ایک ختم

سنت ہے۔ بندے نے عرض کی کہ یہ رسول علیہ السلام کی سنت ہے یا صحابہ رضوان اللہ علیہم کی سنت ہے؟ فرمایا کہ صحابہ کی سنت ہے رسول علیہ السلام نے ایک روایت سے تین رات تترادیح ۱۱۵۰ فرمائی اور دوسری روایت سے ایک رات لیکن اس کی پابندی عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں کی۔ حاضرین میں سے کسی نے بوجھا کہ صحابہ کی سنت کو بھی کیا سنت کہتے ہیں؟ فرمایا کہ ہمارے مذہب (حنفی) میں تو کہتے ہیں لیکن امام شافعی کے مذہب میں سنت وہی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

پھر امام اعظم ابو حنیفہ کو فی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا کہ وہ رمضان کے مبارک مہینے میں اکسٹہ ختم کیا کرتے تھے۔ ایک تراویح میں اور تیس ہر روز اور تیس ہر رات اس کے بعد فرمایا کہ انھوں نے چالیس سال صبح کی نماز عشا کی نماز کے وضو سے پڑھی اس وقت زبان مبارک پر یہ بات آئی کہ اتنے علماء اور دانشمند ہو گزرے ہیں کون جانتا ہے کہ کہاں گئے اور کیا تھے یہ جو شہرت باقی ہے یہ حسن معاملہ کی وجہ سے ہے۔ اور یہ حیات معنوی ہے اور اسے آسانی سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ شبلی اور حنبلی کہتے پہلے ہوئے ہیں لیکن لوگ سمجھتے ہیں کہ جیسے وہ کل اور برسوں ہی تھے یہ سب حسن معاملہ کے سبب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چونتیسویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی نویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت میسر

آئی بندے سے دریافت فرمایا کہ میری باتیں جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو، بندے نے عرض کی جی ہاں لکھ لیتا ہوں۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ یہ یاد رہ جانا بھی تعجب انگیز ہے۔ بندے نے عرض کی سب یاد رہتا ہے اور جہاں یاد نہیں رہتا۔ اور ٹھیک طرح لکھنے سے رہ جاتا ہے۔ جگہ خالی چھوڑ دیتا ہوں تاکہ شاید دوبارہ سننے کا موقع مل جائے۔

تو لکھ لوں۔ جیسے گزشتہ مجلس میں آپ نے، فرمایا تھا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام نے (حضرت عائشہ سے کہا تھا کہ سورج کے سامنے مت بیٹھو کہ اس سے چہرے کی طراوت رتازگی، جاتی رہتی ہے۔ بندے کو خیال آیا تھا کہ پوچھوں یہ حدیث کس طرح ہے۔ زبان گوہر بار سے ارشاد ہوا کہ میں نے یہ حدیث کسی کتاب میں نہیں دیکھی البتہ مولانا علاء الدین اصولی سے سنی ہے جو بدایوں میں میرے استاد تھے اور بڑے بزرگ اور کامل حال ہوئے ہیں۔

یہاں سے مولانا علاء الدین کے اوصاف حمیدہ کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ وہ بڑے بزرگ (آدمی) تھے۔ بس کسی کا ہاتھ نہیں پکڑا تھا۔ بیعت نہ کی تھی، اگر کسی کے مرید ہو جاتے تو کامل حال شیخ ہوتے اس کے بعد فرمایا کہ جس وقت یہ مولانا علاء الدین بچے تھے اور بدایوں کی گلیوں میں سے کسی گلی میں جا رہے تھے تو شیخ جلال الدین تبریزی گھر کی دہلیز پر بیٹھے تھے جب ان کی نظر مولانا پر پڑی تو انھیں بلایا اور جو لباس خود پہنے ہوئے تھے وہ ان کو پہنا دیا۔ خواجہ ذکرو اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ سارے اوصاف اور اخلاق اسی کی برکت سے تھے۔

اس وقت یہ حکایت بھی بیان فرمائی کہ ان مولانا علاء الدین کے پاس ایک

بڑھیا لونڈی تھی جو نئی لونڈی بنائی گئی تھی اور بدایوں کے قریب مواس ہے (مواس پناہ کی جگہ کو کہتے ہیں۔ غالباً یہ کوئی گڑھی وغیرہ ہوگی) جس کو کا تھیر کہتے ہیں شاید یہ لونڈی اس مواس کی رہنے والی تھی۔ ایک روز یہ لونڈی رو رہی تھی مولانا علاء الدین نے پوچھا کہ روتی کیوں ہے؟ بولی کہ میرا ایک لڑکا ہے اس سے بچھڑ گئی ہوں۔ مولانا نے کہا کہ اگر میں تجھے تالاب تک پہنچا دوں جو شہر سے ایک کوس ہے اور کا تھیر کے راستے پر ہے وہاں سے آگے اپنے گھر کا راستہ تو جانتی ہے؟ بولی جانتی ہوں مولانا سحری کے وقت اس کو گھر سے لے گئے اور اس تالاب کے پاس لیجا کر چھوڑ دیا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالینے جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ علمائے ظاہر اس طرح کی باتوں کے قائل نہیں۔ مگر یہ سمجھنے کی بات ہے کہ انھوں نے کیا کیا۔

پھر ان کی دانشمندی اور بحث کے دوران انصاف پیش نظر رکھنے کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ اگر کوئی مشکل لفظ آتا یا اس کے کسی نکتے کا جواب دیتے تو یہ بھی کہتے کہ میری تسلی کے مطابق یہ معنی حل نہیں ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں کہیں اور بھی بحث (و تحقیق) کر لینا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالینے فرمایا کہ یہ کیسے انصاف کی بات ہے! انہی معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ یہ مولانا علاء الدین ایک نسخے کا مقابلہ کر رہے تھے۔ ایک نسخہ ان کے ہاتھ میں تھا اور ایک نسخہ میرے ہاتھ میں کبھی وہ پڑھتے میں دیکھتا۔ اور کبھی میں پڑھتا وہ دیکھتے شروع میں یہ ہوتا رہا۔ پھر میں ایک مصرع پر پہنچا جو ناموزوں بھی تھا اور اس کے کچھ معنی بھی نہ نکلتے تھے۔ اس کے بارے میں بہت سوچ و چار کیا مگر مشکل حل نہ ہوئی۔ اس

درمیان ایک صاحب جن کو مولانا ملک یار کہتے تھے وہ آگئے مولانا علاء الدین نے کہا کہ اس مصرعے کی صحت ان سے پوچھیں گے۔ اس کے بعد یہ مصرع مولانا ملک یار کو سنایا اور انھوں نے مصرع جس طرح پڑھا وہ موزوں بھی تھا اور بامعنی بھی دل کو اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد مولانا علاء الدین نے مجھ سے کہا کہ ملک یار نے یہ بات اپنے ذوق کی بنا پر کہی ہے خواجہ ذکرو اللہ بالخیر فرماتے تھے مجھے ذوق کے معنی اس روز سمجھ میں آئے میں صرف ذوقِ حسی سے واقف تھا۔ اس روز پتہ چلا کہ معنوی ذوق کیا ہوتا ہے۔ اس وقت فرمایا کہ یہ مولانا ملک یار کچھ بھی پڑھے ہوئے نہیں تھے لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو کرامت سے علم دیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان مولانا ملک یار کو بدایوں کی جامع مسجد کی امامت دی گئی کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ اس کام کے اہل ہیں بھی یا نہیں۔ اس بارے میں جتنے منہ تھے اتنی باتیں یہ خبر مولانا علاء الدین کو پہنچی۔ کہنے لگے کہ اگر جامع مسجد بغداد کی امامت بھی مولانا ملک یار کو دی جائے تو ان کی اہلیت کے نشایانِ شان اس کو نہیں کہا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

پینتیسویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی چھبیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی: صدقے کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ صدقہ ہے اور مروت ہے اور وقایت ہے صدقہ تو یہ ہے کہ کوئی چیز محتاج کو دی جائے لیکن مروت یہ ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کو کوئی چیز دے۔ لباس یا اور کوئی چیز اور وہ دوست بھی بدلے میں کوئی چیز دے۔ اس کو مروت کہیں گے۔ اور

وقایت نہ صدقہ ہے نہ مروت۔ وقایت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کسی کی زبان دلازی اور بدگوئی سے بچانے کے لیے مزہ بھرائے دے یعنی ایک آدمی ہے کہ اگر اس کو کچھ نہ دیا جائے گا تو وہ برا کہے گا اور کہینہ پن دکھائے گا۔ اپنی حفاظت کے لیے اس کو کوئی چیز دی جائے تو اس کو وقایت کہتے ہیں۔ اور رسول علیہ السلام نے یہ تینوں باتیں کی ہیں۔ اس موقع پر فرمایا کہ حضرت رسالت کو شروع زمانے میں تالیف قلوب و دل جیتنے کے لیے کچھ دیتے تھے۔ جب اسلام طاقت پکڑ گیا تو اس کے بعد عطا نہیں فرمایا۔

اس زمانے میں لام بندی (شکرتیار ہونے) ہم پر روانہ ہونے کی شہرت تھی۔ بند نے عرض کی کہ قرآن شریف کو لشکر میں کس طرح لیجائیں کیوں کہ اس کی حفاظت مشکل ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ لیجانا چاہیے۔ پھر زبان مبارک سے فرمایا کہ جس زمانے میں اسلام ابھی ابتدائی حال میں تھا۔ رسول علیہ السلام فوج میں جاتے تو قرآن لشکر میں نہ لیجاتے خطہ رہتا کہ ایسا نہ ہو کہ شکست ہو جائے اور قرآن کفار کے ہاتھ پڑے۔ جب اسلام نے طاقت پکڑ لی اور لشکر بہت ہو گیا تو لشکر کے روانہ ہوتے وقت قرآن بھی لیجانے لگے۔ بندے نے عرض کی کہ خیمے میں قرآن کی جگہ نکالنا مشکل ہو رہا ہے۔ فرمایا کہ سر کی طرف جگہ کرنی چاہیے۔

اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ سلطان محمود کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ خدائے تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہنے لگا کہ ایک رات کو میں گھر میں تھا جہاں طاق میں قرآن رکھا تھا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہاں تو قرآن ہو گا میں کیسے سوؤں؟ پھر خود سے بولا کہ قرآن کو اس جگہ

سے باہر بھجوں؟ مگر یہ خیال بھی آیا کہ اپنے آرام کی خاطر قرآن کو یہاں سے باہر کیسے بھجوں؟ الغرض اس رات بیٹھا جاگتا رہا۔ جب میرے انتقال کا وقت آیا تو مجھے قرآن کے اس ادب کی وجہ سے بخش دیا گیا۔

ہندوؤں نے ایک اور عرضداشت کی کہ لوگ شکر میں جاتے ہیں مجھے خیال آتا ہے کہ اگر مجھے کوئی واقعہ پیش آجائے (موت آجائے) تو خدمت گاروں کو وصیت کر جاؤں کہ جہاں واقعہ پیش آئے وہیں دفن کر دیں۔ مردے کو دور دراز راستے سے شہر میں لانا بہت بے ذوقی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا کہ یہی اچھا ہے کہ جہاں کسی کی وفات ہو اسی جگہ دفن کر دیں۔ مگر یہ جو امانت رکھتے ہیں اور پھر قبر میں سے نکالتے ہیں۔ یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ زمین خدائے عزوجل کی ملکیت ہے۔ امانت کیا ہوتی ہے البتہ ایسی زمین سے جو کسی اور کی ملکیت ہو تو وہاں سے نکال کر لانا جائز ہے مگر شہر سے جو شکر جاتے ہیں درمیان میں بہت زمین ہوتی ہے اس سے بہتر بات اور کوئی نہیں ہے کہ جہاں وفات ہو وہیں دفن کر دیں۔ اس موقع پر فرمایا کہ جو بھی سفر کو جاتا ہے اور اپنے گھر بار سے دور پڑ جاتا ہے اور اس کے بعد اس مسافرت میں اس کو موت آجاتی ہے اور وہیں دفن کر دیا جاتا ہے تو جس قدر فاصلہ اس کے گھر اور اس جگہ کے درمیان ہوتا ہے جہاں اسے دفن کیا گیا۔ بہشت میں اس کو اتنی ہی زمین دے دی جاتی ہے۔

پھر خوش اعتقاد بادشاہوں اور نیک امیروں کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ ایک بادشاہ ہو گزرا ہے۔ بڑی صلاحیت والا اور صاحب کشف۔ ایک روز اپنے جھروکے میں بیٹھا ہوا تھا جہاں سے نظر پائیگا کی طرف بھی پڑتی تھی اور اس کی ملکہ بھی تخت پر پہلو میں بیٹھی تھی اس دوران اس بادشاہ نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور دیر تک ادھر دیکھتا رہا۔ پھر پائیگاہ کی طرف دیکھا پھر نظر اوپر

اٹھائی اور دیر تک آسمان کو دیکھتا رہا اس کے بعد اپنی ملکہ کو دیکھا اور رونے لگا اس کی ملکہ نے یہ سوچا کہ کیا بات ہے کہ آپ دیر تک آسمان کو دیکھا کئے۔ پھر پائیگاہ کو دیکھا اور پھر آسمان کی طرف نظر کی اور پھر مجھے دیکھا اور رونے لگے؛ بادشاہ بولے کہ اس سوال کو چھوڑو۔ کچھ کہنے کی بات نہیں ہے اس کی بیوی بہت گڑبڑاتی کہ ضرور بتائیے کیا بات ہے؟ بادشاہ بولا کہ اب تم اصرار کرتی ہو تو بتانا ہوں اس کے بعد کہا کہ لوحان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس وقت میری نظر لوح محفوظ پر پڑی تھی وہاں میں نے دیکھا کہ میرا نام زندوں کی فہرست سے مٹا دیا گیا ہے میں سمجھ گیا کہ میرے جانے کا وقت آ گیا ہے پھر میں نے دیکھا چاہا کہ میرے بعد میری جگہ پر کون ہوگا تو دیکھا کہ جو حبشی اس پائیگاہ میں موجود ہے وہ میری جگہ پر ہوگا۔ اور تم اس کے نکاح میں آؤ گی۔ یہ تنہا جو میں نے دیکھا۔ ملکہ نے جب یہ بات سنی تو بولی کہ اب آپ کیا سوچتے ہیں اور کیا کریں گے بادشاہ نے کہا کہ میں کمرہ ہی کیا سکتا ہوں جو کچھ خدائے عزوجل نے حکم فرمایا ہے۔ وہی ہوگا۔ میں اس پر راضی ہوں۔ پھر اس حبشی کو پائیگاہ سے طلب فرمایا اور جو پوشاک خود پہنے ہوئے تھا اسے دی اور اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ پھر اس حبشی کو شکر دے کر کسی مہم کے لئے نامزد کیا اور امراء کو اس کے ماتحت روانہ کیا۔ حبشی حکم کے موافق گیا اور اس کام کو پورا کر دکھایا اور جو دشمن تھا اس کو قتل کر دیا اور مال غنیمت بہت ہاتھ آیا اور مقصد پورا کرنے کے بعد واپس آ گیا اور بادشاہ کی خدمت میں جا پہنچا۔ جس رات بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ دوسرے روز وہ بادشاہ مر گیا۔ اور جس وقت حبشی شکر لے کر گیا تھا لوگوں کے ساتھ اتنی اچھی طرح رہا سہا تھا کہ سب کے دل اس کی محبت کی طرف مائل ہو گئے تھے جب بادشاہ

انتقال کر گیا تو وہ ملک حبشی کو مل گیا اور پرانے بادشاہ کی بیوی بھی اس کے نکاح میں آگئی۔

پھر حکماء کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ فاراب ایک دانشور تھا ایک روز خلیفہ کی مجلس میں مختصر سا اور ہلکا لباس پہنے آیا۔ وہ ترک زادہ تھا۔ خلیفہ کے سامنے سماع ہو رہا تھا۔

اس نے چنگ اٹھا کر بجایا اس حکیم نے سماع کی تین قسمیں کی ہیں۔ کہا ہے کہ ایک ہنسنا والا ہے یعنی اس سے ہنسی آتی ہے دوسرا رُالانا والا ہے یعنی اس سے رونا آتا ہے تیسرا خواب آور ہے یعنی بیہوشی اس سے نیند آتی ہے۔ قصہ جب اس نے چنگ بجانا شروع کیا تو پہلے ساری مجلس ہنسنے لگی دوبارہ بجایا تو سب ہائے کر کے رونے لگے۔ پھر اس طرح بجایا کہ سب بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت اس نے کہیں یہ لکھ دیا اور چلا گیا کہ فاراب قدحِ صحنہ غائب۔ ناراب یہاں آیا اور پھر غائب ہو گیا۔ یعنی فاراب حکیم یقیناً یہاں موجود تھا پھر غائب ہو گیا جب اہل مجلس ہوش میں آئے اور یہ بات لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ (اچھا) یہ فاراب حکیم تھا افسوس ہمیں معلوم نہیں تھا یہاں سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ یہی حکیم تھا جس نے خلیفہ کے پاس آکر اسے بد اعتقاد کر دیا تھا کہ مذہبِ اہل سنت و جماعت کے مذہب کے خلاف فلک (آسمان) کی حرکت ارادی ہے شیخ شہاب الدین سہروردی اس عہد میں موجود تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ خلیفہ اس حکیم کے عقیدے کی طرف مائل ہو گیا ہے تو شیخ شہاب الدین خلیفہ کے پاس آئے۔ یہ حکایت پچھلے صفحات میں آچکی ہے۔ قصہ شیخ نے اپنی کرامت سے

اس فتنے کو دفع کر دیا اور خلیفہ اور اس حکیم کو وہ فرشتہ دکھا دیا جو خدا تعالیٰ کے فرمان کی بموجب فلک کو گردش دیتا ہے۔

الغرض خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر یہ حکایت بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور عرض کی کہ رات کو میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اس کا نام عمر رکھو اور لقب شہاب الدین کیوں کہ ہم شیخ شہاب الدین کا ذکر کر رہے تھے انہی کا نام اور لقب رکھنا چاہیے۔ حاضرین میں سے کسی نے اس شخص سے کہا کہ اس لڑکے کا نام عمر رکھتے ہو تو جب بھی اسے اس نام سے پکارو تو حقارت سے اور بگاڑ کر نہ پکارنا۔ اس نکتے کے مناسب حال خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے دولڑکے تھے ایک کا نام محمد تھا دوسرے کا نام احمد۔ بارہا شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ ان پر غصے ہوتے اور عین غضب کی حالت میں ہوتے مگر یہی کہتے کہ اے خواجہ محمد تم نے ایسا کیوں کیا اور اے خواجہ احمد تم نے ایسا کیوں کیا؟ اگرچہ بے انتہا خفا ہوتے مگر ان کے نام اسی طرح لیتے اے خواجہ محمد اور اے خواجہ احمد !

پھر نام رکھنے کی مناسبت سے فرمایا کہ رسول علیہ السلام نے بہت سے نام تبدیل فرما دیے اگر کسی کا بُرا نام ہوتا تو اس کا اچھا نام رکھ دیتے چنانچہ ایک دفعہ کوئی شخص حضرت رسالت علیہ السلام کی خدمت میں آیا رسول علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے بولا عاصی (نا فرمان گناہ گار) رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تمہارا نام مطیع (فرماں بردار) کر دیا۔ ایک دفعہ اور کوئی شخص حضرت رسالت کی خدمت میں آیا اور رسول علیہ السلام نے اس

سے دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ بولا مصطبیٰ اور مصطبیٰ ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو اپنا پہلو زمین پر رکھے۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارا نام منبعت کر دیا اور منبعت ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو زمین پر سے پہلو ہٹا لیتا ہے اور اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ کوئی عورت حضرت رسالت کی خدمت میں آئی رسول علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ بولی شعب الضالہ رگڑا ہی کی گھاٹی، رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تمہارا نام شعب الہدیٰ رہدایت کی گھاٹی رکھ دیا۔ ایک دفعہ رسول علیہ السلام نے ایک شخص کا نام اجل (اونٹ) رکھا۔ اور یہ واقعہ یوں ہوا تھا کہ وہ شخص بہت نکمرا تھا۔ ایک دفعہ لوگ منزل بہ منزل جا رہے تھے ایک شخص آیا اور مسطرہ (لوٹا طہارت کا برتن) اسے دیکر کہا کہ اسے منزل پر پہنچا دینا اور دوسرا آیا اور لباس اسے دیا اور کسی اور نے کوئی اور چیز اس کے حوالے کی اس نے سب چیزیں قبول کر کے اٹھالیں۔ رسول علیہ السلام نے اس کا نام اجل (اونٹ) رکھ دیا۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ جب امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو مصطفیٰ علیہ السلام مبارکباد دینے آئے اور علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس کا نام کیا رکھا؟ علیؑ نے کہا حزن (غم و اندوہ) فرمایا نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اس کا نام حسن رکھو۔ اس کے بعد جب حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے رسول علیہ السلام مبارکباد دینے آئے اور علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس کا کیا نام رکھا؟ علیؑ بولے حرب (جنگ) فرمایا نہیں۔ اس کا نام حسین رکھو!

پھر تذکرہ یہ آیا کہ بہت سے لوگ پیر کی جناب سے وابستہ ہوتے ہیں (مرید ہو جاتے ہیں) لیکن غیر حاضری کے زمانے میں مرید کی کیفیت پہلے جیسی نہیں رہتی۔

اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ ہوئے ہیں وہ کہتے تھے کہ جب بھی کوئی میرے پاس آتا ہے اور پھر واپس جاتا ہے تو چاہے میرے اور اس کے درمیان ایک ستون ہی حائل ہو تو ایسا نہیں ہوتا کہ اس کا مزاج پہلے جیسا ہی رہا ہو! اسی کے مناسب حال حکایت بیان فرمائی کہ کسی بزرگ نے کہا ہے کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے

کہ تیری جان تیرے گھر ہی میں ایمان کے ساتھ نکالی جائے یا باہر کے دروازے پر تجھے شہادت عطا کریں خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ گھر کے اندر جو دروازہ ہوتا ہے اس کو باب البیت کہتے ہیں اور جو دروازہ باہر ہوتا ہے اس کو باب الدار کہتے ہیں ان بزرگ نے اسی طرح کہا ہے کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے اور پوچھا جائے تمہاری روح اس دروازے پر جو باب البیت ہے قبض کریں ایمان کے ساتھ یا اس دروازے پر جو باب الدار ہے شہادت کے ساتھ؟ تو میں کہوں گا کہ اسی دروازے پر جو باب البیت ہے ایمان کے ساتھ قبض کریں۔ یعنی کون جانتا ہے کہ اُس جگہ تک جہاں باب الدار ہے میرا ایمان سلامت رہے گا یا نہیں؟

اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کے مزاج کا بدلنا اسی زمانے میں نہیں ہے قدیم زمانے میں بھی رہا ہے۔ جب حضرت رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو کئی ہزار مسلمان مرند ہو گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ مال کی زکوٰۃ ہم پر سے اٹھالیں چھوڑ دیں ختم کر دیں تو ہم اسلام پر قائم رہیں گے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو طلب فرمایا اور مشورہ کیا۔ بعض نے کہا کہ اگر خلیفہ ان کے ساتھ رعایت کریں اور فی الحال زکوٰۃ اٹھالیں تو یہ لوگ اسلام سے برگشتہ نہ ہوں یہ بات قرین مصلحت ہوگی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ جو خدا کا حق ہے چاہے وہ رستی ہو جس

سے اونٹ کا پیر باندھتے ہیں اگر اس سے کم دیں گے تو میں اس تلوار سے ن سے لڑاؤں گا۔ یہ خیر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو علی نے کہا کہ خلیفہ نے اچھا کیا اگر وہ اجازت دے دیتے کہ کوڑا چھوڑ دی جائے تو جب کوئی اور خلیفہ ہوتا تو (یہ لوگ کہتے) کہ نسا ز بھی ہم کو معاف کر دو اس سلسلہ اسلام کے سارے احکام ختم ہو جاتے۔

اس کے بعد خواجہ ذکرة اللہ بالجیر نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز فرما رہے تھے کہ ایک شخص تھا جو میرا مرید ہوا تھا جب میرے پاس سے چلا گیا تو کچھ عرصے تو اس کی کیفیت برقرار رہی۔ پھر اس کی وہ حالت نہ رہی۔ اور ایک اور شخص بھی تھا جو مجھ سے دور چلا گیا اور ایک مدت وہاں رہا اگرچہ کہ مدت تک اس کا مزاج برقرار رہا لیکن ایک مدت بعد وہ بھی بدل گیا۔ پھر دعا گو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی طرف رخ فرمایا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص جب سے میرا مرید ہوا ہے اس میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔ اسی مزاج پر قائم ہے۔ خواجہ ذکرة اللہ بالجیر جب اس بات پر پہنچے تو رونے لگے اور روتے روتے ہی زبان مبارک سے فرمایا کہ آج تک ان کی محبت برقرار ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

چھتیسویں مجلس

اسی سال ماہ ذی القعدہ کی دسویں تاریخ منگل کو دست بوسی کی سعادت میسر آئی۔ خواجہ شاہی موی تاب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا جو بدایوں میں تھے۔

انہیں سلطان العارفين بھی کہا جاتا ہے۔ انتقال ۲۴ رمضان ۷۳۲ھ کو ہوا۔ بدایوں میں ان کی درگاہ واقع ہے جہاں آسیب زدہ اور دماغی مریضوں کو معیت کے لیے لے جاتے ہیں۔

فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں شاہی روشن ضمیر کہا تھا جس وقت انھیں خرقہ دیا گیا کسی کو شیخ محمود موئینہ دوز کی خدمت میں بھیجا

اور کہا کہ ہم نے آج یہ کام کیا ہے کہ شاہی کو خرقہ عطا کیا ہے کیا آپ کو یہ بات پسند آئی؟ شیخ محمود موئینہ دوز نے فرمایا کہ آپ جو کچھ کرتے ہیں سب پسندیدہ ہی ہوتا ہے اور ٹھیک بات بھی وہی ہوتی ہے!

یہاں سے ان کے بھائی خواجہ ابوبکر موسیٰ تائب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نکلا۔ مولانا سراج الدین حافظ بدایونی نے جو مرید خاص ہیں بیان کیا کہ وہ رات کو اٹھے ہوئے تھے وضو تازہ کیا دو رکعتیں پڑھ کر رحمت حق سے جا ملے خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ کائناتوں تم تو ان رجس طرح زندگی گزارتے ہو اسی طرح موت بھی آئے گی!

یہاں سے شیخ احمد نہروالی کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ وہ بزرگ آدمی تھے شیخ بہا الدین

ذکر یا رحمۃ اللہ علیہ کسی کو کم ہی پسند فرماتے تھے انھوں شیخ احمد نہروالی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی احمد نہروالی کی مشغولی کو تولے تو وہ دس صوفیوں کے برابر ہوگی۔ اور یہ احمد نہروالی جب جامع مسجد جاتے تو ان کے مرید ساتھ ہوتے اور وہ اس ہجوم کے ساتھ جاتے ایک اور درویش تھے جو شیخ علی شوریہ کہلاتے تھے وہ ہر دفعہ اس شیخ احمد نہروالی کو منع کرتے کہ تم اس ہجوم کے ساتھ مسجد میں نہ جایا کرو۔ یہاں تک کہ ایک روز شیخ احمد نہروالی اسی طرح مریدوں کے ساتھ مسجد میں

۱۔ ۶۵۱ء سے قبل ان کا انتقال ہوا۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے شیخ شاہی کو نہیں شیخ ابوبکر کو

دیکھا تھا۔ خیر الجالس صفحہ ۲۱۰ مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی

۲۔ گجرات کا شہر جس کو اب 'پٹن' کہتے ہیں۔

تشریف لے گئے راستے میں کوئی شخص کسی کو لاٹھی مار رہا تھا۔ شیخ احمد نے مریدوں کے ساتھ اس کے چاروں طرف گھیر ڈال لیا اور اس منکروں کو اس لٹھ باز سے چھڑا لیا! اسی دوران شیخ علی شوریہ بھی پہنچ گئے۔ شیخ احمد نہروالی نے جب ان کو دیکھا تو بولے کہ اسی طرح کے کاموں کے واسطے میں مریدوں کے ساتھ گھر سے باہر نکلتا ہوں! پھر یہ حکایت نکل کہ شیخ احمد نہروالی کس کے مرید تھے فرمایا کہ واللہ اعلم باللہ بہتر جانتا ہے، کس کے مرید تھے اس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو نعمت فقیہ مادھو سے ملی تھی اور یہ فقیہ مادھو اجمیر کی جامع مسجد کے امام تھے ایک روز شیخ احمد نہروالی ہندو سی قدیم اردو یا ہندی کلام، گارے تھے اور جوانی کے زمانے میں ان کی آواز بڑی اچھی تھی ہندو سی کلام اچھا گاتے تھے جب فقیہہ مادھو نے سنا تو کہا کہ جیسے آواز تمہاری ہے افسوس کہ اس ہندو سی گانے میں خرچ کرتے ہو۔ فقیہہ مادھو نے کہا کہ قرآن حفظ کر لو! شیخ احمد نے قرآن یاد کر لیا۔ لائق آدمی تھے خواجہ ذکریہ اللہ بالگیر نے یہ بھی فرمایا کہ جس سماع رقوالی میں شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کا واقعہ سچا ہے اس مجلس میں شیخ احمد نہروالی بھی موجود تھے۔ اور شیخ قطب الدین کے واقعے کی حکایت پچھلے صفحات میں آچکی ہے۔

پھر بدایوں کے درویشوں کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ بدایوں میں ایک درویش تھے جن کو عزیز بشیر کہتے تھے۔ وہ بدایوں سے دہلی قاضی حمید الدین ناگوری کے صاحبزادے

لے ان کے حالات میں منشی قدس اللہ بدایونی کی کتاب مرآۃ احمدی ہے (بدایوں ۱۲۲۴ھ) مؤلف مذکور ہیں

ان کا انتقال ۶۵۱ھ میں تبایا گیا ہے۔ سیر العارفین صفحہ ۲۱۵۔

حضرت خواجہ قطب صاحب کا دسمال سماع رقوالی سنتے ہوئے ہوا تھا۔

مولانا صاحب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خرقہ لینے آئے ہوئے تھے۔ سلطان کے حوضِ رتالاب۔ غالباً شمسِ تالاب مراد ہے، کے کنارے ایک اجتماع کیا۔ درویشوں میں سے بعض لوگ وہاں تشریف لائے، اس درمیان ہر شخص حوضِ سلطان کے میٹھے پانی کی تعریف کر رہا تھا۔ ان عزیز بشیر نے جو خرقہ حاصل کرنے آئے تھے جب حوضِ سلطان کو دیکھا تو کہا کہ یہ چھوٹا حوض ہے حوضِ ساغر (ساغر تال) جو بدایوں میں ہے اس حوض سے زیادہ اچھا ہے! محمد کبیر وہاں حاضر تھے جب انھوں نے ان کی یہ بات سنی تو مولانا صاحب الدین سے کہا کہ ان کو خرقہ مت دیجئے۔ یہ مبالغہ کرنے والے آدمی ہیں۔ مولانا صاحب الدین نے ایسا ہی کیا ان کو خرقہ نہیں دیا۔

اس درمیان پھر خواجہ شاہی موئے تاب کی حکایت آئی، فرمایا کہ بدایوں میں ان کی بڑی رونق ہو گئی تھی اور سب لوگ ان کے پاس عقیدت سے آتے تھے اور وہ جہاں بھی جاتے بھیڑ لگ جاتی اور یہ خواجہ شاہی موئے تاب سیاہ فام آدمی تھے۔ اسی زمانے میں بدایوں میں ایک درویش مسعود نخاسی نامی تھے۔ جب خواجہ شاہی کو اس ہنگامے کے ساتھ دیکھا تو بولے کہ میاں کلوے حمام تو خوب گرم کیا ہے جل بھی جاؤ گے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ انھوں نے کہا تھا۔ خواجہ شاہی جوانی ہی میں رحلت فرما گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

یہاں سے بدایوں کے کوتوال خواجہ عزیز کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ خوب آدمی تھا۔ درویشوں کا نیاز مند شیخ ضیاء الدین کامرید تھا جو بدایوں میں تھے کبھی کبھی درویشوں میں سے کچھ لوگوں ۲۔

کچھ کو بلواتا۔ بارگاہ (چکری) میں بھجوانا، جھگڑنا اور منہ در منہ سناتا۔۔۔
 اس نے بدایوں ہی میں جوانی میں شہادت پائی اس کے بارے میں فرمایا کہ ایک
 روز میں بدایوں کی امریوں (آموں کے باغوں) کی طرف جسے لکھی آلو کہتے ہیں،
 گیا ہوا تھا۔ یہ عزیز کو تو ال ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا اور دسترخوان بچھا
 رکھا تھا۔ جب مجھے دور سے دیکھا تو پکارا اور کہا مرحبا آئیے میں ڈرنے لگا کہ
 کہیں تکلیف نہ پہنچائے۔ جب میں اس کے پاس گیا تو مجھے پوری تعظیم کے
 ساتھ اپنے پہلو میں بٹھایا۔ کھانا کھا کر میں واپس آ گیا

مولانا سراج الدین حافظ بدایونی حاضر تھے۔ انھوں نے سوال کیا کہ کیا یہ
 حدیث ہے؟ من لیس لہ شیخ فشیخ ابلیس جس کا کوئی پیر نہیں ہوتا اس
 کا پیر ابلیس شیطان ہوتا ہے (خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ مشائخ کا قول ہے
 مولانا سراج الدین نے پھر بوجھا کہ یہ بھی حدیث رسول ہے؟ من لم یر مغنی لا یفلاح
 ابدًا (جو کسی فلاح پہنچانے والے کو نہیں دیکھتا وہ کبھی فلاح کو نہیں پہنچتا)
 فرمایا کہ یہ بھی مشائخ کا قول ہے۔

اس وقت ایک درویش کا ذکر فرمایا کہ اگر وہ کسی آدمی کو دیکھتا جو کسی کا مرید
 نہ ہوتا تو کہتا یہ کسی کے پلے میں نہیں بیٹھا! بندے نے عرض کیا کہ گویا وہ وزن
 نہیں رکھتا؟ فرمایا کہ نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر وہ شخص جو کسی پیر کا مرید
 ہوتا ہے تو جو کچھ وہ مرید کرتا ہے کل (قیامت کے دن) وہ عمل اس کے پیر کے پلے
 میں ڈالا جائے گا۔ پس جو کسی کا مرید نہ ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں کسی کے
 پلے (پلے) میں نہیں بیٹھا ہے۔ یعنی اس کا کوئی پیر نہیں ہے

پھر اس بات کا ذکر آیا کہ کرامت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ ارشاد ہوا کہ کرامت پیدا کر لینا کوئی کام نہیں ہے سید صاحب سچا مسلمان مسکین فقیر ہونا چاہیے۔ پھر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ خواجہ ابوالحسن نور محمد رحمۃ اللہ علیہ (دریائے) دجلہ کے کنارے پہنچے۔ ایک مچھیرے کو دیکھا اور اس سے بولے کہ پانی میں جال ڈال کر مچھلی پکڑ۔ اگر میں صاحبِ ولایت ہو گیا ہوں تو اس جال میں ایک مچھلی پھنسے گی جو پورے ڈھائی من کی ہوگی نہ کچھ کم نہ زیادہ! ماہی گیر نے جال پانی میں ڈالا اور ایک مچھلی جال میں پھنس گئی جب اس کا وزن کیا گیا تو پورے ڈھائی من کی تھی۔ نہ کچھ کم نہ زیادہ۔ یہ خبر شیخ جنید قدس اللہ سرہ العزیز کو سنائی گئی تو فرمایا کہ کاش کہ اس جال میں ایک کالا سانپ آتا اور ابوالحسن کو ڈس لیتا اور ہلاک کر دیتا! کہا گیا کہ ایسا کیوں فرماتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ اگر سانپ ان کو ڈستا اور وہ ہلاک ہو جاتے تو شہید ہوتے۔ چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے کیا خبر کہ ان کے کام کا انجام کیسا ہوگا؟

یہاں سے ایک درویش کی حکایت بیان فرمائی کہ اگر کسی کے پیٹ میں درد ہوتا تو کہتا کہ اس کو شکنبہ (ادجھڑی) کھانے کے لئے دوا چھا ہو جائے گا۔ اور اگر کسی کے سر میں درد ہوتا تو کہتا کہ اس کو بھنی ہوئی سرسری کھلاؤ چھا ہو جائے گا جیسا وہ کہتا دیا ہی ہوتا۔ شیخ علی شوریہ نے اس سے کہا ایسی باتیں نہ کیا کرو تمہیں نقصان پہنچ جائے گا۔ نتیجہ یہی نکلا کہ ان کو ایک بلا میں مبتلا کیا گیا۔ شیخ علی شوریہ ان کے پاس آئے اور بولے میں نے کہتا تھا کہ ایسی باتیں نہ کرو تمہیں نقصان پہنچ جائے گا۔ میری بات نہیں سنی۔ اسی لئے اس بلا میں مبتلا

ہوئے۔ وہ درویش بولا میں نے بُرا کیا۔ اب دعا کرو تاکہ میں اچھا ہو جاؤں۔ شیخ علی شوریہ نے کوئی دعا نہ کی۔ وہ اسی بیماری میں انتقال کر گیا۔

سینتیسویں مجلس

اسی سالی ماہ ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ جمعرات کو دست بوسی کی سعاوت تک رسائی ہوئی۔ چونکہ ایام تشریق تھے لوگ متواتر آ رہے تھے۔ کھانا بار بار لایا جاتا۔ اس وقت خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ ایک درویش سے پوچھا گیا کہ تمہیں کلام اللہ کی کونسی آیت سب سے زیادہ پسند ہے۔ بولے اکلہا دانم رحت کے درختوں میں ہمیشہ پھل رہتے ہیں، اس وقت یہ نکتہ بیان فرمایا کہ اکل ہے اور اکل ہے اور اکلہ ہے اور اکلہ ہے اس کے بعد ان چار کلموں کی تشریح فرمائی کہ اکل رکھنا، مصدر ہے۔ اکل جو کچھ کھاتے ہیں۔ اکل ایک بار ایک ہی دفعہ میں کھانا اور اکلہ ایک نوالہ۔

اس درمیان ایک عزیز اپیر بھائی آئے۔ اور چھوٹے سے بچے کو تختی کے ساتھ پیش کیا۔ اور پھر عرض کی یہ میرا چھوٹا بچہ ہے۔ اس کی تختی پر اپنے قلم مبارک سے لکھ دیجیے تاکہ اس کی برکت سے خدا تعالیٰ اسے قرآن پڑھوادے۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالجبر نے اس کی تختی پر اپنے دست مبارک سے لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم استبث ج ح خ اس وقت فرمایا کہ جب کسی کا کام ہونے کے لئے کچھ لکھیں اور قلم جلدی جلدی چلے اور قلم کی روانی میں فرق نہ آئے تو وہ کام جلدی پورا ہو جاتا ہے۔ اور اگر قلم مشکل سے چلے اور رکاوٹ پڑے تو اس کام میں بھی دیر لگتی ہے اور رکاوٹ پڑتی ہے

پھر فرمایا کہ یہ عقل کی باتیں ہیں۔ اس قسم کی باتوں کا جو فراست سننے تعلق رکھتی ہیں بیان کر دینا جائز ہے۔

پھر ایک درویش کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ ایک درویش تھے جو گجرات گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے حکایت بیان کی کہ مجھے گجرات میں ایک پہنچا ہوا صاحب کشف دیوانہ ز مجذوب ملا۔ میں اور وہ دیوانہ دونوں ایک ہی گھر میں تھے۔ اور ایک کمرے میں سوتے تھے ایک دفعہ میں ایک ایسے حوض (تالاب) کی طرف گیا جس کی نگہ رانی کی جاتی تھی اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ اس حوض (تالاب) میں پیر ڈالے۔ میری اس حوض (تالاب) کے چوکیدار سے جان پہچان تھی۔ اس نے مجھ کو اجازت دے دی کہ اس حوض میں وضو کر لوں۔ بعض عورتیں جو پانی بھرنے آئی تھیں ان کو اجازت نہیں دی کہ پیر حوض میں رکھیں ایک بڑھیا ان درویش کے پاس آئی اور بولی کہ یہ میرا گھڑا پانی سے بھر کر دیدو۔ یہ درویش کہتے ہیں کہ میں نے بڑھیا کا مٹکا بھر کر دے دیا۔ ایک اور عورت آئی اور گھڑا مجھے دے کر بولی کہ اسے بھی بھر کر دے دو۔ میں نے وہ بھی بھر دیا اسی طرح چار پانچ کے ٹکے پانی سے بھر کر دیئے۔ الغرض جب وہاں سے واپس آیا اور کمرے میں پہنچا تو وہ دیوانہ کمرے میں سو رہا تھا۔ میں اندر آیا۔ نماز کا وقت ہو گیا تھا میں نے چاہا کہ نماز پڑھ لوں۔ بلند آواز سے تکبیر کہی۔ دیوانہ بیدار ہو گیا۔ مجھ سے بولا کہ یہ کیا زور شور دکھا رہے ہو۔ کام تو بس وہ تھا کہ تم نے ان عورتوں کے گھڑے پانی سے بھر کر دیئے تھے۔

اڑتیسویں مجلس

سنة سات سو سترہ ہجری ماہ مبارک شعبان کی بارہویں تاریخ
 ۲۸ مہینے بعد قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ اور یہ غیر حاضری اس سبب سے
 تھی کہ لشکر کے ساتھ دیوگیر (دولت آباد دکن) گیا ہوا تھا جب مذکورہ جمہرات
 کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی تو بڑی نوازش اور مہربانی فرمائی اور
 راستے کی سختی اور تکلیفوں کے بارے میں دریافت کرتے رہے۔ اور بہت ہی
 بندہ نوازی فرمائی۔ صلح جو میرا آزاد کردہ غلام اور رفیق ہے۔ کسی قدر بیمار تھا۔ اس
 بیماری کی حالت ہی میں حاضر ہوا اور راقم کے ساتھ ہی خدمت میں
 پہنچا۔ اس کے مرض کا حال دریافت فرمایا۔ بندے نے عرض کی کہ
 بندے کو راستے میں ان کی بیماری کی وجہ سے ٹھہرنا پڑا تھا۔ فرمایا تم نے اچھا کیا
 اگر کوئی اپنے دوست کے ساتھ جائے اور دوست کو زحمت اور تکلیف پہنچے تو
 اس پر واجب ہے کہ دوستی کا حق نبھائے اور اس کے حال کا خیال رکھے۔
 حکایت کی مناسبت سے فرمایا کہ ابراہیم خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سفر میں
 رہے اور کسی شہر میں چالیس روز مقیم نہ ہوتے تھے۔ جہاں بھی جاتے چالیس روز
 سے کم قیام کرتے اور کسی اور جگہ چلے جاتے۔ ان کی عمر اسی طرح گزرتی تھی کہ ایک

راہ طبع حضرت حسن کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت محبوب الہی کے مرید ہو گئے تھے۔ اس لئے حضرت

حسن انھیں پیر بھائی ہونے کا وجہ سے غلام کے بجائے رفیق کہہ رہے ہیں۔

ابراہیم بن احمد بن اسفیل ابوالحسن حضرت جنید بغدادی کے ہم عصر سامریہ میں پیدا ہوئے اور رے کی
 جامع مسجد میں ۲۹۱ھ (۸۹۰ء) میں انتقال کیا۔ تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۷۷۔ تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۷۔

دفعہ کسی جوان نے ان کے ساتھ رہنے کی اجازت چاہی۔ ابراہیم خواص نے کہا کہ تم میری مصاحبت نہیں کر سکتے۔ میں تو کبھی اس شہر میں رہتا ہوں۔ کبھی اس شہر میں کبھی بے سامان کبھی با سامان۔ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ وہ جوان پھر بھی اپنی بات پر اڑا رہا اور بولا کہ میں ضرور آپ کے ساتھ رہوں گا۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو ابراہیم نے بھی اجازت دے دی۔ قصہ مختصر ابراہیم خواص اپنی اس عادت کے مطابق شہر بہ شہر پھرنے لگے اور جہاں بھی ٹھہرتے چالیس روز سے کم ٹھہرتے جتنی کہ ایک جگہ پہنچے تو وہ جوان بیمار ہو گیا۔ خواجہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس کی بیماری کی وجہ سے تین مہینے اس جگہ مقیم رہے اس کے بعد ایک روز اس جوان کا جی نان اور مچھلی (کھانے) کو چاہا اور ابراہیم سے اس کی فرمائش کی۔ ابراہیم کے پاس ایک گدھا تھا جس پر کبھی کبھی سواری کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اور کچھ اسباب ان کے پاس نہ تھا۔ اس کو نہ بچ ڈالا اور اس جوان کی آرزو پوری کی جب کچھ وقت گزر گیا تو اس جوان کو کسی قدر صحت ہوئی، خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے سفر کا ارادہ کیا جوان نے ان سے کہا کہ اپنا وہ گدھا مجھے دے دیجئے تاکہ اس پر سوار ہو کر آپ کے ساتھ چلوں۔ ابراہیم کو صورتِ حال کہنی پڑی (سارا) قصہ اسے سنایا کہ اس گدھے کو فروخت کر کے تیرے لئے نان اور مچھلی فراہم کی غرضیکہ وہاں سے کسی طرف روانہ ہوئے خواجہ ابراہیم تین روز اس جوان کو اپنی گردن پر چڑھائے پھرے خواجہ ذکرة اللہ بالخیر کا مقصد اس حکایت سے یہ تھا کہ ساتھیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رہنا چاہئے۔

جب یہ حکایت پوری ہو چکی تو اپنی بیماری کا حال بیان فرمایا بندے نے

بیماری کی یہ خبر لشکر ہی میں سن لی تھی کہتے تھے کہ کسی نے جادو کر دیا تھا اس کے بارے میں عرضداشت کی کہ کیا ہوا تھا؟ ارشاد ہوا کہ ہاں دو مہینے تک بیمار رہا سخت تکلیف اٹھائی یہاں تک کہ ایک شخص کو لایا گیا جو جادو کی علامتوں کو ڈھونڈ نکالنے میں کمال رکھتا تھا۔ قصہ مختصر وہ شخص آیا اور گھر کے دروازے کے سامنے اور اطراف پھرا اور ہر دفعہ تھوڑی سی مٹی اٹھانی اور اس کو سونگھا اور اسی درمیان ایک جگہ کی مٹی کو سونگھ کر بولا کہ یہاں سے کھودو جب کھودا گیا تو جادو کی چیزیں نکل آئیں اس وقت (مرض میں) تھوڑی سی کمی ہو گئی۔ اس عرصے میں اس شخص نے کہا کہ میں اس قدر مہارت بھی رکھتا ہوں کہ اگر کہا جائے کہ کس نے جادو کیا ہے تو میں اس کا نام بتا دوں یہ اطلاع مجھے تک پہنچائی گئی تو میں نے کہا ہرگز نہیں اُس

کو منع کر دیا کہ نام نہ بتائے جس مٹی نے بھی جادو کیا تھا۔ میں نے اسے معاف کر دیا اس درمیان بندے نے عرض کیا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز پر بھی جادو کیا گیا تھا؟ فرمایا کہ ہاں وہ جادو (بھی) ظاہر ہو گیا تھا اور جن لوگوں نے یہ حرکت کی تھی ان کا پتہ بھی مل گیا تھا۔ اور ان کو اجودھن کے عالم اور وہاں کے اختیار لوگوں نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں بھیج دیا تھا اور عرض کی تھی کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ کیا کیا جائے؟ ارشاد ہوا تھا کہ میں نے انھیں معاف کر دیا۔ انھیں چھوڑ دو۔

اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ رسول علیہ السلام پر بھی جادو کیا گیا تھا جب معوذتین (سورہ الفلق اور سورہ الناس) نازل ہوئیں تو گندے

کرنے والیوں کا شر دور ہوا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے رسول علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ اگر حکم ہو تو جن عورتوں نے جادو کیا ہے ان کی گردن اڑا دوں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ چوں کہ خدائے عزوجل نے مجھے صحت عطا فرمادی ہے میں انہیں معاف کیا۔

یہاں سے عمر خطاب رضی اللہ عنہ کی حکایت بیان فرمائی کہ جمعے کے روز منبر پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ خطبے کے دوران فرمایا سمجھ لو کہ میری موت قریب آگئی ہے۔ اور یہ بات میں کرامت سے نہیں کہتا اس وجہ سے کہتا ہوں کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک پرندہ آیا ہے اور اس نے دو دفعہ میرے چوہنج ماری ہے۔ اور خواب میں پرندہ کا مطلب ملک الموت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہتا ہوں کہ میری موت نزدیک آگئی ہے۔ دوسرے ہفتے شہادت پائی۔ مغیرہ کے غلام ابن لولو نامی نے

محراب کے اندر ان کے تلوار ماری۔ جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ یہ زخم کھا کر گر پڑے تو اس غلام نے باہر آ کر نو آدمیوں کو اور قتل کیا۔ اور اس کے بعد خود کشی کر لی۔ اس وقت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ میں کچھ سانس باقی تھے یہ خبر جب ان کو پہنچائی گئی کہ اس غلام نے چند آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد خود کشی کر لی تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الحمد للہ اس نے خود کو اپنے آپ مار لیا۔ اور اس کو میرے لئے قتل نہیں کیا گیا۔

یہاں سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی حکایت بیان فرمائی کہ ان کو عبدالرحمن بن ملجم نے قتل کیا تھا۔ یوایہ کہ وہ مسلح ہو کر امیر المومنین علیؑ کے پیچھے لگا رہا۔ اور علیؑ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ علیؑ ایک جگہ پانی کے کنارے پہنچے اور پار جانے

کے لئے پایاب جگہ ڈھونڈنے لگے جہاں پانی کے کنارے کھڑے تھے وہاں ایک قبرستان تھا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے قبرستان کی طرف رخ کیا اور کسی شخص کا نام لے کر پکارا کہ اے فلاں! قبروں میں سے اس نام کے ستر آدمیوں نے (اس کا) جواب دیا۔ پھر امیر المومنین علیؑ نے اس طرح آواز دی کہ اے فلاں کے بیٹے فلاں! اس نام کے سات آدمیوں نے جواب دیا۔ اس کے بعد امیر المومنین علیؑ نے اس طرح آواز دی اے فلاں کے بیٹے فلاں اور فلاں کے بیٹے فلاں! اس پر ایک شخص نے جواب دیا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ پانی کس جگہ کم ہے؟ اس شخص نے جواب دیا اسی جگہ جہاں آپ کھڑے ہیں پس امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پانی میں اتر کر پار ہو گئے۔ عبدالرحمن ملجم نے یہ ساری گفتگو سنی اور اسی طرح پیچھا کرتا رہا۔ پار اترنے کے بعد بولا کہ اے علی ان مردوں کے نام اور ان کے باپوں کے نام تو جانتے ہو۔ یہ نہیں جانتے کہ پایاب کہاں ہے؟ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جانتا تو ہوں لیکن نہیں چاہتا کہ تو میرے حال سے مطلع ہو۔ القصہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور عبدالرحمن نے آکر تلوار چلائی۔ امیر المومنین علیؑ نے جب زخم کھایا تو فرمایا فزت ورساب الکعبہ۔ کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے آخری الفاظ یہی تھے بندے نے پوچھا کہ یہ عبدالرحمن مسلمان تھا؟ فرمایا کہ ہاں مسلمان تھا۔ اور معاویہ کی طرف ہو گیا تھا بندے نے عرض کی کہ معاویہ کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہئے؟ فرمایا کہ وہ مسلمان تھے اور صحابہ میں سے تھے اور رسول علیہ السلام کے لئے تھے۔ ان کی ایکسہن تھیں۔ ان کا نام اُم حبیبہ تھا۔ وہ حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔

اس حکایت کے بعد چوں کہ بندہ آٹھ مہینے کی مدت کے بعد خدمت میں حاضر ہوا تھا اور شکر سے دوسرے عزیز (پیر بھائی) بھی آئے ہوئے تھے۔ اشتیاق اور جدائی کا خوب ذکر رہا۔ ارشاد ہوا کہ میں نے ایک دفعہ ایک عرضداشت شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں لکھی تھی اور یہ رباعی قلم بند کی تھی رباعی:

زاں روز کہ بندہ تو خوانند مرا بر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطفِ عامت عنایتی فرمود است ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا
(جس دن سے کہ مجھے آپ کا غلام کہا جاتا ہے۔ لوگ مجھے آنکھوں کی پتلیوں پر بٹھاتے ہیں آپ کے لطفِ عام نے ایک عنایت فرمائی ہے۔ ورنہ میں کون اور لوگ مجھے کیا جانیں!)
اس کے بعد جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس رباعی کا تذکرہ فرمایا کہ میں نے اسے یاد کر لیا ہے۔ والسلام!

انتالیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک شعبان کی تیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ بندے کو مخدوم کے مریدوں میں سے ایک شخص نے دیوگیر (دولت آباد) میں تین شش گانی جیتل (ایک سگ) دیئے تھے اور کہا تھا کہ انھیں مخدوم جہانیاں کی خدمت میں پہنچا دینا اور میرے لئے دعا کو کہنا! بندے نے ان کی وصیت کے مطابق یہ تین جیتل لے جا کر پیش کئے۔ اور کیفیت سنا لی۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے خود اپنے دست مبارک سے وہ تین جیتل لے کر سامنے رکھ لئے

اور اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ
 سرہ العزیز ایک دفعہ سمرقند سے واپس آئے ہوئے تھے اور اہل بغداد ان کی
 خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے وہاں کی صورت میں کوئی نذر لایا۔ اس
 درمیان ایک بڑھیا آئی اور اپنی چادر کی گرہ کھولی اور ایک درم سامنے
 رکھا۔ شیخ شہاب الدین نے وہ ایک درم اٹھالیا اور ان سب تحفوں اور ہدیوں
 کے اوپر رکھ دیا۔ پھر جو بھی لوگ حاضر تھے ان سے فرمایا کہ ان نذرانوں اور
 تحفوں میں تم لوگ جو چاہو اٹھاؤ۔ بہت غصہ اٹھا اور نقدی اور تھیلی اور اچھا
 اچھا سامان لینے لگا۔ شیخ جلال الدین تبریزی

طیب اللہ شراہ حاتمہ رضی اللہ عنہ ان کو بھی اشارہ کیا کہ آپ بھی کوئی چیز لے لیں
 شیخ جلال الدین اٹھے اور وہ ایک درم جو بڑھیا لائی تھی لے لیا شیخ شہاب الدین
 نے جب یہ دیکھا تو فرمایا کہ آپ تو سب کچھ لے گئے! اس بات پر بندے نے
 عرض کی کہ شیخ جلال الدین کیا شیخ شہاب الدین کے مرید تھے فرمایا نہیں وہ شیخ
 ابو سعید تبریزی کے مرید تھے جب ان کے پیر پر وہ کر گئے تو وہ شیخ
 شہاب الدین کے پاس آ گئے اور ایسی خدائیں کیں کہ کسی غلام اور مرید کو میسر نہیں
 ہوتیں۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ ہر سال بغداد سے
 سفر حج کو جاتے وہ بوڑھے اور کمزور ہو گئے تھے ان کے لئے جو توشہ
 ساتھ لے جاتے وہ بڑھاپے کی وجہ سے ان کے مزاج کے موافق نہ ہوتا تھا
 کھانا ان کے مزاج کے موافق نہ آتا تھا شیخ جلال الدین تبریزی یہ ترکیب کرتے
 کہ چو لھا اور پتیلی سر پر لے پھرتے اور اس میں آگ اس طرح جلاتے کہ ان کا

نہ جلے۔ اور شیخ جس وقت بھی کھانا مانگتے۔ گرم کھانا۔ ان کے سامنے پیش کرتے۔

یہاں سے شیخ ابو سعید تبہ یزیدی قدس اللہ سرہ العزیز کی بزرگی کا تذکرہ فرمایا جو شیخ جلال الدین کے پیر تھے کہ بڑے بزرگ پیر تھے۔ اور زبردست تارک دنیا۔ چنانچہ زیادہ تر وقت فاقے سے گزرتا۔ اور کسی سے کوئی چیز نہ لیتے۔ یہاں تک ہوا کہ تین روز تک ان کی خانقاہ میں کوئی کھانا نہیں تھا۔ وہ اور ان کے مرید خمر بوزے اور تر بوزے سے افطار کرتے اور گزربسہ کرتے۔ یہ خبر اس شہر کے والی (حاکم) کو ہوئی بولا کہ چونکہ وہ ہماری کوئی چیز قبول نہیں کرتے اس لئے نقد لے جاؤ اور شیخ کے خادم کو پیش کر دو اور خادم سے کہو کہ تھوڑا تھوڑا کر کے خرچ کرتا رہے اور یہ بات شیخ کو نہ بتائے (چنانچہ) ایک حاجب (اے۔ ڈی سی یا کمریٹری) آیا اور خادم کو نقدی پہنچا کر تاکید کر دی کہ جس طرح مصلحت دیکھو خرچ کرنا اور شیخ کو نہ بتانا کہ یہ کہاں سے آئی ہے القصہ جب نقدی آئی اور خرچ شروع ہوا تو اس روز شیخ کو طاعت میں وہ ذوق و راحت نہ ملی جو ملا کرتی تھی۔ انھوں نے خادم کو بلایا اور پوچھا کہ تم یہ خرچ کہاں سے کر رہے ہو۔ خادم کو چھپانا بن نہ پڑا ساری بات جو وہ دی شیخ نے فرمایا کہ جو شخص یہ نقدی لایا تھا۔ کیسے آیا تھا اور اس کے قدم کہاں کہاں پہنچے تھے اشارے سے بتایا گیا کہ اس طرح آیا تھا اور اس طرح قدم رکھے تھے۔ ارشاد ہوا کہ جہاں جہاں اس کا قدم پڑا ہے وہاں کی زمین کھودی جائے چنانچہ سٹی کھودی گئی اور نکال کر پھینک دی گئی اور پھر اس خادم کو اس نقدی کے

ساتھ خاتقاہ سے باہر نکال دیا۔

شیخ ابوسعید تبریزی کے ترک کا حال اس طرح بیان فرمایا۔ مگر ارشاد ہوا کہ شیخ شہاب الدین کے پاس بہت نذرانے آتے تھے اور وہ انہیں اسی طرح خرچ بھی کر ڈالتے تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو ان کا ایک لڑکا تیس سال کا تھا جس کا نام عماد تھا اس کے حال کو شیخ کے حال سے کوئی نسبت نہیں تھی۔ اس نے آکر خادم سے خزانے کی کبھی مانگنی شروع کی۔ خادم نے اس میں تامل کیا کہ بھلا یہ اس کا کون سا وقت ہے شیخ نزع کی حالت میں تھے کہ بات ان کے کان تک پہنچی۔ ارشاد ہوا کہ منجی اسے دید و لڑکے نے کبھی لی اور خزانہ کھولا۔ چھ دینار سے زیادہ کچھ موجود نہ تھا۔ وہ بھی شیخ پر خرچ ہو گیا۔

چالیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان اس کی بیکتس عام ہوں، کی چوتھی تاریخ جمعرات کو قدم بولوتی فی سعادت تک رسائی ہوئی۔ ایک عالم حاضر ہوا خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے اس کا حال دریافت فرمایا اس نے جواب دیا کہ میں نے تعلیم تو پوری کر لی ہے۔ اب شاہی محل میں آنا جانا شروع کیا ہے تاکہ روٹی ملے اور فراغت حاصل ہو۔ جب وہ واپس چلا تو خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے یہ دو مصرعے زبان مبارک سے ارشاد فرمائے۔

شعر در وصف حال بس سمرہ ایست

بچوں بخوابش رسید سحرہ ایست

کیفیات کے اظہار کے لئے تو شعر بڑی پاکیزہ اور کھری چیز ہے۔ لیکن ہوس تک پہنچے تو سحرہ پنا ہے)

پھر فرمایا کہ شعر ایک لطیف چیز ہے لیکن جب اس کے ذریعے (قصیدہ خوانی کریں اور ہر کس و ناکس تک لیجائیں تو یہ سخت بے ذوقی بھی ہے۔ اور علم بھی خود اپنی جگہ بہت اعلیٰ چیز ہے لیکن جب اس کو روزی کا ذریعہ بنائیں اور دروازے دروازے سے پھریں تو اس کی عزت بھی جاتی رہتی ہے۔

اسی دوران مریدوں میں سے ایک غلام (لڑکا) حاضر ہوا اور ایک ہندو کو اپنے ساتھ لایا اور عرض کی کہ یہ میرا بھائی ہے جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اس غلام سے پوچھا کہ تمہارا یہ بھائی کچھ اسلام سے بھی رغبت رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا

کہ اس کو اسی بات کے لئے مخدوم کی خدمت میں لایا ہوں کہ مخدوم کی نظر کی برکت سے مسلمان ہو جائے خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد کیا کہ کسی کے کہنے سے اس قوم کا دل نہیں بدلا کرتا۔ البتہ اگر کسی صالح رنیک آدمی کی صحبت مل جائے تو امید ہوتی ہے کہ اس کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔

اس کے بعد خطابت بیان فرمائی کہ جب خلافت حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ کو ملی تو ان کی عراق کے بادشاہ سے جنگ ہوئی اور اس جنگ میں عراق کا بادشاہ گرفتار ہو گیا۔ اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں ملک عراق تجھ ہی کو بخش دیتا ہوں اس بادشاہ نے کہا کہ میں اسلام نہیں لاؤں گا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے سلام یا اسلام یا تلوار! اگر اسلام قبول نہیں کرے گا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ بادشاہ نے کہا قتل کر دو میں

اسلام قبول نہیں کرتا۔ حضرت، عمرؓ نے تلوار لانے اور جلاد کو بلانے کا حکم دیا وہ بادشاہ بہت ہی چالاک اور مجیدار تھا۔ جب اس نے یہ صورت حال دیکھی تو حضرت عمرؓ نے مخاطب ہو کر بولا کہ میں پیاسا ہوں مجھے پانی پلانے کا حکم دیجئے حضرت عمرؓ نے پانی لانے کا حکم دیا۔ پانی شیشے کے برتن میں ڈال کر لایا گیا۔ بادشاہ بولا کہ میں اس برتن میں پانی نہیں پیوں گا حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ بادشاہ رہا ہے اس کے لیے سونے چاندی کے برتن میں پانی ڈال کر لاؤ ایسا ہی کیا گیا۔ جب بھی اس نے پانی نہیں پیا اور کہا کہ میرے لیے مٹی کے برتن میں پانی بھر کر لاؤ۔ چنانچہ مٹی کے برتن (آب خورے) میں پانی بھر کر اس کے ہاتھ میں دیا گیا۔ اس نے حسرت سے عمرؓ کی طرف رخ کر کے کہا کہ مجھ سے عہد کیجیے کہ جب تک میں یہ پانی پی نہ لوں۔ مجھے قتل نہیں کریں گے حضرت عمرؓ نے فرمایا میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک تو یہ پانی پی نہ لے گا تجھے قتل نہیں کروں گا اس بادشاہ نے کوزہ زمین پر دے مارا۔ کوزہ ٹوٹ گیا اور سارا پانی بہ گیا اس وقت حضرت عمرؓ سے بولا کہ میں نے یہ پانی نہیں پیا ہے۔ آپ نے عہد کیا تھا کہ جب تک تو یہ پانی پی نہ لے۔ تجھے قتل نہیں کریں گے۔ اب میرے لیے امان ہونی چاہیے۔ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ اس کی چالاک پیر متعجب رہ گئے۔ اور اس کو امان دیتا مان لیا۔ اس کے بعد اسے ایک دوست کے ساتھ کر دیا۔ وہ دوست بہت ہی نیک اور صلاحیت والے تھے جب عراق کے بادشاہ کو ان دوست کے گھر میں لے گئے تو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان دوست کی اچھی صحبت نے ان پر اثر کیا اور اس نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ مجھے اپنے پاس بلائیے تاکہ ایمان لے آؤں! حضرت عمرؓ نے:

طلب فرمایا اور اس کے سامنے اسلام پیش کیا وہ مسلمان ہو گیا جب وہ اسلام لے آیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میں تجھے عراق کا ملک عطا کرتا ہوں بادشاہ نے جواب دیا کہ حکومت میرے کام نہیں آئے گی مجھے تو ملک عراق میں سے ایک گاؤں دے دیجئے جو میرے خرچ کو کافی ہو حضرت عمرؓ نے گاؤں (دینا) قبول فرمایا اس دربار بادشاہ نے کہا کہ مجھے ایسا گاؤں چاہیے جو دیران ہوتا کہ میں اسے آباد کر لوں حضرت عمرؓ نے ادیوں کو عراق کے علاقے میں بھیجا اور سارے عراق میں تلاش کرایا مگر دیران گاؤں کوئی نہ ملا حضرت عمرؓ نے بادشاہ کو سارا حال بتایا کہ پورے عراق میں ایک بھی گاؤں غیر آباد نہیں ملا۔ وہ بادشاہ بولا کہ میرا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ میں نے عراق کو ایسا آباد آپ کے حوالے کیا ہے اگر کوئی بستی اجر گئی تو کل قیامت کے دن جواب آپ کو دینا ہوگا خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر اس حکایت پر آبدیدہ ہو گئے اور اس بادشاہ کی ہوشیاری اور سمجھ داری کی بڑی تعریف فرمائی اس موقع پر اسلام اور مسلمانوں کے صدق و دیانت کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک یہودی کا گھر خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ العزیز کے گھر کے پڑوس میں تھا جب خواجہ بایزید بسطامی کا انتقال ہو گیا تو اس یہودی سے پوچھا گیا کہ تم مسلمان کیوں نہ ہوئے؟ یہودی بولا کہ کونسا مسلمان بنوں؟ اگر اسلام وہ ہے جو بایزید کا اسلام تھا تو ایسا اسلام میرے بس کا نہیں ہے اور اگر اسلام یہ ہے جس کا نمونہ تم لوگ ہو تو ایسے اسلام سے مجھے شرم آتی ہے۔

کتاب بیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی ستائیسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی

دولت، ہاتھ آئی، طبع جو یہ اپرا نا خدمت کا رہے، تھوڑی سی مصری پیش کرنے لایا تھا۔ شاید اس کی لڑائی کا نکاح ہوا تھا خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کو معلوم تھا کہ طبع کی چار لڑکیاں ہیں۔ الغرض مصری دیکھ کر حضور نے پوچھا کہ کیا ہے؟ بندہ نے عرض کی کہ اس کی لڑائی کا نکاح ہوا ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس کی ایک لڑائی ہو اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک پردہ ہو جاتا ہے۔ تمہاری تو چار (چارم) ہیں! اس وقت زبان مبارک سے ارشاد ہوا ابوالبنات مرزوق بیٹیوں کے باپ کو رزق دیا جاتا ہے، فرمایا کہ لڑکیوں کے باپ کے لئے رزق میں وسعت ہوتی ہے پھر حضرت خضرؑ کی حکایت بیان فرمائی کہ جب انھوں نے اس بچے کو قتل کر دیا اور حضرت موسیٰ نے لعنہ دیا، ایک معصوم جان کو

میں مار دیا تو حضرت خضرؑ کو اس نے آخر حال کی خبر تھی اس لئے اس کا جواب دے دیا۔ قد محنتہ اس بچے کے باپ کو لڑکے کے قتل کے بعد حق تعالیٰ نے ایک بیٹی عنایت فرمائی جس سے سات لڑکے صاحب ولایت پیدا ہوئے!

اس کے بعد بندے سے پوچھا کہ نماز تراویح کہاں پڑھتے ہو۔ بندے نے عرض کی کہ گھر میں پڑھتا ہوں۔ ایک امّا ہے۔ پوچھا کہ وہ کیا پڑھتا ہے؟ بندہ نے عرض کی فاتحہ اور اخلاص رقل ہو اللہ فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ اس موقع پر فرمایا کہ حضرت شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ہاں بھی یہی پڑھتے تھے شیخ بوڑھے ہو گئے تھے تراویح بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ بس فرض کھڑے ہو کر

ادا کرتے باقی سب نمازیں بیٹھ کر پڑھتے۔

پھر ایک بزرگ کا نام لیا کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ میں ایک لقمہ کھا کر سو جاتا ہوں اس سے بہتر ہے کہ پیٹ بھر کر کھاؤں اور ساری رات قیام کروں نماز پڑھوں اس کے بعد فرمایا کہ شیخ کبیر، حضرت بابا صاحبؒ، روزہ کم چھوڑتے تھے چاہے نصد کھلو اتے یا پچھنے لگواتے یا بخار آتا روزہ ضرور رکھتے تھے اس کے بعد حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ روزہ کم رکھنے البتہ طاعت و عبادت بہت کرتے اس وقت یہ آیت زبان مبارک پر آئی کہ کَلِمَاتٍ طَيِّبَاتٍ وَعَمَلٍ صَالِحًا (پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو) اور فرمایا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں یہ آیت صادق آتی ہے

بیابستویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی چوتھی تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی بچوں کی محبت کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ رسول علیہ السلام بچوں کو بہت چاہتے اور ان پر شفقت فرماتے۔ پھر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام نے امام حسن کو بچوں کے ساتھ دیکھا۔ ان کے قریب تشریف لائے۔ ایک ہاتھ ان کی تھوڑی کے نیچے رکھا اور دوسرا ہاتھ سر پر رکھا ان کا منہ چوما۔ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول علیہ السلام نے حسنؑ اور حسینؑ کی خاطر اونٹ کی آواز نکالی۔ ارشاد ہوا کہ ہاں یہ حکایت مشہور ہے

لے علاج کے تین طریقوں میں ایک طریقہ نصد کھونے کا بھی تھا کہ رگ کاٹ کر جسم سے کسی قدر خون نکال دیتے تھے

اور لکھی ہوئی ہے اور یہ لفظ زبان مبارک پر لائے کہ نعم الجمل مملکما، آپ دونوں کا اونٹ (کیسا) اچھا اونٹ ہے!

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اپنے ایک ساتھی کو کسی علاقے کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ اور تقریر کی سند ان کے نام لکھوا کر حوالے کی تھی۔ اس دوران امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اب چھوٹے بچے کو گود میں بے پیار و محبت کا اظہار فرما رہے تھے۔ ان ساتھی نے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میرے دس لڑکے ہیں میں ان میں کسی کو بھی اس طرح نہیں چاہتا اور پیار نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ تقریر لی جو سند میں نے تمہیں دی ہے۔ مجھے واپس کر دو ان صاحب نے سند حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دیدی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا غذ کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ جب تم بچوں پر شفقت نہیں کرتے تو بڑوں پر کیسے کرو گے! واللہ اعلم

بینتالیسویں مجلس

اسی سال ماہ ذی الحجہ کی پانچویں تاریخ بدھ کو قدم بوس کی دولت حاصل ہوئی۔ کوئی شخص آ یا خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ بولا کہ دار الخلافہ سے اور اس چھاؤنی ہے جو دشہر، شہری میں ہے وہاں سے آتا ہوا ہے چوں کہ اس جگہ کا نام دار الخلافہ پڑ گیا ہے اس لئے اس

علہ علار الدین غلجی کے زمانے کے دہلی شہر کا نام یہی تھا۔ دار الخلافہ سے مدخلت

کے مرکزی شہر سے ہوتی ہے۔ ہندوستان میں چونکہ خلافت بھی وہاں سے

لئے یہاں کے دار السلطنت کو دار الخلافہ کہنا بھی درست نہیں۔ سند

نے کہا کہ دارالخلافہ سے آیا ہوں اس نام کی مناسبت سے بغداد کی حکایت نکلی
فرمایا کہ بغداد کو ابتدا میں مدینہ منصور (منصور کا شہر) کہتے تھے۔ کیونکہ ایک
خلیفہ منصور نامی تھا بغداد کو اسی نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ بغداد کو مدینۃ
الاسلام (اسلام کا شہر) بھی کہتے ہیں۔

اس درمیان اولیائے حق اور ان کے کمالِ محبت کا ذکر نکلا۔ اس وقت فرمایا
کہ کل قیامت کے دن (حضرت) معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو میدان
حشر میں حاضر کیا جائے گا اور ظاہر ہوگا کہ جیسے کوئی مست و مخمور ہو۔ مخلوق
حیران ہوگی اور پوچھیں گے کہ یہ کون ہے؟ آواز سنیں گے کہ یہ ہماری
محبت کا مست ہے۔ اس کو معروف کرخی کہتے ہیں! پھر معروف کرخی کو حکم
ہوگا بہشت میں جاؤ۔ وہ عرض کریں گے کہ نہیں! میں نے تیری پرتش
جنت کے لیے تھوڑی کی ہے۔ اس کے بعد فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ نوری
زنجیروں سے باندھ کر انھیں کشاں کشاں بہشت میں لے جائیں!
حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت عزت اللہ تعالیٰ
کی عظمت اور پاکی بے انتہا اور فرزند آدم ایک ادنیٰ مقام پر ایسے میں
محبت اور قربت کی کیا نسبت؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ کہنا
ٹھیک نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ بحث کا بھی نہیں ہے۔ بندے (من عابجری
نے عرض کی کہ ایک نظم مناسب حال یاد آئی اور وہ یہ ہے کہ۔

عشق را بو حنیفہ درس نگفت

(حضرت ابو حنیفہ نے عشق کا سبق نہیں پڑھایا)

بندے نے یہ مصرع پڑھا تو خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے دوسرا مصرع
ارشاد فرمادیا کہ

شافعی را در روایت نیست
(حضرت شافعی کی بھی اس میں روایت نہیں ہے)

بیوالبیستوبین مجالس

ماہ ربیع الاول کی اٹھارویں تاریخ سنہ سات سو اٹھارہ (محرری)
بغیتہ کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ حلم کی فضیلت کا ذکر آیا۔ فرمایا
کہ حلم کی صفت سے موسوف ایک بزرگ تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ
وہ نعمت کہاں سننے ملی بزرگ نے کہا کہ میں نے یہ نکتہ اپنے استاد
قاری عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ ان کے اوصاف
حلم میں سے کوئی بات بتائیے۔ فرمایا کہ ایک دفعہ وہ آبادی سے دو جنگل
کی طرف تھے۔ ایک کھینے آدمی نے ان کے ساتھ کھینہ پن شروع کیا اور بہت
نامناسب باتیں کہیں عاصم کچھ نہ بولے اور کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں تک
کہ شہر کے قریب آ گئے۔ وہ کھینہ اسی طرح بُرا د بھلا کہتا رہا۔ جب لوگوں کے
درمیان پہنچ گئے تو عاصم نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ جناب عالی!
بس اب واپس جائیے۔ یہاں میرے دوست آشنا بہت ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی
بدگوئی سن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچائیں! اس کے بعد ان بزرگ نے ان کے
حلم کے بارے میں دوسری حکایت سنائی کہ ایک دفعہ میں اور چند شاگرد
ان کی خدمت میں بیٹھے تھے اور ہم حدیث پڑھ رہے تھے۔ وہ تشریح کر رہے تھے

اور ہم استفادہ۔ عاصم ایک کپڑے سے اپنے آپ کو لپیٹ بیٹھے تھے اسی طرح کمر اور گھٹنوں کو کپڑے سے لپیٹے فوائد بیان کر رہے تھے

کہ کسی شخص نے آکر کہا کہ آپ کے لڑکے کو قتل کر دیا گیا۔ پوچھا کس نے قتل کیا؟ اس نے کہا آپ کے چچا کے لڑکوں نے۔ شائدان کے درمیان جھگڑا ہوا۔ اس جھگڑے میں آپ کا لڑکا مارا گیا۔ استاد عاصم نے فرمایا کہ جاؤ فلاں شخص نماز پڑھائے اور فلاں جگہ دفن کر دینا یہ تین فقرے کہے اور پھر شاگردوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ہاں! تو تم کیا پڑھ رہے تھے۔ بڑھو! یہ بزرگ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے چہرے کی کیفیت بدلتے نہیں دیکھی: درابھی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ کپڑا جو اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا اس کو بھی جسم سے جدا نہیں کیا اور اپنی یوزیش نہیں بدلی۔ اسی طرح سبق دینے میں مشغول رہے۔

اس کے بعد خوابہ ذکرہ اللہ بالجہ نے فرمایا کہ محابہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جہلم سے منسوب تھے چنانچہ ایک دفعہ کسی اوباش نے ان سے بدکلامی کی اور عیب لگا کر طعن کیا (حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت والا! جو بہت سے عیب مجھ میں ہیں آپ کو تو ان میں سے ایک بہت معمولی چیز کا پتہ لگا ہے!

جب خواجہ ذکرہ اللہ بالجہ نے یہ حکایت مکمل فرمائی تو حاضرین کے واپس جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ بندے دشمن علاقہ بڑی نے عرضداشت کی کہ اس صورت میں کہ مرید پیر کی خدمت میں کم پہنچتا ہے۔ بس گھر میں پیر کی یاد میں رہتا ہے تو یہ بات کیسی ہے؟ فرمایا

کہ بہت اچھی ہے۔ اگر کوئی شخص پیر کی خدمت سے
غیر حاضر ہوا اور پیر کی یاد میں رہے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ہر روز پیر کے
سامنے رہے مگر اس کی محبت سے بے خبر ہو۔ اس کے بعد یہ مہر ع زمانہ مبارک
پہنچا۔

میروں دیونا بہ کہ دیونا بیرون!

(اندر سے باہر رہنا اس سے بہتر ہے کہ اندر رہ کر بھی باہر رہے یعنی جو حاضر نہ

اس سے بہتر ہے کہ حاضر رہ کر بھی بے حضور رہے)

اس وقت یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ

العزیز دو مہفتے کے بعد اپنے پیروں شیخ قطب الدین نور اللہ مدظلہ کی خدمت میں مجاہد
کرتے تھے اس کے برخلاف شیخ بد الدین غزنوی اور دوسرے عزیز برادرانہ

رہتے تھے۔ پھر فرمایا کہ جب شیخ قطب الدین کی رحلت کا وقت قریب آیا تو ابلہ بزرگ

کاٹا لیا جو شیخ قطب الدین کی پانسی آرام فرما رہا تھا اور جن کو یہ تمنا تھی کہ شیخ

کے بعد ان کی جگہ پر بیٹھیں۔ شیخ بد الدین غزنوی کو بھی یہی تمنا تھی مگر جس سماع

(قوالی) میں شیخ قطب الدین انتقال فرمانے والے تھے (شیخ نے ارشاد فرمایا: یہ ا

جامہ اور صلا عطا اور لکڑی کی کھڑاویں شیخ فرید الدین کو دیدیں۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالہ فرماتے

ہیں کہ میں نے وہ جامہ دیکھا تھا وہی سوزنی تھی۔ الغرض جس رات شیخ

قطب الدین کا انتقال تھا۔ شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین پانسی میں تھے اسی

رات شیخ فرید الدین نے اپنے پیر کو خواب میں دیکھا کہ انہیں اپنے پاس بلاتے ہیں

دوسرے روز شیخ پانسی سے روانہ ہو گئے جو تھے دن (دہلی) شہر میں پہنچے۔ قسامتی

حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے۔ وہ آس جا مے کو شیخ فرید الدین طیب اللہ شہادہ کی خدمت

میں لائے۔ شیخ نے دو رکعت نماز پڑھی اور وہ جامہ پہنا اور اس گھر میں تشریف لائے جہاں شیخ قطب الدین رہتے تھے تین روز سے زیادہ وہاں نہیں رہے۔ اور ایک روایت سے سارو زہیر ہانسی کی طرف تشریف لے آئے۔ اور ان کے (وہاں) آنے کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت شیخ (موصوف) شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہما کے گھر میں مقیم ہوئے تھے۔ سرہنگا نامی ایک شخص ہانسی سے آیا تھا۔ شائد وہ دو تین دفعہ اس گھر میں آیا لیکن دربان نے جانے نہیں دیا۔ ایک دن شیخ گھر سے باہر نکلے تو سرہنگا بڑھا اور شیخ کے پیروں میں گر گیا اور رونے لگا۔ شیخ نے پوچھا کہ کیوں روتا ہے؟ بولا اس وجہ سے کہ آپ ہانسی میں تھے تو ہم آسانی سے درشن کر لیتے تھے اب آپ کا دیدار دشوار ہو گیا ہے شیخ نے اسی وقت مریدوں سے کہا کہ میں پھر ہانسی واپس جاؤں گا حاضرین نے عرض کی کہ شیخ نے تو اس مقام کا آپ کے لیے حکم فرمایا ہے۔ آپ کسی اور جگہ کیوں جاتے ہیں شیخ نے ارشاد کیا کہ میرے پیر نے جو نعمت میرے لیے جاری فرمائی ہے۔ وہ جیسی شہر میں ہے ویسی ہی بیابان میں (ہے)۔

بینتالہیسویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی تیسری تاریخ ہفتے کو ہاتھ چومنے کے شرف تک رسائی ہوئی۔ مریدوں کے حسن اعتقاد اور پیہ کی فرماں برداری کا ذکر نکلا اس دوران حکایت بیان فرمائی کہ قاضی تمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نواسے شرف الدین لقب خطہ ناگور کے رہنے والے تھے۔ ان کو یہ آرزو ہوئی کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں مرید ہونے جائیں۔ اس نیت کے ساتھ

ناگور سے روانہ ہوئے۔ ان کی ایک لونڈی تھی جس کی قیمت کم و بیش سو تنکے تھی اس لونڈی نے اپنے مالک سے کہا کہ جب آپ شیخ کی خدمت میں پہنچیں اور مرید ہوں تو میری طرف سے بھی بندگی عرض کیجئے اور ایک کڑھا ہوا دستارچہ ان کو دیا کہ میری یہ نذر بھی پہنچائیے۔ القصہ جب مولانا شرف الدین شیخ الاسلام کی خدمت میں پہنچے اور مرید ہو گئے تو اس دولت کو پانے کے بعد عرض کی کہ یہ گھر میں ایک لونڈی ہے اس نے زمین بوی کھوائی ہے یہ کہا اور وہ دستارچہ جو اس نے بھیجا تھا سامنے رکھا۔ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ عنہ العزیز نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ خدا سے آزادی دے ! جب مولانا شرف الدین نے خدمت میں سے اٹھے تو خیال کیا کہ جب شیخ کی زبان مبارک سے یہ بات نکلے گی تو حقیقت میں وہ لونڈی آزاد ہو جائے گی لیکن یہ لونڈی بے قیمتی میں تو اسے آزاد کر نہیں سکتا اس کو بیچ ڈالوں۔ شاید ایسا ہو کہ خریدنے والا اسے آزاد کر دے جب یہ بات سوچی تو پھر یہ خیال بھی آیا کہ اگر یہ لونڈی کسی اور کے گھر میں آزاد ہوگی تو اس کا ثواب اسے ہوگا۔ میں خود ہی آزاد کیوں نہ کر دوں؟ یہ نیت کر کے شیخ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ میں نے اسے آزاد کر دیا !

بجھیا لیسویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی اٹھارویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ دنیا کی عداوت اور محبت کا ذکر آیا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ تین قسم کے لوگ ہیں ایک قسم وہ ہے جو دنیا کو دوست رکھتی ہے اور ہر روز اس کے خیال اور طلب میں رہتی ہے اور ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ دوسری قسم وہ

ہے جو دنیا کو دشمن رکھتی ہے۔ اور اس کا ذکر بُرائی کے ساتھ کرتی ہے۔ اور پوری طرح اس سے عداوت کرنے میں لگی رہتی ہے۔ تیسری قسم وہ ہے کہ دنیا کو نہ دوست رکھتی ہے نہ دشمن اور اس کا ذکر محبت اور عداوت کے ساتھ نہیں کرتی اور یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے بہتر ہے۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص (حضرت) رابعہ کے پاس آکر بیٹھا اور دنیا کو بہت بُرا بھلا کہنے لگا۔ (حضرت) رابعہ نے کہا کہ تم دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔ تم دنیا کے دوست معلوم ہوتے ہو جب ہی تو اس کا اتنا ذکر کرتے ہو!

یہاں سے ترک دنیا کے سلسلے میں ایک درویش کا ذکر آیا جو کنصل اور کھرام کی طرف کا تھا۔ اس کو شیخ صوفی بدھنی کہتے تھے۔ ارشاد ہوا کہ وہ بہت سارے ترک دنیا کرنے والا تھا۔ یہاں تک کہ کپڑے بھی نہیں پہنتا تھا۔ بندے نے عرض کی کہ اس نے کسی کا ہاتھ بھی پکڑا تھا، یعنی کسی کا مرید ہوا تھا، فرمایا کہ نہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر اس کا کوئی پیر ہوتا تو ستر عورت مرد کے لیے ناف سے گھٹنوں تک بدن ڈھکنام کا حکم دیتا۔ اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی پیر نہیں تھا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ وہ نماز بہت پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ بہشت ایسی اچھی جگہ ہے مگر افسوس کہ وہاں نماز نہیں ہے۔ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ اگر پیر دنیا دار ہو تو کیا سے زین دیتا ہے کہ مریدوں کو دنیا کی محبت سے روکے؟ خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ اگر روکے گا بھی تو اس کا اثر نہ ہو گا۔ کیوں کہ ایک

۱۔ ام الخیر رابعہ بنت اسمعیل عدویہ بصرہ میں پیدا ہوئیں اور ۱۲۵ھ میں بیت المقدس میں وفات

پائی۔ ان کا مزار کوہ طور پر جانب شرق ہے۔ وفیات الاعیان، جلد ۱ صفحہ ۱۸۲۔

لسانِ قال ہے (صرف کہنے کی زبان اور محاورے میں زبانی جمع خرچ) اور ایک لسانِ حال (صاحبِ کردار کی زبان) وعظ و نصیحت زبانِ حال سے موثر ہوتی ہے لسانِ حال۔ ہو تو لسانِ قال موثر نہیں ہوتی۔

پھر شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت آئی ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ ابھیر اپنے شیخ سے مندی (رومال) ملا تھا۔ اس کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے اور اس سے برکین حاصل کرتے ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ سو گئے تھے اور وہ مندی ان کے پیروں کی طرف تھا۔ ناگہانی ان کا پیر اس کو لگ گیا۔ جب بیدار ہوئے تو بڑا قلق اور بے چینی ظاہر فرمائی: اس حد تک کہ فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں روز قیامت تک اسی خطا کے رنج اور افسوس میں رہوں گا اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ مجھے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی جناب سے موٹا کسلی کا ایک خرقہ ملا تھا۔ اور وہ ابھی تک میرے پاس ہے۔ الغرض جب میں اجودھن سے دہلی کی طرف آ رہا تھا تو یہ خرقہ بھی اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ بس میں تھا اور میرا ایک ساتھی۔ جب ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں رہزنوں کا اندیشہ تھا تو بارش ہونے لگی۔ میں اور میرا وہ ساتھی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اس دوران چند ڈاکو جن کا ہمیں ڈر تھا نمودار ہوئے۔ اور ہمارے سامنے آ گئے۔ میں (پیر کی طرف) ملتفت ہوا اس کپڑے کے ویلے سے جو میرے پاس تھا۔ اور دل میں سوچا کہ یہ جامہ شیخ کا عطا کیا ہوا ہے یہ (رہزن) اس کو مجھ سے نہ چھین سکیں۔ پھر دل میں خیال آیا اگر انھوں نے چھین لیا تو پھر میں اس کے بعد شہر اور آبادی میں نہیں رہوں گا۔ تھوڑی دیر بعد ان لیٹروں میں سے ایک ایک طرف چلا

گیا۔ دوسرا دوسری طرف سب بکھر گئے اور چل دیئے ہم سے کچھ بھی نہیں کہا ہم سلامتی کے ساتھ منزل پر پہنچ گئے۔

پھر دنیا کے جمع خرچ کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ دنیا کو جمع نہیں کرنا چاہیے۔ سوائے اس کے جو ضروری ہو۔ جیسے لباس کہ اس سے شرعی طور پر بدن ڈھکا جاتا ہے۔ وہ جائز ہے لیکن زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ جو بھی ملے خرچ کر دیں اور جمع نہ کریں۔ اس وقت یہ شعر زبان مبارک پر لائے۔

زرا ز بہر دادن بود اے پسر ز بہر نہادن چہ سنگ و چہ زر
(اے فرزند دولت دینے کے لیے ہوتی ہے۔ رکھ چھوڑنے کو تو پتھر اور سونا برابر ہیں)
پھر اس شعر کی مناسبت سے یہ شعر پڑھا جو خاقانی نے اسی مفہوم کا کہا ہے یہ
چوں خواجہ نہ خواہد راند از ہستی خود کامی

آں گنج کے اودار دیندار کے من دارم
(جب امیر اپنی پونجی سے فائدہ نہیں اٹھاتا، لطف نہیں لیتا تو سمجھو کہ جو
خزانہ اس کے پاس ہے۔ وہ میرے پاس ہے!)

اس درمیان ایک شخص کو مسواک عطا کی۔ اس کے حسبِ حال حکایت بیان فرمائی کہ ایک عالم تھے جن کو نور ترک کہتے تھے۔ وہ یہاں سے خانہ کعبہ کی طرف گئے اور وہیں رہ پڑے۔ وہاں جو گھر بنایا اس کے دروازے پر لکھ دیا کہ جو کوئی میرے گھر میں آئے اگر اس کے پاس مسواک نہ ہو تو اس کا میرے گھر میں آنا حرام ہے!

پھر درویشوں کے اچھے اخلاق کے بارے میں گفتگو چلی ارشاد ہوا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اور ابوعلی سینا کی آپس میں ملاقات ہوئی جب ایک دوسرے

سے جدا ہوئے تو بوعلی نے ایک صوفی کو جو شیخ کی خدمت میں ملازم تھا اس بات کے لیے تیار کیا کہ جب شیخ کے پاس سے چلا جاؤں تو جو کچھ بھی شیخ میرے بارے میں کہیں وہ مجھے لکھ بھیجنا جب بوعلی سینا واپس چلے گئے تو شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ ان کا کوئی ذکر زبان سے نہیں کیا۔ نہ نیکی کے ساتھ نہ بدی کے ساتھ جب اس صوفی نے ان کا کوئی ذکر نہ سنا تو ایک روز شیخ سے خود ہی پوچھا کہ بوعلی سینا کیسے آدمی ہیں؟ شیخ نے فرمایا وہ دانشور آدمی ہیں اور طبیب ہیں اور بہت علم رکھتے ہیں۔ البتہ اچھے اخلاق نہیں رکھتے صوفی نے بہ ساری کیفیت بوعلی سینا کو لکھ بھیجی۔ بوعلی نے وہاں سے شیخ کی خدمت میں کچھ لکھ کر بھیجا تو یہ بھی لکھا کہ میں نے آئی کتابیں حکام اخلاق (کے مضمون) پر لکھی ہیں شیخ کے لیے یہ کہاں مناسب ہے کہ کہیں فلاں میں حسن اخلاق نہیں ہے شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ بوعلی حکام اخلاق کو جانتے نہیں یہ کہا تھا کہ (حکام اخلاق) رکھتے نہیں!

پھر قاضی منہاج الدین کی حکایت نکلی فرمایا میں ہر پیر کو ان کے وعظ میں جایا کرتا تھا چنانچہ ایک روز ان کے وعظ میں تھا کہ انھوں نے یہ رباعی پڑھی

لب بر لب دلبران مہوش کمر دن و آہنگ سر زلف مشوش کمر دن
امروز خوشست یک فردا خوش نیست خود را جو خسی طعم آتش کمر دن

(چاند سے دلبروں کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھنا اور زلف پریشاں کا قصد کرنا آج تو بہت اچھا لگتا ہے۔ لیکن کل اچھا نہیں ہوگا جب خود کو گھاس کی طرح آگ کا لقمہ بنانا ہوگا۔)

خواجہ ذکریۃ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ جب میں نے یہ شعر سنے تو بے خود سا ہو گیا۔ ہوش میں آنے میں خاصا وقت لگا۔ اس کے بعد ان کے حالات میں بیان فرمایا کہ وہ بڑے صاحب ذوق آدمی تھے ایک دفعہ انھیں شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں بلایا گیا اور اس روز پیر کا

دن تھا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وعظ سے فارغ ہو کر آجاؤں گا۔ الغرض جب وعظ سے فارغ ہو گئے تو وہاں پہنچے اور سماع میں شریک ہوئے اور دستار اور لبادہ جو پہن رہا تھا جھیر جھیر کر دیا اس وقت شیخ بدر الدین غزنوی کی نظم جو انھوں نے آتش گرفتِ ردیف کے ساتھ کہی ہے۔ گوانی جاری تھی ایک دو شعر زبان مبارک سے ارشاد فرمائے یہ شعر یاد رہ گیا۔

نوحہ میگرد بر من نوحہ گرد در مجمے

آہ از پی سوزم بر آمد نوحہ گر آتش گرفت

ایک نوحہ گرد لوگوں کے سامنے مجھ پر نوحہ کر رہا تھا۔ آہ اس سے میرا سوز ایسا نکلا کہ نوحہ کرنے بھی آگ پکڑ لی۔

اس وقت، فرمایا کہ قاضی منہاج الدین شیخ بدر الدین کو شریک کیا کرتے تھے۔

اس وعظ کی مناسبت سے شیخ نظام الدین ابوالموید رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت نکل آئی۔ بندے نے عرض کی کہ آپ نے ان کا وعظ سنا ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں سنا ہے لیکن میں ان دنوں بچہ تھا۔ معافی کی سمجھ خاطر خواہ نہیں تھی۔ ایک روز ان کے وعظ میں پہنچا تو انھیں دیکھا کہ مسجد میں آئے اور جوتیاں جو پیروں میں پہن رکھی تھیں، اتار کر ہاتھ میں لے لیں اور مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھی۔ میں نے کسی کو نماز میں ان کی طرح نہیں دیکھا۔ دو رکعتیں بڑے آرام سے پڑھیں اور منبر پر تشریف لے گئے۔ ایک قاری تھے جنھیں قاسم کہتے تھے اچھا بڑھتے تھے۔ انھوں نے ایک آیت پڑھی اس کے بعد شیخ نظام الدین ابوالموید رحمۃ اللہ علیہ نے آغاز فرمایا کہ میں نے اپنے بابا کے ہاتھ کا لکھا دیکھا ہے ابھی انھوں نے دوسرا فقرہ نہیں کہا تھا کہ پہلے فقرے ہی کا لوگوں پر ایسا اثر ہوا کہ سب رونے لگے۔ اس وقت انھوں نے یہ دو

مصرعے پڑھے ۔

بر عشق تو دیر تو نظر خواہم کرد جاں در غم تو زیر خواہم کرد
 (میں تو تمہیں اور تمہارے عشق کو دیکھوں گا اور تمہارے غم میں اپنی جان کو زیر
 و زبر کر دوں گا۔)

انہوں نے اتنا کہا تھا کہ لوگ نعرے لگانے لگے۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ
 یہی مصرعے پڑھے۔ پھر کہا اے مسلمانو! دوسرے دو مصرعے یاد نہیں آتے کیا کروں؟ یہ
 بات ایسی عاجزی سے کہی کہ سارے مجمعے پر اس کا اثر ہوا اس وقت قاری قاسم نے
 وہ دو مصرعے یاد دلائے شیخ نے یہ رباعی پوری پڑھی اور نیچے اتر آئے۔

شیخ نظام الدین ابوالموئید رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کے بارے میں بھی حکایت
 بیان فرمائی کہ ایک دفعہ برسات نہیں ہوئی۔ ان سے اصرار کیا گیا کہ بارش کی دعا فرمائیں
 وہ منبر پر آئے، بارش کی دعا پڑھی اور پھر آسمان کی طرف رخ کر کے کہا اے اللہ
 اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں آئندہ کبھی آبادی میں نہیں رہوں گا! یہ کہا اور منبر
 پر سے اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت سے نوازا اس کے بعد سید
 قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ملاقات کی اور یہ بات کہی کہ ہمارا آپ کے
 بارے میں پکا اعتقاد ہے اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کو حق (تعالیٰ) سے پورا
 نیاز حاصل ہے۔ لیکن یہ آپ نے کیا کہا کہ اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں آئندہ کبھی

اے شیخ نظام الدین ابوالموئید، سید نور الدین مبارک غزنوی کے بھانجے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے
 بھانجے تھے۔ نور مبارک کا انتقال یکم محرم ۶۳۲ھ کو ہوا ان کی قبر حوضِ شمس کے شرق میں ہے اخبار الجہال کی روایت
 کے مطابق شیخ نظام الدین ابوالموئید علی گڑھ میں مدفون ہیں مگر ان کا ایک مزار حضرت خواجہ قطب صاحب کی دو گاہ میں
 حضرت مولانا فرماں گاہ کے مزار کے شرق میں بھی بتایا جاتا ہے (اخبار الجہال قلمی) صفحہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۲۵۰ھ پر فیض نثار احمد فاروقی۔

آبادی میں نہیں رہوں گا۔ اگر بارش نہ ہوتی تو آپ کیا کرتے؟ شیخ نظام الدین الموبین نے کہا کہ میں جانتا تھا کہ (اللہ) بارش برسائے گا۔ اس پر سید قطب الدین نے پوچھا کہ آپ کیسے جانتے تھے؟ کہ بارش برسائے گا، بولے ایک دفعہ میرا سید نور الدین مبارک نور اللہ مرقدہ سے سلطان شمس الدین کے سامنے اونچی جگہ اور چچی جگہ بیٹھنے پر جھگڑا ہوا تھا میں نے ایسی باتیں کہی تھیں جس سے ان کو کوفت ہوئی تھی جس وقت مجھ سے بارش کی دعا کے لیے کہا گیا تو میں ان کے روضہ پر گیا اور کہا کہ مجھ سے بارش کی دعا کے لیے کہا گیا ہے۔ اور آپ مجھ سے رنجیدہ ہیں۔ اگر آپ مجھ سے من جائیں تو میں دعا مانگوں اور اگر آپ ملاپ نہیں کریں گے تو میں دعا نہ مانگ سکوں گا۔ ان کے روضہ سے آواز آئی کہ میں نے آپ سے ملاپ کر لیا آپ جائیں اور دعا مانگیں

سینتالیسویں مجلس

اسی سال ماہ جماد الاولیٰ کی پانچویں تاریخ، بدھ کو قدم بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ نماز کا ذکر نکلا۔ بندے نے عرض کی کہ فرض ادا کرنے کے بعد جو جگہ بدلتے ہیں۔ یہ کیسا ہے۔ ارشاد ہوا کہ جگہ بدل لینا بہتر ہے۔ اگر امام اپنی جگہ نہ بدلے تو یہ مکروہ ہے۔ البتہ مقتدی جگہ نہ بدلے تو اس میں کراہت نہ ہوگی۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ بدل لے۔ اس موقع پر (یہ بھی) فرمایا جب جگہ بدلنا چاہیں تو اپنی بائیں جانب ہو جائیں اس طرح کہ قبلہ کی داہنی سمت کے مقابل ہو جائیں۔

اڑتالیسویں مجلس

اسی سال ماہ جماد الاولیٰ کی تیرھویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت

ہاتھ آئی۔ ذکر یہ نکلا کہ لوگ درویشوں کے ہاتھ چومتے ہیں اور برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شاخ اور درویش جو ہاتھ چومنے کے لیے دے دیتے ہیں تو ان کی نیت بھی یہ ہوتی ہے کہ شاید کسی مغفور بخشے ہوئے جنتی کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں آجائے۔

پھر درویشوں کے منہ سے نکل ہوئی بات کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک شخص خواجہ کی خدمت میں آیا اور بولا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جس کی نظر میرے گھر میں پڑتی ہے میں اس کو پرہیزگار کرتا ہوں مگر نہیں سنتا اور مجھے تکلیف پہنچاتا ہے خواجہ اجل نے فرمایا کہ کیا اسے معلوم ہے تم ہمارے مرید ہو؟ بولا جی ہاں اسے معلوم ہے کہ میں اپنے مخدوم خواجہ کے وابستگان میں سے ہوں۔ خواجہ اجل نے فرمایا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ نہیں جاتی۔ جب خواجہ نے اس طرح کی بات کہی تو وہ مرید گھرا آیا اور پڑوسی کو گردن کی ہڈی ٹوٹے ہوئے دیکھا پوچھا کہ کہاں سے گر گئے؟ کہنے لگے کہ لکڑی کی کھڑاؤں پہنے ہوئے تھا۔ لڑکھڑا کر گر گیا اور یہ واقعہ پیش آیا۔

پھر مردانِ حق کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ پرانے زمانے میں چار آدمی برہان نامی اوپر کے علاقے سے دہلی میں آئے۔ ان چار برہانوں میں سے ایک برہان لمبھی تھے۔ دوسرے برہان کاشانی۔ دوسرے دو برہانوں کے بارے میں یاد نہیں آتا۔ الغرض ان سب کے درمیان بڑی موافقت تھی کھانا پینا ایک جگہ ہوتا اور تحصیل (علمی یا معاشی) بھی ایک جگہ کرتے۔ ابتدا میں جب دہلی آئے تو اس وقت نصیر کاشانی تماشہر تھے۔ انھوں نے برہان کاشانی سے کسی محفل میں مسئلہ پوچھا۔ یہ برہان دبلے پتلے

اور چھوٹے قد کے تھے جب انھوں نے نکتے بیان کرنے شروع کئے تو طالب علم کہنے لگے کہ بھلا یہ ریزہ کیا بول سکے گا! ریزہ ان کا عرف ہی ہو گیا۔ کاشانی بیچ میں سے غائب ہو گیا۔ بس برہان ریزہ عرفیت ہو گئی۔ الغرض برہان بڑے اچھے آدمی تھے۔ آخر میں ابدال ہو گئے۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ میں نے انھیں دیکھا تھا روزانہ صبح گھر سے پیدل باہر نکلتے۔ حالاں کہ ان کے پاس دس سے زیادہ گھوڑے تھے۔ اور کسی غلام کو بھی اپنے ساتھ نہ لے جاتے جبکہ ان کے ہاں تنو سے زیادہ خدمت گار تھے۔ ان کا ایک لڑکا تھا نور الدین محمد نامی۔ ایک روز یہ لڑکا باپ سے کہنے لگا کہ آپ روزانہ گھر سے باہر جاتے ہیں اور ہمارے دشمن بہت ہیں۔ آپ کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہوتا۔ اگر کسی غلام کو ساتھ لے جائیں تو اچھا ہو کہ آپ کی خدمت کرے اور پانی کا کوزہ دے! مولانا برہان الدین نے بیٹے کو جواب دیا اور کہا بابا محمد جہاں میں جاتا ہوں وہاں اگر غلام کا داخلہ ہو سکتا تو پہلے تجھے لے کر جاتا کہ تو میرا بیٹا ہے!

انتالیسویں مجلس

اسی ماہ جماد الاولیٰ کی انتیسویں تاریخ اتوار کو ہاتھ چومنے کی دولت ہاتھ آئی۔ چوں کہ رجب کا مہینہ قریب آ گیا تھا۔ بندے نے عرض کی کہ خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے رجب کے مہینے کی تیسری اور چوتھی اور پانچویں تاریخ کے لیے نماز بتائی ہے۔ اور غلام کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ جس بزرگ نے نماز

یاد عابتائی ہے۔ وہ حضرت رسالت (مآب صل اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنی ہوتی ہے یا صحابہ کرام سے خواجہ اولیس قرنی رضی اللہ عنہ نے جو یہ نمازیں بتائی ہیں اور سورتوں کا تعین کیا ہے اور دعائیں موسوم کی ہیں یہ کہاں سے کی ہیں؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نغریا پاکہ یہ باتیں الہام سے بھی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ اب سے پہلے جب میں دہلی شیخ کی خدمت میں اجودھن جاتا تھا تو یہ تین اسمائے گرائی پڑھتا ہوا جاتا تھا۔ یا حافظ یا ناصر یا معین۔ اور یہ دعا میں نے کسی سیکھی نہیں تھی شیخ کی خدمت میں اپنی حاضری کی مناسبت اور حق تعالیٰ سے مدد مانگنے کے لیے یہ تین نام پڑھتا تھا۔ پھر مدت بعد ایک دوست نے مجھے یہ دعا لکھ کر دی اور وہ دعا یہ ہے۔ یا حافظ یا ناصر یا معین یا مالک یا والدین بحق یا ایاک نعبد و ایاک نستعین۔

پھر شائخ کے احوال کی حکایت آئی۔ بندے نے عرض کی کہ میں نے ایک بات سنی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کلمات خواجہ بایزید بسطامیؒ کے ارشاد کردہ ہیں اور بندے کو ان کلمات کی کوئی تاویل بھی نہیں ملتی اور دل کو اطمینان نہیں ہوتا دریافت فرمایا کہ کیا کلمات ہیں؟ بندے نے عرض کی کہ اس طرح کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ محمدؐ اور ان کے علاوہ جو لوگ ہیں قیامت کے دن میرے جھنڈے تلے ہوں گے خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ انھوں نے ایسا نہیں کہا۔ یہ ان کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ انھوں نے ایک دفعہ کہا تھا۔ سبحانی ما اعظم شأنی میں پاک ہوں میری کیا اعلیٰ شان ہے؟ اس کے بعد آخر عمر میں اس سے توبہ کی اور کہا کہ میں نے یہ بات ٹھیک نہیں کہی۔ میں یہودی تھا اب زنا ر توڑتا ہوں اور نئے سرے

سے مسلمان ہوتا ہوں اور کہتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهٗ
 وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی خدا نہیں ہے مگر اللہ وہ ایک
 ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں
 یہاں سے رسول علیہ السلام کے احوال (پاک) کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ مشائخ اور مردانِ حق کو جو حال
 آتا ہے اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ رسول علیہ السلام کو بھی مشغولی کی کیفیات ہوتی تھیں چنانچہ روایت
 ہے کہ ایک روز رسول علیہ السلام ایک باغ میں تشریف لائے اس باغ میں ایک کنواں تھا۔
 رسول علیہ السلام آئے اور اس کنویں کی مینڈ پر تشریف فرما ہو گئے اور کنویں میں پاؤں لٹکا
 لیے اور مشغولِ ربحی ہو گئے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ حضورؐ کے ساتھ تھے۔ ان کو حکم ہوا کہ کسی
 کو میری اجازت کے بغیر اندر نہ آنے دینا۔ اس دوران ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے
 ابو موسیٰ اشعریؓ رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابو بکرؓ کے آنے کی اطلاع
 دی۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ انھیں اندر بلا لیا اور بہشت کی خوشخبری دو۔ ابو موسیٰؓ گئے
 اور ابو بکرؓ کو اندر بلا لیا۔ ابو بکرؓ تشریف لائے اور رسول علیہ السلام کی دائیں جانب اسی طرح
 دونوں پیر کنویں میں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ پھر خطابؓ آئے۔ ابو موسیٰؓ نے ان کی تشریف
 آوری کی خبر بھی دی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بھی اسی خوشخبری کے ساتھ اندر
 بلا لیا۔ وہ بھی آئے اور رسول علیہ السلام کی بائیں طرف اسی طرح بیٹھ گئے۔ اس کے بعد
 عثمانؓ تشریف لائے اور ان کو بھی اندر بلا لیا گیا۔ اور وہ بھی کس قدر تامل کے
 بعد رسول علیہ السلام کے سامنے اس ہیئت سے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد امیر المومنین علیؓ
 کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور اجازت پا کر اندر آئے اور اسی طرح بیٹھ گئے
 پھر رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ جس طرح ہم آج ایک جگہ ہیں۔ اسی طرح وفات بھی

ایک جگہ ہوگی اور اٹھائے بھی ایک ساتھ جائیں گے۔

جب یہ حکایت پوری ہو چکی تو فقر اور خرقہ کا ذکر آیا۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ مصطفیٰ علیہ السلام کو شب معراج میں ایک خرقہ ملا تھا اور اس خرقے کو خرقہ فقر کہتے ہیں۔

اس کے بعد حضورؐ نے صحابہؓ کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے ایک خرقہ ملا ہے اور مجھے حکم ہے کہ یہ خرقہ ایسا شخص کو عطا کروں اور میں صحابہ سے اپنے سوال پوچھوں گا کہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ جو شخص یہ جواب دے اس کو خرقہ عطا کر دینا۔ اور میں اس جواب کو جانتا ہوں ردیکھیں۔ کون یہ جواب دیتا ہے۔ پھر حضورؐ نے ابو بکرؓ کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ اگر یہ خرقہ تمہیں دے دوں تو تم کیا کرو گے؟ ابو بکرؓ نے عرض کی کہ میں سب کو اختیار کروں گا اور طاعت کروں گا اور داد دہش اپناؤں گا۔ اس کے بعد عمرؓ سے پوچھا کہ اگر تمہیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟ عمرؓ نے کہا کہ میں عدل کروں گا اور انصاف کا خیال رکھوں گا۔ اس کے بعد عثمانؓ سے پوچھا کہ اگر تمہیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟ عثمانؓ نے عرض کی کہ میں خرچ اور بخشش کیا کروں گا۔ پھر علیؓ سے دریافت فرمایا کہ اگر تمہیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟ علیؓ نے کہا کہ میں پردہ پوشی سے کالوں گا اور خدا کے بندوں کے عیب چھپاؤں گا اور اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ لو یہ خرقہ تم کو دیتا ہوں کیوں کہ مجھے حکم تھا کہ جو یہ جواب دے اس کو یہ خرقہ دے دینا۔

یہاں سے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب و اوصاف حمیدہ کی بات آتی اور ان کے انصاف اور سخاوت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ان کی ایک زریہ ان کے پاس سے غائب ہو گئی۔ ایک روز یہ زریہ کسی یہودی کے ہاتھ میں دیکھی تو اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ یہ زریہ میری ہے۔ یہودی بولا کہ اس کا دعویٰ دائر کرو اور ثبوت دے

کر لے لو! اس زمانے میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے سو چاکہ میں خلیفہ بھی ہوں اور مدعی بھی ہوں یہ دعوائے کس طرح ثابت ہوگا۔ (غیر) شریعہ کے پاس جا کر دعوائے کی تکمیل کرتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اس وقت شریعہ حضرت علیؑ کے نائب تھے قصہ مختصر جب شریعہ کے سامنے گئے اور زرہ کا مقدمہ شروع ہوا تو شریعہ نے امیر المومنین علیؑ کی طرف رخ کیا اور کہا

کہ اگرچہ خلیفہ آپ ہیں لیکن اس وقت نیابت کی وجہ سے حاکم میں ہوں۔ جب آپ فریق مقدمہ ہیں تو اس یہودی کے ساتھ کھڑے ہوں۔ امیر المومنین علیؑ نے یہی کیا اور یہ یہودی کے برابر کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کہ یہ زرہ میری ہے اور اس یہودی کے پاس ناحق ہے شریعہ نے کہا کہ دعوائے کاثبوت پیش کیجئے۔ علیؑ نے پوچھا آپ کیا ثبوت چاہتے ہیں شریعہ نے کہا گواہ لائیے۔ امیر المومنین علیؑ نے حسنؑ اور قنبرؑ کو گواہی میں پیش کیا۔ شریعہ نے کہا کہ حسنؑ آپ کے لڑکے ہیں اور قنبرؑ آپ کے غلام ہیں۔ میں ان کی گواہی نہیں سنوں گا۔ امیر المومنین علیؑ نے کہا کہ میرے پاس دوسرے گواہ نہیں ہیں شریعہ نے یہودی سے کہا کہ زرہ اٹھاؤ اور لے جاؤ۔ جب تک یہ دو گواہ پیش نہ کریں۔ اس وقت تک اس پر قبضہ رکھو یہودی نے جب یہ معاملہ دیکھا تو اپنے دل میں بڑا حیران ہوا اور اپنے آپ سے کہا کہ محمدؐ کا دین ایسا دین ہے! اسی وقت اسلام لے آیا اور وہ زرہ امیر المومنین کو پیش کر دی اور کہا کہ یہ آپ کا حق اور آپ کی ملکیت ہے۔ میرے پاس ناحق تھی۔ امیر المومنین نے وہ زرہ اس کو بخش دی اور ایک عدد گھوڑا بھی عنایت فرمایا۔

اسی مجلس میں مریدوں میں سے ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میرے ہاں لڑکا

پیدا ہوا ہے۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے پوچھا کہ کیا نام رکھا ہے؟ بولا خیر (خیر یعنی نہیں) میں نام رکھے بغیر آگیا تاکہ محذوم سے عرض کروں کہ کیا نام رکھیں۔ خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ چوں کہ تم نے خیر کہا ہے اس کا نام یہی رہے گا۔ (یعنی خیر نام ہو گا۔)

اس مناسبت سے قصہ سنایا کہ خواجہ خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ شہر سے باہر نکلے تو ایک بدو نے پکڑ لیا کہ تو میرا غلام ہے۔ خیر نساج کچھ نہ بولے اس کی بات مان لی۔ ایک مدت اس شخص کے گھر میں رہے۔ اس شخص کا ایک باغ تھا ان کو باغبانی پر لگا دیا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شیخ شخص اپنے باغ میں آیا اور خواجہ خیر نساج سے کہا کہ میرے لیے ایک میٹھا انار لے آؤ۔ خواجہ نساج نے ایک انار لاکر اس کے ہاتھ میں دے دیا جب اس نے چکھا تو کھٹا تھا۔ بولا میں نے تم سے میٹھے انار کے لیے کہا تھا۔ خواجہ نساج پھر گئے اور ایک اور انار لے آئے اور اس کو تھما دیا۔ یہ انار بھی کھٹا نکلا۔ باغ کا مالک بولا کہ میں تم سے میٹھا انار مانگتا ہوں اور تم کھٹا انار ہی لے آتے ہو! خواجہ خیر نساج نے جواب دیا کہ میں کیا جانوں کہ میٹھا کون سا ہے اور کھٹا کون سا ہے۔ اس نے کہا کہ مدت ہو گئی کہ تم اس باغ میں باغبانی کرتے ہو۔ تمہیں میٹھے اور کھٹے انار کی بھی خبر نہیں؟ خواجہ خیر نساج بولے کہ مجھے آپ نے باغبانی کا حکم دیا تھا۔ میں امانت دار ہوں میں آپ کے انار کو چکھتا اور رکھتا تاں تھوڑی ہوں۔ جانوں! باغ کے مالک نے جب یہ حال دیکھا تو ان کو آزاد کر دیا۔ خواجہ خیر نساج کا اس سے پہلے دوسرا نام تھا اس شخص نے ان کا نام خیر رکھ دیا تھا۔ جب خواجہ خیر نساج اس غلامی سے آزاد ہوئے تو بولے کہ میرا نام یہی رہے گا جو اس شخص نے رکھا ہے

۴۶۲ پچاسویں مجلس

اسی سال ماہ رجب کی چھبیسویں تاریخ ہفتے کو پاؤں چومنے کی دولت ہاتھ آئی۔

بندے کے دل میں ایک حریت (شریف) تھی۔ اس کے بارے میں تحقیق کرنی تھی اور پوچھنا تھا اور وہ حدیث یہ تھی کہ زرغباً تزد حبتاً ایک دن نیچ کر کے آیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے (بندے نے پوچھا کہ کیا یہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث ہے؟ فرمایا ہاں یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمائی تھی۔ اور ایسا تھا کہ وہ ہمیشہ حضرت رسالت کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ رسول علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ ناغہ کر کے آیا کرو۔ خواجہ ذکرة اللہ بالجبر نے فرمایا کہ بخار جو ایک روز آتا ہے۔ اور ایک روز نہیں آتا اس کو غیب کہتے ہیں۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا زرغباً یعنی ایک روز آؤ اور ایک روز نہ آؤ۔

پھر ایسے درویشوں کا ذکر آیا جو بال بچوں کے بندھن میں ہوتے ہیں ارشاد ہوا کہ صبر کے تین موقعے ہیں۔ ایک عورتوں سے صبر اس کے بعد عورتوں پر صبر اس کے بعد آگ پر صبر پھر شریح فرمائی کہ پہلے عورتوں سے صبر کرنا چاہیے کہ اگر آدمی کو اس طرف بالکل کشش نہ ہو اور اس کام سے ذرا رغبت نہ رکھے تو یہ صبر سب سے اچھا ہے۔ یعنی (یہ ہوا) عورتوں سے صبر۔ اور اگر یہ میسر نہ آئے اور بیوی کرے اور لونڈی خریدے تو چاہیے کہ ان کی آفتوں پر صبر کرے! عورتوں پر صبر یہ ہوگا۔ اور اگر ان مراحل سے آگے بڑھ جائے اور گناہ سرزد ہوں۔ تو وہ (دوزخ کی) آگ پر صبر ہوگا۔ پس میں نے صبر کی تین قسم پائیں۔

۱۔ الطبرانی نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔

اول عورتوں پر صبر۔ دوسرے عورتوں پر صبر۔ تیسرے آگ پر صبر والسلام۔

اکیا ونویں مجلس

اسی سال ماہ شعبان کی تیرھویں تاریخ منگل کو دست بوسی کی چاد
تک رسائی ہوئی۔ مولانا نور ترک کی حکایت آئی۔ بندے نے عرض کی کہ رات
دہلی کے بعض علماء نے ان کے مذہب کے بارے میں نکتہ چینی کی ہے۔
ارشاد ہوا کہ نہیں وہ آسمان کے پانی سے بھی زیادہ پاکیزہ تھے۔ بندے نے عرض
کی کہ میں نے تاریخ طبقات نامی میں ایسا ہی لکھا دیکھا ہے کہ وہ علمائے شریعت کو
نامی اور مرجئی کہتے تھے۔ فرمایا کہ وہ علمائے شہر سے بڑا تعصب رکھتے تھے۔
کیوں کہ ان کو دنیا میں آلودہ دیکھتے تھے اور علمائے اسی وجہ سے ان کے ساتھ طرح
طرح کی باتیں منسوب کر دیں۔ بندے نے پوچھا کہ مرجیان اور نامیان کون ہیں۔
فرمایا کہ نامی رافضی کو کہتے ہیں اور مرجئی اس گروہ کو جو بس رحمت ہی کی بات
کرتا ہے۔ اس موقع پر یہ (بھی) فرمایا کہ مرجئی دو قسم کے ہیں۔ ایک خالص مرجئی اور
اور ایک غیر خالص مرجئی۔ خالص مرجئی وہ ہے جو صرف رحمت کی بات کرتا ہے۔
اور غیر خالص مرجئی وہ ہے جو رحمت کی بات بھی کرتا ہے اور عذاب کی بات بھی کرتا
ہے۔ اور (درست) مذہب یہی ہے!

۱۔ عوارف المعارف میں یہ قول یوں ہے

والصبر عن حق غیر من الصبر علیہن والصبر علیہن خیر من الصبر علی النار اور اسے سہیل بن عبد اللہ کا قول بتایا ہے

(مصابح الہدایہ صفحہ ۸۸ نول کشور ۱۲۹۱) نیز غرائب الفوائد تصنیف حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی صفحہ ۱۴۴ (اسلم پریس مجرا)۔

۲۔ سلطنت کے صدر مقام کو جہاں بادشاہ موجود ہو، حضرت کے لفظ سے یاد کرتے تھے۔

۳۔ معنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہم کچھ بھی کر گزریں، بعض مسلمان ہونے کی وجہ سے بخش دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد مولانا نور ترک کا قصہ آیا کہ ان کو نسخہ گہرا حاصل تھا ان کی زبان میں تاثیر تھی، لیکن انھوں نے کسی کا ہاتھ نہیں تھا تاہم کسی کے مرید نہ ہوئے تھے، جو کچھ کہتے علم اور مجاہدے کے بل پر کہتے ایک نداف (دھنیا) انکا غلام تھا ہر روز ایک درم مولانا کو دیتا۔ ان کی آمدنی کا ذریعہ بس یہی تھا۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ جب وہ مکے گئے تو وہیں مقیم ہو گئے۔ یہاں کا ایک آدمی وہاں پہنچا تو وہ دوسن چاول ان کے پاس لے گیا۔ انھوں نے لے لئے اور دعا فرمائی۔ اور واقعہ یہ گزر چکا تھا کہ ایک دفعہ سلطانہ رضیہ نے ان کے پاس خالص سونا بھیجا تھا۔ سونے کی اینٹ تھی۔ انھوں نے اس کو ٹھکرا دیا تھا ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ یہ لکڑی سونے پر مارتے تھے اور فرماتے تھے یہ کیا ہے؟ میرے سامنے سے لے جاؤ! الغرض جب اس آدمی نے وہ دوسن چاول مکے میں ان کو لیجا کر دیے اور انھوں نے لے لیے تو اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے دہلی میں اتنے سونے کو ٹھکرا دیا تھا۔ اور اب اتنے سے چاول قبول کر لیے! مولانا ترک بولے کہ اے خواجہ تم مکے کو دہلی پر قیاس نہ کرو۔ اور یہ بھی (سوچو کہ) اُس زمانے میں میں جوان تھا۔ اب وہ طاقت اور تیزی کہاں رہی ہے۔ اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور یہاں چند دانے بھی غنیمت ہیں!

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ یہ بزرگ ہانسی پہنچے اور وعظ فرمایا۔ میں نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے سنا ہے کہ میں نے ان کا وعظ بہت سنا ہے جب وہ ہانسی پہنچے اور وعظ شروع کیا میں بھی ان کا

و عظم سننے گیا اور میرے کپڑے میلے اور جمیر جمیر تھے۔ ہمارے درمیان کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں جیسے ہی مسجد میں آیا اور ان کی نظر مجھ پر پڑی پکارا اٹھٹھ کہ اے مسلمانو! سخن کا جو ہری آگیا ہے! اس کے بعد اس قدر تعریف کی کہ بادشاہوں کی بھی نہیں کی جاتی۔

اس کے بعد تعویذ لکھنے اور دینے کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک دفعہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں عرض کی کہ مخلوق مجھ سے تعویذ مانگتی ہے کیا حکم ہے؟ لکھ کر دیدیا کروں؟ شیخ قطب الدین نے فرمایا کہ کام نہ تمہارے ہاتھ میں ہے نہ میرے ہاتھ میں! تعویذ خدا کا نام اور خدا کا کلام ہے۔ لکھو اور دو! اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میرے دل میں بہت دفعہ خیال آتا کہ کسی اچھے فرصت کے وقت تعویذ لکھنے کی اجازت مانگوں، چنانچہ ایک دفعہ بدر الدین اسحاق جو حضرت کے تعویذ لکھا کرتے تھے حاضر نہ تھے اور لوگ تعویذ لینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ مجھے اشارہ فرمایا گیا کہ تم لکھو! میں تعویذ لکھنے لگا۔ اور مخلوق کا ہجوم ہو گیا۔ میرے لکھنے کا کام بھی بڑھ گیا اور مخلوق کی مزاحمت بھی بہت ہونے لگی۔ اس درمیان شیخ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا پریشان ہو گئے؟ میں نے عرض کی کہ شیخ پر سب روشن ہے! اس کے بعد فرمایا کہ میں نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تعویذ لکھو اور دو! پھر فرمایا کہ بزرگوں کا ہاتھ سے چھو دینا بھی اثر رکھتا ہے واللہ اعلم

باؤنوئیں مجلس

اسی سال ماہ رمضان کی گیارہویں تاریخ پیر کو ہاتھ چومنے کی دولت تک رسائی ہوئی آنے والوں میں سے جو بھی آتا سلامی کے طور پر کوئی چیز لاتا۔ ایک شخص آیا اور کچھ نہ لایا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اسے کوئی چیز دی جائے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ الغریز نے فرمایا ہے کہ میرے پاس جو بھی آتا ہے۔ کوئی چیز لاتا ہے اگر کوئی مسکین آئے اور کوئی چیز نہ لائے تو مجھے ضرور اس کو کوئی چیز دینی چاہیے۔

اس موقع پر ارشاد ہوا کہ صحابہ جو حضرت رسالتؐ کی جناب میں آتے تھے تو علم اور احاطہ شریعہ کی طلب میں آتے تھے اور جب وہاں سے واپس جاتے تھے تو دلائل ساتھ لے جاتے تھے۔ یعنی وہ حاصل شدہ فوائد سے دوسروں کی رہنمائی کرتے تھے۔ جدا ہوتے وقت وہ جب تک کوئی چیز کھانا لیتے واپس نہ جاتے۔ پھر فرمایا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ایک روز خطبے میں فرمایا کہ مجھے بالکل یاد نہیں کہ رسول علیہ السلام نے رات تک کوئی چیز اپنے پاس رکھی ہو۔ صبح سے لے کر قید لے تک جو کچھ ہوتا عطا فرما دیتے اور قید لے کے بعد جو کچھ ہوتا رات تک تقسیم فرما دیتے۔

اس درمیان بندے نے عرض کی کہ اسراف کیا ہے۔ اور اسراف کی حد کیا ہے؟ (فرمایا) کہ جو چیز بغیر نیت کے دی جائے اور اللہ واسطے نہ دی جائے وہ اسراف ہے اگر ایک دانگ بھی دینے لے تو اسراف ہو گا۔ اور جو کچھ رضائے حق کے لئے دیا جائے چاہے ساری دنیا

رے ڈالی جائے (روہ) اسراف نہ ہو گا۔ اس موقع پر فرمایا کہ شیخ ابو سعید الخدری
رحمۃ اللہ علیہ کا خرچ بہت زیادہ تھا ایک شخص نے یہ حدیث ان کے سامنے
پڑھ کر سنا فی کہ لا خیر فی الاسراف (اسراف میں خیر نہیں ہے) شیخ ابو سعید نے
جواب دیا، لا اسراف فی الخیر (خیر میں کوئی اسراف نہیں ہے)۔

.. یہاں موضوع گفتگو ہمت ہو گیا۔ فرمایا کہ ہمتیں "اگ الگ ہوتی ہیں۔
کوئی بزرگ تھے جن کا ایک لڑکا تھا اور ایک غلام۔ غلام میں بڑی صلاحیت
تھی۔ ان بزرگ نے دونوں کو اپنے سامنے بٹھایا اور پہلے بیٹے سے پوچھا کہ تمہاری
ہمت (مراد) کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میری ہمت (مراد) ہے کہ میرے
پاس گھوڑے ہوں اور بہت سے غلام ہوں۔ پھر غلام سے پوچھا کہ تمہاری
ہمت کس بات کی ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میری ہمت یہ ہے کہ میرا جو بھی
غلام ہو اس کو آزاد کر دوں، اور جو آزاد انسان ہیں انہیں احسان سے اپنا غلام
بنالوں اس موقع پر فرمایا کہ ایک شخص تو یہ ہمت رکھتا ہے کہ دنیا طلب کرے
اور ایک کی ہمت یہ ہوتی ہے کہ دنیا اس کے پاس نہ پھٹکے۔ ان دونوں قسموں میں
سے بہتر ہمت یہ ہے کہ اگر ملے تو سبحان اللہ اور نہ ملے تو سبحان اللہ دونوں حال میں مگن رہے
پھر فرمایا کہ جو آدمی یہ کہتا ہے کہ مجھے دنیا نہیں چاہیے اس کا یہ نہ چاہنا بھی
چاہنا ہی ہے۔ اللہ کی مرضی پر راضی رہنا چاہئے۔ اگر مل جائے تو خرچ کر دے
اور نہ ملے تو صبر کر لے اور خوش رہے۔

اس درمیان بندے کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ صدقہ فطر (عیۃ الفطر) کے دن دیا جانے
والا صدقہ دیتے ہو؟ بندے نے سوال کے طور پر عرض کیا کہ کیا بھرپورا ہے؟ فرمایا کہ اگر نصاب
پورا ہو اور بنیادی ضروریات سے زیادہ ہو تو دنیا چاہئے مگر لباس اور گھوڑا اور

دوسری ضروریات حساب میں نہیں لگیتیں لیکن نقد موجود ہو تو دینا چاہئے۔ بندے نے عرض کی کہ اگر نقد رقم موجود نہ ہو تو اس صورت میں کوئی حکم نہیں فرمایا۔ پھر ارشاد ہوا کہ اس وقت تو میرے پاس بہت کچھ ہے۔ لیکن جس وقت میرے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا تو قرص لے کر میں (صدقہ فطر) ادا کرتا تھا۔ جب یہ حدیث مجھ تک پہنچی کہ رمضان کے روزے صدقہ فطر پر موقوف ہیں تو میں صدقہ فطر دینے لگا۔ بندہ (حسن علا سبزی) نے سرنیاز جھکایا اور عرض کی میں بھی تیار ہوں۔ آئندہ صدقہ فطر دیا کروں گا۔ ارشاد ہوا کہ اپنا صدقہ دو اور غلاموں اور چھوٹوں کی طرف سے بھی صدقہ دو !

بچوں کے بندے کو ایک گزارش کرنی تھی۔ اسی مجلس میں اس کو پیش کر دیا۔ بات یہ تھی کہ بندہ دیوگیر (دولت آباد دکن) میں تھا۔ ملیح جو میرا پرانا خدمت گار ہے۔ اس نے پانچ تنکے میں ایک کم عمر کنیز خرید لی۔ جب شکر شہر کی طرف واپس آنے لگا تو اس کنیز بچی کے ماں باپ کہیں سے نکل آئے اور بڑی عاجزی اور زاری اور بے چارگی کے ساتھ خدمت گار کے پاس دس تنکے لے کر آئے کہ یہ لے لو اور بچی کو ہمیں دے دو۔ بندے کا ان کی آہ وزاری پر کلیجہ کٹ گیا۔ دس تنکے ملیح کو اپنے پاس سے دیئے اور کہا کہ تو نے اسے پانچ تنکے میں خریدا تھا۔ دس تنکے میں میرے ہاتھ بیچ دے۔ اس نے بیچ دیا۔ میں نے خریدا لیا۔ اس کے بعد ان کی لڑائی کو ان کے حوالے کر دیا اور جو تنکے وہ لائے تھے وہ بھی انہیں واپس کر دیئے۔ بندے نے یہ کام کیا تھا مخدوم کیا فرماتے ہیں ؟ **نواجہ ذکرہ اللہ بالخیر**

آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا (بہت اچھا کیا) اس وقت بندے نے عرض کی کہ بندے نے اس کنیز بچی کو جو انھیں واپس کیا تو یہ کام مولانا علا الدین اصولی رحمہ

کی سنت کی پیروی میں کیا۔ جن کا واقعہ میں نے مخدوم ہی سے سنا تھا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہوا تھا کہ ان کی ایک بوڑھی لونڈی تھی جس کو بدایوں میں نیا نیا خرید لیا تھا۔ ایک روز صبح کو مولانا بیدار ہوئے تو وہ لونڈی چکی میں آٹا پیستی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔ مولانا نے پوچھا کہ کیوں روتی ہے؟ بولی کہ میں اپنا ایک چھوٹا لڑکا کاٹھیر کے علاقے میں چھوڑ آئی ہوں۔ اس کی جدائی میں روتی ہوں۔ مولانا نے کہا کہ اگر میں تجھے نماز گاہ (غالباً مراد عید گاہ ہے) تک لیجاؤں تو وہاں سے اپنے گھر کا راستہ جانتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں وہاں سے اپنے گھر کا راستہ جانتی ہوں۔ مولانا علماء الدین نے اسے چند روٹیاں دیں اور کاٹھیر کے راستے پر لے جا کر چھوڑ دیا۔ جب یہ حکایت پوری فرمادی تو ایک مولوی صاحب حاضر تھے وہ بولے کہ جب رسول علیہ السلام نے حاتم طائی کی لڑکی کو قید کیا تو اس لڑکی نے اپنے باپ کی تعریفیں اور خوبیاں بیان کیں۔ رسول علیہ السلام نے جب اس کے باپ کے اوصاف سنے تو اسکو آزاد کر دیا۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ بندہ جو بھی طاعت کرتا ہے۔ چاہے مالی ہو یا بدنی یا اخلاق پاکیزہ۔ میں سے کون خلیق ہو تو اس میں سے اگر ایک چیز بھی قبول ہو جائے تو بندے کے سارے کام اس کی پناہ میں بن جاتے ہیں! اس موقع پر فرمایا کہ سعادت کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں۔ نہ معلوم کس کنجی سے کھل جائے پس کوشش ہر کنجی سے کرنی چاہیے کہ اگر ایک کنجی سے نہ کھلے تو دوسری کنجی سے کھل جائے اور اگر اس سے بھی نہ کھلے تو کسی اور سے کھل جائے

نرسینہ پنویں مجلس

اسی سال ماہ رمضان کی تیئیسویں تاریخ ہفتے کو ہاتھ جوئے کی سعادت

تک رسائی ہوئی۔ احتیاط وضو کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ احتیاط اس قدر ضروری ہے کہ (بھارت) کرنے والے کا دل مطمئن ہو جائے۔ بعض لوگ چند قدم گن کر چلتے ہیں۔ بعض قینچی بناتے ہیں۔ یہ سب فضول بات ہے۔ اس موقع پر فرمایا کہ مولانا علاء الدین اصولی کا ارشاد ہے کہ یہ بات جگہ سے تعلق نہیں رکھتی۔ وقت سے تعلق رکھتی ہے یعنی یہ جو لوگ گن کر چند قدم چلتے ہیں یہ معتبر نہیں۔ اعتبار کی چیز یہ ہے کہ جس وقت بھی آدمی کا دل مطمئن ہو جائے۔ کافی سمجھے۔

پھر یہ ذکر آیا کہ اگر کسی کو پیشاب کے قطرے آنے کی شکایت ہو یا ہمیشہ نکسیر پھوٹتی ہو یا اسی قسم کی کوئی اور شکایت ہو تو وہ کیا کرے؟ ارشاد ہوا کہ ایک عورت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اپنا حال عرض کیا کہ اس عاجزہ کو ہمیشہ خون جاری رہتا ہے۔ میں کیا تدبیر کروں؟ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرو۔ پھر چاہے چٹائی پر خون بہہ نکلے۔

اس کے بعد نماز پیر اور نماز میں ہونے والی حضوری پر گفتگو ہونے لگی۔ بندے (حسن علاء سجنی) نے عرض کی کہ سنا ہے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز اکثر جس جگہ تشریف فرما ہوتے نماز کے علاوہ بھی بار بار سجدہ کرتے۔ فرمایا۔ ہاں۔ اس موقع پر ارشاد کیا کہ ایک دفعہ شیخ حجرے میں تھے۔ دروازہ بند کر دیا گیا تھا میں نے کسی طرح دیکھا تو نظر آیا کہ بار بار کھڑے ہوتے ہیں اور سجدے میں چلے جاتے ہیں اور یہ مصرع پڑھتے ہیں۔

علو جس احتیاط کا ذکر ہے۔ یہ غالباً دو ان وضو یا وضو کے بعد کی احتیاط نہیں ہے۔ بلکہ وضو سے پہلے بھارت کی احتیاط ہے کہ بعض لوگ استنجے کے بعد چند قدم چلنا وغیرہ ضروری سمجھتے ہیں۔ (مستحکم)

از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

(میں تیرے ہی لیے مروں اور تیرے ہی لیے جیوں) ()
 اس وقت ان کے انتقال کی حکایت آئی کہ محرم کے مہینے کی پانچویں کو
 ان کی بیماری کا غلبہ ہوا عشاء کی نماز جماعت سے ادا فرمائی اس کے بعد بے
 ہوش ہو گئے کچھ دیر کے لیے پھر ہوش میں آئے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے
 عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا گیا جی ہاں! ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ اور مکر پڑھ
 لوں کون جانتا ہے کہ کیا ہو؟ جب دوسری دفعہ نماز ادا کر لی تو پھر بے ہوش
 ہو گئے اس دفعہ بے ہوشی بہت رہی پھر ہوش میں آئے پوچھا کہ میں نے عشاء
 کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دوبار پڑھی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ
 لوں کون جانے پھر کیا ہو؟ چنانچہ تیسری دفعہ (بھی) پڑھی اس کے بعد رحمت
 حق سے پیوست ہو گئے۔ قدس اللہ سددہ العزیز۔

بیچونوں میں مجلس

اسی سال ذی قعدہ کے مہینے کی تیرہویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت
 میسر آئی ہمیشہ ور لوگوں اور نوکری کرنے والوں کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد
 ہوا کہ پیشوں کو حاصل کرنے اور نوکری سے تعلق رکھنے میں بہت کم ایسا ہوتا ہے
 کہ آخر میں سلامتی رہے۔
 اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ گذشتہ ایام میں حمید نامی ایک شخص تھے۔ وہ
 شروع زمانے میں دہلی میں تغزل کے نوکر تھے جو آخر میں لکھنؤ کی بادشاہ بن بیٹھا تھا۔
 الفصہ یہ حمید اس تغزل کے نوکر تھے اور ہمیشہ اس کی خدمت میں رہتے تھے

چنانچہ ایک روز اس کے سامنے کھڑے تھے کہ ایک شکل نظر آئی جو کہتی تھی اے حمید تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے۔ یہ کہا اور غائب ہو گئی۔ خواجہ حمید حیران رہ گئے کہ کیا تھا؟ پھر ایک دفعہ اور اس کے سامنے کھڑے تھے کہ وہی صورت نظر آئی جو کہتی تھی کہ اے حمید تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے؟ حمید بڑے حیران ہوئے۔ یہاں تک تیری بار پھر اسی صورت کو دیکھا کہ وہی بات کہتی ہے کہ اے خواجہ حمید تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے۔ اب کے حمید بولے کہ کیوں نہ کھڑا ہوں میں اس کا نوکر ہوں اور میرا آقا ہے۔ مجھے تنخواہ دیتا ہے۔ میں کھڑا کیسے نہ رہوں۔ یہ صورت بولی کہ تو عالم ہے اور یہ جاہل۔ تو آزاد ہے اور یہ غلام اتونیک ہے یہ بدکار۔ یہ کہا اور غائب ہو گئی جب حمید نے یہ بات دیکھی تو اپنے آقا کے پاس گئے اور کہا کہ اگر میرے ذمے کچھ حساب ہو یا لینا دینا ہوں تو اس کو چکا لیجئے کیونکہ میں آپ کی نوکری نہیں کرنی چاہتا۔ مالک نے کہا کہ تم یہ کیا باتیں کر رہے ہو شاید دماغ چل گیا ہے؟ خواجہ حمید بولے نہیں میں آپ کے پاس نہیں رہنا چاہتا مجھے اس سے روکا جا رہا ہے جب خواجہ ذکر اللہ بالخیر یہاں تک پہنچے تو بندے نے عرضداشت کی کہ وہ صورت شاید مردان غیب میں سے مسی کی رہی ہو؟ فرمایا کہ نہیں جس وقت آدمی کا باطن کدورتوں سے صاف ہو جاتا ہے تو ایسی چیزیں بہت دیکھتا ہے۔ ایسے اوصاف ہر آدمی میں بہت ہوتے ہیں۔ لیکن آدمی کے بُرے فعلوں کی وجہ سے (اس پر ظاہر نہیں ہوتے) چھپے رہتے ہیں۔ جب باطن کی پوری صفائی ہو جاتی ہے تو اس طرح کی بہت چیزیں دیکھتا ہے۔ اس وقت یہ شعر زبان مبارک پر آیا۔

آں نافذ مکہ جستی ہم باتو در گلیم است

تواز سید گلیمی بوئے ازاں ننداری

(تو جس مشک نلے کا متلاشی ہے۔ وہ خود تیری کملی میں موجود ہے لیکن تجھے

اپنی کالی کملی کی وجہ سے اس کی خوشبو نہیں آتی !)

اس کے بعد خواجہ حمید کی حکایت پھر بیان فرمانے لگے کہ جب وہ اُس سردار

کی نوکری سے نکلے تو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور مرید ہو گئے۔ میں نے ان کو دیکھا ہے۔ اہل آدمی تھے اور کبھی کبھی وعظ بھی کہتے

تھے۔ اور درویشی اور طاعت میں ان کے احوال کو استقامت حاصل ہو گئی تھی چنانچہ

ان کو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے حکم دیا کہ تم اندر پت جا کر رہو۔

کیونکہ تم اب ستارے کی طرح ہو گئے ہو اور ستارہ چاند کے سامنے روشنی نہیں دیتا

تم اندر پت جا کر رہو۔ خواجہ حمید نے یہ فرمایا سنا تو اسی وقت تیار ہو گئے

شاید اس رات سات مریدوں نے حج کا ارادہ کیا تھا۔ یہ حمید آئے اور قدموں

میں بیٹھ گئے اور شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ میں قدموں میں آگیا ہوں ایک حکم

عدولی کہہ رہا ہوں۔ مخدوم نے مجھے حکم دیا ہے کہ اندر پت میں جا کر رہو۔ میں نے

اندر پت اور کیلوکھری کو بہت دیکھا ہے۔ میرے پیڑ بھائی حج کو جا رہے ہیں۔

مخدوم مجھے اجازت عطا کریں کہ ان کے ساتھ ہی حج کو چلا جاؤں۔ شیخ نے فرمایا

کہ جاؤ۔ الفصد ان لوگوں کے ساتھ حج کو گئے۔ اور یہ دولت حاصل کی جب

واپس ہوئے تو راستے ہی میں رحمتِ حق سے جا ملے۔

اس روز ایک جوان نے بیعت کی تجدید کی تھی شاید اسکو اکی نانے میں کسی طرف سے ایذا

پہنچی تھی اس کے بارے میں شعر ارشاد فرمایا۔

ایسا شیر کاں تر آہو ست اے بسا در دکان شرادارو ست

(بہت سے شیر ہیں۔ جو تیرے لیے ہرن ہیں اور بہت سے درد ہیں جو تیرے لیے دوا ہیں)۔

پچپنویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی اکیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ توبہ قائم رہنے اور بیعت کی استقامت کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ جو شخص کسی پیر کا ہاتھ پکڑتا ہے اور بیعت کرتا ہے تو یہ خدا سے عہد ہوتا ہے۔ اور چاہے کہ اس پر ثابت قدم رہے اور اگر اس کو اس سے پریشانی ہوتی ہے تو پھر جیسا ہے ویسا ہی رہے کسی کا ہاتھ کا ہے کے لیے پکڑتا ہے؟

اس وقت فرمایا کہ جب میں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ سے وابستہ ہوا اور بیعت کر لی تو واپسی کے وقت راستے میں پیاسا نے غلبہ کیا۔ لو چل رہی تھی اور پانی دور تھا۔ اس دوران ایک سڑک پر پہنچا تو ایک علوی کو دیکھا جنہیں میں پہچانتا تھا۔ ان کو سید عماد کہتے تھے خوش باش آدمی تھے۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو ان سے کہا کہ کہیں پانی بھی ہے؟ میں بہت پیاسا ہوں۔ ایک چھاگل ان کے سامنے رکھی تھی۔ بولے خوب آئے۔ یہ چھاگل کھولے اور پی جائیے۔ اس چھاگل میں شراب یا بھنگ تھی اور مجھے پتہ چل گیا تھا۔ میں نے کہا کہ میں اس کو ہرگز نہیں پیوں گا۔ اس علوی نے کہا کہ یہاں قریب میں کہیں بھی پانی نہیں ہے۔ میں نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے اس کو ساتھ رکھ لیا ہے اور آگے

بھی دور دور پانی نہیں ہے۔ اگر آپ اس کو نہیں پیئیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے
 میں نے کہا کہ نہیں۔ اے خواجہ یہی ہو گا نا کہ میں مرجاؤں گا جو ہونا ہے ہو جانے
 میں نے تو شیخ کا ہاتھ تھام لیا ہے۔ اور عہد کر لیا ہے کہ میں اس کو ہرگز نہیں
 پیوں گا۔ یہ کہا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور گیا تھا کہ پانی مل گیا الحمد للہ۔
 اس کے بعد حکایت: بیان فرمائی کہ خواجہ حمید سوا لی شیخ معین الدین کے
 مرید اور شیخ قطب الدین کے ہم خرقہ تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جب وفات پائی
 ہو گئے اور انہیں خرقہ مل گیا۔ تو ان کے پرانے ساتھی سنکی ان کے پاس آئے اور کہا
 کہ آؤ پھر وہی ذوق حاصل کریں۔ خواجہ حمید بولے کہ اب تو یہ ہرگز نہیں ہو گا۔ ان
 لوگوں نے اصرار کیا۔ خواجہ نے جواب دیا کہ اب یہ بات ہرگز نہیں ہو گی۔ انھوں نے
 پھر اصرار کیا۔ خواجہ حمید بولے کہ جاؤ گھر بیٹھو کیونکہ میں نے اپنا ازار بند ایسی
 مضبوطی سے باندھا ہے کہ کل قیامت کے دن بہشت کی توروں پر بھی نہیں
 کھولوں گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۵۶ چھپنویں مجلس

اسی سال ماہ ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ ہفتے کو دست بوسی کی
 سعادت تک رسائی ہوئی۔ بندے نے عرضداشت کی کہ اسی مہینے
 کی تیرہویں تاریخ کو روزہ چھوڑنا ہو گا۔ ایام شریعت کی وجہ سے
 ایام بیض کے روزے کا گیارہ گنا فرمایا کہ سولہویں تک روزہ رکھ لینا
 علیٰ ہر مہینے کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخیں ایام بیض کہلاتی ہیں اور ان تیسوں دن روزہ
 رکھا جاتا ہے بقرعید کے تین دن روزہ نہیں رکھا جاتا۔ اس لیے ایام بیض کے پہلے دن یعنی
 تیرہویں کا روزہ بقرعید میں چھوڑنا پڑتا ہے۔ (مستخرج)

چاہیے۔ اس موقع پر فرمایا کہ امام شافعی نے مسلسل چودھویں بندہ رہو میں اور پلوں ہی کو ایام بیض قرار دے کر روزے کے لیے فرمایا ہے کہ (روزے) رکھنے چاہیں انہی کو ایام بیض سمجھا ہے۔ لیکن اس مہینے (بقرعید) میں تو سب کا اتفاق ہے کہ سولہ تک روزے رکھنے چاہئیں۔

اسی درمیان کھانا سامنے لایا گیا۔ چاول بھی تھے۔ بندے نے عرضداشت کی کہ کیا الارز منی (چاول میری طرف سے) حدیث ہے؟ فرمایا کہ ہاں۔ ہوا یہ تھا کہ ایک دفعہ صحابہؓ نے کھانا تیار کیا۔ ہر شخص نے کوئی چیز اپنے ذمے لی۔ ایک نے کہا گوشت میری طرف سے۔ دوسرے نے کہا مصلحہ میری جانب سے ہر شخص نے اسی طرح کہا۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ الارز منی۔ چاول میری طرف سے۔

شناو نو میں مجلس

اسی سال ماہ ذی الحجہ کی بیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ کھانا لایا گیا تھا۔ جب کھایا جا چکا تو طشت اور آفتابہ لائے۔ اس وقت حضرت سکرائے اور ارشاد کیا کہ عرب میں طشت اور آفتابے کو جسے کھانے کے بعد لاتے ہیں۔ ابوالیاس (ناامیدی کا باپ) کہتے ہیں یعنی ناامیدی کا سامان! کیوں کر اس کے بعد کوئی کھانے کی چیز نہیں لائی جاتی۔ اس وقت لطیفے کے طور پر فرمایا کہ ہندوستان میں پان گویا ابوالیاس ہے۔ کیوں کر اس کے بعد کوئی کھانا نہیں لایا جاتا۔ پھر ارشاد ہوا کہ عرب میں پان نہیں ہوتا۔ اسی لیے آخر میں لائے جانے والے طشت و آفتابہ ابوالیاس کہلاتے ہیں۔ اس موقع پر (یہ بھی)

فرمایا کہ وہاں اس (طشت و آفتابے) کو ابوالیاس کہتے ہیں اور نمک کو ابوالفتح!
(کھولنے والی شروع کرنے والی چیز)

اٹھاؤ نوں مجلس

ماہِ ذی الحجہ کی ستائیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کے شرف تک رسائی ہوئی۔ کھانے کا ذکر نکلا ارشاد ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث ہے کہ جو کھانا کھائیں متقی (پیرہیزگار) کے ہاں کا کھائیں اور کسی کو کھانا دیں تو وہ بھی متقی ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ جس طرح بھی ہو یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ کھانا متقی کا کھائیں۔ لیکن صرف متقی ہی کو کھلانا مشکل کام ہے کیوں کہ دسیوں آدمی مہمان آتے ہیں۔ اب کسی کو کیا خبر کہ ان میں متقی کون ہے؟ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ایک اور حدیث مشارق میں مجھے ملی ہے۔ اور اس سے بہت گنجائش نکالی جاسکتی ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ کھانا دو چاہے کوئی بھی ہو خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔ اور سلام کرو جو بھی سامنے آئے۔ چاہے اس سے شناسائی ہو یا نہ ہو۔

اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں ایک صاحب تھے ہمیشہ روزے سے رہتے۔ شام (مغرب) کی نماز ہوتے ہی اپنے گھر کی دہلیز پر آکر بیٹھ جاتے اور غلام دروازے کے سامنے کھڑے رہتے۔ آنے جانے والوں میں سے جو بھی گزرتا اس کو اندر بلا کر افطار کراتے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ کسی مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ کوئی مشرک

ان کا مہمان بنا۔ حضرت ابراہیم نے جب دیکھا کہ یہ غیر ہے تو اس کو کھانا نہیں کھلایا۔ فرمان (وحی) پہنچا کہ اے ابراہیم! ہم اس کو جان عطا کر سکتے ہیں اور تم روٹی نہیں دے سکتے!

پھر حکایت بیان فرمائی کہ اس سے پہلے جب میں شہر میں تھا۔ ایک دفعہ کچھ صوفی شیخ بہار الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تشریف لائے۔ انہی میں سعید قریشی اور علی کہو کہری اور دوسرے طالب علم بھی تھے۔ اچھی مجلس تھی۔ کھانا سامنے لگایا گیا۔ سب رغبت سے شریک ہوئے۔ ایک شخص میرا پڑوسی تھا جسے شرف پیادہ کہتے تھے۔ وہ بھی آگیا اور کھانے میں شریک ہو گیا۔ اور شرف پیادہ مجدد تھا (اس کے سر پر بال تھے) جب وہ آکر کھانا کھانے لگا تو سعید قریشی اور چند دوسرے آدمیوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور ان کو اس کے ساتھ کھانا ناگوار گزرا۔ سعید قریشی تو مجلس سے باہر چلے گئے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالجیر نے فرمایا کہ میں حیران رہ گیا کہ آخر ان کو ہوا کیا جو کھانا چھوڑ دیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس تفرقے کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ جو شخص ہمارے ساتھ کھانا کھانے لگا وہ مجدد (بالوں والا) ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالجیر نے فرمایا کہ مجھے ہنسی آگئی کہ یہ کہاں آیا ہے کہ مجدد (بالوں والے) کے ساتھ کھانا نہ کھائیں اور یہ کس درجے کی خود پسندی ہے؟ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ میں نے سعید قریشی کو آخر زمانے میں دیکھا ہے اور ہم بہت ساتھ رہے ہیں۔ جس حال میں میں نے انہیں دیکھا وہ اس حال جیسا نہیں رہا تھا۔ فرمایا کہ ہاں اس انتہا پسندی کی خواست کی وجہ سے ہی وہ ایسی چیزوں میں مبتلا ہوئے۔

پھر معراج کا ذکر کیا۔ ایک عزیز حاضر تھے۔ انھوں نے عرض کی کہ معراج
 کیا نوعیت تھی؟ خواجہ ذکریہ اللہ بالجبر نے فرمایا کہ ملے سے بیت المقدس اسراء
 نما اور مبیہ۔ المقرس سے پہلے آسمان تک معراج تھی اور پہلے آسمان سے قاب
 فوسین کے۔ قہراً تک اعراج! ان عزیز نے دوبارہ اپنے سوال میں اضافہ کر کے
 پوچھا کہ کہتے ہیں کہ ہم کو بھی معراج ہوئی اور روح کو بھی ہر ایک کو (الگ) کس
 راج ہو سکتی ہے؟ خواجہ ذکریہ اللہ بالجبر یہ مصرع زبان مبارک پر لائے۔

فطن خیراً ولا تسئل عن الخبر

یعنی اچھا گمان رکھو اور تحقیق حال میں مت لگو۔ اس موقع پر فرمایا کہ اس پر بھی ایمان
 رکھنا چاہیے اور زیادہ تحقیق و تفتیش میں نہیں پڑنا چاہیے۔ پھر ان دونوں
 شعروں کو بولور اٹھا اور فرمایا کہ کسی کا محبوب رات کو آگیا تھا۔ اس نے اس کا
 حال نظم کیا ہے۔

بارنی فی قمیص اللیل مستراً یقارب الخطوء من خوف من حذر

فکان ما کان مما لست اذکرہ فطن خیراً ولا تسئل عن الخبر

رات کے (اندھیرے) لباس میں چھپا ہوا۔ خوف و اندیشے سے وہ
 پاؤں وہ میرے پاس آیا۔ پھر ہوا، جو کچھ ہوا۔ میں اس کا ذکر نہیں کروں گا
 گمان اچھا رکھو اور کیفیات مت پوچھ!

انٹرویو مجلس

۱۹ سنہ سات سو تیس (مہجری) محرم کی اٹھارویں تاریخ پیر کو ہاتھ جو منے
 کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ اس روز بدایوں کے سفر سے واپسی ہوئی تھی اس

شہر کے اطراف آرام فرما بزرگوں کا ذکر نکلا۔ بندے نے عرض کی کہ اس دفعہ
 لشکر میں جو راحت دیکھی۔ وہ ان بزرگوں کی زیارت میسر آنے ہی سے تھی۔ جیسے
 کہ مخدوم کے والد بزرگوار اور مولانا علاء الدین اصولی اور مولانا سراج الدین
 ترمذی اور خواجہ شاہی موئے تاب اور خواجہ عزیز گری اور خواجہ عزیز کو تو ال اور خواجہ شادی لکھنوی
 اور قاضی جمال ملتانی۔ بندے نے ان بزرگوں کے نام سنائے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر
 آنکھوں میں آنسوؤں بھر لائے اور ہر ایک کا نام بڑے احترام سے لیا۔ جب
 قاضی جمال ملتانی کا ذکر فرمایا تو ارشاد ہوا کہ ان بزرگ نے ایک
 دفعہ خواب دیکھا کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
 جیسے بدایوں کے قریب ایک مقام پر تشریف فرما ہیں اور وضو کر رہے ہیں جب
 بیدار ہوئے تو فوراً اس مقام پر پہنچے اور زمین کو تر دگیا، دیکھا بولے میری قبر اسی
 جگہ کھودی جائے جب ان کی وفات ہوئی تو یہی کیا گیا، اسی مقام پر انہیں دفن کیا۔

ساٹھویں مجلس

اسی سال ماہ محرم کی چھبیسویں تاریخ کو دست بوسی کی دولت تک
 رسائی ہوئی۔ روزے کی فضیلت اور اس حدیث کا ذکر نکلا کہ لصائم فرحتان
 فرحة عند الافطار وفرحة عند لقاء الملك الجبار روزہ رکھنے والے کے لیے
 دو فرحتیں ہیں۔ ایک فرحت افطار کے وقت کی اور دوسری فرحت (اللہ
 ملک الجبار سے ملاقات کے وقت کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ افطار کے وقت روزہ
 دار کی یہ فرحت کھانے پینے کی فرحت نہیں ہے۔ بلکہ روزہ پورا ہونے کی
 فرحت ہے۔ یعنی جب روزہ پورا ہو جاتا ہے تو اس کو فرحت ہوتی ہے کہ

الحمد للہ مجھ سے یہ چیز پوری ہوئی اور میں دیدار (خداوندی) کی نعمت کا امیدوار بنا۔
 اس کے بعد فرمایا کہ ہر طاعت کی ایک جزا (بدلہ) مقرر ہے۔ چوں کہ روزے کی
 جزا دیدار الہی کی نعمت ہے۔ اس لیے روزہ پورا ہونے پر روزہ دار اس نعمت
 کی امید سے خوش ہوتا ہے۔ اس درمیان اس حدیث کا ذکر آیا کہ الصوم لی وانا اجزی
 بہ (روزہ میرے لیے ہوتا ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں) حاضرین میں سے
 ایک شخص نے کہا کہ یہ حدیث اس طرح بھی سنی گئی ہے کہ الصائم لی۔ (روزے دار میرے لیے ہے)
 خواجہ ذکریہ اللہ بالجبر نے تبسم فرمایا اور کہا پھر تو انا اجزی لہ (میں ہی اس کا بدلہ ہوں)
 کہنا چاہئے! اس کے بعد ان صاحب کی بات کی اصلاح فرمائی کہ اجزی ربہ کی ب
 ل کے معنی میں آتی ہے۔

روزے کی مناسبت سے صبر کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ صبر قید کے معنی میں آیا ہے
 جیسے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اصبِر والصابر و (قتلوا القاتل پکڑنے
 والے کو قید کرو اور قاتل کو قتل کرو اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس حدیث
 کی شانِ نزول ہے۔ ہوا یہ تھا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں کوئی شخص
 تلوار کھینچے کسی شخص کا پیچھا کر رہا تھا۔ اور وہ شخص تلوار کشیدہ آدمی کے سامنے سے
 بھاگ رہا تھا۔ ایک شخص بڑھا اور اس نے بھاگنے والے کو پکڑ کر کھڑا کر لیا اور
 تلوار والے آدمی نے آکر بھاگنے والے کو قتل کر دیا۔ یہ خبر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کو پہنچائی گئی۔ حکم ہوا کہ جس شخص نے بھاگنے والے کو پکڑ کر روکا تھا۔ اس کو قید کرو
 اور قاتل کو قتل کرو اس حکم کو اس عبارت میں ادا فرمایا کہ اصبِر والصابر
 و اقتلوا القاتل۔ روکنے والے کو قید کرو اور قاتل کو قتل کرو۔

لہ یہ حدیث شریف بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے روایت ہوئی ہے۔

پھر یہ ذکر آیا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت جگہ وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص فلاں کام کرے گا وہ کل بہشت میں میرے ساتھ ایک جگہ ہوگا۔ اور اس حدیث کو بیان کرتے وقت دونوں انگلیوں (یعنی) انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا کہ ایسے! خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ اشارہ اس بات کے لیے کافی نہیں ہے کہ میں اور وہ ایک جگہ ہوں گے جس طرح کہ یہ دو انگلیاں یکجا ہیں۔ یہ اشارہ درجے کے بارے میں ہے یعنی اسی طرح جو درجہ میرے لیے ہوگا اسی طرح کا درجہ اس کو دیا جائے گا۔ کیوں کہ لوگوں کی انگلیوں میں تو درمیان کی انگلی شہادت کی انگلی سے بلند ہوتی ہے۔ لیکن رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگشت شہادت اور درمیان کی انگلی دونوں

برابر تھیں !

اکٹھویں مجلس

اسی سال ماہ صفر (اللہ اسے ساتھ خیر اور کامیابی اختتام تک پہنچائے) کی تیرہویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ بے گناہی اور توبہ کا ذکر نکلا کہ پیر ہری (حضرت عبداللہ انصاریؒ) نے فرمایا ہے کہ بخشش کی دو چیزیں ہیں اور یہ کم حاصل ہوتی ہیں کہ یا تو شروع میں گناہ سے محفوظ رہے یا آخر میں توبہ نصیب ہو !

یہاں سے توبہ اور تقویٰ کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ متقی وہ ہوتا ہے کہ کسی بھی آلودگی سے آلودہ نہ ہوا اور تائب وہ ہوتا ہے کہ آلودہ ہوا ہو اور پھر توبہ کرے۔ اس بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ متقی اور تائب دونوں برابر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تائب متقی سے بہتر ہے کیوں کہ وہ گناہ کا مزہ چکھ

کرتا تب ہوتا ہے جو مزا چکھ چکا ہو اور پھر پلٹ آئے وہ اس سے مضبوط ہو گا جس نے گناہ مزا یا لکل ہی نہیں چکھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ متقی توبہ کرنے والے سے افضل ہے اس قول کی صحت کے بارے میں ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ دو آدمیوں میں بحث ہو گئی۔ ایک کہتا تھا کہ تائب سے متقی بہتر ہوتا ہے دوسرا کہتا تھا کہ متقی سے تائب بہتر ہوتا ہے۔ جب یہ گفتگو ان کے درمیان بڑھی تو دونوں اس زمانے کے پیغمبر کے پاس پہنچے۔ اور اس بارے میں فیصلہ چاہا پیغمبر وقت نے کہا کہ میں خود فیصلہ نہیں دے سکتا۔ وحی کا انتظار کرتا ہوں۔ دیکھو کیا حکم آتا ہے۔ اس دوران ان پیغمبر کے پاس حکم آیا کہ ان دونوں کو واپس کر دو اور کہو کہ تم دونوں جاؤ اور آج رات کو ایک جگہ رہو۔ کل جب گھر سے باہر نکلے تو جو شخص سب سے پہلے تمہارے سامنے پڑے۔ اس سے مسئلے کا حل دریافت کرو۔ یہ دونوں آدمی اس فرمان کے مطابق واپس چلے گئے وہ سہرے روز دونوں گھر سے باہر نکلے تو ایک آدمی سامنے آیا۔ انھوں نے پوچھا کہ اے خواجہ! ہم کو ایک مشکل درپیش ہے۔ آپ حل کریں۔ وہ بولا کہ کیا مشکل درپیش ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ جس شخص نے کبھی گناہ نہ کیا ہو وہ بہتر ہے یا وہ جس نے گناہ کیا اور توبہ کر لی؟ اس آدمی نے کہا کہ اے خواجگان! میں تو ایک حولا ہا ہوں میں نے علم حاصل نہیں کیا ہے میں اس مشکل کو کیسے حل کروں۔ البتہ اس قدر میں جانتا ہوں کہ جو کپڑا بنتا ہوں۔ (اس میں) اکثر تار ٹوٹ بھی جاتا ہے میں اس کو جوڑ دیتا ہوں۔ اور یہ بے ٹوٹے تار کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں واپس آئے اور ان پیغمبر کی خدمت میں پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا پیغمبر بولے کہ تمہارا جواب

یہی تھا۔

پھر دنیا کی اور اس پر خلق کے مغرور ہو جانے کی حکایت آئی۔ اس بارے میں قصہ سنایا کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک عورت کو دیکھا۔ بڑھیا۔ بڑھال کالی۔ بد صورت۔ اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ بولی کہ میں دنیا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ (تو نے) کتنے شوہر کئے؟ بولی بے حد و بے اندازہ۔ اگر کچھ گنتی اور حد ہو تو بتاؤں بھی! اس نے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا ان شوہروں میں سے کسی نے تجھے طلاق بھی دی! کہنے لگی نہیں۔ سب کو میں نے ہی مار ڈالا۔ اس بات کی مناسبت سے فرمایا کہ درویشی مکمل راحت بھی ہے۔ اور ساری آفتوں سے محفوظ بھی۔ درویش کے کام کی زیادہ سے زیادہ سختی یہ ہے کہ کسی رات اسے فاقہ ہو اور جس رات اسے فاقہ ہوتا ہے اس کے لیے ایک معراج ہوتی ہے۔

پھر مالدار لوگوں اور مال سے ان کی محبت پر گفتگو ہونے لگی۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی شخص شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور ایک بیہ حال بیان کیا جو اس زمانے میں تھے۔ اور جن کے پاس بڑا مال تھا۔ کہنے لگا ان شیخ کے پاس بہت مال ہے لیکن فرماتے ہیں کہ مجھے مال کو شریعہ کرنے کی اجازت نہیں ہے شیخ الاسلام فرید الدین۔ قدس سرہ نے جب یہ بات سنی تو مسکرا کر فرمایا کہ یہ سب بہانے ہیں! پھر فرمایا کہ اگر یہ شیخ مجھے خرچ کا وکیل بنادیں تو میں دو تین روز میں ان کا سارا خزانہ خالی کر دوں اور ایک درم بھی ان کی اجازت کے بغیر نہ دوں!

پھر اس بات کا ذکر کھلا کہ دینے والا خدا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو دیتا ہے تو روک کون سکتا ہے۔ اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ سلطان شمس الدین نے بدایوں میں دو دروازوں کے ساتھ (کھیل کام) ایک میدان تیار کرایا تھا۔ وہاں گیند اچوگان کھیلتا تھا۔ ایک روز میدان میں گیند کھیل رہا تھا۔ ایک دروازے کے قریب پہنچا تو وہاں ایک کمر جھکے ہوئے کھڑا تھا۔ اس بوڑھے نے کچھ مانگا اور سلطان نے کچھ نہ دیا۔ اس کے بعد دوسرے دروازے پر پہنچا۔ وہاں ایک تندرست و توانا جوان کو دیکھا۔ سلطان شمس الدین کے پاس ایک تھیلی تھی۔ اس کو پلٹ کر کچھ سونے کی اشرفیاں نکالیں اور اس جوان کو دے دیں اور کہا کہ اس بوڑھے نے مجھ سے کچھ مانگا تھا۔ میں نے (کچھ) نہیں دیا اور اس جوان کو بے مانگے عطا کر دیا۔ اگر مرضی میری چلتی تو اس بوڑھے کو دیتا۔ بس جس کو عطا کرنا ہے خدا کرتا ہے۔ میں کیا کروں۔

ایک دوسری حکایت اسی سلطان شمس الدین کی بیان فرمائی کہ وہ ایک دفعہ بدایوں میں آیا۔ اس کو چند آم پیش کئے گئے۔ وہاں آم بہت میٹھے ہوتے ہیں۔ جب اس نے کھائے تو پوچھا کہ انھیں کیا کہتے ہیں۔ بتایا گیا کہ انھیں ”آنب“ کہتے ہیں۔ شاید ترکی زبان میں آنب کسی بری چیز کو کہتے ہیں۔ سلطان نے کہا کہ اس کو نفزک کہنا چاہئے۔ جب یہ نام اس کی زبان پر آیا تو پھر یہی نام پڑ گیا۔ اس کے بعد اسی کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوجہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا اور ان میں سے کسی ایک نے اس سے کہا تھا کہ تو بادشاہ ہو جائے گا۔

پھر ترک دنیا کی گفتگو نکلی۔ فرمایا کہ کیتھل میں ایک بوڑھے (شخص) تھے ان کو شیخ صوفی بدھنی کہتے تھے۔ وہ بڑے تارک (دنیا تھے یہاں تک ستر عورت بھی نہ تھا) مناف سے گھٹنوں تک بدن ڈھکنا ستر عورت کہلاتا ہے اور مرد کے لیے ستر عارضوری ہے) پھر فرمایا اگر کوئی بھوک مٹانے کے لیے اتنے کھانے کو بھی چھوڑ دے جس سے جسم و جان کا رشتہ قائم رہتا ہے تو ہلاک ہو جائے گا اور سزا پائے گا۔ اور اتنے کپڑے کو جس سے ننگا بن چھپ جائے چھوڑے گا تو اس کی سزا بھی پائے گا۔ مگر وہ ایسے تھے کہ ان چیزوں سے بھی دور رہتے!

ترک دنیا کی مناسبت سے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی حکایت بیان فرمائی کہ جو بھی زر و نعمت ان کے پاس آتا وہ اس سب کو خرچ کر دیتے۔ یہاں تک کہ ان کے انتقال کے وقت تجہیز و تکفین کے سامان سے بھی معذوری تھی۔ چنانچہ کچی اینٹیں جو لحد کے لیے چاہیے ہوتی ہیں وہ بھی نہ تھیں کچی اینٹوں سے جو دروازہ بنایا گیا تھا اس دروازے کو گرا دیا گیا تاکہ اس کی اینٹیں لحد میں استعمال ہوں۔

یاسطھویں مجلس

اسی سال ربیع الاول کی اٹھائیسویں تاریخ اتوار کو ہاتھ جو منے کی دولت ہاتھ آئی۔ ان بادشاہوں کا قصہ نکلا جن کو شعر سننے کا شوق تھا۔ ارشاد فرمایا کہ سلطان شمس الدین نے ایک دفعہ باریابی عطا کی اور ناصری شاعر نے کلام سنایا ان اشعار کا مطلع یہ تھا

اے فتنہ از نہیب تو ز نہار خواستہ
تینغ تو مال و بیل ز کفار خواستہ

(تیری یورش سے فتنہ پناہ مانگتا ہے اور تیری تلوار کفار سے ہامی اور مال
(کا خراج) مانگتی ہے)

سلطان یہ شعر سننے کے دوران کسی اور چیز میں مشغول ہو گیا۔ اور اس
درمیان ناصری نے چند شعر پڑھ ڈالے سلطان دوبارہ متوجہ ہوا اور ناصری سے
کہا۔

اے فتنہ از نہیب تو ز نہار خواستہ تینغ تو مال و بیل ز کفار خواستہ
یہاں سے دوبارہ پڑھو مطلب یہ ہے کہ اس کی یادداشت اتنی اچھی تھی کہ دوسری
مشغولیت کے باوجود اس کو اشعار کا مطلع یاد رہا۔ اس کے بعد اس کے اچھے عقیدے
کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ وہ ذاتوں کو جاگتا اور جب بھی نیند سے ہوشیار
ہوتا وضو کرتا اور دو رکعت نماز پڑھتا اور پھر سو جاتا کسی اور کو نہ جگاتا۔

تربٹھویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی سولہویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت
میسر آئی۔ روزے اور سحری کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ایک شخص نے شیخ جلال الدین
تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ایک شخص روزہ نہیں رکھتا اور سحری کھاتا ہے تو یہ کیسا
ہے! شیخ جلال الدین نے فرمایا کہ سحری بھی کھائے اور رات کا کھانا بھی کھائے اور
دوپہر کا کھانا بھی کھائے۔ البتہ جو قوت اس سے حاصل ہو اس کو خدائے

تعالیٰ کی طاعت میں خرچ کرے اور گناہ نہ کرے بندے نے اس مفہوم کے مناسب حال یہ آیت یاد دلانی کہ کُلُّ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ پاک چیزیں کھاؤ و خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ کُلُّ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ و اعلمو صالِحاً پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ ان پاک چیزوں کے بارے میں بندے نے عرض کی کہ اصحاب کہف نے جو ازکی طعاماً (سب سے پاک کھانا) فرمایا تھا اس سے کیا مقصود تھا؟ فرمایا کہ وہ ایسا کھانا چاہتے تھے جو طبیعتوں کو مرغوب ہو۔ پھر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ بعض لوگوں کے قول کے مطابق اس کھانے سے مراد چاول تھے۔ واللہ اعلم۔

چونستھویں محاسن

اسی سال ماہ جماد الاول کی بارہویں تاریخ اتوار کو پیر چوٹے کی سعادت ہاتھ آئی۔ ان لوگوں کا ذکر نکلا جو ہمیشہ یاد حق میں مستغرق رہتے ہیں اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ کسی شخص نے ایک صاحب حال درویش سے درخواست کی کہ جس وقت آپ کو حق تعالیٰ کی حضوری پیش آئے تو مجھے بھی یاد کر کے دعا فرمائیے گا۔ ان درویش نے جواب دیا کہ اس (حضوری کے) وقت پر افسوس ہے کہ جس میں مجھے تیری یاد آئے۔

اس درمیان خواجہ عزیز کمر کی کا ذکر آیا جو بدایوں میں آرام فرما (دفن) میں۔ ان کی بزرگی کی بہت زیادہ تعریف فرمائی۔ بندے نے عرض کی کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ چڑیوں کو نگل جاتے اور پھر کسی اور وقت ایک ایک کمرے اسی طرح زندہ حلق سے باہر نکالتے اور اڑا دیتے۔ خواجہ یہ نفل روزوں کا ذکر ہے۔

ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ میں نے خود تو نہیں دیکھا لیکن سنا ہے۔ اس موقع پر فرمایا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دوسری کی راتوں میں گرم تنور کے اندر اتر جاتے دوسرے دن صبح باہر نکلتے۔ پھر فرمایا کہ وہ کرک کے رہنے والے تھے شروع زمانے میں وہ فیروز پتے تھے۔ اور بنگری (دست مند) کی قسم سے جو عورتیں پہنتی ہیں فروخت کرتے تھے۔ اور اس دوران بھی مشغول (بجی) رہتے تھے۔ شاید کرک کے حاکم نے ان کو ستایا اور قید کر دیا۔ اس کے بعد حاکم کو بتایا گیا کہ یہ نیک اور شافل جوان ہیں تو اس نے حکم دیا کہ انہیں رہا کر دیا جائے۔ جب انہیں بتایا گیا کہ آپ کو حاکم نے رہائی دے دی ہے۔ باہر آجائیے تو بولے میں جب تک اس کے گھر بار کو برباد نہ کر لوں ہرگز باہر نہیں آؤں گا۔ قصداً اس حاکم پر کوئی سخت آفت آئی اس وقت یہ اس قید سے باہر نکلے۔

پینسٹھویں مجلس

اسی سال مادہ جماد الاولیٰ کی تیسویں تاریخ جمعرات کو ہاتھ چومنے کی دولت تک رسائی ہوئی۔ سفر حج اور زیارت کعبہ کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ زیارت کعبہ کو جانے والے لوگ جب واپس آتے ہیں تو ہر جگہ اسی کا ذکر کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر اسی کی یاد میں رہتے ہیں۔ اور یہ اچھا نہیں ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ حج کے راستے میں منزل کی سختی اور پانی کی تنگی کی وجہ سے کبھی کبھی نماز قضا

ہو جاتی ہے۔ اس پر خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے حکایت بیان فرمائی کہ لاہور میں ایک واعظ تھے جو وعظ اچھا کہتے۔ ان کی بات میں تاثیر تھی مخلوق کو ان کے بیان میں رقت و راحت حاصل ہوتی تھی۔ پھر وہ حج کو گئے جب واپس آئے تو ان کے کلام میں وہ ذوق و راحت باقی نہ رہے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کی گفتگو میں پہلے جیسی چاشنی نہیں رہی۔ بولے کہ ہاں مجھے بھی معلوم ہے کہ کس نحوست کی وجہ سے (چاشنی نہیں رہی) اس وجہ سے کہ اس سفر کے دوران راستے میں میری دونمازیں وقت پر نہ ہوئی تھیں۔

بہیا سٹھویں مجلس

اسی سال ماہ جماد الاخر کی پانچویں تاریخ منگل کو ہاتھ جوڑنے کی دولت تک رسائی ہوئی۔ پیر مریدی کے آداب کا ذکر آیا۔ اور اس بات کا بھی کہ پیر کو مرید سے کسی قسم کا لالچ نہیں کرنا چاہئے۔ اس وقت حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کسی مرید نے اپنے پیر کی خدمت چند خربوزے لاکر پیش کئے۔

پیر نے نہیں لیے اور اس کو واپس کر دیئے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ پیر مرید کا نذرانہ کیوں رد کرے؟ پیر نے جواب دیا کہ جس طرح دین کے کام میں پیر کو مرید کا کسی طرح محتاج نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح دنیا کے کام میں بھی مرید کا محتاج نہیں ہونا چاہیے۔

پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ مخدوم کی خدمت میں مرید آتے ہیں اور بجدہ (تعلیم)

کرتے ہیں۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میرا جی تو چاہتا ہے کہ لوگوں کو منع کروں لیکن چوں کہ میرے شیخ کے سامنے بھی اسی طرح ہوتا تھا اس لیے منع نہیں کرتا۔ خادم نے اس پر عرض کیا کہ جو غلام مخدوم سے وابستہ ہیں اور جو مرید ہوئے ہیں اور بیعت کی ہے ان کی یہ ارادت اور بیعت پیر کے عشق و محبت سے عبارت ہے پس جہاں عشق و محبت کا دخل ہوتا ہے۔ وہاں زمین پر سر رکھنا ایک معمولی سی خدمت ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اس بات کی موافقت میں فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے سنا ہے کہ ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کسی راتے میں سوار ہوا رہے تھے کہ ایک مرید سامنے آیا اور یہ مرید پیدل تھا اس نے شیخ کے گھٹنے کو چومنا شیخ نے فرمایا کہ اور نیچے مرید نے شیخ کے پیر کو چومنا شیخ نے فرمایا اور نیچے مرید نے گھوڑے کے گھٹنے کو بوسہ دیا شیخ بولے اور نیچے مرید نے گھوڑے کے سُم کو بوسہ دیا شیخ نے کہا اور نیچے مرید نے زمین پر جوی اس وقت شیخ نے ارشاد کیا کہ یہ جو میں تجھ سے کہتا جاتا تھا اور نیچے اور نیچے تو اس سے میرا مقصد زمین چومنا نہیں تھا۔

(بلکہ یہ تھا کہ تو جتنا جھکتا تھا اتنا ہی تیرا درجہ بلند ہوتا جاتا تھا۔

پھر ان درویشوں کی حکایت آئی جن کو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے خلافت عطا فرمائی تھی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ان میں سے ایک درویش تھے جن کو عارف کہتے تھے۔ ان کو سیوستان اور ان حدود کی طرف بھیجا تھا اور بیعت (لینے) کی اجازت دی تھی۔ اور ایسا ہوا کہ ایک ملک ربادشاہ حاکم یاقاب (ملتان اور اچہ کی طرف تھا اور یہ عارف اس ملک کے اماں تھے۔ یا کسی اور طرح کا تعلق رکھتے تھے

الغرض ایک دفعہ اس ملک نے موتینکے (ایک سکھ) ان عارف کے ہاتھ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بھیجے انھوں نے اس میں سے پچاس تنکے اپنے پاس رکھ لیے اور پچاس تنکے شیخ کی خدمت میں پیش کئے شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ تم نے بھائیوں کی طرح تقسیم کر لیا! یہ عارف شرمندہ ہو گئے۔ فوراً بقیہ پچاس تنکے بھی شیخ کی خدمت میں پیش کر دیئے اور بڑی عاجزی کے ساتھ معافی مانگی اور مرید ہونے کی درخواست کی۔ شیخ نے دست مبارک بیعت کے لیے ان کو دیا اور وہ مخلوق ہوئے (مرمنڈ آیا) اس کے بعد شیخ کی خدمت میں ایسے پکے ہوئے کہ پوری استقامت حاصل کر لی۔ چنانچہ آخر میں شیخ نے انھیں بیعت کی اجازت عطا فرمائی اور سیوستان کی طرف بھیج دیا۔

طر سٹھویں مجلس

اسی سال ماہ رجب کی تیئیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ غرور کا تذکرہ آیا اور اہل رعونت اور ان لوگوں کا جو اپنے کو کچھ سمجھتے ہیں ارشاد ہوا کہ (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آدمی بُرا کب ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ اس وقت جب وہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنے لگے۔

اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ فرزدق نامی ایک شاعر تھے۔ ایک دفعہ

ملو یہ تجدید بیعت تھی۔ کوئی خطا دیا لغزش ہو جانے کا مطلب تھا اللہ تعالیٰ سے پیر کے ہاتھ پر جو عہد کیا تھا وہ ٹوٹ گیا۔ اس لیے نئے سرے سے عہد کرنے اور مرید ہونے کی ضرورت پڑی (مستدہم)

۳۔ ہمام ابن غالب التیمی عہد اموی کا مشہور شاعر ۶۴۱ء میں بصرہ میں پیدا ہوا اور ۷۲۲ء میں وفات پائی حضرت امام زین العابدینؑ کی شان میں اس کا قصیدہ مشہور ہے۔

وہ اور (حضرت) خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ اتفاق سے ایک اجتماع میں اکٹھے ہوئے اس اجتماع میں کسی شخص نے بلند آواز سے کہا کہ اس مجمع میں وہ بھی ہے جو سہے اچھا ہے اور وہ بھی جو سب بڑا ہے اسی وقت فرزدق نے خواجہ حسن بصریؒ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے سناریہ شخص (شخص) کیا کہتا ہے؟ خواجہ حسن بصریؒ بولے کہ کیا معلوم بہترین آدمی ان میں سے کون ہے اس کو تو خدا ہی جانتا ہے۔ فرزدق نے کہا کہ اے خواجہ بہترین آدمی آپ ہیں اور بدترین انسان میں ہوں۔ جب فرزدق نے وفات پائی تو اس کو خواب میں دیکھا گیا اور اس سے حال پوچھا گیا تو فرزدق نے جواب دیا کہ جب مجھے کرسی قضا کے سامنے لگے تو میں ڈرنے لگا (مگر) مجھے حکم ملا کہ ہم نے تجھے اسی وقت بخش دیا تھا جب تو نے اپنے آپ کو ان سالوں میں بدترین آدمی سمجھا تھا۔

بندے کے دل میں ایک بات تھی اس کو اس روز عرض کر دیا۔ اور وہ بات یہ تھی کہ قبر کا تعویذ جو بناتے ہیں وہ خراب (دعوت) ہو جائے تو کیا اس کا پھر بنانا آیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نہیں جو (قبر) خراب ہو جائے اس کی پھر تعمیر نہیں کرنی چاہئے جس قدر فرسودگی زیادہ ہوگی۔ رحمت کی امید بھی زیادہ ہوگی۔

یہاں سے ان لوگوں کا ذکر نکلا جو اپنے دین کے لیے پیروں اور بزرگوں کے قدموں میں جگہ چاہتے ہیں۔ اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں ایک بزرگ مولانا مسراج الدین نرمدی نام کے تھے وہ اس ارادے سے مکے کی طرف روانہ ہوئے کہ اگر قضا کا پینا آجائے تو ان کا مدفن وہیں بنے (مگر) جب زیارت کعبہ کو گئے تو اس سعادت کو حاصل کرنے کے بعد واپس آگئے اور بدایوں میں سکونت اختیار کر لی۔ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ اس نیت سے نہیں گئے تھے کہ

مرجائیں تو وہاں آپ کو دفن کریں۔ بولے ہاں! لیکن میں نے ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ اطراف سے بہت سے جنازے لائے جا رہے ہیں اور ان جنازوں کے مردوں کو کتے کے آس پاس دفن کر رہے ہیں۔ اور بعض مردے جو کتے کے چاروں طرف دفن ہیں ان کو نکال نکال کر لیجا رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بتایا گیا کہ وہ گروہ جو اس مقام کی اہلیت رکھتا ہے۔ وہ چاہے یہاں سے دور وفات پائے۔ اس کے لیے حکم ہے کہ ہم یہاں لے آئیں اور جو گروہ اس مقام کے لائق نہیں ہے وہ چاہے یہاں سو رہا ہو اس کے لیے حکم ہے کہ اسے اطراف لیجاؤ۔ مولانا سراج الدینؒ نے فرمایا کہ جب مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی تو دوبارہ بدایوں میں آ گیا۔ کیوں کہ اگر میں اس جگہ کے لائق ہوں گا میری غرض (اپنے آپ) حاصل ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے کتاب فوائد الفواد کا چوتھا حصہ مکمل ہو گیا۔

ختم شد ایں صحف صدق و صفا کہ از وجان حسن راست طرب
در سہ شنبہ دوم از ماہ شوال ہنقد و نوزدہ تاریخ عرب
یہ صدق و صفا کے صحیفے پورے ہوئے۔ جن سے حسنؒ کی روح کو مسرت ہے۔
تاریخ عرب کے سات سو انیسویں برس ماہ شوال کی دوسری تاریخ منگل کو۔

اس وقت سے کہ ان کلمات کو (لکھنا) شروع کیا گیا تھا آج تک کہ یہ پائیگیل کو پہنچے۔ پورے بارہ سال ہو گئے۔ اور یہ بارہ سال کا سرمایہ جو کٹھالی کٹھالی رچوڑا گیا، بارہ ماہ کا (کھرا) سونا ہے۔ جسے وقت کے صرافوں کے سامنے رکھا گیا ہے امید ہے کہ ذلوں کے سکے محبتِ ایمان کی مہر لگ کر پورا ہوں بھی پائیں گے۔ اور انھیں پورا رواج بھی ملے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ واللہ اعلم بالصواب۔

علہ کٹھالی وہ برتن ہوتا ہے جس میں سنا سونا گلاتا اور صاف کرتا ہے۔

پانچویں جلد
بتیس برس مجلسوں پر مشتمل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاص حضرت صمدیت کی بے حد حمد اور بے حساب ثنا جن کے فضل کے فیض سے
سلوک کی لڑی میں عقائد کے موتی (پروئے گئے) اس وجود کی بدولت جو مکام اخلاق والا جو بخشش اور وارث
والا ہے۔ جو گہرے رموز کو باہر لاتا اور حقیقتوں کے خزانے کھولتا ہے۔ اولیاء کا سلطان
جہان کا قطب، عارفوں اور مشائخ کا بادشاہ حق کا نظام، شرع کا نظام، دین
کا نظام اللہ اس کی درازی عمر سے مسلمانوں کو مستفید فرمائے آمین۔

یکے از امت ختم النبیین
نشد جز وی کسی ختم المشائخ

ختم النبیین کی امت میں سے ایک جس کے سوا ختم المشائخ

اور کوئی نہ ہوا

بندہ حسن عرض کرتا ہے کہ جب ازلی توفیق اس کمزور کے احوال کے موافق
ہوئی اور جب ابدی سعادت نے اس شکستہ کے اوقات کا ساتھ دیا تو قدرت
کے اشارے اس کی فکر کے رہنما بنے۔ یہاں تک کہ ان کے جاں پرور کلمات کے
ذخیرے جمع کیے جاسکے اس سے پہلے ایک جلد پوری ہو چکی ہے بارہ سال کی لکھی
ہوئی اور چار دیباچوں پر مشتمل اب یہ دوسری جلد شروع کی جاتی ہے۔ حق تبارک و تعالیٰ

خواجہ ذکرہ اللہ بالینر کی فرشتوں جیسی صفات رکھنے والی ذات کو خضر کی سی عمر دے تاکہ اس شربت سے جو عین آپ حیات ہے، خواص اور عوام میرا بھوں! امید ہے کہ معافی کے اس جاں بخش جام کا ایک گھونٹ جو ارواح کی شراب ہے سنانے والے کو، سننے والے کو اور لکھنے پڑھنے والے کو راختیں پہنچائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلی مجلس

یکم ماہ مبارک شعبان ۱۴۱۹ھ اتوار کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی بندے کے دل میں ایک حدیث تھی۔ مخدوم کی خدمت میں اسے پڑھ کر سنایا کہ مَنْ أَحَبَّ الْعِلْمَ وَالْعُلَمَاءَ لَمْ يَكُنْ خَطِيئَةً جو شخص علم اور علماء سے محبت کرتا ہے اس کی خطا نہیں لکھی جاتی۔ پھر بندے نے عرض کیا کہ اس حدیث سے امید ہے کہ علم اور علماء کی محبت کے سبب میرے گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔ ارشاد ہوا کہ سچی محبت پیروی ہے۔ جب کوئی شخص اُن کا محب ہو جائے گا تو ان کی پیروی بھی ضرور کرے گا۔ اور نامناسب چیزوں سے دور رہے گا اور جب یہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کے گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔ اس وقت فرمایا کہ جب تک حق (تعالیٰ) کی محبت دل کے غلاف میں رہتی ہے۔ گناہ کا امکان رہتا ہے۔ لیکن جب محبت دل کے مرکز میں داخل ہو جاتی ہے تو پھر گناہ کا امکان نہیں رہتا۔ پھر فرمایا کہ توبہ اور (اللہ کی طرف) رجوع جو انی کے زمانے میں اچھا ہوتا ہے بڑھاپے میں توبہ نہیں کریں گے تو کیا کریں گے! اس وقت دو شعر زبان مبارک پر لائے۔

بچوں پر بُرشدی برسرِ انجام آئی آئی سرِ حرفِ خویش ناکام آئی

سازی حق رازِ تیسرہ رانی معشوقہ خود در بے لوانی

جب بوڑھے ہوئے اور انجام کے قریب پہنچے تو ناکامی کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر آئے اور کچھ بن نہ پڑا تو حق (تعالیٰ) ہی کو اپنا محبوب بنالیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ اپنے بندے سے اس کی جوانی کے بارے میں پوچھے گا۔ یہ سال المرء من شبابہ جواب طلبی ہوگی آدمی سے اس کی جوانی کی بابت !

اس درمیان ایک دانشمند مولوی آئے اور خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر کے قدموں میں سر رکھ دیا اور عرض کی کہ میں جو جناب کا مرید ہوا ہوں۔ اس کی وجہ بیان کر بی چاہتا ہوں۔ ہوا یہ کہ میں ایک دفعہ افغان پور میں دریا کے کنارے پر تھا مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو میں نماز میں مشغول ہو گیا۔ مجھے آپ کی مبارک صورت نظر آئی۔ نماز ہی میں مجھ پر حیرت طاری ہو گئی۔ اور اس سے پہلے بندے کو آپ سے ارادت کا تعلق نہیں تھا۔ الغرض جب آپ کا مبارک چہرہ دیکھا تو قریب تھا کہ نماز ہی میں بے قابو اور بے خود ہو جاؤں (مگر) پھر جب مغرب کی نماز پڑھ چکا تو دل میں سوچا کہ مجھے مخدوم عالیاں کی خدمت میں جانا چاہیے اور غلاموں کی ڈوری میں بندہ جانا چاہیے اس وقت مخدوم کی خدمت میں آیا اور بیعت کی۔

جب وہ دانشمند (عالم) یہ حکایت پوری کر چکے تو خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ایک دفعہ کوئی شخص دہلی سے روانہ ہوا تاکہ اجودھن جائے اور شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے سامنے توبہ کر لے۔ دوران سفر ایک آوارہ گاہ

والی اس کے ہم راہ ہو گئی۔ اور یہ گلنے والی بڑی کوشش میں رہی کہ کسی طرح اس مرد سے تعلق پیدا کر لے۔ یہ مرد بچوں کی سچی نیت رکھتا تھا۔ اس لیے اس حرام کار کی طرف ذرا راغب نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ (راستے کی) منزلوں میں سے ایک منزل میں ایسا اتفاق ہوا کہ یہ مرد اور وہ مغنیہ ایک ہی کجاوے میں سوار ہوئے۔ یہ گلنے والی مرد کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اس طرح کہ ان کے درمیان کوئی پردہ اور رکاوٹ نہیں تھی۔ شاید اس حال میں مرد کا دل کسی قدر مائل ہوا اور اس نے کوئی بات کی یا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ اتنے میں مرد نے دیکھا کہ کوئی آیا اور اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اور کہا کہ فلاں کی خدمت میں توبہ کی نیت سے جا رہا ہے (پھر یہ کیا ہے؟ وہ شخص فوراً متنبہ ہو گیا۔ اور پھر اس عورت کی طرف نہ دیکھا۔
 القصد حب شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا تو پہلی بات جو شیخ نے اس سے کہی وہ یہ تھی کہ خدائے تعالیٰ نے اس روز تیری خوب حفاظت فرمائی!

پھر حضرت رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال نصاحت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ صحابیوں میں سے ایک صحابی تھے انھوں نے شاید ایک بھیڑ بیچ دی تھی اور پھر بیچتے تھے اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آکر اپنا قصہ سنایا تھا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان صاحب کو طلب فرمایا جنھوں نے بھیڑ خرید لی تھی۔ اور ارشاد کیا کہ بھیڑ بیچنے والے صحابی (اب) پھرتا رہے ہیں۔ تم اسے واپس کر دو ان صحابی کا نام نعیم تھا۔ کہنا یہ ہے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس صورت حال کو اس عبارت میں ادا فرمایا۔ نعیم بعتم و نعیم بعتم فرد وہ الیہ یعنی انھوں نے بڑی

فصاحت کے ساتھ چار جگہ تصحیفیں متصل بیان فرمائیں: بیع بمعنی شمار و خرید
(فروخت) اور شمار بمعنی بیع آیا ہے۔

دوسری مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی نویں تاریخ جمعرات کو دست بوسی کے
شرف تک رسائی ہوئی، سردی کے دن تھے اطراف کی خبروں اور تشویش کا
حال دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ ملعونوں کی وجہ سے جو چوکسی ہو رہی تھی
اب کم ہے اس بات کی منابہت سے کایت بیان لرمائی کہ یہاں ہاں اور
ملتان کا والی تھا شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے زیادہ اعتقاد
نہ رکھتا تھا چنانچہ شیخ الاسلام نے بارہا اس کے بارے میں

یہ دو مصرعے فرمائے۔

افسوس کہ از حال منت نیست خبر دانگہ خبرت شود کہ افسوس فوری!
افسوس تجھ کو میرے حال کی خبر نہیں ہے اور جس وقت خبر ہوگی کتنا افسوس کرے گا!
اس کے بعد فرمایا کہ جب شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز دنیا سے تشریف
لے گئے تو اسی سال کا فرنگول، علاقے میں پہنچ گئے۔
پھر شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی بزرگی کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ بخارا سے
ایک مولوی صاحب بڑے عالم آئے ہوئے تھے۔ وہ شیخ بہار الدین کی زیارت کو گئے شیخ
نے انہیں دیکھا کہ دستار باندھے ہوئے ہیں اور اس کی عبور پیچھے لٹکا رکھی ہے اور سر پر

لہ لفظ کے اختلاف سے معنی بدلتا۔

لہ غلامین سے منگول حملہ آور مراد ہیں۔

چوٹی شیخ نے کہا کہ دو سانپ ساتھ لیے کیا آئے ہو؟ یعنی ایک تو دستار کی چھور اور دوسرے بالوں کی چوٹی! یہ مولوی صاحب فوراً شیخ کے سامنے مخلوق ہو گئے (سر منڈالیا) خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ شیخ بہار الدین رحمۃ اللہ علیہ نفس گیر رکھتے تھے۔ دوسرا قصہ یہ سنایا کہ ایک شخص بڑے عبادت گزار ملتان میں تھے۔ ان کو سلیمان کہتے تھے شیخ کے سامنے ان کا بہت ذکر ہوا شیخ بہار الدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ اٹھو دو رکعت نماز پڑھو تا کہ تمہیں دیکھوں کہ کس طرح پڑھتے ہو۔ وہ صاحب اٹھے اور دو رکعت نماز ادا کی مگر دونوں قدم اس طرح نہیں رکھے جس طرح طریقہ ہے۔ (پیروں کے) درمیان فاصلہ کم یا زیادہ رکھا شیخ نے ان سے کہا کہ اتنی جگہ خالی رکھو اس سے زیادہ اور کم نہیں۔ اس کے بعد اس شخص نے پھر نماز شروع کی پھر بھی اس طرح قدم نہیں رکھے جیسا کہ شیخ نے بتایا تھا۔ دوسری دفعہ بھی اس کو سمجھایا۔ الغرض ہر چہ اس سے کہا گیا کہ پاؤں اس طرح رکھو۔ مگر اس سے نہ ہو سکا۔ شیخ نے فرمایا جاؤ اچّہ میں جا کر رہو۔ (چنانچہ) وہ اچّہ چلے گئے۔

پھر شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک روز کوئی مرید ایک خط لایا۔ اور شیخ صدر الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ خط ایک شخص نے دیا ہے اور کہا ہے کہ اسے شیخ بہار الدین کی خدمت میں پہنچا دو۔ شیخ صدر الدین نے جب خط کا عنوان پڑھا تو پریشان ہوئے اور جا کر وہ خط شیخ بہار الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ شیخ نے اس خط کو پڑھا تو وہ تڑپنے لگے اور نعرے لگائے۔ اور رات کو شیخ کا واقعہ (انتقال) ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر فرمایا کہ وہ زمانہ کیا اچھا زمانہ تھا جب یہ پانچ بزرگ حیات تھے شیخ ابوالغیث یمنی اور شیخ سیف الدین باخیزی اور شیخ سعد الدین حمویہ علیہ نفس وکبرا۔ کشف اور پہچان کی صلاحیت نیز بات میں اثر ہونا (مستہجم)

اور شیخ بہار الدین زکریا اور شیخ الاسلام فرید الدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

یہاں سے شیخ سیف الدین باخترزی کی حکایت (شروع) فرمائی کہ ان کی عادت تھی کہ جب مغرب کی نماز پڑھ لیتے تو اسی وقت سو جاتے یہاں تک کہ تنہائی رات گزر جاتی۔ جب تنہائی رات گزر جاتی تو داٹھتے، امام اور موذن حاضر ہوتے۔ عشاء کی نماز پڑھتے اور صبح تک بیدار رہتے۔ ان کی ساری عمر اسی طرح گزری۔ بندے نے پوچھا کہ کیا وہ سماع سنتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں مگر اس طرح نہیں۔ جیسے لوگ مجلس مرتب کرتے ہیں اور لوگوں کو بلاتے ہیں اور دعوت کی تقریب سے جمع ہوتے ہیں اور پھر سماع سنتے ہیں۔ ان کے ہاں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بیٹھے ہوتے اور حکایت کہتے اور کوئی نکتہ نکالتے۔ اس درمیان ان کو کیفیت ہو جاتی جب کیفیت سے پُرو جاتے تو کہتے کوئی ہے جو کوئی چیز گائے۔ اس وقت گانے والا آتا اور کوئی نیز سناتا ان کے سماع کا یہی طریقہ تھا۔

اس کے بعد ان کے انتقال کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ بخارا میں کوئی صاحب تھے انھوں نے دیکھا کہ جلتی ہوئی مشعل بخارا کے دروازے سے باہر لیجا رہے ہیں جب بیدار ہوئے تو ایک بزرگ کی خدمت میں آئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ ان بزرگ نے کہا کہ کوئی صاحب نعمت ولی بخارا سے انتقال کرے گا۔ اس کے بعد جلد ہی شیخ سیف الدین نے انتقال کیا۔ ایک اور حکایت بیان

شیخ بہار الدین زکریا کا انتقال ۷۶۱ ہجری کو ہوا۔ میر العارفین صفحہ ۱۷۸ در نظر لیں

بتایا ہے کہ اُسی رات کو چھت سے گر کر انتقال فرمایا۔

فرمائی کہ اسی زمانے میں انہوں نے اپنے پیر کو خواب میں دیکھا کہ وہ اُن سے کہتے ہیں کہ اشتیاق بہت ہو گیا ہے آجاؤ۔ جب شیخ سیف الدین نے یہ خواب دیکھا تو اسی ہفتے وعظ فرمایا وعظ میں سارا ذکر جدائی اور رخصتی کا تھا۔ خلیق حیران ہوئی کہ ہر بات جدائی کی کہتے ہیں اس وقت انہوں نے خیر باد کی ردیف کی ایک نظم پڑھی۔

رفتہ اے یاران بسامان خیر باد نیست آسان درد ہجران خیر باد
اے دوستو! میں چلا۔ سامان (دنیا) کو خیر باد۔ جدائی کا غم اگرچہ آسان نہیں ہے مگر خیر باد۔
جب شعر پڑھ چکے تو مجمعے کی طرف رخ فرمایا اور کہا اے مسلمانو! جان لو اور
آگاہ ہو جاؤ کہ میرے پیر نے خواب میں مجھ سے کہا کہ آجاؤ پس میں جاتا ہوں خیر باد!
یہ فرمایا اور منبر سے اتر آئے۔ اس کے بعد جلد ہی انتقال فرما گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

تیسری مجلس

اسی سال ماہ رمضان کی اٹھائیسویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت
بانتھ آئی۔ الحمد للہ۔ ایک عزیز آئے اور کسی کا سلام پہنچایا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے
انہیں سلام کہلوانے والے کو پہچانا نہیں۔ پوچھا وہ کون شخص ہیں؟ آنے
والے نے ان کا تعارف کرایا۔ پھر بھی خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کو یاد نہ آیا۔ اس کے
بعد ارشاد ہوا کہ بہت سے لوگوں کو میں جانتا ہوں۔ جب دیکھتا ہوں تو پہچان لیتا
ہوں۔ لیکن صرف نام و لقب لینے سے نہیں پہچانتا۔

اس بات کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ الاسلام فرید الدین
قدس اللہ سرہ العزیز کے صاحبزادوں میں سے ایک کا لقب نظام الدین تھا اور

حضرت شیخ سب صاحبزادوں سے زیادہ انھیں چاہتے تھے۔ اور وہ فوجی آدمی تھے اور شیخ کی خدمت میں بڑے گستاخ بھی۔ وہ کچھ بھی کہتے حد درجہ چاہت کی وجہ سے شیخ ہنسے اور ان کے کچھ کہنے سے رنجیدہ نہ ہوتے۔ الغرض یہ صاحبزادے ایک دفعہ سفر میں گئے۔ کچھ عرصے بعد کسی کے ذریعہ شیخ الاسلام کو سلام کہلوا بھیجا۔ وہ شخص آیا اور شیخ الاسلام کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ عرضداشت کی کہ مخدوم زادہ نظام الدین نے سلام کہلوا یا ہے۔ شیخ نے پوچھا کون شخص ہے؟ اس آدمی نے کہا مخدوم زادہ نظام الدین! شیخ نے پھر پوچھا کس کو کہتے ہو؟ اس شخص نے پھر عرض کیا مخدوم زادہ نظام الدین! آپ کے فرزند! اس وقت شیخ نے فرمایا ہاں! وہ کیسا ہے؟ اچھا تو ہے؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر ان الفاظ پر پہنچے تو ارشاد کیا کہ دیکھو یادِ حق میں کیسے مستغرق رہتے تھے کہ اپنے صاحبزادے کو بھی اس قدر سمجھانے اور تعارف کے بعد پہچانا!

یہاں سے شیخ بہار الدین زکریا علیہ الرحمۃ والغفران کی حکایت شروع فرمائی کہ ایک آدمی ان کی خدمت میں آیا اور کسی شخص کا سلام پہنچایا۔ شیخ بہار الدین نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس آنے والے نے تعارف کرایا۔ شیخ نہیں سمجھے آنے والا بہت سی نشانیاں بتانے لگا۔ شیخ بہار الدین نے فرمایا کہ یہ سب کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اس نے کبھی مجھے دیکھا ہے؟ اس شخص نے کہا جی ہاں وہ آپ کا غلام اور مرید ہے! شیخ بولے بس یہ کافی ہے۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے شیخ بہار الدین زکریا علیہ السلام کی یہ حکایت بیان فرمائی کہ اگر وہ ممکن ہو تو کوئی چیز دیتے تو عمدہ چیز دیتے۔ اساتذہ جوان کے فرزندوں

کو تعلیم دیتے۔ ان پر بڑا کرم فرماتے۔ سونا چاندی ان کے دامن میں ڈالتے۔ پھر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ والی ملتان کو غلے کی ضرورت ہوئی تو شیخ بہار الدین سے مانگا۔ شیخ نے فرمایا کہ ایک کوٹھا (غلے کا) اسے دیدیا جائے۔ والی نے اپنے آدمی بھیجے تاکہ کوٹھے سے غلہ نکال لیں۔ غلے کے درمیان ایک مٹکا چاندی سے بھرا ہوا نکلا۔ والی کو خبر کی گئی اس نے کہا شیخ نے مجھے غلہ عطا کیا ہے اس چاندی کے لیے نہیں فرمایا تھا۔ اس کو شیخ کے پاس واپس لیجانا چاہیے جب

یہ بات شیخ کی خدمت میں عرض کی گئی تو شیخ نے کہلوا بھیجا کہ زکریا کو اس کی خبر تھی تجھ کو وہ غلہ اس چاندی کے ساتھ ہی دیا گیا ہے !

پھر ترک دنیا کا ذکر آیا۔ اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی سوتے (آدمی) کے سر پرانے پہنچے۔ انھوں نے اس سونے والے کو پکارا اور کہا اٹھو خدا کی عبادت کرو! اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے خدا کی ایسی عبادت کی ہے جو سب سے اچھی عبادت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ کونسی عبادت کی ہے۔ بولا ترک دنیا لاہلہا۔ میں نے دنیا کو دنیا داروں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت فرمایا۔ من رضی اللہ تعالیٰ بقلیل من الرزق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقلیل من العمل۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے کم رزق پر راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کم عمل پر راضی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو بھی دنیا سے جاتا ہے۔ اور کچھ نہیں چھوڑتا۔ لا درھما ولا دیناراً فلیس فی الجنة اغنی مند۔ نہ روپیہ نہ اثتر فی تو جنت میں اس سے زیادہ غنی کوئی نہیں ہوگا۔

چونہی مجلس

اسی سال مادہ شوال کی چوبیسویں تاریخ ہفتے کو ہاتھ جو منے کی سعادت ہاتھ
آئی۔ قرآن کی قرأت کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ یہ دو فائدے ہیں نے ایک کتاب میں
(ایسے) دیکھے (جو) اور کہیں کم دیکھے ہیں۔ ایک اس آیت کے بارے میں
واذا رايت ثم رايت نعيماً وملكاً كبيراً۔ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ملکاً کبیراً
پڑھتے تھے۔ دوسرے اس آیت لقد جاء ركن من انفسکم اس کو بھی
من انفسکم پڑھا ہے۔ اور یہ انفس افعل تفضیل ہے نفیس سے۔

پھر اس بارے میں حکایت آئی کہ کسی عبادت گزار سے ورد اور طاعت
چھوٹ جائے تو وہ گویا موت کے برابر ہے۔ اس وقت فرمایا کہ ایک فوجی شیخ
بہار الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور بولا کہ میں نے رات کو یہ خواب دیکھا
ہے کہ میری نماز قضا ہو گئی ہے شیخ نے فرمایا کہ تیرا خاتمہ قریب ہے۔ توبہ کر لے! جب
وہ اٹھ کر چلا گیا تو ان کی خانقاہ کا ایک صوفی آیا۔ اس نے بھی یہی خواب دیکھا تھا
جب اس نے اپنا خواب بیان کیا تو شیخ حیران ہوئے کہ وہ شخص تو فوجی ہے۔ شاید
جنگ میں مارا جائے۔ اور یہ صوفی صحیح سلامت ہے اور کوئی اثر درکھ (بیماری کا
نہیں رکھتا۔ اس سے کیا کہوں) اسی (الجھن) میں تھے کہ خبر لائی گئی کہ وہ فوجی مارا گیا اور
اس صوفی کی صبح کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالجبر جب اس بات پر پہنچے تو
آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد کیا کہ دیکھو نماز کے چھوٹنے کو موت کے
برابر سمجھا گیا ہے!

نہ اور جب تم اس کو دیکھو تو وہاں بڑی نعمت اور سلطنت دکھائی دے گی۔ مگر سلطان بلکہ تمہارے پاس رسول آئے
میں تمہیں میں سے۔

لے تم میں سے نفیس ترین

پھر اور ادکی پابندی کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی ورد کو اپنے آپ پر لازم کر لے اور کسی دکھ بیماری کی وجہ سے اس کو نہ پڑھ سکے تو اس کو اس کے ادا شدہ دفتر میں لکھ لیتے ہیں۔ البتہ بعض لوگ (ورد کو) لازم نہیں کرتے بس یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ میسر ہوگا پڑھیں گے۔ اس طرح ورد کو لازم کر لینے والا اچھا رہتا ہے کیونکہ کسی مجبوری کی وجہ سے ورد چھوٹ جائے تب بھی اس کو پڑھا ہوا لکھ لیتے ہیں لیکن جو ورد کو مقرر ہی نہ کرے اس کے لیے کیا لکھیں گے؟ اس درمیان مسبغات عشرہ کی بہت فضیلت بیان کی۔ اور فرمایا کہ ایک شخص تھا جو بلا ناغہ مسبغات عشرہ پڑھا کرتا تھا ایک دفعہ اس کا کسی راستے پر گزر ہوا اور لیٹروں کا گروہ اسے ہلاک کرنے کے لیے تکل آیا۔ اس درمیان دس ہتھیار بند سوار ظاہر ہوئے اور اس شخص کو ڈاکوؤں سے رہائی دلائی اور وہ دس سوار ننگے سر تھے۔ اس شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ بولے کہ ہم مسبغات عشرہ ہیں۔ ہم وہ دس دعائیں ہیں جن کو تو ہر روز سات بار پڑھتا ہے! اس پر اس شخص نے پوچھا کہ آپ ننگے سر کیوں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا اس وجہ سے کہ تو دعاؤں سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتا۔ اس موقع پر بندے نے عرض کی کہ بسم اللہ کہاں پڑھیں۔ ارشاد ہوا ہر سورۃ سے پہلے۔ پھر فرمایا کہ قاضی کمال الدین جعفری بدایوں کے حاکم تھے۔ ان کے اوراد بہت تھے۔ جچی کی اس قدر مصروفیت اور دوسرے کاموں کے باوجود قرآن کی تلاوت بہت کربتہ الغرض جب بوڑھے ہوئے تو اتنے وظیفوں سے معذور ہو گئے سے پوچھا گیا کہ کیا حال ہے؟ بولے کہ مسبغات عشرہ پر اکتفا کر لیا کہ (یہ) جا

افراد ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ واصلوں میں سے ایک بزرگ تھے۔ ان کو کعبے میں حضرت خضرؑ مل گئے۔ اور انھوں نے حضرت خضرؑ سے بخشش طلب کی۔ حضرت خضرؑ نے انھیں سبعت عشر سکھائے اور کہا کہ میں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی روایت کرتا ہوں

پانچویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی اٹھائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ اس بات کا ذکر آیا کہ آدمی کو جو بھی رنج اور مشقت پہنچے اس کو چاہیے کہ سمجھ لے کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ یعنی آدمی کی خیریت اس میں ہوتی ہے کہ اس مشقت سے چو کنا ہو جائے۔ اور جو شخص ڈھٹائی سے کام لیتا ہے اس کو کوئی برائی ایسی نہیں پہنچتی جو اسے (برائی سے) واپس لے آئے۔ اور یہ اس کی بد نصیبی ہوتی ہے۔ نعوذ باللہ منہا رہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کیوں کہ اس کی رسی دراز کی جاتی ہے اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ ایک نیک اور بزرگوار خاتون تھیں۔ میں نے ان کو کہتے سنا کہ اگر میرے پاؤں میں کانٹا بھی چھبتا ہے تو میں جان جاتی ہوں کہ کس وجہ سے (چھتا) ہے۔

اس وقت فرمایا کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا پر وہ تہمت لگائی گئی اور اس کا قصہ طول طویل ہے تو حضرت عائشہؓ مناجات میں فرماتی تھیں کہ الہی میں جانتی ہوں کہ یہ اتہام مجھ پر کیوں لگا؟ اس وجہ سے کہ نزل علیہ الصلوٰۃ والسلام تیری محبت کا دعوے فرماتے تھے۔

اور کسی قدر محبت کا جھکاؤ میری طرف بھی رکھتے تھے۔ اتنی تہمت بھی مجھ پر اسی باعث دھری گئی!

اس درمیان ایک عزیز کچھ پھول لیکر پہنچے۔ اس کی مناسبت سے فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ حُبُّ الیَّ من دُنْیَا کَمِ ثَلَاثٍ ۖ الطَّيِّبُ وَانْسَاءُ وَ قُرَّةٌ عَیْنِی ۖ فِی الصَّلَاةِ میرے لیے محبوب بنائی گئی ہیں تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں۔ خوشبو اور عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک جو نماز میں ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ (یہاں) عورت سے مراد عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں کیوں کہ دوسری بیویوں کی بہ نسبت ان کی جانب رسول علیہ السلام کا میلان زیادہ تھا۔ اور قُرَّةٌ عَیْنِی ۖ فِی الصَّلَاةِ آنکھوں کی ٹھنڈک جو نماز میں ہے سے مراد (حضرت) فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جو اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر اس سے نماز مراد ہوتی تو نماز کو ان دونوں چیزوں پر مقدم رکھتے پھر ارشاد ہوا کہ خلفائے راشدین جیسے (حضرت) ابوبکر صدیق اور (حضرت) عمر خطاب اور (حضرت) عثمان اور (حضرت) علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے (بھی) رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت میں فرمایا ہے کہ ہم بھی تین چیزوں کو عزیز رکھتے ہیں۔ اس موقع پر یہ بھی (ارشاد ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام آئے انھوں نے حضرت عزت (اللہ تعالیٰ) کا فرمان پہنچایا کہ میں بھی تین چیزوں کو پسند کرتا ہوں اور وہ یہ ہیں ثَابِتٌ تَائِبٌ وَعَیْنٌ بَکِیَّةٌ وَقَلْبٌ غَاشِقٌ۔ توبہ کرنے والا جوان اور رونے والی آنکھ اور عاجزی کرنے اور ڈرنے والا دل!

پھر ذکر اس کا نکلا لوگ بزرگوں کو ہدیہ اور زندہ جودیتے ہیں ان میں کیا چیز بہتر ہے۔

۱۔ اے احمد نسائی اور بیہقی وغیرہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے جامع صغیر جلد ۲ صفحہ ۳۷۰

اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں چاقو کا تحفہ پیش کیا۔ شیخ نے وہ چاقو اس کو واپس دیدیا اور فرمایا کہ میرے پاس چھری مت لاؤ۔ سوئی لاؤ کہ جھیری کاٹے۔ ورنہ اکر نے کا آکر ہے اور سوئی جوڑنے کا آلہ ہے۔

پھر یہ بات آئی کہ لوگ ایک دوسرے کو عیب لگاتے ہیں زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو کسی عیب کا طعنہ دیتا ہے تو پہلے اس کو سوچنا چاہیے کہ یہ عیب مجھ میں ہے یا نہیں؟ اگر وہ عیب اس میں بھی ہے تو اس کو شرم نہیں آتی کہ جس عیب میں خود مبتلا ہے۔ اس کا طعنہ دوسروں کو دیتا ہے۔ اور اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے تو خدائے عز و جل کا شکر ادا کرے کہ اس عیب سے محفوظ رکھا ہے۔ دوسروں کو اس عیب کا طعنہ نہیں دینا چاہیے۔

اس کے بعد سماع کا ذکر نکلا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ شاید اس وقت حکم ہو گیا ہے کہ مخدوم جب چاہیں سماع سنیں ان کے لیے حلال ہے۔ خواجہ ذکری اللہ بالخیر نے فرمایا جو چیز حرام ہے۔ کسی کے حکم سے حلال نہیں ہو جاتی اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ہم ایسے مسئلے پر آئیں جس کے بارے میں اختلاف ہو جیسے کہ یہی سماع کا فتویٰ ہے (تو امام شافعیؒ ہمارے علماء کے برخلاف سماع کو کوف اور چغانہ کے ساتھ مباح رکھتے ہیں اب اس اختلاف میں حاکم جس رائے کے مطابق حکم دے ویسا ہی ہوگا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا انہی دنوں بعض آستانہ دار درویشوں نے ایک ایسے مجمع میں جہاں چنگ و رباب اور مزامیر تھے خوب رقص کیا۔ خواجہ ذکری اللہ

بالآخر نے فرمایا کہ انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ جو چیز غیر شرعی ہے۔ ناپسندیدہ ہے۔ اس کے بعد ایک آدمی نے کہا کہ جب وہ لوگ اس جگہ سے باہر آئے تو ان سے کہا گیا کہ یہ آپ حضرات نے کیا کیا؟ اس عقل میں مزا میر تھے۔ سماع کیوں سنا اور رقص کیوں کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے ڈوبے ہوئے تھے کہ پتہ ہی نہ چلا کہ وہاں مزا میر ہیں یا نہیں تو وجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ یہ جواب بھی کچھ سنہیں ہے۔ یہ بات تو ہر گناہ کے بارے میں لکھی جاسکتی ہے۔ اس درمیان بندے نے عرض کی صاحب مرصاد نے اس مفہوم کی ایک رباعی لکھی ہے اور (پھر) یہ دو مصرعے پڑھے۔

گفتی کہ بہ نزد من حرامست سماع گر بر تو حرامست حرمت بادا!
تم کہتے ہو کہ میرے نزدیک سماع حرام ہے۔ اگر تم پر حرام ہے تو حرام ہی رہے۔
خواجه ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر یہ پوری رباعی زبان مبارک پر لائے۔
رباعی -

دنیا طلبا جہاں بکا مست بادا وایں جیفہ مردار بدامت بادا
گفتی کہ بہ نزد من حرامست سماع گر بر تو حرامست حرمت بادا
اے دنیا کے طلبکار۔ دنیا کے مزے تیرے لیے رہیں۔ یہ سڑا ہوا مردار تیرے جال میں رہے۔ تو کہتا ہے کہ میرے نزدیک سماع حرام ہے اگر تجھ پر حرام ہے تو حرام ہی رہے۔
بندے نے دوبارہ عرض کیا کہ اگر علماء اس باب میں بحث کریں اور سماع کی ممانعت میں کچھ کہیں تو ٹھیک بھی لگے لیکن جو شخص فقیری لباس میں ہو وہ کس طرح منع کرتا ہے۔ اور اگر اس کے نزدیک بھی حرام ہے تو بس اتنا کرے کہ خود نہ سنے لیکن دوسروں سے تو نہ لے (اور کہے) کہ نہ سنو! لڑنا (اور جھگڑنا) درویشوں کی صفت نہیں ہے خواجہ

ذکرہ اللہ بالخیر نے تبسم فرمایا اور مناسب حال حکایت بیان فرمائی کہ اتنے
 علماء میں وہ تو کچھ کہتے نہیں اور ایک ناواقف جھگڑا کرتا ہے ارشاد ہوا ایک
 دفعہ کوئی طالب علم امامت کر رہا تھا۔ اور علماء کی ایک جماعت اور ایک عالم آدمی
 بھی مقتدی تھے۔ اور وہ نماز چار رکعت کی تھی۔ شاید امام اسے پہلے قعدے میں
 بھول ہوئی۔ دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لیے فوراً کھڑا ہو گیا چونکہ
 وہ عالم تھا اس لیے جانتا تھا اور اس نے دل میں سوچ لیا تھا کہ اس نماز کو کس طرح
 پورا کرنا چاہیے علماء جو مقتدی تھے وہ بھی خاموش رہے۔ وہ عالم آدمی شور مچانے
 لگا سبحان اللہ سبحان اللہ اتنی دفعہ کہا کہ اپنی نماز باطل کر لی۔ جب امام نے نماز کا
 سلام پھیرا تو اس عالمی کی طرف رخ کر کے کہا کہ اجی جناب آپ کو کیا ہو گیا تھا۔
 اتنے علماء موجود تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس نماز کو کس طرح پورا کیا جانا ہے اس
 لیے انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ آپ کون تھے کہ اتنا غل میا یا۔ اور اپنی نماز خراب
 کر لی!

بندے نے پھر عرض کیا کہ بندہ اس گروہ کو جو سماع کا منکر ہے خوب جانتا
 ہے اور ان کے مزاج کو ابھی طرح سمجھتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ جو سماع نہیں سنتے
 اور کہتے ہیں کہ ہم اس وجہ سے نہیں سنتے کہ حرام ہے بندہ قسم تو نہیں کھاتا لیکن
 سچ عرض کرتا ہے کہ اگر سماع حلال ہوتا تب بھی یہ لوگ نہ سنتے۔ خواجہ ذکرہ اللہ
 بالخیر مسکرائے اور فرمایا ہاں جب ان میں ذوق ہی نہیں ہے تو
 کیسے سنتے اور کس برتے پر سنتے! واللہ اعلم۔

چھٹی مجلس

اسی سال ذی قعدہ کے مہینے کی دسویں تاریخ پیر کو ہاتھ چومنے کی دولت میسر آئی۔ ایسے لوگوں کا ذکر نکلا جو چاہے بیمار ہی ہوں لیکن ناممکن ہے کہ اپنی مفسدہ طاعت (عبادت) کو ادا نہ کریں۔ اس باب میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ تھے جو پانی کے کنارے رہائش رکھتے تھے۔ ان کو پیٹ کی بیماری کی تکلیف ہوئی بہر دفعہ جب قضاے حاجت کو جاتے تو قضاے حاجت کے بعد پانی میں اترتے اور غسل کرتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس سے تکلیف اور بڑھ گئی مثلاً بیس دفعہ یا تیس دفعہ ضرورت ہوتی اور وہ اسی طرح پانی میں اترتے اور غسل کرتے۔ اور دو رکعتیں ادا فرماتے یہاں تک کہ ایک رات کو انھیں ساٹھ دفعہ حاجت ہوئی اور ساٹھ بار پانی میں اترے اور غسل کیا اور دو گانہ پڑھا اور اس آخری دفعہ پانی ہی میں تھے کہ جان اللہ کے حوالے کی! خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر یہاں پہنچ کر آنکھوں میں آنسو بھرا لائے اور ارشاد کیا کہ طاعت کے کام میں اس پختگی کے کیا کہنے کہ آخری سانس تک اپنے قاعدے سے نہ پھرے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آدمی جانتا نہیں، ورنہ بیماری جو اس کو ہوتی ہے وہ اس کی خیر کی دلیل ہے۔

اس موقع پر فرمایا کہ ایک اعرابی (دیہاتی عرب بدو) حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لے آیا اس کے کچھ عرصے بعد پھر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ جب سے میں ایمان لایا ہوں میرے مال میں بھی نقصان ہوا ہے۔ اور میری جان کو بھی دکھ لگ گیا ہے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب مومن کے مال میں کمی واقع ہو اور وہ خود بیمار ہو تو یہ اس کے ایمان کی صحت کی دلیل ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ کل قیامت کے دن آمنّا و صدقنا جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور جس کی تصدیق کرتے ہیں، فقیروں کا ایسا وجہ

ہوگا کہ ساری مخلوق آرزو کرے گی اور بچے گی کہ کاش ہم دنیا میں فقیر ہوتے اور وہ لوگ جو دنیا میں زیادہ تر مر رہتے ہیں ان کا بھی کل قیامت کے دن ایسا درجہ ہوگا کہ ساری مخلوق تمنا کرے گی کہ اے کاش ہم دنیا میں بیمار ہی رہتے

واللہ اعلم۔

ساتویں مجلس

اسی سال ماہ حج کی دوسری تاریخ پہنچا تو ہاتھ چومنے کی سعادت ہاتھ آئی۔ ایک جو اُلٹی درویش بیٹھا تھا۔ اٹھتے وقت اس نے تکبیر کہی اور اٹھ کر چلا گیا بندے حسن ملا سحری نے عرض کی کہ درویش لوگ جو تکبیر کہا کرتے ہیں اس کی ابتداء کہاں سے ہے؟ ارشاد ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد تو تکبیر آتی ہے۔ اور وہ تکبیر حمد کے طور پر ہے۔ یعنی اس نعمت کے شکرانے میں تکبیر کہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ کل قیامت کو جنتیوں میں سے ایک جو تھائی تو تم لوگ ہو گے اور باقی تین جو تھائی دوسری امتیں ہوں گی! صحابہ نے اس نعمت کے شکرانے میں تکبیر کہی۔ پھر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اہل بہشت میں سے ایک تھائی تم لوگ ہو گے اور دو تھائی دوسری امتیں صحابہ نے پھر تکبیر کہی۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر فرمایا جنت والوں میں آدھے تم ہو گے اور آدھی دوسری امتیں صحابہ نے پھر تکبیر کہی۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ان موقعوں پر تکبیر کہنا حمد کے طور پر ہے۔ لیکن یہ جو بعض درویش ہر دفعہ ہر مصلحت پر کہتے ہیں کہ میں تکبیر کہتا ہوں۔ یہ کہیں نہیں آیا

عہ جو اُلٹی ملنگ قسم کے لوگ ہوتے تھے۔

اس کے بعد بندے نے عرض کی کہ وہ ذکر جو بلند آواز سے کیا جاتا ہے۔ یہ مشائخ نے فرمایا ہے ؟ ارشاد ہوا کہ فرمایا ہے۔ پھر بندے نے عرض کی کہ اگر ذکر آہستہ کریں تو کیسا ہے ؟ فرمایا کہ آہستہ ذکر کرنا بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہ صحابہ جو قرآن پڑھتے تھے اس طرح پڑھتے تھے کہ کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا جب سجدے کی آیت آتی تو وہ سجدہ فرماتے۔ اس وقت پتہ چلتا کہ وہ قرآن پڑھ رہے ہیں۔

آنکھوں کی مجلس

اسی سال ماہ حج کی چھٹی سوئیں تاریخ جمعات کو قدم چومنے کی دولت میسر آئی۔ سلام اور جواب کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ کو حق تعالیٰ نے پیرا فرمایا۔ ساتھ گزان کا قد تھا۔ ان کو حکم ہوا کہ مقرب فرشتوں کو سلام کرو اور سلام کا جواب سنو تا کہ تمہارے فرزندوں کے درمیان سلام اور سلام کا جواب اسی طرح ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو سلام کیا۔ السلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) فرشتوں نے (جواب میں) کہا علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں) تو یہی طریقہ آدم کی اولاد کے لئے ٹھیک کیا اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی آئے اور اس طرح سلام کرے۔ السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، (تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں) تو اس کا جواب کس طرح دینا چاہیے۔ اس کا جواب بھی اسی طرح دیا جائے گا کہ علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام کے صحابہ تشریف فرما تھے

کہ ایک شخص آیا اور اسی طرح سلام کیا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تم سب پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، حاضرین میں سے کسی نے سلام کا جواب اس طرت دیا کہ علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، و مغفرتہ، ترجمہ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں اور اس کی طرف سے مغفرت ہو، (حضرت) ابن عباسؓ موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس طرح نہیں کہنا چاہیے سلام کا جواب برکاتہ سے آگے کچھ نہیں ہے۔ بندے نے عرض کی کہ اگر ایک شخص نفل نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی بزرگ آجاتا ہے تو یہ نمازی نماز چھوڑ کر اس کے ساتھ مشغول ہو جائے تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرنی چاہیے بندے نے عرض کی کہ جو شخص نفل نماز ادا کرتا ہے وہ ثواب کے لیے اور سعادت حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ اس دوران اگر اس کا پیر آجائے تو اس کے لیے پیر کی قدم بوسی میں بھی بڑی سعادتیں ہیں اور مریدوں کا اعتقاد ہے کہ یہ دولت اس ثواب سے سو گنی بہتر ہے۔ ارشاد ہوا کہ حکم شرع اسی طرح ہے! (کہ نماز پوری کرے) اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کسی پانی کے کنارے پہنچے مریدوں کو دیکھا کہ وضو کر رہے ہیں۔ ان کو جیسے ہی شیخ نظر پڑے سب کے سب تعظیم بجالائے اور آدھے وضو سے کھڑے ہو گئے مگر ایک صوفی نے اپنا وضو پورا کیا اور پھر شیخ کی خدمت میں آیا اور تعظیم کی شیخ نے فرمایا کہ ان سب میں درویش یہی ہے کہ اس نے وضو پورا کیا اور پھر میری تعظیم کی۔ بندے نے عرض کی کہ اگر کوئی نفل نماز چھوڑ دے اور پیر کی تعظیم میں مشغول ہو جائے تو اس کو کافر کہہ سکتے ہیں؟ فرمایا نہیں۔

اس وقت بندے کی غرضداشت اور پیر کے لیے مرید کے اعتقاد کی پختگی کی

مناسبت سے زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے بدرالدین اسحاق کو آواز دی۔ بدرالدین نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز ہی میں انھوں نے جواب دیا اور زور سے کہا بلیک! (حاضر ہوں) اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام کھانا نوش فرما رہے تھے کہ کسی شخص کو آواز دی۔ وہ صحابی اس وقت نماز پڑھ رہے تھے حاضر ہونے میں دیر لگائی۔ رسول علیہ السلام نے پوچھا کہ جلدی کیوں نہیں آئے؟ انھوں نے عرض کی کہ نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ جب خدا اور خدا کا رسول پکاریں تو فوراً جواب دینا چاہیے۔ اس کے بعد خواجہ ذکریا اللہ بایں نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ شیخ کا فرمان بھی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کی طرح ہے۔ اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص شبلیؒ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میں آپ کا مرید ہوتا ہوں (حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ ایک شرط پر تیری ارادت قبول کرتا ہوں کہ میں جو کہوں تو وہی کرے! مرید بولا میں ایسا ہی کروں گا۔) حضرت شیخؒ شبلیؒ نے پوچھا تو کلمہ طیبہ کس طرح پڑھتا ہے۔ مرید نے جواب دیا کہ میں اس طرح پڑھتا ہوں، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ شبلیؒ بولے اس طرح پڑھ لا الہ الا اللہ شبلیؒ رسول اللہ مرید نے فوراً اسی طرح پڑھ دیا۔ اس کے بعد شبلیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شبلیؒ آنحضرتؐ کے ادنیٰ چاکروں میں سے ایک ہے۔ اللہ کے رسول تو وہی ہیں۔ میں تو تیرے اعتقاد کا امتحان کر رہا تھا۔

پھر نماز جمعہ کا ذکر نکلا کہ نماز کو نہ جانے کی کوئی تاویل آئی ہے؟ فرمایا کہ کوئی تاویل نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی غلام ہو یا مسافر ہو یا مریض ہو لیکن جو شخص قدرت رکھتا ہے کہ نماز کو جائے اور پھر نہیں جاتا وہ بہت سخت

دل ہے۔ اس وقت ارشاد ہوا کہ اگر کوئی ایک جمعے کو نہ جائے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر پڑ جاتا ہے اور اگر دو جمعے کو نہیں جاتا تو دو کالے نقطے پڑ جاتے ہیں اور اگر تین جمعے نہ جائے تو اس کا تمام دل کالا پڑ جاتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔
(ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)

اس درمیان سلطان غیاث الدین بلبن اور ان کی نماز جمعہ اور پابنحوں وقت کی پابندی اور اچھے عقیدے کا ذکر نکلا۔ اس وقت فرمایا کہ ایک دفعہ وہ قاضی شکر سے کہنے لگے کہ کل کی رات بھی کیسی بزرگ (مبارک) رات تھی! قاضی شکر نے کہا کہ اچھا کیا! آپ پر بھی روشن ہو گئی؟ سلطان نے جواب دیا۔ ہاں۔ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ شاید وہ شب قدر ہو گی؟ ارشاد ہوا کہ بس ایک بزرگوار (بہت مبارک) رات تھی جو ان کو میسر آئی اور وہ ایک دوسرے کے احوال سے واقف ہو گئے۔

نوٹس: مجالس

سند سات سو بیس، بھری ماہ جماد الاولیٰ کی دوسری تاریخ منگل کو دست بوسی کی سعادت میسر آئی۔ نماز کی بات چلی اور یہ (ذکر آیا) کہ بسم اللہ ہر رکعت کے شروع میں پڑھنی چاہیے یا ہر سورۃ کے شروع میں ارشاد ہوا کہ امام اعظمؒ نے فرمایا ہے کہ بس پہلی رکعت میں ایک بار بسم اللہ پڑھیں اور بس۔ دوسرے ائمہ کے برخلاف کہ بعض نے ہر رکعت کے شروع میں کہا ہے اور بعض نے ہر سورۃ کے شروع میں۔ اس وقت فرمایا کہ امام اعظمؒ پر

۱۔ امام اعظم حضرت امام ملا حنیفہؒ کو کہتے ہیں پورا نام النعمان بن ثابت البصیری فقہ میں مذہب حنفی کے بانی ۶۷۷ھ میں بغداد میں انتقال ہوا۔ الا عظیمہ میں مدفون ہیں۔

سفیان ثوری اور ایک دوسرے بزرگ ساتھی نے کسی قدر اعتراض کیا تھا ایک دفعہ کسی مجمعے میں یہ سب اکٹھے ہو گئے۔ سفیان ثوری اور ان کے دوسرے ساتھی نے امام اعظم سے سوال کیا کہ نمازی بسم اللہ کب کہے۔ ہر رکعت کے شروع میں یا ہر سورۃ کے شروع میں؟ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر نفی کریں گے کہ نہ پڑھو تو فوراً بسم اللہ کو منع کرنے پر ان کی پکڑ کر لیں گے۔ الغرض جب انھوں نے سوال کیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں کہ بسم اللہ ہر رکعت کے شروع میں پڑھیں یا ہر پڑھی جانے والی سورۃ کے شروع میں؟ کتنی دفعہ پڑھیں؟ امام اعظمؒ میں جو علمی کمال اور ادب کا لحاظ تھا اس کے مطابق فرمایا کہ ایک دفعہ پڑھے! خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے ارشاد کیا کہ ان کی مراد اپنے اسی حکم سے تھی (اب وہ جس طرح چاہتے تصور کرتے۔ چاہے ہر رکعت کے شروع میں چاہے ہر سورۃ کے شروع میں۔

پھر مشائخ کے نفس (زبان سے نکلی ہوئی بات) اور ان کی دعا کا ذکر آیا۔ اس وقت فرمایا کہ شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مریدوں میں ایک مرید محمد شاہ غوری نامی تھے۔ (بڑے) صادق اور معتقد آدمی تھے۔ ایک دفعہ وہ مضطرب اور پریشان شیخ کی خدمت میں آئے شیخ نے پوچھا کیا حال ہے؟ بولے میرا ایک بھائی ہے۔ بیمار اور اتنا کمزور کہ اس میں (زندگی کی) بس ذرا سی رقی ہی رہ گئی ہے اس وقت کہ میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں کیا عجب کہ وہ ختم بھی ہو گیا ہو اسی سبب سے میں بھی پریشان اور زیر و زبر ہوں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ جو حالت تیری اس وقت ہے۔ میں ساری عمر اسی طرح رہا ہوں۔ لیکن کسی پیر طاہر

لہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری تابعین میں سے ہیں۔ ۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۱ھ میں

انتقال ہوا۔ طبقات ابن سعد جلد ۶، صفحہ ۲۵۷۔

نہیں کرتا۔ پھر اس سے فرمایا کہ جاؤ تمہارا بھائی صحت پائے گا! محمد شاہ اٹھ کر گھر آگئے۔ بھائی کو دیکھا کہ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

دستویں مجلس

اسی سال جماد الاولیٰ کے مہینے کی ساتویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ بندے نے عرض کی کہ (یہ جو) ایک آدمی پانی پیتا ہے اور دوسرے ہاتھ آگے (بڑھائے) رکھتے ہیں یہ سنت ہے؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے تامل فرمایا حاضرین میں سے ایک شخص نے چند لفظ پڑھے اور بولا کہ یہ حدیث ہے کہ جو شخص کسی کے پانی پیتے وقت ہاتھ بڑھاتا ہے، وہ ضرور بخشا جائے گا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ یہ حدیث ان کتابوں میں بہ مشہور اور معتبر ہیں انہیں آئی ہے ممکن ہے یہ حدیث ہی ہو لوگ اگر حدیث سنیں تو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ یہ رسول کی حدیث نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن کتابوں میں احادیث جمع کی گئی ہیں اور جنہوں نے اعتبار حاصل کر لیا ہے ان میں یہ حدیث نہیں آئی ہے۔

یہاں سے احادیث کا ذکر نکلا۔ اس موقع پر فرمایا کہ ایک دفعہ قاضی منہاج الدین سراج علیہ الرحمۃ والغفران وعظ فرما رہے تھے۔ وعظ کے دوران انہوں نے کہا کہ چھ حدیثیں متواتر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے الغیبة اشد من الزنا رغبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے (دوسری یہ ہے من شتم الوہد ولم یصل علی فقد جفا فی رجس شخص نے گلاب باز عفران کو سونگھا اور مجھ پر درود نہ پڑھا اس نے مجھ پر جفا کی) تیسری یہ ہے البینۃ

علی المدنی والیمین علی من انکر دعوے دار کے لیے بیان اور اس کا رد اور انکار کرنے والے کے لیے قسم ہے۔ اس موقع پر خواجہ ذکر اللہ بالینے نے تبسم فرمایا اور کہا کہ قاضی منہاج الدین نے جب یہ تین حدیثیں بیان کیں تو اس کے بعد بولے کہ باقی کی تین حدیثیں مجھے معلوم نہیں۔ اور اگر کوئی مجھے طعنہ دے اور کہے کہ کیوں نہیں معلوم تو میں کہوں گا کہ یہ تین حدیثیں تم نے مجھ سے سیکھی ہیں تم بھی تو نہیں جانتے تھے !

اس وقت رسول علیہ السلام کی حدیث کی فضیلت کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ مولانا رضی الدین نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے اور ان کی بیماری نے طول کھینچا۔ ان کے پڑوس میں ایک عالم رہا کرتے تھے۔ وہ عبادت کے لیے آئے اس وقت مولانا رضی الدین بحران کی حالت میں تھے۔ یہ عالم ان کے سر ہانے بیٹھ گئے اور یہ حدیث پڑھی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الغیبة اشد من الزنا (فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے) مولانا رضی الدین پر اگرچہ بیماری کا غلبہ تھا (مگر انہوں نے ان عالم سے پوچھا کہ یہ حدیث بیان کرنے کا کون سا موقع تھا کیونکہ نہ تو اس وقت زنا کا ذکر ہوا تھا نہ غیبت کا کس وجہ سے یہ حدیث آپ نے پڑھی؟ ان عالم نے جواب دیا کہ میرا مقصد تو جہہ اور غیر تو جہہ نہیں تھا۔ میں نے تو یہ سن رکھا تھا کہ جو کسی بیمار کے سر ہانے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثوں میں سے ایک حدیث پڑھے گا، وہ مریض صحت پائے گا۔ یہ حدیث جو متواتر ہے اور صحیح ہے آپ کی صحت کی نیت سے پڑھی ہے۔ مولانا رضی الدین نے پھر کچھ نہ کہا اور اس بیماری سے صحت پائی۔

پھر اللہ کے حکم پر راضی رہنے اور تسلیم (اطاعت قبول کر لینے سرخشا لینے) کا ذکر

آیا۔ اس وقت یہ حکایت بیان فرمائی کہ کوئی درویش بیٹھ ہوئے تھے کہ ایک مکھی آئی اور ان کی ناک پر بیٹھ گئی ان درویش نے اپنی ناک پر سے مکھی کو اڑا دیا۔ مکھی پھر آئی اور ان کی ناک پر بیٹھ گئی انھوں نے پھر اڑا دیا وہ پھر آکر بیٹھ گئی۔ انھوں نے پھر اڑ دیا۔ درویش بولے بار خدایا میں چاہتا ہوں کہ مکھی میری ناک پر نہ بیٹھے اور تو چاہتا ہے کہ بیٹھے۔ میں اپنی مرضی کو چھوڑتا ہوں اور جو کچھ تیری مرضی ہو اس کے لیے تیار ہوں۔ اس کے بعد میں اپنی ناک پر سے مکھی نہیں اڑاؤں گا۔ جب انھوں نے یہ کہا تو اس کے بعد مکھی ان کی ناک پر نہیں بیٹھی۔

گیارہویں مجلس

اسی سال جہاد الاولیٰ کے مہینے کی بیس تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ بات یہ نکلی کہ بعض توبہ کرنے والوں سے توبہ کے بعد (بھی) لغزش ہو جاتی ہے۔ اگر سعادت باقی ہوتی ہے تو پھر توبہ کی دولت مل جاتی ہے۔ اس حال کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک گانے والی قمر نام کی تھی حسن و جمال کمال کا رکھتی تھی آخر عمر میں توبہ کر لی اور جاکر شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر محمد سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز کی مرید ہو گئی۔ وہاں سے کعبے کی زیارت کو گئی جب واپس ہوئی تو ہمدان پہنچی۔ ہمدان کے والی (حاکم) کو اس کے آنے کی خبر لگی (تو) کسی کو اس کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ میرے سامنے آکر گاؤ۔ اس عورت نے جواب دیا میں نے اس کام سے توبہ کر لی ہے۔ اور کعبے کی زیارت کر لی ہے۔ آئندہ یہ کام

نہیں کروں گی۔ ہمدان کے والی نے ایک نہ سنی اور سختی برتی۔ وہ عورت ناچار شیخ یوسف ہمدانی کی خدمت میں گئی اور صورت حال بیان کی۔ شیخ بولے اچھا اب تو جاؤ۔ میں آج رات کو تمہارے کام کے لیے مشغول ہوں گا اور کل صبح جواب دے سکوں گا۔ جب صبح ہوئی تو وہ عورت شیخ کی خدمت میں آئی شیخ نے فرمایا کہ تقدیر کے خزانے میں تیرا ایک گناہ اور باقی ہے عورت مجبور ہو کر رہ گئی۔ اور ہمدان کے حاکم کے آدمیوں نے اسے پھوڑا نہیں حاکم کے سامنے لے گئے جب جنگ دبا جا رہا لایا گیا اور اس کو دیا گیا تو عورت نے جنگ کو درست کر کے گانا شروع کیا۔ چند شعرا اس نے ایسے گائے کہ سب پر اثر ہوا۔ پہلے حاکم ہمدان نے توبہ کی اس کے بعد مجلس میں جو بھی تھا تائب ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

بارہویں مجلس

اسی سال رجب کے مبارک مہینے کی چھٹی تاریخ منگل کو ہاتھ جو منے کی سعادت میسر آئی۔ قاضی قطب الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کے علم اور دیانت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ وہ ملتان میں ہوئے ہیں اور ان کا علیحدہ مدرسہ تھا۔ شیخ بہار الدین زکریا علیہ رحمۃ روزانہ صبح وہاں حاضر ہوتے اور نماز وہیں ادا کرتے۔ ایک روز مولانا قطب الدین نے ان سے پوچھا کہ اپنے ہاں سے اتنی دور آکر کیوں میری اقتدا کرتے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں اس

۱۔ ان کا مدرسہ نامہ الدین قباچہ، والی ملتان نے بنوایا تھا۔ ۶۳۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ قاضی محی الدین کاشانی ان کی اولاد میں تھے۔ سیر الاولیاء صفحہ ۵۶۔

حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ من مصلی خلف عالم تقی فکانما مصلی خلف نبی مرسل جس نے متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی وہ ایسا ہے جیسے اس نے کسی نبی مرسل کے پیچھے نماز ادا کی (اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالغیر نے فرمایا کہ میں نے یہ بھی سنا ہے۔ اور ذمے داری روایت کرنے والے پر ہے کہ ایک روز شیخ بہار الدین زکریا وہاں حاضر ہوئے۔ قاضی قطب الدین صبح کی نماز میں امامت کر رہے تھے۔ ایک رکعت پڑھ چکے تھے۔ شیخ دوسری رکعت میں پہنچے اور شریک ہو گئے۔ جب قاضی قطب الدین التمیات میں بیٹھے تو اس سے پہلے کہ سلام پھیریں شیخ بہار الدین کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی نماز پوری کی جب نماز سے فارغ ہو گئے تو قاضی قطب الدین نے شیخ سے کہا کہ نماز کے سلام سے پہلے کیوں کھڑے ہو گئے۔ ممکن تھا کہ امام سے

سہو ہوا ہوتا اور وہ مسجد سہو کرنا چاہتا۔ جب آپ سلام سے پہلے ہی کھڑے ہو گئے تو مسجد سہو نہیں کر سکتے تھے شیخ نے فرمایا کہ اگر کسی کو نور باطن سے معلوم ہو جائے کہ امام سے کوئی سہو نہیں ہوا ہے تو اس کا کھڑا ہو جانا جائز ہے۔ قاضی قطب الدین بولے کہ ہر وہ نوز جو شرع کے احکام کے موافق نہ ہو وہ ظلمت (اندھیرا) ہے! القصد اس طرح کہا کہ اس کے بعد شیخ وہاں حاضر نہ ہوئے۔

اسی طرح یہ حکایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ قاضی قطب الدین سے کہا گیا کہ آپ درویشوں سے اعتقاد نہیں رکھتے۔ بولے جیسے درویش میں نے دیکھے ہیں دوسروں کو ویسا نہیں پاتا۔ پھر فرمایا کہ میں ایک دفعہ کاشغر میں تھا ایک چھوٹی قلم تراش چھری میرے پاس تھی۔ وہ ٹوٹ گئی۔ اس کو بازار میں لے گیا اور چھری بنانے والوں کو دکھایا اور کہا کہ اس چھری کو ویسا ہی بنا دو جیسی (پہلے) تھی۔ سب نے کہا کہ

ویسی تو نہیں ہو سکتی۔ (بننے کے بعد) تھوڑی سی چھوٹی ہو جائے گی۔ یعنی پیچھے کا حصہ جب آگے لیا جائے گا اور دستے میں بھی استعمال کریں گے تو ایسی صورت میں کچھ کم ہو ہی جائے گی۔ میں نے کہا کہ نہیں جیسی تھی ویسی ہی بننی ضروری ہے ان سے تو نہ ہو سکا لیکن مجھے پتہ بتا دیا کہ فلاں دکان میں جاؤ۔ وہاں ایک بڑے میاں چھری بنانے والے ہیں۔ بڑے بزرگ اور باصلاحیت آدمی ہیں۔ ان کے پاس لیجاؤ۔ شاید تمہارا مقصد حاصل ہو جائے۔ قاضی قطب الدین نے کہا کہ میں اس پتے پر ان کے پاس پہنچا۔ بڑے میاں کو دیکھا اور چھری کا قصہ سنایا۔ انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو دوسرے دے چکے تھے کہ تھوڑی سی چھوٹی ہو جائے گی۔ میں نے کہا کہ مجھے تو بالکل اسی طرح کی چاہیے جیسی پہلے تھی۔ بڑے میاں نے کچھ دیر تامل کیا۔ اور پھر مجھ سے بولے اچھا آنکھیں بند کر لو۔ قاضی قطب الدین نے فرمایا کہ میں نے آنکھیں بند کر لیں لیکن کنکھیوں سے میں نے دیکھا کہ ان بڑے میاں نے ٹوٹی ہوئی چھری کو اٹھایا اور اپنی دائرہ کی قریب لاکر آسمان کی طرف رخ کیا اور پیچھے سے کچھ کہا۔ پھر مجھ سے بولے آنکھیں کھول لو۔ میں نے آنکھیں کھول لیں تو وہ چھری میرے سامنے ڈال دی۔ بالکل اسی شکل (روسانڈز) کی جیسے پہلی تھی درست اور مکمل ہو گئی تھی۔

قاضی قطب الدین کا شانی کی ایک اور حکایت اسی طرح کی بیان فرمائی کہ جب وہ دہلی آئے تو ایک دفعہ ان کو سلطان شمس الدین کے محل میں بلایا گیا۔ تشریف لے گئے اس وقت سلطان خرم گاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ سید نور الدین مبارک علیہ الرحمۃ خرم گاہ کے ایک جانب تشریف فرما تھے اور قاضی فخر الائمہ دوسری

جانب اور وہ دونوں ہی خرم گاہ سے باہر تھے جب قاضی قطب الدین تشریف لائے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں بیٹھیں گے؟ انھوں نے کہا علوی کے ہاتھ کے نیچے۔ القصد جب سلطان کے قریب پہنچے اور سلام کیا تو سلطان کھڑا ہو گیا اور ان کا ہاتھ تھام کر خرم گاہ کے اندر لے گیا اور اپنے قریب بٹھایا۔

پھر شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ جب وہ بدلوں پہنچے تو کچھ عرصے وہاں مقیم رہے شاید ایک روز کسی کام سے قاضی کمال الدین جعفری کے ہاں جو بدایوں کے حاکم تھے تشریف لائے۔ نوکر چپا کر جو دروازے کے سامنے بیٹھے تھے۔ بولے کہ

قاضی صاحب اس وقت نماز پڑھ رہے ہیں شیخ مسکرائے اور یہ بات کہی کہ کیا قاضی کو نماز پڑھنی آتی ہے؟ الغرض جب شیخ واپس چلے گئے تو یہ خبر قاضی (صاحب) کو پہنچائی گئی کہ شیخ نے ایسی ایسی بات کہی ہے، دوسرے روز قاضی کمال الدین شیخ کی خدمت میں آئے اور معذرت کرنے لگے اور یہ بات بھی پوچھی کہ آپ نے کیسے فرمادیا کہ قاضی نماز پڑھنی جانتا بھی ہے؟ میں نے تو نماز اور اس کے احکام کے بارے میں کئی کتابیں لکھی ہیں شیخ نے فرمایا کہ ہاں! علماء کی نماز اور ہے اور فقیروں کی نماز اور! قاضی نے پوچھا کیا فقرارکوع اور سجدے دوسری طرح کرتے ہیں؟ یا قرآن کسی اور طریقے سے پڑھتے ہیں؟ شیخ نے فرمایا کہ نہیں۔ علماء کی نماز اس طرح ہوتی ہے کہ کعبے پر نظر رکھتے ہیں اور پھر نماز پڑھتے ہیں اور اگر کعبہ نظر میں نہیں ہوتا تو چہرہ اس کی طرف کر لیتے ہیں اور اگر ایسی جگہ ہوں جہاں سمت معلوم نہ ہو سکے تو اندازہ کر لیتے ہیں۔ علماء کا قبلہ ان تین چیزوں سے باہر نہیں ہے۔ لیکن فقرار جب تک عرش کو نہیں دیکھ

لیتے نماز نہیں پڑھتے۔ قاضی کمال الدین کو اگرچہ یہ بات ناگوار گزری مگر کچھ بولے نہیں وہاں سے واپس آگئے جب رات ہوئی تو قاضی کو خواب میں دکھایا گیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز عرش پر مصلّا بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں! دوسرے دن یہ دونوں بزرگ ایک مجمعے میں موجود تھے۔ شیخ جلال الدین اس طرح گویا ہوئے کہ ارے فلا نے! علماء کا کام اور مرتبہ تو معلوم ہے کہ ان کی ہمت اور پہنچ درس دینے تک ہے۔ (اور بہت سے بہت یہ) چاہتے ہیں کہ مدرس بن جائیں یا قاضی (جج) ہو جائیں یا صدر جہاں ہو جائیں۔ ان کا مرتبہ اس سے اونچا نہیں ہوتا لیکن درویشوں کے مرتبے بہت ہیں (ان میں سے) پہلا درجہ تو وہی ہے جو قاضی کو گزشتہ رات دکھایا گیا! قاضی کمال الدین نے جب یہ بات سنی تو اٹھے اور سامنے آکر بڑی معذرت کی اور شیخ سے معافی چاہی اور اپنے لڑکے کو جس کا برہان الدین لقب تھا شیخ کے قدموں میں ڈال دیا اور مرید کمرایا اور شیخ سے کلاہ حاصل کی۔

تبرہوں کی مجلس

اسی سال رجب کے مبارک مہینے کی دسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ تحمل رہا۔ داشت کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ خلقت کا معاملہ تین طرح کا ہے پہلی قسم یہ ہے کہ آدمی سے نہ تو کسی کو فائدہ پہنچے نہ نقصان! ایسے لوگوں کا حال جادو پھر وغیرہ جیسا ہے دوسری قسم وہ ہے اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے نقصان نہیں۔ یہ (ذرا) بہتر ہے۔ تیسری قسم ان دونوں سے اچھی ہے اور وہ ایسے آدمیوں کی ہے جن سے دوسروں کو فائدہ (تو) پہنچتا رہی ہے لیکن اگر کوئی انہیں نقصان پہنچاتا ہے تو وہ اس کا بدلہ نہیں لیتے اور برداشت سے کام لیتے ہیں اور یہ صدیقوں کا کام

چودھویں مجلس

اسی سال شعبان کے مبارک مہینے کی اٹھارویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ بات یہ نکلی کہ ناموں میں اچھا نام کون سا ہے؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا احب الاسماء عند اللہ عبد الرحمن میں اور اس کے بعد فرمایا اصدق الاسماء صب سے پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن میں اور اس کے بعد فرمایا اصدق الاسماء الحسانات۔ صب سے سچا نام حارث ہے۔ اس وقت فرمایا کہ ناموں میں صحیح ترین حارث (بونے والا) اس وجہ سے ہے کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ ہوتا ہے چاہے طاعت سے چاہے گناہ سے اس کے بعد فرمایا کہ کذب الاسماء الماک والخالد سب سے جھوٹے نام مالک اور خالہ ہیں کیوں کہ مالک تو خداوند تعالیٰ ہے اور خالہ ہمیشہ رہنے والا جاوید ہمیشہ رہنے والا بھی وہی ہے۔

پندرھویں مجلس

اسی سال رمضان المبارک کی پانچویں تاریخ جمعرات کو دست بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ صحبت کے اثر کا ذکر آیا فرمایا کہ ایک دفعہ نصیر نامی کوئی طالب علم شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور یہ طالب علم شاید تجارت کی نیت رکھتا تھا۔ القصد جب شیخ کی خدمت میں پہنچا تو ارادت ظاہر کر کے مرید ہوا۔ اور اس نے سر کے بال بڑھادے تھے کہ ایک روز کوئی جوگی آپہنچا یہ طالب علم اس جوگی

سے پوچھنے لگا کہ سر کے بال کس چیز سے لمبے ہوتے ہیں؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ جب میں نے سنا کہ وہ جوگی سے سر کے بال بڑھانے کے لیے پوچھ رہا ہے اور اس کی دوا مانگتا ہے تو میرے جی میں کراہیت آئی۔ اس وجہ سے کہ جو شخص بیعت کرتا ہے۔ وہ بال بڑھانے کے لیے دوا کا طلب گار کیوں ہوتا ہے اور یہ بھی کہ سر کے بال اُتروانے میں غرض یہ ہوتی ہے کہ آدمی میں سے رعونت جاتی رہے۔ پس بالوں کی لمبائی سے کیا حاصل؟ الغرض جب کچھ وقت گزر گیا تو خواجہ معین الدین سبزی رحمۃ اللہ علیہ کے فیصے (نوا سے یا پوتے) خواجہ وحید الدین شیخ کبیر (حضرت بابا فریدؒ) کی خدمت میں آئے اور ارادت اور بیعت کی اجازت طلب کی۔ اور سر منڈانے کی رسم پر بھی عمل کرنا چاہا۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے یہ نعمت آپ کے گھرانے ہی سے ملی ہے۔ میرے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ کو بیعت کروں۔ خواجہ وحید الدین نے بڑی منت سماجت کی کہ میں تو ضرور مرید بنوں گا۔ (چنانچہ) حضرت شیخ نے ان کو ہاتھ دیا مرید کر لیا اور فرمایا کہ سر منڈاؤ! القصد اس روز جب کہ خواجہ وحید الدین نے سر منڈا لیا تو ان کی موافقت میں مولانا نصیر الدین نے بھی جو سر کے بال بڑھانے کے لیے دوا مانگ رہے تھے۔ سر منڈا لیا۔

پھر مُردوں کے لیے دعا کا ذکر آیا بندے نے عرض کی کہ (یہ جو) قروں پر قرآن اور دعائیں لکھتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟ فرمایا کہ نہیں لکھنا چاہئے۔ اور کفن کے کپڑے پر بھی نہیں لکھنا چاہیے۔

سولہویں مجلس

اسی سال شوال کے مہینے کی اٹھارویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت

ہاتھ آئی۔ مولانا برہان الدین بلخی علیہ الرحمۃ کی بزرگی کا ذکر آیا حکایت بیان فرمائی کہ مولانا برہان الدین بلخی نے بیان کیا ہے کہ میں چھوٹا سا تھا اندازہ پانچ چھ سال یا کچھ کم زیادہ رہا ہوں گا اپنے والد کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ مولانا برہان الدین مرغینانی جنھوں نے کتاب ہدایہ لکھی ہے نمودار ہوئے میرے والد مجھے ایک جگہ چھوڑ کر اور ان سے بچ کر دوسرے کوچے میں چلے گئے۔ جب مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری قریب آئی تو میں سامنے گیا اور سلام کیا انھوں نے مجھے گھور کر دیکھا اور یہ بات کہی کہ میں اس بچے میں علم کا نور دیکھتا ہوں! میں نے ان کا یہ ارشاد سنا اور ان کی سواری سے آگے چلنے لگا۔ انھوں نے پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے یوں کہلواتا ہے کہ یہ بچہ اپنے وقت میں علامہ عصر ہوگا! مولانا برہان الدین بلخی کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات سنی اور اسی طرح آگے چلتا رہا۔ مولانا برہان الدین مرغینانی نے پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے یوں کہلواتا ہے کہ یہ بچہ ایسا بزرگ ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر آئیں گے خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے جب یہ حکایت پوری فرمادی تو زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ مولانا برہان الدین بلخی میں وہ علم کے ساتھ کمال صلاحیت بھی تھا اتنا کہ بار بار فرماتے کہ خدائے عزوجل مجھ سے کسی کبیرہ گناہ کے بارے میں ہیں پوچھے گا۔ پھر خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے مسکرا کر فرمایا کہ مولانا برہان الدین نے جب یہ بات کہی کہ خدائے عزوجل مجھ سے کسی کبیرہ گناہ کے بارے میں نہ پوچھے گا تو یہ

۱۔ نماز جمعہ کے بعد غیث الدین بلخی، مولانا برہان الدین بلخی سے ملنے ان کے گھر جایا کرتا تھا۔ تاریخ فیروز شاہی برنی - صفحہ ۴۶۔

بھی کہا کہ سوائے ایک کبیرہ کے! ان سے پوچھا گیا کہ وہ کبیرہ (گناہ) کون سا ہے ؟
 فرمایا کہ چنگ کا سماع کہ وہ میں نے بہت سنا ہے اور مل جائے تو اب بھی سنوں !
 اس حکایت کی مناسبت سے سماع کا تذکرہ آیا۔ ارشاد ہوا کہ اس شہر میں سماع
 کا سکہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے چلا یا اور قاضی منہاج الدین
 نے بھی۔ وہ بھی جب قاضی بنے اور صاحب سماع ہوئے تو ان کی وجہ سے اس
 کام میں استقامت آئی۔ لیکن قاضی حمید الدین ناگوری اس کے باوجود مخالف
 ان سے دشمنی اور جھگڑا کرتے تھے اپنی بات پر جمے رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ
 کوشک سفید سفید محل کے پاس کسی مکان میں ان کی دعوت کی گئی۔ شیخ قطب الدین بختیار
 قدس اللہ سرہ العزیز اور دوسرے بزرگ بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔ مولانا
 رکن الدین سمرقندی کو خبر لگی کہ یہاں سماع (توالی) ہے۔ وہ اس کے زبردست
 مخالف تھے۔ اپنے گھر سے خدمت گاروں اور متعلقین کے ساتھ روانہ ہوئے تاکہ
 اس گھر میں جائیں اور سماع کو منع کریں۔ قاضی حمید الدین کو صورت حال کی اطلاع
 دی گئی۔ انھوں نے مالک مکان سے کہا کہ تم کہیں چھپ جاؤ۔ تمہیں کتنا ہی بلائیں
 تم سامنے مت آنا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ
 دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھول دیا کہ اور سماع شروع ہوا۔ مولانا
 رکن الدین سمرقندی جب اپنے حالی موالیوں کے ساتھ مکان کے دروازے پر پہنچے تو پوچھا کہ
 مالک مکان کہاں ہے ؟ کہا گیا کہ مالک مکان موجود نہیں ہے دوبارہ پوچھا گیا اور بہت
 کچھ ڈھونڈ بھال (کی گئی) اور اصرار ہوا کہ گھر والا کہاں ہے مگر یہی بتایا گیا کہ ہمیں کیا خبر
 کہاں ہے! رکن الدین سمرقندی نے جب مالک مکان کو نہ پایا تو دروازے سے لوٹ
 گئے۔ خواجہ ذکرة اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو تبسم فرمایا اور کہا کہ قاضی حمید الدین

ناگوری نے اچھی ترکیب کی کہ مالک مکان کو غائب کر دیا۔ کیوں کہ مالک مکان کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اس لیے اگر رکن الدین سمرقندی بے اجازت اندر آتے تو وہ خود پکڑ میں آجاتے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بھائیوں نے بھی قاضی حمید الدین ناگوری سے جھگڑا کیا تھا چنانچہ ایک دفعہ مولانا شرف الدین بحر ی بیمار ہوئے۔ قاضی حمید الدین اس صفائے قلب کی وجہ سے جو رویشوں کی صفت ہے بیمار پرہی کے لیے مولانا شرف الدین کے دروازے پر آئے ان کو خبر کی گئی کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ آئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ کیا وہی آئے ہیں جو خدا کو معشوق کہتے ہیں۔ میں ان کا منہ نہیں دیکھوں گا۔ القصد ان کو اندر نہ آنے دیا گیا۔ اس موقع پر بندے نے عرض کی کہ کیا اس (لفظ معشوق سے محبوب مراد ہے خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے فرمایا کہ اس بارے میں بہت سی باتیں ہیں۔ لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی اپنے گھر کے اندر بیٹھ کر کچھ کہہ لے تو اس کے بارے میں کیا کہیں!

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ قاضی حمید الدین ناگوری اور قاضی کبیر اور مولانا برہان الدین بلخی تینوں کہیں ساتھ جا رہے تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوری خچر پر سوار تھے۔ اور وہ لوگ اونچے اچھے گھوڑوں پر۔ القصد اس دوران مولانا کبیر الدین نے قاضی حمید الدین سے کہا کہ مولانا آپ کا مرکب (سواری کا خچر) بہت صغیر (چھوٹا) ہے خواجہ حمید الدین نے کہا (مگر) کبیر (بڑے) سے بہتر ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالآخر نے تبسم فرمایا اور کہا دیکھو کیسا جواب دیا کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب قاضی حمید الدین کے سامع کا بہت چہرچا ہوا تو اس زمانے

مذکر کے قاضی بحری کہلاتے تھے۔

کے مخالفین نے بڑے فتوے مانگے اور جواب لیے اور سب نے لکھا کہ سماع حرام ہے ایک فقیہہ (مفتی) تھے جن کا قاضی حمید الدین کے یہاں بھی آنا جانا تھا۔ شاید انھوں نے بھی اس فتوے پر کچھ تحریر کیا۔ اس کی خبر قاضی حمید الدین کو پہنچائی گئی اس دوران یہ فقیہہ قاضی حمید الدین کی خدمت میں آئے۔ قاضی صاحب نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تم نے بھی اس کا جواب لکھا ہے۔ فقیہہ ذرا شرمندہ سے ہوئے اور بولے جی ہاں لکھا ہے! خواجہ ذکرو اللہ بالآخر نے فرمایا کہ اس روز قاضی حمید الدین نے بھی اپنا ایک راز ظاہر کر دیا۔ الغرض جب ان فقیہہ نے کہا کہ جی ہاں میں نے لکھا ہے قاضی حمید الدین بولے کہ وہ سب مفتی جنھوں نے جواب لکھا ہے میرے نزدیک ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہیں۔ تم پیدا تو ہو گئے ہو لیکن ابھی بچے ہو! یہاں سے قاضی حمید الدین ساری کلی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ انھوں نے کہا ہے

میں جو اس شہر میں آیا ہوں تو قاضی حمید الدین ناگوری کے اشتیاق میں آیا ہوں لیکن جب میں پہنچا تو وہ پہلے ہی انتقال فرما چکے تھے۔ ایک روز انھوں نے قاضی حمید الدین کے مجموعات (نگارشات) کو اپنے سامنے طلب کیا اور ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگے جو انھوں نے سلوک پر لکھی ہیں۔ مطالعے کے بعد طالب علموں کی طرف جو ان کے اطراف حاضر تھے رخ کر کے بولے کہ تم جو کچھ پڑھتے ہو وہ انہی کا غذا میں موجود ہے۔ اور جو کچھ نہیں پڑھا ہے وہ بھی ان میں ہے اور میں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ بھی ان میں ہے اور جو کچھ میں نے نہیں پڑھا وہ بھی میں نے۔

۱۔ نذریکلہ حسن ابدال اور راولپنڈی کے درمیان ہے۔ وفات یکم رمضان ۶۵۷ھ طبعات

نامری صفحہ ۲۲۶۔

سنہ ۷۵۰ میں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی ساتویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ اولیائے حق اور لوگوں کے ساتھ ان کے کھرے معاملات اور پھر اس کے نتائج کا ذکر نکلا۔ اس وقت حکایت بیان فرمائی کہ مینا پور میں ایک بزرگ تھے جنہیں ابوالعباس قصاب پکارا حبا تاسف۔ ایک دفعہ ان ابوالعباس کے والد کہیں سفر کو گئے گھر میں بہت سی بھیڑیں تھیں۔ ابوالعباس سے کہا کہ میرے آنے تک تم ان بھیڑوں کو کاٹ کر ان کا گوشت بیچ دینا اور پیسے جمع رکھنا۔ الفطہ سے کچھ عرصے بعد ان کے والد واپس آئے تو ہڈیوں کا ایک ڈھیر دیکھا بیٹے سے پوچھا کہ یہ ہڈیوں کا ڈھیر کیسا ہے؟ ابوالعباس نے جواب دیا کہ بھیڑوں کی ہڈیاں ہیں جن کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ ذبح کر دینا اور گوشت بیچ دینا۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ان کے باپ نے کہا کہ ہڈیاں کیوں نہیں بیچیں؟ بولے لوگ میرے پاس گوشت خریدنے آتے ہیں۔ میں ہڈیاں کیسے بیچوں؟ باپ ان کی اس بات سے رنجیدہ ہو گئے اور کہا کہ تم نے یہ کیا غضب کیا۔ میرا پیسہ برباد کر دیا۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی باتیں کہیں اسی درمیان ابوالعباس نے پوچھا کہ آپ کا کتنے روپے کا نقصان ہوا ہے؟ ان کے والد نے غصے اور حقارت سے کہا کہ تم نے میرے بیس ہزار دینار کم کر دیئے! ابوالعباس نے جب یہ بات سنی تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھالیے۔ اسی وقت ایک تحصیل غیب سے ان کے ہاتھ میں آگئی انہوں نے اپنے باپ کے سامنے رکھ دی۔ جب اسے کھولا تو بیس ہزار دینار تھے۔ جب یہ حکایت پوری ہو گئی تو بندے نے عرض کی کہ جلال قصاب متقدمان (پیرانے لوگوں) میں سے تھے فرمایا کہ نہیں۔ جلال

قصاب متاخران (بعد کے لوگوں) میں سے تھے۔ بندے نے عرض کی کہ یہ شعر۔
 من پور قصابم سخنم پوست کشند ما ست من پوست کشم ہر کہ بازار من آید !
 (میں قصابی کا بیٹا ہوں۔ میری بات بھی پھل پھلائی ہے۔ میرے بازار میں جو بھی آتا ہے
 میں اس کی کھال کھینچ لیتا ہوں)

کیا جلال قصاب کا ہے؟ فرمایا۔ ہاں اس وقت فرمایا کہ دہلی میں بھی ایک قصاب تھے۔

اولیٰ حق میں سے۔ نوہٹے کے قریب (رہتے تھے)۔ مخلوق ان سے نعمت حاصل
 کرتی تھی۔ قاضی فخر الدین ناقلہ شروع حال میں ان کے پاس بہت جاتے تھے۔ یہاں
 تک کہ ایک دفعہ ان قصاب نے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ قاضی فخر الدین نے کہا کہ میری
 تمنا ہے کہ قاضی (جج) ہو جاؤں۔ بولے جاؤ۔ قاضی بن جاؤ گے (چنانچہ) وہ قاضی ہو گئے
 اس کے بعد فرمایا کہ ایک اور شخص بھی ان قصاب کے پاس آیا اس سے بھی انھوں نے
 پوچھا کہ کیا تجھے بھی کچھ چاہیے؟ بولا میری تمنا تو یہ ہے کہ امیرداد بن جاؤں۔ اس
 شخص سے بھی انھوں نے کہا کہ جا امیرداد ہو جائے گا۔ وہ امیرداد ہو گیا۔ اس موقع
 پر فرمایا کہ مولانا وجیہ الدین حسام کا بھی ابتداء میں ان کے پاس آنا جانا تھا ایک دفعہ
 ان سے پوچھا کہ تمہیں کیا چاہیے؟ مولانا وجیہ الدین نے کہا کہ مجھے علم چاہیے۔ وہ بھی ان
 کے ارشاد کے مطابق عالم بن گئے۔ ایک اور صاحب بھی ان قصاب سے جان
 پہچان رکھتے تھے ایک روز ان صاحب سے پوچھا کہ تمہیں کیا درکار ہے؟ ان صاحب
 نے کہا مجھے تو محبت حق سے تعلق چاہیے۔ یہ بھی واصلان (الہی) میں سے ہو گئے
 اس وقت خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے ان قصاب کو دیکھا تھا۔

علامہ امیرداد ایک عہدہ تھا۔

اٹھارویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی بائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت

حاصل ہوئی۔ علویوں کا ذکر نکلا۔ بندے کے دل میں عرصے سے ایک بات تھی۔ اس روز اس کو عرض کیا۔ اور وہ بات یہ تھی بعض علویوں سے سنا گیا ہے کہ مصطفیٰ علیہ السلام نے ایک خط تحریر فرمایا تھا کہ میرے بعد اگر میرے فرزند ان پاپاں تو مسلمانوں کو فروخت (بھی) کر سکتے ہیں! ابو بکر صدیق یا عمر خطاب رضی اللہ عنہما نے یہ خط پھاڑ ڈالا کیا یہ بات سچی ہے؟ فرمایا کہ نہیں۔ یہ ذکر کسی کتاب میں نہیں آیا ہے البتہ ان کو عزیز رکھنا اور فرزند ان رسول علیہ السلام کو بزرگ سمجھنا واجب ہے اس کے بعد فرمایا کہ جو کوئی آل رسول میں سے ہے۔ اس سے کوئی ناشائستہ بات (وجود میں نہیں آ سکتی اور آتی بھی نہیں!

اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ سمرقند میں ایک صحیح نسب کے علوی سید تھے وہ وہاں کے سید اجل (سب سے بزرگ) سید تھے۔ کتاب نافع انہی کی (تصنیف) ہے۔ الغرض ان کے گھر میں ایک لونڈی تھی۔ اس لونڈی کے ہاں ایک لڑکا ہوا۔ یہ لڑکا کم و بیش پانچ چھ سال کا ہو گا کہ ایک روز کوئی سقہ مشک بھر کر لایا۔ اور پانی ڈال کر باہر چلا گیا۔ دوبارہ بھی اسی طرح پانی سے مشک بھر کر لایا۔ اس دفعہ مشک میں چھید ہو گیا تھا اور تھوڑا تھوڑا پانی ٹپک رہا تھا۔ ان بزرگ سید صاحب نے پوچھا کہ اس مشک کو کیا ہوا؟ سقہ بولا کہ میں اس مشک کو پانی سے بھر کر لا رہا تھا آپ کے صاحبزادے نے ایک چھوٹی سی تیر کمان بنائی ہے۔ انھوں

نے تیر چلایا تو اس شک میں ذرا سا سوراخ ہو گیا۔ سید اجل نے جب یہ بات سنی تو گھر کے اندر آئے۔ لونڈی کو پکڑا اور تلوار کھینچ کر بولے تجھ سے ایک بات پوچھنی چاہتا ہوں۔ اگر سچ سچ نہ بتائے گی تو تجھے مار ڈالوں گا اور وہ بات یہ ہے کہ ٹھیک بتا تو نے جو لڑکا جنا ہے۔ یہ کس کا ہے؟ لونڈی نے پہلے تو پھپھایا مگر پھر ڈر گئی اور بولی کہ یہ لڑکا میں نے فلاں غلام کا جنا ہے سید اجل نے جب یہ بات سنی تو باہر آئے اور اس لڑکے کی جو دو چوٹیاں بنا رکھی تھیں انہیں ایک چوٹی کر دیا۔ الغرض جعفر علیہ السلام کی آل میں ہوتا ہے اس سے اس طرح کی حرکت سرزد نہیں ہوتی۔

اس کے بعد دوسری حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں ایک علوی رسید تھے ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ شاید اس روز چاند (برج) عقرب میں تھا چنانچہ جیسا کہ عوام کی رسم ہے ایسے بچے کی ولادت کو منخوس اور بُرا سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اسے ایک مہتر کو دے دیا گیا۔ وہ مہتر اسے لے گیا اور پالا پوسا۔ چار پانچ سال بعد اس لڑکے میں ایک نور اور جمال پیدا ہوا کسی نے ماں باپ سے آکر کہا کہ ذرا دیکھو تو کہ بیٹا کیسا نکلا ہے۔ ماں باپ اس لڑکے کو پھر اپنے پاس لے آئے۔ قرآن پڑھایا اور علم و ادب سکھایا۔ القصہ خواجہ ذکریہ اللہ بالینے نے فرمایا کہ میں نے ان علوی رسید صاحب کو دیکھا ہے بڑے باوقار اور خوبصورت تھے جب یہ سید متبحر عالم ہو گئے تو اکثر بدایوں والوں نے ان کی شاگردی اختیار کی۔ بڑی صلاحیت اور ادب کے آدمی تھے۔ چنانچہ جو بھی دیکھتا اس کو پتہ چل جاتا کہ یہ آل رسول علیہ السلام سے ہیں۔

سورہ قدیم۔ مانے میں سیدوں کی ایک شناخت یہ ہوتی تھی کہ سید سر پر بال رکھتے تھے اور بچوں کے بالوں کی دو چوٹیاں گوندھ دی جاتی تھیں۔

پھر مشغول رہی، درویشوں کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ میں نے بدرالدین اسحقؒ سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوئی صوفی شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا۔ بڑا عجیب درویش تھا۔ رات دن مشغول بحق رہتا چنانچہ اس کے کپڑے بہت میلے ہو گئے میں نے اس سے کہا کہ کپڑے دھوئے کیوں نہیں؟ (تو) کچھ جواب نہ دیا۔ چند روز بعد میں نے پھر کہا کہ کپڑوں کو دھوئے کیوں نہیں؟ اور اس دفعہ سختی سے کہا تو مجھ سے کہنے لگا کہ مجھ کو کپڑے دھونے کی فرصت کہاں ہے؟ اور یہ بات بڑی عاجزی سے کہی۔ اس موقع پر بدرالدین اسحقؒ نے فرمایا کہ مجھے جب بھی اس کا جواب یاد آتا ہے تو جس بے چارگی سے اس نے کہا تھا کہ مجھے کپڑے دھونے کی فرصت کہاں ہے اسے یاد کر کے، مجھ پر بے ہوشی سی طاری ہو جاتی ہے۔

پھر درویشوں کے ذوق و شوق اور سالکوں کے غلبہ اشتیاق کا ذکر آیا۔ اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ لاہور میں ایک وعظ کہنے والے عالم تھے۔ ان کے بیان میں بڑا اثر تھا۔ ایک روز لاہور کے قاضی کے پاس آئے اور بولے کہ مجھے کعبے کی زیارت کی آرزو ہے۔ جانے کی اجازت دیجئے۔ قاضی نے جواب دیا کہ کہاں جاتے ہیں آپکے وعظ و نصیحت سے خلق کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ عالم جانے سے رک گئے اور جب دوسرا سال آیا تو پھر قاضی کے پاس پہنچے اور اجازت مانگی۔ قاضی نے انہیں کچھ دیا اور کہا کہ کہاں جاتے ہیں! یہ عالم پھر ٹھہر گئے۔ تیسرے سال پھر قاضی کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھ پر کعبے کا اشتیاق بہت غالب ہے۔ جانے کی اجازت دیجئے۔ اس دفعہ قاضی نے کہا کہ اچی حضرت اگر آپ پر کعبے کا اشتیاق واقعی، غالب ہوتا تو نہ اجازت مانگتے نہ مشورہ کرتے (بس)

جل پڑتے۔ اس موقع پر خواجہ ذکرو اللہ بالجبر نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ عشق مشورت نیست۔ عشق میں مشورہ نہیں ہوتا !

انیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی کشف و کرامت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ اب سے پہلے اندر پت میں ایک خاتون تھیں انھیں بی بی فاطمہ سام کہتے تھے، بڑی صلاحیت والی اور بزرگ، بوڑھی ہو گئی تھیں۔ میں نے ان کو دیکھا تھا۔ بڑی بزرگ خاتون تھیں، ہر چیز کے حسبِ حال خوب شعر پڑھتی تھیں۔ ان کے یہ دو مصرعے مجھے یاد ہیں۔

ہم عشق طلب کنی وہم جاں خواہی ہر دو بلی دلی میسر نشود
(عشق کے بھی طلب گار ہو اور جان بھی چاہتے ہو۔ دونوں مانگتے ہو مگر دونوں) میسر نہ ہوں گے) اس موقع پر فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کو ان بی بی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا سے بڑی محبت تھی جیسے منہ بوئے بھائی بہن میں ہوتی ہے۔ کتنی راتیں گزرتیں کہ شیخ نجیب الدین کو فاقہ ہوتا اور ان کی وجہ سے ان کے گھر والے بھی فاقے سے ہوتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ جب فاقے کی رات گزر گئی تو دوسرے روز صبح بی بی فاطمہ نے ایک بڑی روٹی ایک من کی یا آدھے من کی کسی کے ہاتھ جلدی سے شیخ نجیب الدین کے پاس بھجوائی تھیں اور کہتی تھیں کہ رات کو ان کے ہاں فاقہ تھا۔ ایک دفعہ اسی طرح روٹی بھجوائی تھی تو شیخ

عہ اس زمانے کا من چالیس سیر کا نہیں ہوتا تھا۔

نجیب الدین نے خوش طبعی کے طور پر کہا تھا کہ اے اللہ جس طرح اس عورت کو ہمارے حال سے آگاہ کرتا ہے۔ شہر کے بادشاہ کو بھی آگاہ کر دے تاکہ وہ کوئی برکت والی بیڑی بیٹیز بھیجے۔ پھر تبسم فرمایا اور کہا کہ بادشاہوں کو یہ صفائی رُقبہ کہاں میسر کہ انہیں خبر ہو جائے۔

اس کے بعد خواجہ ذکری اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ ان بی بی فاطمہ کے سامنے رہی تھا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولیں کہ ایک شخص ہے اس کی ایک لڑکی ہے اگر تم اس لڑکی کی مانگ رکھو تو اچھا ہو۔ خواجہ ذکری اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ ایک دفعہ میں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں تھا۔ وہاں ایک جوگی بھی حاضر تھا۔ ذکر نکلا کہ بعض فرزند جو بے ذوق پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ لوگ مباشرت ربیوی سے تعلق رکھنے کا وقت نہیں جانتے۔ اس کے بعد جوگی نے کہنا شروع کیا کہ مہینے میں تیس دن ہوتے ہیں۔ یا انیس۔ ہر روز کی ایک خاصیت ہے مثلاً اگر پہلے روز ہم بستی کریں گے تو فرزند ایسا ہوگا اور اگر دوسرے روز کریں گے تو ایسا ہوگا۔ اسی طرح ہر روز کے لیے اس نے ایک حکم متعین کیا۔ جب یہ جوگی اپنی بات پوری کر چکا تو خواجہ ذکری اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں اس سے ان سب دنوں کا اثر پوچھنے لگا اور جوگی ہر روز کی تفصیل بیان کرنے لگا۔ میں نے ان سب دنوں کو یاد کر لیا۔ پھر جوگی سے کہا کہ ذرا دہیان سے سنو اور دیکھو کہ میں نے ٹھیک یاد کیا ہے؟ جب

میں نے یہ بات کہی تو شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ تم ان چیزوں کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو جو ہرگز تمہارے کام نہیں آئیں گی!

خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ حکایت بی بی فاطمہ سے کہی تو پولیس کہ میں سمجھ گئی کہ کیا بات ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں تم نے اچھا کیا کہ اُس لڑکی کو قبول نہ کیا۔ میں نے بھی اس شخص کا دل رکھنے کو کہا تھا۔

بیشویں مجلس

اسی سال ماہ ذالحجہ کی انیشویں تاریخ پیر کو دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی انہی دنوں مخالفوں میں سے ایک شخص نے دشمنی کا دروازہ کھولا تھا۔ اور سماع کی ممانعت میں نامناسب باتیں کہی تھیں اور سخت عداوت ظاہر کی تھی۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ الدالخصام کو دشمن سمجھتا ہے اور الدالخصام وہ ہوتا ہے جو سخت دشمنی پیدا کرے۔ اس کے بعد سماع کے باب میں یہ فائدہ بیان فرمایا کہ جب چند چیزیں موجود ہوں اُسی وقت سماع سنا جاتا ہے۔ اور وہ چند چیزیں کیا ہیں؟ مسموع و مستمع اور آلہ سماع۔ اس موقع پر اس تقسیم کی تشریح فرمائی اور ارشاد کیا کہ مسموع گویا ہے۔ وہ ایسا آدمی ہونا چاہئے جو مرد ہو عمر رسیدہ۔ بچہ نہ ہو اور عورت نہ ہو۔ مسموع (یہ ہے کہ) جو کچھ گایا جائے وہ ہزل اور فحش نہ ہو۔ اور مستمع جو کچھ سنا جائے وہ حق کے لئے سنا جائے۔

اور وہ بادقی سے مملو (بھر پور) ہو اور آلہ سماع وہ مزامیر (ساز) ہیں جیسے چنگ ورباب۔ اور اسی طرت کی چیزیں وہ درمیان نہیں ہونی چاہئیں۔ ایسا سماع حلال ہے۔ اس موقع پر فرمایا کہ سماع ایک موزوں آواز ہے۔ یہ حرام کیسے ہو سکتی ہے۔ اور جو کچھ گایا جاتا ہے وہ کلام ہے معنی اور مفہوم رکھنے والا وہ حرام کیوں ہوگا۔ دوسرے قلب (دل) کی تحریک ہے۔ اگر یہ تحریک حق کی یاد میں ہو تو مستحب ہے اور اگر یہ فساد کی طرف

اکیسویں مجلس

سند سات سو اکیس ہجری ماہ محرم کی تیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی درویشوں کے اخلاق اور دشمنوں کے ساتھ ان کے برتاؤ کا ذکر رکھا ارشاد ہوا کہ ایک بادشاہ تھا جس کو تاریکی تھی۔ شاید اس کو کسی جنگامے میں قتل کر دیا گیا تھا اور اس تاریکی کو شیخ سیف الدین باختری سے بڑی محبت تھی اس کے قتل ہونے کے بعد کسی اور کو بادشاہ بنایا گیا۔ اس بادشاہ کا جو پہلے بادشاہ کی جگہ بیٹھا تھا آپ چل خور بخوی مقرب بن گیا اور یہ چل خور بخوی شیخ سیف الدین سے دشمنی رکھتا تھا اس چل خور کو جیسے ہی لگائی بھائی کا موقع ملا بادشاہ سے بولا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا ملک آپ کے پاس رہے تو شیخ سیف الدین کو راستے سے ہٹا دیجئے کیونکہ کسی کو تبدیل کرنا اور کسی کو ملک کا حاکم بنانا یہ سب وہی کرتے رہتے ہیں۔ یہ باتیں سننے کے بعد بادشاہ نے اس چل خور سے کہا کہ تم ہی جاؤ اور جس طرح مناسب سمجھو شیخ کو لے آؤ چل خور گیا اور شیخ سیف الدین کو لا کر پیش کر دیا۔ مگر بے ادبی سے لایا۔ ان کی دستار گلے میں ڈالی یا کسی اور طرح تحقیر کی الغرض جب شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ اندر آئے تو جیسے ہی بادشاہ کی نظر ان پر پڑی اس کو معلوم نہیں کیا دکھایا گیا کہ فوراً تخت سے اترا اور بڑی معذرت کے ساتھ شیخ کے ہاتھ پاؤں جو منے لگا گھبراؤ بہت سی چیزیں (دندر میں) پیش کیں اور معافی مانگی اور کہا کہ میں نے اس طرح آپ کو لانے کے لیے نہیں کہا تھا۔ چنانچہ شیخ بادشاہ کے پاس سے واپس گھر آ گئے۔ دوسرے روز بادشاہ نے اس چل خور کو ہاتھ پاؤں بندھوا کر شیخ کی خدمت میں بھیج دیا اور کہا کہ میں

نے حکم کر دیا ہے کہ یہ چغل خور قتل کیا جائے اب اس کو آپ کے پاس بھجوا رہا ہوں کہ جس طرح آپ کو اچھا لگے اسے قتل کریں شیخ نے جب چغل خور کو دیکھا تو فوراً اس کے ہاتھ پیر کھولے اور جو جامہ خود پہنے ہوئے تھے اسے پہنایا اور کہا آج میرے ساتھ وعظ میں چلو وہ دو شنبے کا دن تھا شیخ معمول کے مطابق وعظ کے لیے مسجد میں آئے اور اس چغل خور کو بھی اپنے ساتھ لائے پھر منبر پر تشریف لے گئے اور یہ شعر پڑھا۔

آنا کہ بجائے من بدیہا کردند گردست دہد بجز نکوئی نکم
(وہ لوگ جنہوں نے میرے ساتھ بڑی برائیاں کی ہیں۔ اگر موقع ملے تو میں ان کے ساتھ صرف نیکی کروں)

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ بندے سے خیر و شر جو کچھ بھی وجود میں آتا ہے اس کا پیدا کرنے والا خداوند تعالیٰ ہے۔ پس جو بھی ہوتا ہے اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پھر کسی سے رنجیدہ کیوں ہوا جائے۔ اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ العزیز کہیں راستہ چل رہے تھے ایک لنگڑا پیچھے سے آیا اور ان کی گدی پر ہاتھ مارا شیخ نے سرگھا کر اس لنگڑے کو دیکھا۔ لنگڑا بولا مجھے کیا دیکھتے ہو کیا تم یہ نہیں کہتے کہ ہر خیر و شر (اچھا، برا) جو پہنچتا ہے اس (خدا) کی طرف سے ہے؟ شیخ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے لیکن میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ بد بخت کو اس کام کے لیے نامزد کیا گیا

پانچویں مجلس

۱ ہے

اسی سال ماہ ربیع الاول کی سترھویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت ملی رویت (دیا ارفداوندی) کا ذکر نکلا۔ بندے نے عرض کی کہ دیدار کی نعمت جس کا وعدہ

مومنوں سے ہے کیا یہ نعمت کل قیامت کے دن ملے گی ؟ فرمایا ہاں اس پر بندے نے کہا کہ جب مومن اس نعمت کو دیکھ لیں گے تو کیا پھر دوسری نعمتوں کو نہیں دیکھیں گے ؟ ارشاد ہوا کہ روایت ہے کہ جب اس نعمت کا مشاہدہ کر لیں گے تو کئی ہزار سال تک حیرت میں رہیں گے۔ اس موقع پر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ بڑی کم نظری ہوگی کہ اس کے بعد کسی اور چیز کو دیکھیں بندے نے عرض کی کہ شیخ سعدی کا ایک شعر ہے۔ اور وہ یہ ہے ۔

افسوس براں دیدہ کہ روی تو ندیدہ است

یا دیدہ و بعد از تو بروی نگہ دیدہ است

(اس آنکھ پر افسوس جس نے تیرے چہرے کو نہیں دیکھا۔ یا دیکھا اور تیرے بعد (پھر) کسی اور چہرے کو دیکھا !)

خواجہ ذکریہ اللہ بالیخ نے اس بات کی بڑی تعریف فرمائی اور کہا اچھا کہا ہے !

نیم سو بیس مجالس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی پچیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت تک۔ رسائی ہوئی۔ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی صلابت و مہابت ر سختی اور دبدبے کا ذکر آیا ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ کوئی شخص ان کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے چھ مہینے پہلے شادی کی تھی۔ آج اس نے بچہ جنا ہے۔ اس بارے میں کوئی حکم فرمائیے۔ فامر رہا پس انھوں نے اس کو سنگسار کرنے پر تہوار مار کر ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ اس مجلس میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔

وہ کچھ سوچنے لگے۔ امیر المومنین عمرؓ نے علیؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ مَا تَقُولُ؟ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ علیؓ نے کہا جب حضرت عتتؓ نے قرآن میں یہ فرمایا ہے کہ وَحَمْلُهُ وَفُصْلَانِ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (یعنی بچے کے حمل کی مدت اور اس کے دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ارشاد ہوئی ہے۔ پس دو سال کی مدت تو دودھ پلانے کی ہوئی اس لیے یہ بھی درست ہو گا کہ حمل کی مدت چھ مہینے ہو اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حکم منسوخ فرمادیا اور کہا کہ لَوْلَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عَمْرٌ اَکْبَرُ علیؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی عورت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے آئی اور بولی اے امیر المومنین مجھے زنا سے حمل ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ اُمرا بوجہ ہمارے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی سنگساری کا حکم دے دیا۔ یہاں بھی حکم فرمایا کہ اس عورت کو سنگسار کر دیا جائے۔ امیر المومنین علیؓ اس مجلس میں بھی موجود تھے۔ فرمایا کہ اس حکم پر غور کر لینا چاہیے عمر بولے کیسے؟ علیؓ نے کہا کہ اگر گناہ کیا ہے تو اس عورت نے کیا ہے۔ جو بچہ اس کے پیٹ میں ہے اس نے کونسا گناہ کیا ہے؟ اس کے بعد امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس عورت کی بچہ ہونے تک نگرانی رکھی جائے۔ اس وقت بھی یہی الفاظ زبان مبارک پر لائے کہ لَوْلَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عَمْرٌ اَکْبَرُ علیؓ نہ ہونے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ اس کے بعد اسلام کی نگہبانی کا خیال جو عمرؓ کے دل میں تھا اس کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کسی شاعر نے نظم میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی مدح (تعریف) کی تھی اور اس نظم میں وعظ و نصیحت کے طور پر بھی ایک شعر کہا تھا۔ اس کا ایک مصرع یہ ہے

کَفَى الشَّيْبَ وَالْإِسْلَامَ لِلْمَرْءِ نَاصِيَةً

بڑھاپا اور اسلام آدمی کو گناہوں سے روکنے کے کافی ہیں،

یعنی کافی ہیں بڑھاپا اور اسلام آدمی کو گناہوں سے باز رکھنے کے لیے جب اس شاعر نے

یہ شعر ادا کیا تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے کسی صلے کا حکم نہیں فرمایا شاعر بولا کہ میں نے مدح
 کہی ہے آپ عطیہ کیوں نہیں دیتے؟ عمرؓ نے جواب دیا کہ تو نے بڑھاپے کو اسلام پر مقدم
 رکھا ہے اگر اسلام کو مقدم رکھتا تو ضرور تجھ کو کوئی چیز دیتا۔

۔ یہاں سے شعر کی حکایت نکل۔ بندے نے عرضداشت کی کہ زبان مبارک سے بارہا سنا
 گیا ہے کہ قرآن پڑھنا شعر کہنے پر غالب رہنا چاہئے۔ مخدوم کے فرمان کی برکت سے بندہ
 روزانہ یہ اُمید رکھ کر قرآن پڑھتا ہے کہ جو کچھ (کلام) کہا جا چکا ہے (وہ جو کلام) ہوگا اس سے بھی انشاء اللہ
 ثوابہ کر لی جائے۔ یہ عرضداشت پسند فرمائی گئی۔ اس موقع پر بندے نے عرض کی کہ اشعار تبصیر
 الفاظ و گمراہ لوگ شعرا کی پیروی کرتے ہیں، کے معنی بھی یہی ہوں گے کہ شاعروں کی پیروی
 کرنے والے گمراہ ہیں اور زبان مبارک سے بارہا سنا گیا ہے کہ یہ حدیث شریف ہے اِنَّ مِنْ
 الشَّعْرِ حِكْمَةٌ رَبِّهِ شَكَّ بَعْضُ شَعْرٍ فِي حِكْمَتِهِ ہوتی ہے پس جب اہل شعرا اہل حکمت ہیں تو جو لوگ ان
 کی پیروی کریں وہ گمراہ کیوں ہوں؟ ارشاد ہوا کہ وہ شعرا جو بزل اور حشو بے ہودہ اور فضول، اور

اودھو کہتے ہیں ان کی پیروی کرنے والے کے لیے یہ حکم ہے۔ لیکن صحابہ کرام نے
 شعر کہے ہیں جیسے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور دوسروں نے بھی شعرا کے
 ہیں۔ اس وقت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے کہے ہوئے دو شعر زبان مبارک
 پر آئے۔ جن کے معنی یہ تھے کہ جب عورتیں گھوڑوں پر سوار ہوں گی تو دجال کے
 خروج (ظاہر ہونے) کا اندیشہ ہوگا۔ ایک قافیہ بسروج تھا و دسرا خروج تیسرا
 عروج۔ پہلا مصرع یہ تھا۔

اذا ركب الفروج على السروج
 (جب عورتیں گھوڑوں پر سوار ہوں)

بندے نے عرض کی شعر میں جو مبالغہ کیا جاتا ہے اس کو کیا کہیں گے ارشاد ہوا کہ ایک مشہور کتاب میں دیکھا ہے کہ جھوٹ گناہ ہے لیکن وہ جھوٹ جو شعر میں ہو، گناہ نہیں ہے۔

چوبیسویں مجلس

اسی سال ماہ جماد الاولیٰ کی سترہویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ حسد کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام نے دعا فرمائی ہے کہ اللہم جعلنی محسوداً ولا تجعلنی حاسداً (اے اللہ مجھے محسود (جس سے حسد کیا جائے) بنا حاسد (حسد کرنے والا نہ بنا) اس موقع پر فرمایا کہ حسد ہوتا ہے اور غبطہ (رشک) ہوتا ہے، حسد تو یہ ہے کہ کوئی کسی کے پاس نعمت دیکھے اور اس نعمت کا زوال چاہے یہ حسد ہے البتہ غبطہ یہ ہے کہ کوئی کسی کی نعمت دیکھے اور خود اپنے لیے بھی ایسی ہی نعمت چاہے۔ یہ غبطہ ہے۔ پس حسد حرام ہے اور غبطہ (حرام) نہیں ہے

پچیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی ساتویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی حیدر زاویہ کے احوال کا ذکر آیا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ سو سال کے بعد ان پر ایک دروازہ کھولا گیا۔ بندے نے سرزمین پر رکھا اور عرض کی کہ یہ تو بڑی امید بندھانے والی بات ہے۔ ارشاد ہوا۔ ہاں!

پھر شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کے بارے میں تذکرہ آیا ارشاد ہوا کہ ایک

بارئید کا دن تھا شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ عید گاہ سے واپسی میں اس جگہ تشریف لائے جہاں آج کل حضرت کار و سنہ مبارک ہے۔ اس زمانے میں یہ زمین جنگل تھی اور کوئی قبر اور گنبد نہ تھا۔ حضرت شیخ تشریف لائے اور کھڑے ہو کر کچھ سوچنے لگے احباب جو ساتھ تھے انھوں نے عرض کی کہ آج عید کا دن ہے اور لوگ منتظر ہیں کہ مخدوم گھر میں آکر کھانا نوش فرمائیں حضور یہاں تاخیر کیوں فرما رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے اس زمین سے دلوں کی خوشبو آتی ہے۔ اسی وقت اس زمین کے مالک کو طلب کیا گیا۔ شیخ نے اس زمین کو اپنے ذاتی مال سے خرید لیا اور وہاں اپنے دفن ہونے کا حکم فرمایا خواجہ ذکریا اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ یہ جو فرمایا ہے کہ یہاں سے دلوں کی خوشبو آتی ہے تو دیکھو کہ وہاں کون کون سا ہے !

پھر شیخ محمود مومینہ دوز پوستیں ساز رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت آئی ارشاد ہوا کہ ان کے زمانے میں جس کسی کا لونڈی (غلام بھاگ جاتا اس (لونڈی غلام) کا مالک شیخ محمود کی خدمت میں آتا اور عرض کرتا کہ میرا برہہ (بھاگ گیا ہے) شیخ محمود اس بھگورے کا نام پوچھتے اور کچھ دیر تا مل فرمانے کے بعد مالک سے کہتے کہ مل جائے گا اسکے بعد اتنا اور کہتے کہ جب مل جائے تو مجھے خبر کر دینا۔ الغرض ایک دفعہ کوئی شخص آ یا اور عرض کی کہ میرا غلام بھاگ گیا ہے شیخ نے اس کا نام پوچھا۔ اور کچھ دیر سوچا اور ارشاد کیا مل جائے گا۔ البتہ جب مل جائے تو مجھے بتا دینا۔ یہ شخص گھر چلا گیا۔ چند دن کے بعد وہ غلام اس کو مل گیا۔ لیکن اس نے آکر شیخ کو خبر نہ کی جب کچھ دن گزر گئے تو وہ غلام پھر بھاگ گیا۔ اس کا مالک آیا اور شیخ محمود کو کیفیت سنائی شیخ محمود نے فرمایا کہ یہ جو میں کہتا ہوں کہ آکر مجھے غلام ملنے کی خبر کر دو تو اس وجہ سے نہیں کہتا کہ میں تم سے کسی چیز کا طلب گار ہوں۔ میں تو اس وجہ سے کہتا ہوں جب مجھے خبر کر دی جاتی ہے کہ غلام مل گیا

تو میرے دل پر سے بوجھ اُتر جاتا ہے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام! خواجہ ذکریہ اللہ بالحق
جب اس بات پر پہنچے تو تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ شیخ محمود نے غلام کے مالک سے کہا کہ
جب تم کو غلام مل گیا تھا اور تم نے وعدہ کیا تھا کہ مل جائے گا تو خبر کروں گا (پھر بھی) خبر
نہ کی۔ اس دفعہ جو بھاگاہے تو ملے گا نہیں۔

پھر شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی حکایت آئی فرمایا کہ ایک دفعہ پانچ
درویش شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ وہ بڑے سخت اور بد مزاج درویش تھے جب
شیخ کے پاس سے اٹھے تو بولے کہ ہم اتنی جگہ پھرتے پھرے کہیں ہمیں درویشی نہیں ملی
شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ بیٹھو تاکہ میں تمہیں درویشی دکھاؤں
انہوں نے بٹ دھری سے کام لیا۔ اور روانہ ہو گئے شیخ نے فرمایا کہ جانتے تو ہو مگر
بیابان کے راستے نہ جانا۔ دوسرے راستے سے جانا۔ انہوں نے شیخ کے
ارشاد کے خلاف کیا اور بیابان کی راہ لی۔ شیخ نے کسی کو ان کے
پیچھے دوڑایا کہ تفتیش کرو کہ وہ کس راستے گئے ہیں
خبر لائی گئی کہ وہ بیابان کے راستے گئے ہیں شیخ نے جب یہ سنا تو ہائے ہائے کر کے
اس طرح رونے لگے جیسے کوئی کسی کا ماتم کرتا ہے۔ اس کے کچھ دیر بعد خبر آئی کہ اُن پانچوں
کو بادِ سموم (لوہلگی) چار آدمی تو اسی جگہ ہلاک ہو گئے۔ ایک شخص کسی کنویں تک
پہنچ گیا اور بہت پانی پی لیا وہ وہاں ہلاک ہوا۔ اس درمیان خواجہ ذکریہ اللہ بالحق
نے جو پلنگ پر تشریف فرما تھے حاضرین سے معذرت فرمائی اور کہا کہ مجھے ذرا پیر کی
تکلیف ہے۔ اسی سبب سے چار پانی پر بیٹھا ہوں۔ آپ لوگ برا نہ مانئے گا سب حاضرین
نے دعا کی اور کہا کہ آپ سلامت رہیں (کیونکہ) ہماری زندگی بھی آپ کی زندگی سے متعلق
ہے۔ بندے کو یہ شعر یاد آیا۔ عرض کیا۔

جان جہانیاں توی دشمن جان بود کسی

اے ہمہ دشمنان تو دشمن جان خویش تن

ہم سارے جہان کی جان ہو اور دشمن جان بھی ہو۔ تمہارے سارے دشمن اپنی جان کے دشمن ہیں۔

خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کو اس قصیدے کا مطلع یاد تھا وہ زبان مبارک پر آیا۔

دوہن صبوحی بزد ببل مست در چمن از خوشی صبوحی ش گل بدید پیر من

دکل مست ببل نے صبوحی (صبح کی شراب یہاں مراد ببل کی راگنی) کو چھیڑا اور اس کی صبوحی سے

کھل کر گلاب کے پھول نے اپنا پیرا ہن چاک کر دیا۔ دکل کھل کر پھول ہو گئی،

پھر خواجہ فرید الدین عطارؒ کی حکایت آئی کہ شیخ جلال الدین تبریزی طیب اللہ شاہ نے

خواجہ فرید الدین عطارؒ کو نیشاپور میں دیکھا تھا۔ شاید انھوں نے کبھی شیخ بہار الدین زکریاؒ سے

بیان کیا کہ میں نے خواجہ فرید الدین عطارؒ کو نیشاپور میں دیکھا تھا انھوں نے مجھ سے کہا کہ

کسی مرد خدا کا پتا بتاؤ میں کسی کا پتا نشان نہ بتا سکا۔ شیخ بہار الدین نے جب یہ سنا تو کہا کہ

اس موقع پر تم نے شیخ شہاب الدین کا پتا کیوں نہ بتایا؟ شیخ جلال الدین نے کہا کہ

میں نے جو مشغولیؒ خواجہ فرید الدین عطارؒ میں دیکھی دوسروں

کی مشغولیؒ اس کے مقابلے میں معزولیؒ (بیکاری) ہے اس درمیان خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر

نے فرمایا کہ میں نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا اس نے کہا کہ میں نے خواجہ فرید الدین

عطارؒ کو دیکھا تھا وہ شروع میں بڑے پریشان قدم (آوارہ گرد) تھے اس موقع پر

خواجہ ذکرہ اللہ بالخیرؒ نے فرمایا جب عنایت حق کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔ تو پھر ایسی ہی

باتیں ہوتی ہیں اس کے بعد ان کے انتقال کے بارے میں حکایت بیان فرمائی اور کہا کہ

وہ شہید ہوئے اور ایسا ہوا کہ کفار تماری (نیشاپور پہنچ گئے تھے اور حضرت سترہ مریدوں کے

ساتھ قبلے کے سامنے اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ کافر آکر انہیں شہید کر دیں۔ اسی

عہ مشغولی سے مراد مشغول بحق ہونا ہے۔

دورانِ کافر آہنچے اور تلوار چلانے اور ان کو مارنے لگے۔ اس وقت خواجہ فرید الدین عطارؒ نے جب یہ دیکھا کہ ان کے مریدوں کو قتل کیا جا رہا ہے تو بولے کہ یہ کیسی قہاری کی تلوار ہے اور یہ کیسی جباری کی تلوار ہے! لیکن جب خود ان کو مارنے لگے تو اس وقت ارشاد ہوا کہ یہ کیسا کرم ہے اور یہ کیسی نوازش ہے اور یہ کیسا احسان ہے!

پھر خواجہ حکیم سنائی طیب اللہ شراہ کی حکایت نکلی۔ فرمایا کہ شیخ سیف الدین باختری نور اللہ مرقدہؒ بارہا فرماتے کہ میں سنائی کے ایک قصیدے کا مسلمان کیا ہوا ہوں۔ ایک عزیز حاضر تھے۔ انہوں نے ان کے قصیدے میں سے ایک شعر پڑھا اور ایسا ظاہر کیا جیسے یہ شعر اُسی قصیدے کا ہے۔ جو شعر ان عزیز نے پڑھا یہ تھا

برسرِ طور ہوا طنبور شہوت می زنی عشقِ مردِ لِن ترانی را بدیں خواریِ مجو

اِخواہشات کے (کوہ) طور پر بیٹھے نضایت کا طنبورہ بجا رہے ہو۔ لِن ترانی والے مرد (حضرت ہوسی) کے سے عشق کی طلب گاری ایسی خواری سے نہ کرو۔

اس کے بعد خواجہ ذکریہ اللہ بالجہ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ شعر اس شعر سے متصل ہے۔

خارِ پائے راہ عیارانِ ایں درگاہ را در کفِ دستِ عروسِ مہدِ عمارِیِ مجو
(اس درگاہ کے تیز رفتار رہروں کے پیر کا کانا عمارِی کے گہوارے میں بیٹھی دلہن کی بقیلی میں نہ ڈھونڈا،
بند سے نے عرس کی کہ یہ عمارِی کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ جس چیز کو لوگ عمارِی کہتے
ہیں۔ اس کی نسبت عمار نامی ایک شخص سے ہے یہ عمارِی اس کی بنائی ہوئی ہے۔ لوگ
اس عمارِی کو عمارِی کہتے ہیں۔ ان اشعار کی مناسبت سے جھیں پڑھا گیا فرمایا کہ
یہ شیخ سیف الدین باختری رحمۃ اللہ علیہ بارہا فرماتے کہ اے کاش ہوا مجھے وہاں اڑا کر
لیجائے جہاں سنائی کی خاک ہے یا سنائی کی خاک اڑا لائے کہ میں اس کو
سر رہ بناؤں!

علہ اونٹ کی محل یا ہاتھی کا ہودج۔ جس میں بیٹھ کر سواری کرتے ہیں۔

چھبیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی چودھویں تاریخ بدھ کو باستھ جو منے کی دوست
 باہو آئی۔ قاضی منہاج سراج علیہ الرحمۃ والرضوان اور ان کے وعظ کی لذت کا ذکر آیا۔
 فرمایا کہ میں ہر پیر کو ان کے وعظ میں ناغہ کئے بغیر جاتا تھا۔ کیوں کہ ان کے وعظ میں
 بڑی راحت ہوتی تھی! ارشاد ہوا کہ ان کی تقریر کے بارے میں اور ان کے قاریوں
 کے بارے میں (گویا) کان زبان حال سے یوں کہتے تھے کہ:

تو زب سخی کشادی ہمہ خلق بے زبان شد

تو برہ خراک کردی ہمہ دیدہ با رواں شد

بات تمہارے ہونٹوں سے نکلی اور ساری مخلوق بے زبان لگ گئی، ہو کر رہ گئی۔ تم کسی راہ
 چلے اور ساری نگاہیں بھی ساتھ ساتھ، اٹھنے لگیں۔

اس موقع پر فرمایا کہ ایک روز میں ان کے وعظ میں ذوق کے مارے ایسا
 بے خود ہوا گویا میں مر رہا ہوں یا کیا ہو گیا ہے اس سے پہلے میں نے اپنے آپ کو کسی سماع (قوالی) میں
 یا مال کے دوڑان ایسا نہیں پایا تھا اور یہ بات اس سے پہلے کی ہے کہ میں شیخ کی جناب سے
 وابستہ ہوا تھا (شیخ سے بید ہوا تھا) اس کے بعد فرمایا کہ ایک دوست نے ان سے کہا تھا
 کہ تم صرف قضا (رجحی) کے لائق نہیں ہو تم تو اس لائق ہو کہ شیخ الاسلام بنو!

اس کے بعد اولیاء اور ابدال اور افتاد کا ذکر آیا بندے نے عرض کی کہ میں نے
 ابھی ایک صوفی و متبع شخص سے ایسی بات سنی ہے جس سے میرے دل پر بڑا بوجھ ہے ارشاد
 ہوا کہ کیا بات ہے؟ بندے نے عرض کی کہ اس شخص نے یہ کہا کہ عالم قائم ہے کل مخلوق میں برکت سے قطب
 کی جو ایک ہے اور افتاد کی جو چار فرد ہیں اور ابدال کی جو چالیس ہیں اور اولیاء کی جو چار سوا فرد ہیں

ہوتا یہ ہے کہ جب قطب مرجاتا ہے تو اوتاد میں سے ایک شخص اس کی جگہ بیٹھ جاتا ہے اور ابدال میں سے ایک اوتاد کی جگہ اور جو اولیاء ہیں ان میں سے ایک ابدال کی جگہ اور عام لوگوں میں سے ایک شخص اولیاء کی جگہ (لے لیتا ہے) فرمایا یہ بات اس طرح نہیں ہے اس طرح ہے کہ جب ان چار سواشخاص میں سے جو اولیاء ہیں ایک شخص کم ہو جاتا ہے تو پھر کسی اور کو داخلہ نہیں ملتا۔ وہ تین سو نساوے افراد رہ جاتے ہیں۔ اور اگر ان میں سے بھی ایک کم ہو جاتا ہے تو تین سواٹھانوے اشخاص رہ جاتے ہیں۔ یہ امکان نہیں ہوتا کہ کوئی اس کے بعد ان چار سوا افراد میں داخل ہو جائے جو اولیاء ہیں۔ کیوں کہ ولایت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ جب خواجہ ذکریۃ اللہ بالجیر نے یہ بات سنی تو فرمایا نہیں! ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ولایت ایمان اور دوسری ولایت احسان۔ ولایت ایمان تو یہ ہے کہ جو بھی مومن ہے وہ ولی ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر یہ آیت یاد دلانی۔

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور۔ (اللہ ان لوگوں کا ولی (دوست) ہے جو ایمان لائے (اللہ) انہیں اندھیروں سے نکال کر نور (روشنی) کی طرف لاتا ہے البتہ ولایت احسان یہ ہے کہ کسی کو کوئی کشف اور کرامت اور عالی مرتبہ حاصل ہو جائے

سنا بیسویں مجلس

بدھ ماہ صفر کی چوتھی تاریخ سنہ سات سو بائیس ہجری۔ دست بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ مشائخ کا ذکر فرما رہے تھے۔ بندے نے عرض کی کہ سیدی احمد کیسے آدمی تھے؟ ارشاد ہوا کہ بڑے بزرگ آدمی تھے۔ وہ عرب کے رہنے والے تھے اور عرب کی رسم ہے کہ کسی کا بزرگی سے تذکرہ کرتے ہیں تو اسے سیدی (میرے آقا) کہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ شیخ حسین منصور طاج کے زمانے میں تھے۔

رحمۃ اللہ علیہا۔ جب حسین منصور کو جلایا گیا اور ان کی راکھ (دریائے) دجلہ کے پانی میں بہائی گئی تو سیدی احمد نے اس میں سے تھوڑا سا پانی جس میں راکھ موجود تھی بطور تبرک لیا اور پی گئے۔ وہ ساری برکتیں اس وجہ سے تھیں۔

اٹھائیسویں مجلس

اسی سال ماہ صفر کی سترھویں تاریخ، منگل کو دست بوسی کی دولت میر آئی۔ درویشوں کے اعلیٰ اور اچھے اخلاق کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ایک رات کوئی چور شیخ احمد نہروالی علیہ الرحمۃ والرضوان کے گھر میں گھس گیا۔ اور یہ شیخ احمد جلاہے تھے۔ چور سارے گھر میں پھرا مگر اسے کچھ نہ ملا۔ واپس جانا چاہتا تھا کہ شیخ احمد نے آواز دی اور قسم دی کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر اپنے کمرے میں ہاتھ ڈالا اور جو دھاگہ تانے بانے میں سٹکا اس سے سات گز کپڑا بنا جا چکا تھا۔ وہ سات گز کپڑا دھاگے سے الگ کیا اور چوکی زلف پھینک کر کہا کہ لیجاؤ چور نے کپڑا اٹھایا اور چلا گیا۔ دوسرے روز وہ چور اور اس کی ماں اور اس کا باپ سب آئے اور سر شیخ احمد کے پیروں میں رکھ دیے اور اس کام سے توبہ کی!

انہیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ربیع الاول کی پچھٹی تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔ اس روز بندہ اپنے اقربا میں سے ایک چھوٹے بچے کو ساتھ لے گیا تھا۔ کیونکہ

اس بچے کو کبھی کبھی ایک خیال ستاتا تھا اللہ بہتر جانتا ہے کہ آسیب پری تھا یا کوئی اور چیز اس کو بندہ خواجہ ذکرۃ اللہ بالخیر کی خدمت میں لے گیا اور ساری کیفیت سنائی۔ خواجہ نے مہربانی کی نظر سے اس کو دیکھا اور زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ اچھا ہو جائے گا۔

اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ بخارا میں ایک بچہ تھا جس کو بیروں کا گروہ یا کوئی جن ستایا کرتا تھا۔ ہر شام کی نماز کے وقت بچے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر لے جاتے اور ان کے گھر میں ایک درخت تھا اس بچے کو اس درخت پر بٹھاتے اور چلے جاتے اس پر ماں باپ اس بچے کی حفاظت احتیاط سے کرنے لگے۔ اس کو حجرے (کمرے) میں چھپا دیتے اور حجرے کے دروازے پر قفل ڈال دیتے۔ جب مغرب کی نماز کا وقت ہوتا تو اس بچے کو پھر اسی درخت پر دیکھا۔ جب وہ بہت عاجز و پریشان ہو گئے

تو اس کو شیخ سیف الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے اور سارا حال کہہ سنایا۔ شیخ کے حکم پر اس بچے کا سر مونڈ دیا گیا اور ایک کلاہ (ٹوپی) اس کے سر پر رکھ دی اور اس کو تلقین کی کہ اگر دوبارہ یہ گروہ آئے تو کہہ دیجو کہ میں شیخ کا مرید ہو گیا ہوں اور مخلوق ہو گیا ہوں (سر منڈا لیا ہے) اور ٹوپی دکھا کر کہو کہ یہ کلاہ مجھے شیخ سے ملی ہے جب اس بچے کو اس کے گھر میں لائے تو وہ گروہ آیا بچے نے جیسا کہ شیخ نے فرمایا تھا کہہ دیا کہ میں شیخ کے سامنے مخلوق ہو گیا ہوں اور کلاہ (ٹوپی) دکھائی وہ آپس میں کہنے لگے کہ کون بد نصیب اسے شیخ کے پاس لے گیا تھا یہ کہا اور چلے گئے۔ پھر نہیں آئے۔ خواجہ ذکرۃ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں

آنسو بہلائے اور عاجز بن بھی رو نے لگے کیونکہ (بڑا) اچھا وقت تھا۔ الحمد للہ اس کے بعد شیخ سیف الدین باختری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرمائی کہ شروع زمانے میں جبکہ وہ جوان تھے مشائخ اور اہل فقر کے بڑے دشمن تھے وعظ کہتے اور وعظ میں اس گروہ کو بہت بُرا (بھلا) کہتے چنانچہ یہ خبر شیخ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرہ العزیز کو پہنچائی گئی شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ مجھے ان کے وعظ میں لے جاؤ۔ خدمت گار جو حاضر تھے انھوں نے عرض کی کہ ان کے وعظ میں جانا مصلحت کے خلاف ہے۔ وہ درویشوں اور مشائخ کو بہت بُرا کہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ شیخ کے سامنے بھی کوئی بد تمیزی کریں۔ ہر چند اس بارے میں بہت کچھ کہا گیا مگر شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ نہیں مجھے ان کے وعظ میں ضرور لے چلو۔ جب بہت تقاضا کیا گیا تو انھیں شیخ سیف الدین کے وعظ میں لے آئے شیخ نجم الدین کبریٰ مجلس میں آکر بیٹھ گئے شیخ سیف الدین نے جب شیخ نجم الدین کو دیکھا تو جو بُرا (بھلا) کہا کرتے تھے اور زیادہ کہنا شروع کیا۔ ہر چند وہ نامناسب باتیں کہتے۔ شیخ نجم الدین سر ہلاتے اور آہستہ سے کہتے سہماں اللہ یہ جوان کیسی قابلیت رکھتا ہے۔ المقصد جب شیخ سیف الدین منبر پر سے اترے تو شیخ نجم الدین بھی (مجلس) وعظ میں سے اٹھے اور باہر آنے لگے جب مسجد کے دروازے کے قریب پہنچے تو سرگھمایا اور کہا کہ ابھی تک یہ صوفی نہیں آیا اسی وقت شیخ سیف الدین خلعت میں سے نعرے مارتے اور کپڑے پھاڑتے آئے اور شیخ نجم الدین کے پیروں میں گر پڑے۔ شیخ شہاب الدین بہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجمعے میں موجود تھے وہ بھی آئے اور شیخ نجم الدین کے قدموں میں گر پڑے۔ پھر دونوں شیخ نجم الدین کے

مرید ہو گئے کہتے ہیں کہ جب شیخ نجم الدین قدس اللہ سرہ الباری مسجد سے گھر چلے تو شیخ سیف الدین پیدل دائیں طرف چل رہے تھے اور شیخ شہاب الدین بائیں طرف الغرض اس روزانہ دونوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ سے بیعت کی اور مخلوق ہوئے (مر منڈایا) اس وقت شیخ نجم الدین نے شیخ سیف الدین سے کہا کہ تمہارے نصیب میں دنیا کا حصہ پورا ہو گا اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ۔ اور شیخ شہاب الدین سے کہا کہ تم کو بھی دنیا و آخرت میں راحت ملے گی۔ لیکن شیخ سیف الدین کا (حصہ) زیادہ ہو گا! خواجہ ذکرہ اللہ الخیر نے فرمایا کہ جب شیخ نجم الدین مسجد سے گھر روانہ ہوئے تو شیخ سیف الدین دائیں طرف پیدل چلے اور شیخ شہاب الدین بائیں طرف۔ اسی طرح شیخ سیف الدین نے شیخ کے دائیں پاؤں سے موزہ اُتارا اور شیخ شہاب الدین نے بائیں پاؤں سے اور یہ مشائخ کا ایک اشارہ ہے اس کے بعد شیخ سیف الدین سے کہا تم بخارا جاؤ اور وہاں رہو تم کو بخارا کی ولایت دی۔

شیخ سیف الدین نے عرض کی کہ وہاں علماء بہت ہیں اور ان کا اہل معرفت اہل فقر کے ساتھ تعصب اور مخالفت معلوم (ہی) ہے۔ میرا کیا حال ہو گا؟ شیخ نجم الدین نے کہا تمہارا کام جانا ہے۔ باقی ہم جانیں!

نیشویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی چھٹی تاریخ منگل کو دست بوسی کی دولت میر آئی۔ شیخ احمد ابواسحق گازرہونی کی حکایت نکلی۔ فرمایا کہ ان کا نام شہر بارحق

اور ابواسحق کفایت و لقب۔ پھر ان کی کیفیت بیان فرمائی کہ وہ جاب تہ تھے۔ ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ شاید ایک دفعہ بچپن کے دنوں میں موت تان رہے تھے۔ شیخ عبد اللہ خفیف قدس اللہ سرہ العزیز ان کے پاس سے گزرے اور نگاہ ڈالی تو معلوم نہیں ان کی پیشانی میں کیا دیکھا کہ ابواسحق سے بولے آؤ میرے مرید ہو جاؤ۔ ابواسحق حیران رہ گئے اور کہا کہ میں کیا جانوں مرید کس طرح ہوتے ہیں؟ شیخ عبد اللہ نے کہا کہ تم میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھو اور کہو کہ میں آپ کا مرید ہوتا ہوں۔ ابواسحق نے ایسا ہی کیا۔ شیخ کا ہاتھ تھا ما اور مرید ہو گئے۔ پھر بول چھا کہ میں کیا کروں؟ شیخ عبد اللہ نے فرمایا کہ جو کچھ کھاؤ اس میں دوسروں کا بھی کچھ حصہ رکھو۔ ابواسحق نے اس بات کو مان لیا۔ اس کے بعد جو کھانا بھی ملتا اس میں سے کچھ کسی اور کو بھی دیتے یہاں تک کہ ایک روز تین درویش اس گاؤں میں پہنچے اور ان کے سامنے سے گزرنے لگے۔ وہ اپنے آپ سے بولے کہ یہ تین درویش اس گاؤں میں آئے ہیں اور ٹھہرے نہیں جا رہے ہیں مجھے ان کی کچھ خدمت کرنی چاہیے۔ اس وقت ان کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ انہی کو لیا اور دوڑے اور پیچھے سے نہیں آئے کہ بے ادبی ہوگی سامنے سے آئے اور وہ تین روٹیاں ان تینوں حضرات کے سامنے رکھیں۔ وہ تینوں کے تینوں صاحب دل تھے۔ انہوں نے وہ روٹیاں لے کر کھالیں۔ اور ایک دوسرے سے بولے کہ اس بچے نے تو اپنی طرف سے ایک کام کر لیا، ہمیں بھی اس کا بدلہ کرنا چاہیے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں دنیا بخشتا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ دنیا کی وجہ سے وہ فتنے (امتحان) میں پڑے گا۔ میں عقبی (آخرت) دیتا ہوں یہ

بات ہو ہی رہی تھی کہ تیسرے نے کہا درویش جواں مرد ہوتے ہیں ہم اسے دنیا بھی
بخشتے ہیں اور عقبی بھی! اس موقع پر خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ الواضحیٰ ایک
ایسے کامل حال شیخ ہو گئے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ وہ انتقال کر چکے ہیں مگر آج
تک ان کے روضے میں ایسی نعمت اور راحت ہے جس کی انتہا نہیں۔ ایک جمگھٹا اور
سونا اور چاندی اور طرح طرح کی نعمتیں بے اندازہ (موجود) ہیں۔

پھر شیخ احمد معشوق علیہ الرحمۃ والرضوان کی حکایت آئی۔ ارشاد ہوا کہ وہ
ایک دفعہ عین چلنے کے جاڑے میں آدھی رات کو اپنے گھر سے باہر نکلے اور بہتے
پانی میں جو ہلاکت کی جگہ تھی ٹھہر گئے اور کہنے لگے اے اللہ میں یہاں سے باہر نہیں
نکلوں گا جب تک تو یہ نہ فرمائے کہ میں کون ہوں! انھوں نے ایک آواز سنی کہ تو وہ
ہے کہ کل قیامت کے دن بہت سے لوگ تیری شفاعت کے ذریعے دوزخ سے
ربانی پائیں گے! شیخ احمد بولے میں اس پر بس نہیں کروں گا
دوبارہ آواز سنی کہ تو وہ ہے کہ کل قیامت میں بہت سے لوگ تیری عنایت
سے جنت میں جائیں گے! شیخ بولے کہ میں اس پر بھی قناعت نہیں کروں گا۔ مجھے
بتایا جائے کہ میں کون ہوں۔ اس وقت ایک آواز سنی کہ ہم نے حکم کر رکھا ہے
کہ درویش اور عارف ہمارے عاشق ہیں اور تو ہمارا معشوق ہوگا! پھر جب خواجہ
احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی جگہ سے باہر نکلے اور شہر میں گئے تو جو بھی سامنے سے آتا کہتا تھا
اے شیخ احمد معشوق السلام علیک! خواجہ ذکریہ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو
بہت روئے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں
جب ان سے بہت کہا جاتا کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ کہتے نماز پڑھوں گا مگر (سورہ) فاتحہ
نہیں پڑھوں گا۔ کہا جاتا وہ کیسی نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ جب بہت اصرار کیا گیا

تو بولے اچھا فاتحہ پڑھوں گا مگر ایاک نعبد و ایاک نستعین نہیں پڑھوں گا (ان سے) پھر کہا گیا کہ یہ آیت بھی پڑھو۔ القصہ بہت کچھ کہنے سننے کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور فاتحہ پڑھنے لگے۔ جب اس جگہ پہنچے کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین تو ان کے مبارک اعضاء کے ہر رونگٹے کی جڑ سے خون جاری ہو گیا۔ اس وقت حاضرین کی طرف رخ کر کے بولے میں حیض والی عورت ہوں۔ میرے لئے نماز جائز نہیں ہے!

اکیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رجب کی گیارہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان دنوں بارش کی کمی تھی۔ اس وقت کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ دہلی میں قحط کی شروعات تھی سب نے اتفاق (سے طے) کیا کہ شیخ نظام الدین ابوالموید رحمۃ اللہ علیہ بارش کی دعا کریں شہر کی ساری خلقت باہر نکل۔ شیخ نظام الدین ابوالموید منبر پر تشریف لے گئے اور وعظ کے دوران ہاتھ آستین میں ڈالا اور ایک کپڑا باہر نکالا اور آسمان کی طرف منہ کر کے ہونٹ ہلانے لگے۔ بارش کی بوندیں گرنے لگیں (تو) پھر اپنی تقریر میں لگ گئے۔ بارش تھم گئی۔ (تو) دوبارہ شیخ نظام الدین ابوالموید نے وہ کپڑا آستین سے باہر نکالا اور آسمان کی طرف رخ کیا۔ بارش خوب زور سے برسی غصہ کیا کہ جب گھر میں آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ وہ کپڑا کیا تھا۔ بولے میری ماں کا دامن تھا!

ان کی بزرگی کے بارے میں ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ ان کے چچا زاد یا کسی اور رشتے کے بھائی تھے کبھی کبھی صلہ رحمی رشتے داروں کا خیال رکھنے کی خاطر ان کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ خوش طبع تھے۔ ہر ایک سے خوب مذاق کرتے۔ ایک بار شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس گئے۔ وہ مزاح آمیز باتیں کرنے لگے شیخ نے کہا کہ مجھے تھوڑا دوا چھا ہے کہ کچھ دیر تمہارے برابر بیٹھ جاؤں یا آوارہ اور بد راہ اور رو سیاد چلا جاؤں! یہ بات ایسی عاجزی سے کہی کہ وہ (بھی) رونے لگے۔

بتیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک شعبان کی بیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ ایک دفعہ حضرت سے شیخ احمد معشوق کی حکایت سنی تھی اکثر لوگوں سے اس طرح سنا گیا کہ ان کو محمد معشوق کہتے ہیں چنانچہ اس روز یہ معلوم کیا گیا کہ ان کو محمد معشوق کہتے ہیں یا احمد معشوق؟ ارشاد ہوا کہ احمد محمد معشوق! ان کا نام احمد تھا اور ان کے والد کا محمد۔ یہ تھی روحانی لوگوں کے سونگھنے کی مشک جو تین سال کی مدت میں جمع کی گئی۔ ان پہلے فوائد کی ترتیب کے بعد

جنہیں بارہ سال کی مدت میں پورا کیا گیا تھا۔ یہ دونوں نسخے پندرہ سال کا مجموعہ ہیں۔ اگر اس کے بعد جان کے موتی کو سینے کی سیپی میں کچھ دیر قرار ملا تو اس دریائے رحمت سے ہاتھ آنے والے موتیوں کو قلم کی لٹری میں پرو دیا جائے گا اور بندہ ان جو اہر سے مالا مال ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

چوں بہ قصدِ فرود پست و دو سال بیستم روز از مہرِ شعبان
 از اشارتِ خواجہ جمع آمد این بشارت وہ فتوح جہان
 شیخ ماچو محمد آمد نام حسن اندر ثنائے اوحسان
 جب سات سو سے بائیس سال بڑھ گئے (تو) شعبان کے مہینے کی بیسویں تاریخ
 خواجہ کے ارشادات میں سے جمع کئے گئے (یہ ملفوظات) جو سارے جہان
 کی کشود کی خوش خبری ہیں۔ چونکہ میرے شیخ (میرے پیر) کا نام محمد ہے
 حسن ان کی ثنا کرنے میں حسان ہے

تمام شد

الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

علیہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شاعر تھے

